ترجمہ وشرح اُردو

ہدایہ

از باب طلاق المریض
تا
باب العبد یعتق بعضہ

تصنیف

مترجم وشارح

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تسہیل عنوانات وتخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37221395

فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

احسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ھِدَایَہ

جلد پنجم

از باب طلاق المریض تا باب العبد یعتق بعضہ

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

مترجم و شارح

مُفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تسہیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

نام کتاب: .... احسن الہدایہ (جلد پنجم)

مصنف: .... شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فَقِیْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

احسن الہدایہ

ترجمہ وشرح اردو

ھدایہ

جلد پنجم

از باب طلاق المریض تا باب العبد یعتق بعضہ

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

مترجم وشارح

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تسہیل عنوانات وتخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: .... احسن الہدایہ (جلد پنجم)

مصنف: .... شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

كِتَابُ الْعَتَاقِ

یہ کتاب احکام آزادی کے بیان میں ہے

بَابُ طَلاَقِ الْمَرِيْضِ

یہ باب مریض کی طلاق کے احکام کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے غیر مریض یعنی تندرست اور صحیح شخص کی طلاق کے احکام ومسائل کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے مریض کی طلاق کے مسائل بیان کررہے ہیں اور اسے طلاق الصحیح کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صحت اصل ہے اور مرض عارض ہے اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اصل عارض پر مقدم ہوتا ہے، اسی لیے پہلے اصل کو بیان فرمایا اور اب یہاں سے عارض کو بیان کررہے ہیں۔ صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ المرض معنی یزول بحوله في بدن الحي اعتدال الطبائع یعنی ہر وہ چیز جو زندہ شخص کے بدن میں داخل ہونے کے بعد اس کی طبیعت اور اس کا مزاج ومذاق بدل دے اس کا نام مرض ہے اور اسی مرض سے مریض مشتق ہے۔ (بنایہ ۵/۲۰۴)

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ، وَ إِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهٰذَا الْعَارِضِ، وَ هِيَ السَّبَبُ، وَلِهٰذَا لَا يَرِثُهَا إِذَا مَاتَتْ، وَ لَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ إِرْثِهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ، وَالزَّوْجُ قَصَدَ إِبْطَالَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَأْخِيْرِ عَمَلِهِ إِلٰى زَمَانِ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَ قَدْ أَمْكَنَ، لِأَنَّ النِّكَاحَ فِي الْعِدَّةِ يَبْقٰى فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْآثَارِ فَجَازَ أَنْ يَبْقٰى فِيْ حَقِّ إِرْثِهَا عَنْهُ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْإِنْقِضَاءِ، لِأَنَّهُ لَا إِمْكَانَ، وَالزَّوْجِيَّةُ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِإِرْثِهِ عَنْهَا فَيَبْطُلُ فِيْ حَقِّهِ خُصُوْصًا إِذَا رَضِيَ بِهِ.

ترجمہ: جب انسان نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی اور وہ مرگیا درانحالیکہ اس کی بیوی عدت میں ہے تو بیوی اس شخص کی وارث ہوگی۔ اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد وہ مرا تو بیوی کو میراث نہیں ملے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس عارض (طلاق) کی وجہ سے زوجیت باطل ہوچکی ہے اور زوجیت ہی (وارثت کا) سبب ہے، اسی لیے اگر بیوی مرجائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کے مرض موت میں زوجیت بیوی کے وارث ہونے کا سبب ہے لیکن شوہر نے اسے باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا بیوی سے ضرر ختم کرنے کے لیے

عدت پوری ہونے کے زمانے تک شوہر کے عمل کو مؤخر کر کے اس کے قصد کو اسی پر لوٹا دیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی ہے، کیوں کہ کے عدت میں بعض آثار کے حوالے سے نکاح باقی رہتا ہے، لہٰذا شوہر سے وراثت کے حق میں بھی نکاح کا باقی رہنا ممکن ہوگا۔

برخلاف عدت پوری ہو جانے والی صورت کے، کیوں کہ اب تاخیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور زوجیت اس حالت میں بیوی سے شوہر کے وارث ہونے کا سبب نہیں ہے، لہٰذا شوہر کے حق میں سبب باطل ہو جائے گا خاص کر اس وقت جب شوہر اس بطلان سے راضی ہو۔

اللغاتُ:

﴿ورثته﴾ اس کی وارث ہوگی۔ ﴿انقضاء﴾ گزر جانا ختم ہونا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔

مرض وفات میں دی گئی طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کی یہ بیوی اس شخص کی وارث بنے گی اور شوہر کی وارثت میں سے بیوی کو اس کا حق اور حصہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر مذکورہ مطلقہ بیوی کی عدت پوری ہونے کے بعد اس کے شوہر کی وفات ہوئی تو اب بیوی وارثت کی حق دار نہیں ہوگی اور میراث سے محروم رہے گی۔ یہ تفصیل تو ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے بعد بیوی کو مطلقاً وارثت نہیں ملے گی، خواہ اس کی عدت کے دوران شوہر کی وفات ہو یا عدت کے بعد ہو، ان کی دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کی میراث سے وارثت پانے کا سبب رشتۂ زوجیت کی بقاء ہے، لہٰذا اگر زوجیت باقی رہے گی تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، لیکن اگر زوجیت ختم ہو جائے گی تو کوئی کسی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں چوں کہ طلاق بائن کے وجہ سے زوجیت ختم ہو چکی ہے، اس لیے کوئی کسی کا وارث نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر اس حال میں بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، لہٰذا جب طلاق بائن شوہر کے لیے مبطلِ میراث ہے تو بیوی کے لیے بھی مبطل میراث ہوگی۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ بقائے زوجیت میراث کا سبب ہے اور شوافع بھی اس کے قائل ہیں۔ اور مرض وفات میں زوجیت وراثت کا سبب ہے بایں معنی کہ اس مرض میں ورثاء اور بیوی کا حق شوہر کے مال سے متعلق ہو جاتا ہے، اسی لیے مرض وفات میں نہ تو شوہر کے لیے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا درست ہے اور نہ ہی اس سے زائد کسی حق وغیرہ کا اقرار کرنا صحیح ہے، کیوں کہ مرض وفات میں اس کے مال سے ورثاء اور بیوی کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور اس حالت میں اگر شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے حق کو باطل اور ضائع کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کی یہ چاہت اس کے منہ پر مار دی جائے گی اور بطلانِ زوجیت والے عمل کو عدت پوری ہونے تک مؤخر کر کے بیوی کو اس کا حق اور اس کی میراث دلائی جائے گی۔

وقد أمکن الخ: صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر کے قصد کو انقضائے عدت کے زمانے تک مؤخر کرنا ممکن بھی ہے کہ عدت کے دوران من وجہ عورت کا نکاح اور اس کی زوجیت قائم رہتی ہے، چنانچہ عدت کے دوران نہ تو وہ دوسری شادی کر سکتی ہے، نہ ہی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور نہ ہی شوہر مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن یا کسی چوتھی عورت سے نکاح کر سکتا ہے،

اس لیے جب انقضائے عدت تک میاں بیوی دونوں کے حق میں زوجیت باقی رہتی ہے تو اس حالت میں بیوی شوہر کی وارث ہوگی اور بلا وجہ اسے رواثت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

اس کے برخلاف عدت ختم ہو جانے کے ساتھ ہی چوں کہ نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے اور زوجین میں رتی برابر بھی زوجیت باقی نہیں رہتی، اس لیے انقضائے عدت کے بعد شوہر کے قصد اور اس کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن نہیں ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر عدت مکمل ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہو تب بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔

والزوجية الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرض وفات میں شوہر بیوی کو طلاق دیدے اور پھر بیوی اچانک مرجائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ مرض وفات میں طلاق دینا میراث سے محروم ہونے کا سبب ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی سمجھا ہے، بلکہ اس حالت میں بیوی کے مرنے سے شوہر اس لیے اس کا وارث نہیں ہوتا کہ صورت مسئلہ میں پیش آمدہ حالت کے وقت بیوی کا حق شوہر کے مال سے متعلق ہوتا ہے، نہ کہ شوہر کا، لہٰذا جب مرض وفات میں شوہر کا حق بیوی کے مال سے متعلق نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ بیوی کی موت سے اس کا حق میراث باطل ہو جائے گا۔ اور پھر اس بطلان میں خود ''میاں بیوی'' کا اپنا ہاتھ بھی تو ہے، کیوں کہ میاں جی نے تو بیوی کو طلاق دے کر خود ہی اپنی میراث کے بطلان کی گھنٹی بجادی ہے، لہٰذا جب خود شوہر ہی اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہے تو بے چارہ قاضی کیا کرے گا۔

صاحب نہایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فقہائے احناف نے اس موقعہ پر اجماع صحابہ سے دلیل پیش کر کے اس مسئلے کو دلیل نقلی سے بھی مزین کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو (جن کا نام تماضر تھا) مرض وفات میں طلاق دے دی تھی اور عدت کے دوران ہی حضرت عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا تھا لیکن پھر بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تماضر کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وارث قرار دے کر انہیں ان کی میراث سے حصہ دلایا تھا **وكان ذلك بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه أحد، فحل محل الإجماع** یعنی یہ معاملہ حضرات صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا تھا، لیکن کسی نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی جس سے یہ حکم محل اجماع میں داخل ہو گیا تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ اجماع بھی حجج شرعیہ میں سے ایک اہم حجت ہے۔

وَ إِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا بِأَمْرِهَا أَوْ قَالَ لَهَا اخْتَارِي فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا أَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْهُ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِإِبْطَالِ حَقِّهَا، وَالتَّأْخِيرُ لِحَقِّهَا، وَ إِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِي لِلرَّجْعَةِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتْهُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيْلُ النِّكَاحَ فَلَمْ تَكُنْ بِسُؤَالِهَا رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ حَقِّهَا.

ترجمہ: اور اگر بیوی کے حکم سے شوہر نے اسے تین طلاق دی، یا شوہر نے اس سے اختاری کہا اور بیوی نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا شوہر سے خلع لے لیا پھر شوہر مر گیا اور بیوی عدت میں ہو تو اس کی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہو چکی ہے حالاں کہ تاخیر اسی کے حق کی وجہ سے تھی۔ اور اگر بیوی نے شوہر سے کہا مجھے طلاق رجعی دیدو لیکن اس نے اسے تین طلاق دے دی تو بیوی اس کی وارث ہوگی۔ اس لیے کہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی، لہٰذا وہ طلاق کا سوال کر کے اپنا حق باطل کرنے پر راضی نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿اختلعت﴾ خلع لے لی۔ ﴿رضیت﴾ رضا مند ہوگئی۔ ﴿إبطال﴾ باطل کرنا۔

مطلقہ کی وہ صورت جب وہ عدت میں ہوتے ہوئے بھی وارث ترکہ نہیں ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یہ کہا کہ تم مجھے تین طلاق دیدو، چنانچہ شوہر صاحب نے میم صاحب کی فرماں برداری کرتے ہوئے اسے تین طلاق دیدی، یا بیوی نے شوہر سے خلع لے لیا، اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا اور بیوی ابھی تک عدت ہی میں ہو پھر بھی وہ شوہر کی وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ اس سے پہلے والے مسئلے میں جو عمل طلاق کو مؤخر کیا گیا ہے وہ بیوی کے حق کی وجہ سے تھا، مگر صورت مسئلہ میں چوں کہ بیوی نے خود ہی طلاق کا مطالبہ کیا ہے تو گویا بیوی از خود اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے، اس لیے اس کا حق میراث باطل ہو جائے گا اور وہ میراث سے محروم ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یوں کہا کہ مجھے طلاق رجعی دیدو، لیکن شوہر نے طلاق رجعی کے بجائے اسے تین طلاق دے کر مغلظ کر دیا اور عدت کے دوران شوہر کی وفات ہوگئی تو بیوی اس کی وارث ہوگی، کیوں کہ اس مسئلے میں بیوی نے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا تھا اور طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوتا، اس لیے طلاق رجعی کا سوال کرنے کی وجہ سے بیوی اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگی اور جب وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اسے وراثت سے محروم بھی نہیں کیا جائے گا۔

وَ إِنْ قَالَ لَهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ كُنْتُ طَلَّقْتُكِ ثَلٰثًا فِيْ صِحَّتِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَصَدَّقَتْهُ ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصٰى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَ مِنَ الْمِيْرَاثِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَجُوْزُ إِقْرَارُهُ وَ وَصِيَّتُهُ، وَ إِنْ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فِيْ مَرَضِهِ بِأَمْرِهَا ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصٰى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَ مِنَ الْمِيْرَاثِ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا ، إِلَّا عَلٰى قَوْلِ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنَّ لَهَا جَمِيْعَ مَا أَوْصٰى وَ مَا أَقَرَّ بِهِ، لِأَنَّ الْمِيْرَاثَ لَمَّا بَطَلَ بِسُؤَالِهَا زَالَ الْمَانِعُ مِنْ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ، وَجْهُ قَوْلِهِمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُوْلٰى أَنَّهُمَا لَمَّا تَصَادَقَا عَلَى الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً عَنْهُ حَتّٰى جَازَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَهَا فَانْعَدَمَتِ التُّهْمَةُ ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهَا وَ يَجُوْزُ وَضْعُ الزَّكَاةِ فِيْهَا، بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ بَاقِيَةٌ وَهِيَ سَبَبُ التُّهْمَةِ، وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ التُّهْمَةِ ، وَ لِهٰذَا يُدَارُ عَلَى النِّكَاحِ وَالْقَرَابَةِ، وَ لَا عِدَّةَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُوْلٰى، وَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ أَنَّ التُّهْمَةَ قَائِمَةٌ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ قَدْ تَخْتَارُ الطَّلَاقَ لِيَنْفَتِحَ بَابُ الْإِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ عَلَيْهَا فَيَزِيْدُ حَقُّهَا، وَالزَّوْجَانِ قَدْ يَتَوَاضَعَانِ عَلَى الْإِقْرَارِ بِالْفُرْقَةِ وَانْقِضَاءِ

الْعِدَّةِ لِيَبَرَّهَا الزَّوْجُ بِمَالِهِ زِيَادَةً عَلَى مِيْرَاثِهَا، وَ هٰذِهِ التُّهْمَةُ فِي الزِّيَادَةِ فَرَدَدْنَاهَا، وَ لَا تُهْمَةَ فِي قَدْرِ الْمِيْرَاثِ فَصَحَّحْنَاهُ، وَلَا مُوَاضَعَةَ عَادَةً فِي حَقِّ الزَّكَاةِ وَالتَّزَوُّجِ وَالشَّهَادَةِ فَلَا تُهْمَةَ فِي حَقِّ هٰذِهِ الْأَحْكَامِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنے مرض موت میں بیوی سے کہا کہ میں اپنی صحت کی حالت میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں اور تمہاری عدت پوری ہو چکی ہے، چنانچہ بیوی نے اس کی تصدیق کر دی پھر شوہر نے بیوی کے لیے کسی قرض کا اقرار کیا یا اس کے لیے کوئی وصیت کی تو امام اعظم رطیٹیلہ کے یہاں اس عورت کو دین، وصیت اور میراث میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہی ملے گی۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر کا اقرار اور وصیت دونوں جائز ہیں۔

اور اگر شوہر نے اپنے مرض وفات میں بیوی کے حکم سے اسے تین طلاق دی، پھر اس کے لیے کسی دین کا اقرار کیا یا کسی چیز کی وصیت کی تو سب کے یہاں بیوی کو دین، وصیت اور میراث میں سے جو کم ہوگا وہی ملے گا، لیکن امام زفر کے یہاں بیوی کو وصیت اور شوہر کے اقرار کیے ہوئے دین کا پورا پورا حصہ ملے گا، اس لیے کہ عورت کے سوال کرنے کی وجہ سے جب میراث باطل ہوگئی تو اقرار اور وصیت کی صحت کا مانع زائل ہوگیا۔

پہلے مسئلے میں حضرات صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ زوجین نے جب طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا تو بیوی شوہر سے اجنبیہ ہوگئی حتیٰ کہ اس شوہر کے لیے اس عورت کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، لہٰذا تہمت معدوم ہوگئی، کیا تم دیکھتے نہیں کہ عورت کے حق میں اس مرد کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے اور مرد کے لیے اس عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

برخلاف دوسرے مسئلے کے، کیوں کہ عدت باقی ہے اور سبب تہمت ہے اور حکم کا دار و مدار دلیلِ تہمت ہی پر ہوتا ہے اسی لیے نکاح اور قرابت پر حکم دائر ہوتا ہے اور پہلے مسئلے میں عدت نہیں ہے۔

دونوں مسئلوں میں حضرت امام اعظم رطیٹیلہ کی دلیل یہ ہے کہ تہمت موجود ہے، اس لیے کہ عورت کبھی اس لیے طلاق کو اختیار کرتی ہے تا کہ اس پر اقرار اور وصیت کا دروازہ کھل جائے اور اس کا حق بڑھ جائے۔ اور کبھی میاں بیوی فرقت کے اقرار اور انقضائے عدت پر اس لیے اتفاق کرتے ہیں تا کہ شوہر بیوی کی میراث پر بطور تبرع کچھ اضافہ کر کے اسے دیدے اور یہ تہمت چوں کہ اضافے میں ہے، اس لیے ہم نے اضافے کو رد کر دیا اور میراث کی مقدار میں تہمت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اسے درست قرار دیدیا۔ اور زکوٰۃ، تزوج اور گواہی کے متعلق عادتاً اتفاق نہیں کیا جاتا، اس لیے ان کے احکام کے حق میں تہمت معتبر نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿انقضت﴾ گزر گئی۔ ﴿صدقت﴾ عورت نے تصدیق کی۔ ﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿تصادقا﴾ دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوتا ہے۔ ﴿قرابة﴾ رشتہ داری۔ ﴿ینفتح﴾ کھل جائے۔

مرض الموت میں طلاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے مرض وفات میں اپنی بیوی سے کہا کہ میں صحت اور تندرستی کے زمانے میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں اور اس وقت تمہاری عدت بھی پوری ہو چکی ہے، اور بیوی نے اپنے شوہر کی تصدیق بھی کر دی، اس کے بعد شوہر

نے بیوی کے لیے کچھ قرضہ کا اقرار کیا اور یہ کہا کہ میری بیوی کا مجھ پر اتنا قرضہ باقی ہے جو واجب الاداء ہے، یا اس نے بیوی کے لیے کچھ مال دینے کی وصیت کی تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قرض، وصیت اور بیوی کی میراث ان تینوں چیزوں میں سے جو چیز کم مقدار میں ہوگی وہ ملے گی، مثلاً اگر شوہر نے ۲؍دو ہزار قرضے کا اقرار کیا ہو اور ایک ہزار کی وصیت کی ہو اور بیوی کی میراث کل پانچ سو ہو تو بیوی کو میراث کا حق ملے گا اور وہ صرف پانچ سو روپے کی حقدار ہوگی۔

حضرات صاحبینؒ کے یہاں بیوی کو اقرار کردہ قرضہ اور وصیت کی پوری رقم دی جائے گی خواہ یہ رقم اس کے حصۂ میراث سے کم ہو یا زیادہ ہو۔

اسی سے ملتا جلتا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے مرض وفات میں اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر نے اسے تین طلاق دے دی پھر اس کے لیے کسی قرض کا اقرار کیا یا مال سے کسی مقدار کی وصیت کی تو اس صورت میں حضرات صاحبینؒ اور امام صاحبؒ سب کے یہاں بیوی کو وہی مقدار ملے گی جو دین، وصیت اور میراث میں سب سے کم ہوگی، جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی بیوی کو اقرار اور وصیت کا پورا مال دیا جائے گا خواہ وہ اس کی میراث سے کم ہو یا زیادہ۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی میراث دونوں مسئلوں اور دونوں صورتوں میں باطل ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں وہ شوہر کے طلاق دینے کی تصدیق کر چکی ہے اور دوسری صورت میں اس نے از خود طلاق کا سوال کیا ہے اور رضاء طلاق اور سوالِ طلاق دونوں چیزیں مبطلِ میراث ہیں، لہٰذا جب عورت کی میراث باطل ہے تو ظاہر ہے کہ اسے مقربہ اور موصیٰ بہ کی پوری مقدار دلوائی جائے گی۔

حضرات صاحبینؒ پہلے مسئلے میں چوں کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں اس لیے اس مسئلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب زوجین نے وقوع طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا ہے تو اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ اس اقرار اور اتفاق کے بعد اس شخص کے لیے مذکورہ عورت کی بہن سے نکاح کرنا بھی درست ہے اور اس عورت کو اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بھی درست ہے، اگر وہ عورت اس مرد کے حق میں اجنبیہ نہ ہوتی تو اس شخص کے لیے نہ تو اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوتا اور نہ ہی اسے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا درست ہوتا، لہٰذا ان چیزوں کا جواز اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ عورت اس کے حق میں اجنبیہ ہوگئی اور جس طرح دیگر اجانب کے لیے قرض کا اقرار یا وصیت کرنا درست ہے اسی طرح اس عورت کے لیے بھی یہ دونوں چیزیں درست اور جائز ہیں اور پھر اجنبیہ ہونے کی وجہ سے ایک وارث کو دوسرے پر ترجیح دینے کی تہمت بھی معدوم ہوگئی ہے، اس لیے اس عورت کے لیے قرض کے اقرار اور وصیت کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور دونوں چیزیں اسے دی اور دلوائی جائیں گی۔

اس کے برخلاف دوسرے مسئلے میں اس عورت کے لیے قرض کا اقرار اور وصیت درست نہیں ہے کیوں کہ ابھی وہ عورت اس شوہر کی بیوی ہے، اس لیے کہ اس کی عدت باقی ہے اور عدت کے باقی رہتے ہوئے من وجہ نکاح باقی رہتا ہے، لہٰذا وہ عورت اس کی وارث ہے اور اس صورت میں اقرار وصیت کو جائز قرار دینے میں ترجیح کی تہمت موجود ہے اور یہاں تہمت بشکل دلیل موجود ہے جسے صاحب کتاب نے دلیل تہمت سے تعبیر کیا ہے یعنی عدت جو سبب تہمت ہے وہ دراصل خود تہمت نہیں ہے بلکہ دلیل تہمت ہے اور تہمت معدوم، ہونے کی صورت میں دلیل تہمت بھی موثر ہوتی ہے اور تہمت ہی کا کام کرتی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں دلیل تہمت بھی اقرار دین اور جواز وصیت کے لیے مانع بن جائے گی۔

ولهذا يدار الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل تہمت صرف اسی مسئلے میں مؤثر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی مسائل میں دلیل تہمت اپنا رنگ اور اثر دکھاتی ہے مثلاً زوجین میں سے ایک کے حق میں دوسرے کی شہادت مقبول نہیں ہے، اسی طرح قریبی رشتہ دار کے حق میں قریبی رشتے دار کی شہادت بھی معتبر نہیں ہے، کیوں کہ اگر چہ یہاں کوئی تہمت نہیں ہے اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں ہے مگر پھر بھی قرابت کی قوت ہے اور یہی قوتِ قرابت ہی تہمت کی دلیل ہے جو مانع عن القبولیت ہے اس کے برخلاف پہلے مسئلے میں چوں کہ عورت کی عدت بھی ختم ہو چکی ہے، اس لیے نہ تو وہاں تہمت ہے اور نہ ہی دلیل تہمت، اسی لیے اس صورت میں اقرار دین اور وصیت دونوں چیزیں درست اور جائز ہیں۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل (اور صاحبین کی دلیل کا جواب) یہ ہے کہ یہاں صرف ایک طرف نظر کر کے تہمت کی نفی کرنا درست نہیں ہے بلکہ جس طرح دوسرے مسئلے میں تہمت موجود ہے اسی طرح پہلے مسئلے میں بھی تہمت موجود ہے اور وہ اس طرح ہے کہ کبھی کبھی عورت زیادتی مال کی وجہ سے طلاق کو اختیار کرتی ہے اور اخیر عمر میں شوہر پر بیوی کی محبت اور اس کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اس لیے بیوی کو زیادہ مال دینے کے لیے شوہر اسے طلاق دے دیتا ہے یا وہ دونوں اس لیے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہونے پر اتفاق کر لیتے ہیں تا کہ شوہر اپنے مال میں سے دیگر ورثاء کی بہ نسبت بیوی کو کچھ زیادہ مال دیدے اور اس کا حصہ دیگر ورثاء سے بڑھ جائے، بہر حال دونوں صورتوں میں چوں کہ تہمت کا تعلق زیادتی سے ہے، اس لیے ہم نے اس زیادتی کو منقطع کر دیا اور یہ کہا کہ دونوں صورتوں میں جو مقدار کم ہوگی وہی ملے گی خواہ قرض یا وصیت کم ہو یا پھر میراث، بہر حال جو مقدار بھی کم ہوگی وہی ملے گی۔ اور چوں کہ بیوی کی میراث میں کسی طرح کی کوئی تہمت نہیں ہے، اس لیے میراث اپنی حالت پر باقی رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں ہوگی۔

ولا مواضعة الخ: یہاں سے حضرات صاحبین کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میراث وغیرہ کو شہادت اور تزوج پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ میراث وغیرہ میں تو تہمت موجود رہتی ہے یا اس کا احتمال رہتا ہے جب کہ شہادت اور تزوج میں نہ تو تہمت موجود رہتی ہے اور نہ ہی تہمت کا شائبہ رہتا ہے، کیوں کہ بیوی کے حق میں گواہی دینے یا اس کی بہن سے شادی کرنے کے لیے اسے طلاق دینا یا اس کے طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کرنا حماقت و نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

قَالَ وَ مَنْ كَانَ مَحْصُوْرًا أَوْ فِيْ صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ إِمْرَأَتَهُ ثَلٰثًا لَمْ تَرِثْهُ وَ إِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ رَجُلًا أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ فِيْ قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ وَرِثَتْ إِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ، وَ أَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا أَنَّ إِمْرَأَةَ الْفَارِّ تَرِثُ اِسْتِحْسَانًا وَ إِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، وَ إِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ غَالِبًا كَمَا إِذَا كَانَ صَاحِبَ الْفِرَاشِ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ بِحَالٍ لَا يَقُوْمُ بِحَوَائِجِهِ كَمَا يَعْتَادُهُ الْأَصِحَّاءُ، وَ قَدْ يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا هُوَ فِيْ مَعْنَى الْمَرَضِ فِيْ تَوَجُّهِ الْهَلَاكِ الْغَالِبِ، وَ مَا يَكُوْنُ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةَ، لَا يَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ، فَالْمَحْصُوْرُ وَالَّذِيْ فِيْ صَفِّ الْقِتَالِ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةُ، لِأَنَّ الْحِصْنَ لِدَفْعِ بَأْسِ الْعَدُوِّ وَ كَذَا الْمَنَعَةُ فَلَا

يَثْبُتُ بِهٖ حُكْمُ الْفِرَارِ، وَالَّذِيْ بَارَزَ أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْهَلَاكُ فَتَحَقَّقَ بِهِ الْفِرَارُ، وَلِهٰذَا أَخَوَاتٌ تَخْرُجُ عَلٰى هٰذَا الْحَرْفِ، وَ قَوْلُهٗ إِذَا مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهٗ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا مَاتَ بِذٰلِكَ السَّبَبِ أَوْ بِسَبَبٍ آخَرَ كَصَاحِبِ الْفِرَاشِ بِسَبَبِ الْمَرَضِ إِذَا قُتِلَ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جو شخص محصور ہو یا قتال کی صف بندی کیے ہوئے ہو اور اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہو تو اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ شخص کسی آدمی سے مقابلے کے لیے نکلا یا قصاص یا رجم میں قتل کیے جانے کے لیے پیش کیا گیا تو اگر وہ اس صورت میں مرجائے یا قتل کردیا جائے تو اس کی بیوی وارث ہوگی۔ اور اس کی اصل وہ ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں کہ میراث سے بھاگنے والے کی بیوی استحساناً وارث ہوگی۔ اور فرار کا حکم شوہر کے مال سے عورت کے حق کے متعلق ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حق اس مرض سے متعلق ہوتا ہے جس سے اکثر ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ اس صورت میں جب شوہر صاحب فراش ہو اور وہ ایسی حالت پر ہو کہ شوہر صحت مند لوگوں کی طرح عادتاً اپنی ضروریات انجام نہ دے سکتا ہو اور کبھی کبھی اس چیز سے فرار کا حکم ثابت ہوتا ہے جو غلبۂ ہلاکت میں مرض کے معنی میں ہو۔ اور وہ چیز جس سے سلامتی غالب ہو اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا قلعے میں محصور اور قتال کے لیے صف آراء شخص کی طرف سے سلامتی غالب رہتی ہے، اس لیے کہ قلعہ دشمن کا ضرر دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور لشکر بھی اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص جو مڈبھیڑ کے لیے نکلا ہو یا مقتول ہونے کے لیے پیش کیا گیا ہو اس سے ہلاکت غالب رہتی ہے اس لیے اس سے فرار متحقق ہوجائے گا۔

اور اس مسئلے کی اور بھی نظیریں ہیں جو اسی اصل پر نکالی جائیں گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا إذا مات في ذلك الوجه أو قتل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سبب سے مرنے میں یا کسی دوسرے سبب سے مرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے مرض کی وجہ سے صاحب فراش کو جب قتل کردیا گیا ہو۔

اللغات:

﴿محصور﴾ محاصرے میں آیا ہو۔ ﴿بارز﴾ مقابلہ کیا۔ ﴿قُدِّم﴾ آگے کیا گیا۔ ﴿فارّ﴾ فرار ہونے والا۔ ﴿حوائج﴾ واحد حاجۃ؛ ضروریات۔ ﴿یعتادہ﴾ یہ عادت میں ہوتا ہے۔ ﴿أصحّاء﴾ واحد صحیح؛ تندرست۔ ﴿حصن﴾ قلعہ، فصیل۔ ﴿بأس﴾ حرج، ضرر۔ ﴿حرف﴾ طرز، طریقہ۔

مرض الموت میں طلاق کا ضابطہ اور اصول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قلعے میں محصور ہو اور محافظوں نے اس کا گھیراؤ کر رکھا ہو یا وہ شخص لڑنے کے لیے صف بندی کر چکا ہو اور اس نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی بیوی اس شخص کی وارث نہیں ہوگی۔ مسئلے کی ایک شق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان جنگ میں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نکلا یا کوئی شخص قصاص یا رجم میں مقتول ہونے کے لیے پیش کیا گیا اور اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیا، اب اگر وہ شخص اسی مسئلے میں قتل کردیا جاتا ہے یا کسی اور وجہ سے وہ مقتول ہوجاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ وراثت سے فرار اختیار کرنے والے شخص کی بیوی استحساناً وارث ہوگی، لیکن قیاساً وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ وارث ہونے کا سبب موت کے ذریعہ نکاح کا ختم ہونا ہے اور صورت مسئلہ کی پہلی شق میں میاں بیوی کا نکاح طلاق کے ذریعہ ختم ہوا ہے نہ کہ موت کے ذریعے، لہٰذا اس صورت میں ثبوت میراث کا سبب نہیں پایا گیا، اس لیے بیوی وارث بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ حکم بغیر سبب کے ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن ہم پہلے ہی یہ عرض کر آئے ہیں کہ استحساناً امرأت فار (فرار ہونے والے کی بیوی) وارث ہوگی، کیوں کہ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

وإنما يثبت الخ: ابھی تک تو امرأۃ فار کے سلسلے میں مسائل کا بیان تھا، اب حسب عادت صاحب ہدایہ فار اور فرار کے ثبوت اور اس کے تحقق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب شوہر کے مال سے عورت کا حق متعلق ہو تو فار اور فرار کا حکم ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر اس پوزیشن اور اس حالت میں شوہر بیوی کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیوی کی وارثت سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے رہا یہ مسئلہ کہ عورت کا حق کب شوہر کے مال سے متعلق ہوگا؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اگر شوہر کو ایسا مرض لاحق ہو جائے جس میں موت کا پیش آنا یقینی ہو، مثلاً، شوہر ایسا صاحب فراش ہو کہ صحت مند لوگوں کی طرح اپنی ضروریات پوری نہ کر سکتا ہو اور بقول صاحب بنایہ گھر سے مسجد جانے اور بول و براز کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں عورت کا حق اس کے مال سے متعلق ہو جائے گا اور اگر اس حالت میں شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو فرار ثابت ہو جائے گا۔

وقد يثبت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ فرار کا حکم صرف مرض کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو مرض کے معنی میں ہو اور اس سے ہلاکت وموت غالب ہو اس کے پیش آنے سے فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا، مثلاً انسان کشتی میں سوار ہو اور دریا میں طغیانی آجائے یا کسی عمارت میں ہو اور اس میں آگ لگ جائے تو چوں کہ ان صورتوں میں موت غالب رہتی ہے، اس لیے ان حالتوں میں طلاق دینے سے فرار ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف وہ چیز جس میں سلامتی غالب ہو اور اس کے پیش آنے اور اس حالت میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس مسئلے میں اصل اور بنیادی پوائنٹ ہے اور اسی کو سمجھنے پر مسئلے کا سمجھنا موقوف ہے چنانچہ محصور شخص اور قتال کی صف میں موجود شخص کے حق میں سلامتی غالب رہتی ہے، کیوں کہ قلعہ دشمن کے حملوں سے حفاظت کے لیے تعمیر کیا جاتا ہے، اسی طرح جنگ کی صف بندی میں پورا لشکر ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنے ساتھیوں کی حفاظت میں لگا رہتا ہے، اس لیے ان دونوں کے حق میں چوں کہ سلامتی غالب رہتی ہے، لہٰذا اس پوزیشن میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوگا اور جب فرار ثابت نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس حالت میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوگی اور عدت گذرنے کے بعد بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف مڈبھیڑ کرنے والے شخص کے حق میں یا قتل کے لیے پیش کیے جانے والے شخص کے حق میں ہلاکت غالب رہتی ہے، اس لیے اس موقع پر ایسے شخص کی طرف سے دی جانے والی طلاق پر فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا اور بیوی وراثت کی حق دار ہوگی۔

ولهذا أخوات الخ: فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں جو اسی غالب منه الموت اور غالب منه السلامة والی اصل پر نکالی جائیں گی، چنانچہ جس حالت میں سلامتی غالب ہو اس میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوگا اور جس حالت میں موت غالب ہو اس حالت میں دی ہوئی طلاق سے فرار ثابت ہو جائے گا۔

وقوله إذا مات الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ اگر شوہر اس سبب سے مر جائے تو فرار کا حکم

ثابت ہوگا، یہ فرمان اور یہ عبارت شرط نہیں ہے بلکہ اس بات کا بیان اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جریان وراثت کے لیے شوہر کا مرنا شرط ہے خواہ وہ کسی بھی سبب سے مرجائے، جیسے اگر کوئی شخص صاحب فراش ہو اور سخت بیمار ہو، لیکن کسی وجہ سے وہ قتل کردیا جائے تو اگر چہ وہ فطری موت نہیں مرا، لیکن پھر بھی اس پر فطری موت کا حکم لاگو ہوگا اور اس موت کی وجہ سے (طلاق دینے کی صورت میں) اس کی بیوی پر امرأة فار کا حکم لگے گا اور وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی۔

وَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَهُوَ صَحِيْحٌ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ أَوْ إِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ أَوْ إِذَا صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ أَوْ إِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَكَانَتْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ وَالزَّوْجُ مَرِيْضٌ لَمْ تَرِثْ، وَ إِنْ كَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ إِلَّا فِيْ قَوْلِهِ إِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ، وَ هٰذَا عَلٰى وُجُوْهٍ إِمَّا أَنْ يُعَلِّقَ الطَّلَاقَ بِمَجِيْءِ الْوَقْتِ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ أَوْ بِفِعْلِ نَفْسِهِ أَوْ بِفِعْلِ الْمَرْأَةِ، وَ كُلُّ وَجْهٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ، إِمَّا إِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كِلَاهُمَا فِي الْمَرَضِ، أَمَّا الْوَجْهَانِ الْأَوَّلَانِ وَهُوَ مَا إِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ بِمَجِيْءِ الْوَقْتِ بِأَنْ قَالَ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ بِأَنْ قَالَ إِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ أَوْ صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ وَ كَانَ التَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ فَلَهَا الْمِيْرَاثُ، لِأَنَّ الْقَصْدَ إِلَى الْفِرَارِ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهُ بِمُبَاشَرَةِ التَّعْلِيْقِ فِيْ حَالِ تَعَلَّقَ حَقُّهَا بِمَالِهِ، وَ إِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ لَمْ تَرِثْ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَرِثُ، لِأَنَّ الْمُعَلَّقَ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُوْدِ الشَّرْطِ كَالْمُنَجَّزِ فَكَانَ إِيْقَاعًا فِي الْمَرَضِ، وَ لَنَا أَنَّ التَّعْلِيْقَ السَّابِقَ يَصِيْرُ تَطْلِيْقًا عِنْدَ الشَّرْطِ حُكْمًا، لَا قَصْدًا وَ لَا ظُلْمَ إِلَّا عَنْ قَصْدٍ فَلَا يُرَدُّ تَصَرُّفُهُ، فَأَمَّا الْوَجْهُ الثَّالِثُ وَهُوَ مَا إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِ نَفْسِهِ فَسَوَاءٌ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كَانَا فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهُ مِنْهُ بُدٌّ أَوْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ فَيَصِيْرُ فَارًّا لِوُجُوْدِ قَصْدِ الْإِبْطَالِ إِمَّا بِالتَّعْلِيْقِ أَوْ بِمُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ فِي الْمَرَضِ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ فِعْلِ الشَّرْطِ بُدٌّ فَلَهُ مِنَ التَّعْلِيْقِ أَلْفُ بُدٍّ فَيُرَدُّ تَصَرُّفُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَ أَمَّا الْوَجْهُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِهَا فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ كَكَلَامِ زَيْدٍ وَنَحْوِهِ لَمْ تَرِثْ لِأَنَّهَا رَاضِيَةٌ بِذٰلِكَ، وَ إِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ كَأَكْلِ الطَّعَامِ وَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَ كَلَامِ الْأَبَوَيْنِ تَرِثُ، لِأَنَّهَا مُضْطَرَّةٌ فِي الْمُبَاشَرَةِ لِمَا لَهَا فِي الْإِمْتِنَاعِ مِنْ خَوْفِ الْهَلَاكِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْعُقْبٰى، وَ لَا رِضَاءَ مَعَ الْإِضْطِرَارِ، وَ أَمَّا إِذَا كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ إِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ فَلَا إِشْكَالَ أَنَّهُ لَا مِيْرَاثَ لَهَا، وَ إِنْ كَانَ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ،

لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ مِنَ الزَّوْجِ صُنْعٌ بَعْدَ مَا تَعَلَّقَ حَقُّهَا بِمَالِهِ، وَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ وَ أَبِي يُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ تَرِثُ، لِأَنَّ الزَّوْجَ أَلْجَأَهَا إِلَى الْمُبَاشَرَةِ فَيَنْتَقِلُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ كَأَنَّهَا آلَةٌ لَهُ كَمَا فِي الْإِكْرَاهِ.

ترجمہ: اور جب مرد نے اپنی صحت کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ جب چاند رات آئے یا جب تو گھر میں داخل ہو یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے یا جب فلاں آدمی گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے پھر یہ چیزیں اس حالت میں پیش آئیں کہ شوہر مریض تھا تو اس کی بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ کہنا بیماری کی حالت میں ہو تو بیوی وارث ہوگی، مگر شوہر کے إذا دخلتِ الدار کہنے والی صورت میں (وارث نہیں ہوگی) اور یہ مسئلہ چند صورتوں پر ہے، یا تو شوہر طلاق کو وقت کے آنے پر معلق کرے گا یا اجنبی کے فعل پر معلق کرے گا یا اپنے فعل پر یا عورت کے فعل پر معلق کرے گا اور ہر صورت کی دو صورتیں ہیں، یا تو تعلیق بحالت صحت ہوگی اور شرط بحالت مرض ہوگی یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں گی۔ رہی پہلی دونوں صورتیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تعلیق وقت کے آنے پر ہو بایں طور کے شوہر نے یوں کہا ہو کہ جب چاند رات آئے تو تجھے طلاق ہے، یا تعلیق اجنبی کے فعل پر ہو بایں طور کہ شوہر نے یوں کہا ہو کہ جب فلاں شخص گھر میں داخل ہوگا، یا فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے گا، اور شرط و تعلیق دونوں بحالت مرض ہوں گے تو عورت کو میراث ملے گی، کیوں کہ شوہر کی طرف سے فرار کا ارادہ متحقق ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس نے تعلیق کو ایسی حالت میں انجام دیا ہے جس حالت میں شوہر کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ اور اگر تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط بحالت مرض ہو تو بیوی وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وارث ہوگی، اس لیے کہ جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ وجود شرط کے وقت منجز کی طرح ثابت ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ بحالت مرض ایقاع شرط کے درجے میں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعلیق سابق وجودِ شرط کے وقت حکماً تعلیق ہوگی نہ کہ قصداً۔ اور قصد کے بغیر ظلم متحقق نہیں ہوتا، اس لیے شوہر کا تصرف رد نہیں کیا جائے گا۔

رہی تیسری صورت اور وہ یہ ہے کہ جب شوہر نے طلاق کو اپنے فعل پر معلق کیا ہو تو برابر ہے خواہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرض میں ہو یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور فعل کوئی ایسا ہو جس سے شوہر کو چارہ ہو یا اس سے چارۂ کار نہ ہو بہر صورت شوہر فار ہو جائے گا، اس لیے کہ ابطالِ میراث کا قصد موجود ہے، یا تو تعلیق کی وجہ سے یا بحالت مرض شرط کو انجام دینے کی وجہ سے۔ اور اگر چہ فعل شرط سے شوہر کو کوئی چارۂ کار نہیں تھا، لیکن تعلیق سے تو اسے ہزاروں چارے حاصل تھے، لہٰذا بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے شوہر کا تصرف رد کر دیا جائے گا۔

اور بہر حال چوتھی وجہ اور وہ یہ ہے کہ جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو، تو اگر چہ تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور فعل کوئی ایسا ہو جس سے عورت کو چارۂ کار حاصل ہو جیسے زید سے گفتگو کرنا وغیرہ تو بیوی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ حرمان وراثت پر راضی ہے۔ اور اگر فعل کوئی ایسا ہو جس سے بیوی کو چارۂ کار حاصل نہ ہو جیسے کھانا کھانا، ظہر کی نماز پڑھنا ماں باپ سے گفتگو کرنا تو بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ وہ اسے انجام دینے میں مجبور ہے، اس لیے کہ اسے نہ کرنے میں دنیا میں ہلاکت کا خوف ہے یا آخرت میں یہ خوف ہے اور اضطرار کے ہوتے ہوئے رضامندی متحقق نہیں ہوتی۔

اور جب تعلیق صحت میں اور شرط مرض کی حالت میں ہوتو اگر فعل معلق بہ ان افعال میں سے ہو جس سے عورت کو چارہ حاصل ہوتو اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ عورت کو میراث نہیں ملے گی۔ اور اگر فعل ایسا ہو جس سے عورت کو مفر حاصل نہ ہوتو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہی حکم ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیوں کہ شوہر کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہونے کے بعد شوہر کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا۔ اور حضرات شیخینؒ کے یہاں اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی اس لیے کہ شوہر نے اسے وہ کام انجام دینے پر مجبور کر دیا ہے، لہٰذا فعل شوہر ہی کی طرف منتقل ہوگا گویا کہ شوہر ہی اس کا آلہ ہے جیسا کہ اکراہ میں ہوتا ہے۔

اللغاتُ:

﴿راس﴾ سر، مراد ابتداء۔ ﴿مجیئ﴾ آمد، آنا۔ ﴿مباشرۃ﴾ بذاتِ خود کوئی کام کرنا۔ ﴿منجزّ﴾ فوری، غیر معلق۔ ﴿مضطرّۃ﴾ مجبور۔ ﴿امتناع﴾ رکنا، پرہیز کرنا۔ ﴿صنع﴾ کام، کارروائی، کاری گری۔ ﴿الجاھا﴾ اس کو مجبور کر دیا ہے۔

مرضِ الموت کی طلاقِ معلق:

اس سے پہلے شوہر فار کے حوالے سے فرار منجز کا بیان تھا اور اب یہاں سے فرار معلق کو بیان کیا جا رہا ہے، عبارت میں فرار سے متعلق کی کل چار صورتیں یہاں بیان کی گئی ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے شوہر نے بحالت صحت اپنی بیوی سے کہا إذا جاء رأس الشهر فانت طالق کہ جب چاند رات آئے تو تجھے طلاق ہے (۲) یا یوں کہا کہ إذا دخلت الدار فانتِ طالق یعنی جب تم گھر میں داخل ہوتو تمہیں طلاق ہے (۳) یا یوں کہا کہ إذا صلّی فلان الظهر فانت طالق کہ جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے طلاق (۴) یا یوں کہا إذا دخل فلان الدار فانت طالق کہ جب فلاں شخص گھر میں داخل تو تجھے طلاق ہے یہ کل چار صورتیں ہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط شوہر کے مرض وفات میں پائی گئی تو بیوی وارث نہیں ہوگی کیوں کہ تعلیق بحالت صحت تھی اور اگر شرط اور تعلیق دونوں بحالتِ مرض پائی جائیں تو اس صورت میں بیوی وارث ہوگی۔ البتہ دوسری صورت یعنی إذا دخلتِ الدار فانت طالق میں بیوی وارث نہیں ہوگی۔

وھذا علی وجوہ الخ: فرماتے ہیں کہ ماقبل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی چند صورتیں ہیں (۱) شوہر نے کسی وقت کے آنے پر طلاق کو معلق کیا ہو۔ (۲) طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا ہو، (۳) طلاق کو اپنے نفس کے فعل پر معلق کیا ہو (۴) طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں (۱) تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط بحالت مرض ہو (۲) تعلیق اور شرط دونوں بحالت صحت ہوں (۳) تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں (۴) تعلیق بحالت مرض ہو اور شرط بحالت صحت ہو، اب ان کی تفصیل یہ ہے کہ تیسری (۳) اور چوتھی (۴) صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ میراث کی مستحق نہیں ہوگی، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں طلاق نہیں مانی جائے گی اور بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ ان صورتوں میں شوہر کی طرف سے فرار کا قصد متحقق ہو گیا ہے، اس لیے کہ شوہر نے ایسی حالت میں طلاق کو معلق کیا ہے (بحالت مرض) جس حالت میں اس کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہو چکا ہے اس لیے اس صورت میں شوہر کا یہ فعل فرار کہلائے گا اور اس کی بیوی امرأۃ فار ہوگی اور امرأۃ فار میراث کی مستحق ہوتی ہے، لہٰذا یہ بیوی بھی اپنے شوہر کی وارث ہوگی۔

اس کے برخلاف پہلی دونوں صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی یعنی جب تعلیق بحالت صحت ہو یا دونوں بحالت صحت ہوں، ان صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہلی صورت میں بھی بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ جو چیز کسی شرط پر معلق ہوتی ہے وہ چیز وجود شرط کے وقت منجز کی طرح ہوتی ہے اور غیر معلق شمار ہوتی ہے لہٰذا بحالت صحت کی ہوئی تعلیق کا بیماری کی حالت میں پایا جانا ایسا ہے گویا کہ اس نے بحالت مرض طلاق دی ہے اور بحالت مرض دی جانے والی طلاق واقع ہوجاتی ہے مگر یہ طلاق طلاق فار کہلاتی ہے اور فار کی بیوی وراثت کی مستحق ہوتی ہے، اس لیے اس شخص کی بیوی بھی وارث ہوگی۔

لیکن ہمارے یہاں اس صورت میں بھی وہ عورت وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ تعلیق سابق وجود شرط کے وقت حکماً تطلیق ہوتی ہے، قصداً تطلیق نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تعلیق طلاق کے وقت عاقل اور ذی فہم تھا، لیکن وجود شرط کے وقت وہ مجنون اور یا پاگل ہوگیا تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوگی، کیوں کہ تعلیق سابق حکماً ہی تطلیق ہوتی ہے، قصداً نہیں ہوتی اور قصد کے بغیر فرار متحقق نہیں ہوتا، اس لیے اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کی وجہ سے وہ شخص فار نہیں کہلائے گا اور جب فار نہیں کہلائے گا تو اس کی عورت مطلقہ ہونے کے بعد مستحق ارث بھی نہیں ہوگی۔

فاما الوجہ الثالث الخ: اس عبارت میں تعلیق کی تیسری صورت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق کو اپنے فعل پر معلق کیا تو اس میں تمام صورتیں برابر ہیں، خواہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط بحالت مرض ہو یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور خواہ وہ فعل کوئی ایسا ہو جس کو انجام دیے بغیر چارۂ کار ہو مثلاً شوہر نے یہ کہہ کر طلاق کو معلق کیا ہو کہ میں زید سے بات نہیں کروں گا، تو اب اس فعل کو کرنا شوہر کے لیے ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے بغیر بھی اس کا کام چل سکتا ہے، یا وہ فعل ایسا ہو جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کو انجام دینے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو مثلاً شوہر نے کھانا کھانے پر طلاق کو معلق کیا تھا یا نماز پڑھنے پر معلق کیا تھا تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں اس کے لیے مذکورہ فعل کو انجام دیئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اس لیے اس صورت میں وہ شوہر فار کہلائے گا اور اس کی بیوی امراۃ فار ہوگی جو مستحق ارث ہوگی۔ اس لیے کہ شوہر نے مرض الموت میں طلاق کو معلق کر کے یا اس حالت میں شرط کو انجام دے کر بیوی کے حق وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، اس لیے اس کا یہ ارادہ اسی کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

و إن لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امر لابدی پر طلاق کو معلق کرنے کی صورت میں شوہر کو معذور نہیں سمجھا جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں اسی کی طرف سے کمی اور کوتاہی ہے، اس لیے کہ وہ امر لابدی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر بھی معلق کر سکتا تھا لیکن جب خود اسی نے یہ غلطی کی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا انجام بھی اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی بیوی سے ضرر کو دور کرنے کے لیے شوہر کے تصرف اور اس کے قصد کو رد کر دیا جائے گا۔

وأما الوجہ الرابع الخ: رہی چوتھی صورت یعنی جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تعلیق اور وجود شرط دونوں چیزیں بحالت مرض ہوں اور جس فعل پر معلق کیا گیا ہو وہ کوئی ایسا فعل ہو جس کو انجام دینا بیوی کے لیے ضروری نہ ہو، بلکہ اس سے مفر اور چارۂ کار حاصل ہو تو اس صورت میں اس فعل کو انجام دینے پر بیوی مطلقہ ہوجائے گی اور پھر اسے میراث بھی نہیں ملے گی، کیوں کہ اس فعل کو انجام دینا اس کے لیے ضروری نہیں تھا مگر اس نے اسے انجام دے کر اپنا حق ساقط کرنے

پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے، اس لیے اس کا حق میراث ساقط ہو جائے گا، البتہ اگر طلاق کو کسی ایسے فعل پر معلق کیا گیا ہو جس کا کرنا بیوی کے لیے ضروری ہو اور اس کو کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں اس فعل کو انجام دینے پر بھی بیوی شوہر کی وارث ہوگی، اس لیے کہ وہ اس فعل کو انجام دینے کے لیے مجبور ہے اور یہ مجبوری خود شوہر کی طرف سے اسے لاحق ہوئی ہے، کیوں کہ اگر وہ اس فعل کو انجام نہیں دے گی تو کھانا نہ کھانے یا قضائے حاجت نہ کرنے میں اس کا دنیاوی نقصان ہوگا اور نماز نہ پڑھنے میں اس کا اخروی نقصان ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اس کے حق میں نقصان دہ ہیں، اس لیے اس صورت میں وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگی اور جب وہ اسقاط حق پر راضی نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ وراثت کی حق دار ہوگی۔

اس کے برخلاف اگر تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط مرض الموت میں پائی گئی ہو تو اگر فعل معلق ایسی چیز ہو جس کو انجام دینا ضروری نہ ہو اور اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو مثلاً شوہر نے طلاق کو عورت کے دخول دار پر معلق کیا ہو تو چوں کہ یہاں فعل دخول کے بغیر بھی عورت کا کام چل سکتا ہے، اس لیے اس صورت میں اگر عورت گھر میں داخل ہو جائے گی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ میراث سے محروم ہو جائے گی۔ البتہ اگر فعل شرط ایسا ہو جس کو انجام دینا ضروری ہو اور بدون اس کے کوئی چارۂ کار نہ ہو تو اس صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے کہ اس صورت میں بھی اس فعل کو انجام دینے پر عورت مطلقہ ہو جائے گی اور وراثت سے محروم ہو جائے گی، کیوں کہ یہاں شرط مرض الموت میں پائی گئی ہے اور اس وقت شوہر کی طرف سے کوئی عمل یا تعلیق کا کوئی فعل نہیں پایا گیا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں تعلیق بحالت صحت کی گئی ہے، لہٰذا بحالت مرض شرط کا وجود شوہر کی طرف سے قصد الی الفرار نہیں کہلائے گا اور اس کی بیوی امرأۃ فار نہیں ہوگی اور جب بیوی امرأۃ فار نہیں ہوگی تو مطلقہ ہونے کے بعد وراثت کی بھی حق دار نہیں ہوگی۔

اس کے برخلاف حضرات شیخینؒ کے یہاں اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی، کیوں کہ شوہر نے تعلیق کو ایسے فعل پر معلق کیا ہے جس کو انجام دینے میں عورت مجبور ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، اس لیے بیوی کا یہ فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور بیوی کو یہ فعل انجام دینے میں شوہر کا نائب اور اس کا آلہ سمجھا جائے گا اور نائب اور آلہ کا فعل چوں کہ اصل کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس لیے بحالت مرض عورت کے فعل انجام دینے سے شرط کا وجود ایسا ہے گویا کہ شوہر نے اسی حالت میں تعلیق کر کے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی بیوی امرأۃ فار کہلانے کی مستحق ہے اور امرأۃ فار وراثت کی مستحق ہوتی ہے، لہٰذا یہ عورت بھی وراثت کی حق دار ہوگی۔

اس کو آپ اس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے شخص کو کسی تیسرے شخص کا مال ہلاک کرنے کا حکم دیا اور اس نے ہلاک کر دیا تو مال مہلوک کا ضمان ہالک کے واسطے سے اس شخص پر واجب ہوگا جس نے ہالک کو وہ مال ہلاک کرنے کا حکم دیا تھا، کیوں کہ اس ہلاکت میں ہالک اور فعل ہلاکت کو انجام دینے والا شخص نائب ہے اور اس کا حکم دینے والا شخص اصل اور آمر ہے اور نائب اور مامور کا فعل اصل اور آمر کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لیے آمر اور اصل پر اس مال کا ضمان واجب ہوگا، ٹھیک اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی عورت کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور شوہر ہی مجرم شمار ہوگا اور اس کی طرف سے قصد إلى الفرار متحقق ہو جائے گا جس کی وجہ سے اس کی بیوی وارث ہوگی۔

قَالَ وَ إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيْضٌ ثُمَّ صَحَّ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَرِثْ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تَرِثُ، لِأَنَّهُ قَصَدَ الْفِرَارَ حِيْنَ أَوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَ قَدْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَلٰكِنَّا نَقُوْلُ الْمَرَضُ إِذَا تَعَقَّبَهُ بُرْءٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الصِّحَّةِ، لِأَنَّهُ يَنْعَدِمُ بِهٖ مَرَضُ الْمَوْتِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَاحَقَّ لَهَا يَتَعَلَّقُ بِمَالِهٖ فَلَا يَصِيْرُ الزَّوْجُ فَارًّا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے بحالت مرض بیوی کو تین طلاق دی پھر وہ صحت مند ہو گیا اس کے بعد اس کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وارث ہوگی، اس لیے کہ اس نے مرض الموت میں طلاق واقع کر کے فرار کا قصد کر لیا ہے اور وہ اس حال میں مرا ہے کہ اس کی بیوی عدت میں ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مرض کے بعد افاقہ ہو جائے تو وہ صحت کے درجے میں ہے کیوں کہ افاقہ سے مرض الموت ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ واضح ہو گیا کہ عورت کا کوئی ایسا حق نہیں ہے جو شوہر کے مال سے متعلق ہو، اس لیے شوہر فار نہیں کہلائے گا۔

اللغات:

﴿تعقّب﴾ پیچھے آیا ہے۔ ﴿برء﴾ صحت یابی۔ ﴿فارّ﴾ فرار اختیار کرنے والا۔

عام مرض میں طلاق دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دی پھر وہ صحت مند ہو گیا، لیکن اس کے کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس کی مطلقہ بیوی ہمارے یہاں وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ بیوی وارث ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بحالت مرض شوہر نے طلاق دے کر فرار کا ارادہ کیا ہے اور بیوی کی عدت کے دوران ہی اس کا انتقال بھی ہوا ہے، اس لیے وہ شوہر فار کہلائے گا اور امرأۃ فار مستحق میراث ہوتی ہے، لہٰذا اس کی بیوی کو میراث ملے گی اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگی رہا مسئلہ درمیان میں صحت یاب ہونے کا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیوں کہ موت اس صحت پر غالب آچکی ہے، اس کے برخلاف ہمارے یہاں مذکورہ عورت میراث کی مستحق نہیں ہوگی، کیوں کہ جب بیماری کے بعد شوہر کو افاقہ ہو گیا تو وہ صحت مند لوگوں کے درجے اور زمرے میں شامل ہو گیا اور اس افاقے نے مرض کو مرض الموت کی فہرست سے خارج کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اس مرض میں شوہر کے مال سے بیوی کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے شوہر نے فرار کا قصد کیا تھا، اس لیے اس کی دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوگی اور اس کی بیوی میراث سے محروم بھی ہوگی۔

وَ لَوْ طَلَّقَهَا فَارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ أَسْلَمَتْ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ مِنْ مَرَضِ مَوْتِهٖ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْ، وَ إِنْ لَمْ تَرْتَدَّ بَلْ طَاوَعَتِ ابْنَ زَوْجِهَا فِي الْجِمَاعِ وَرِثَتْ، وَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّهَا بِالرِّدَّةِ أَبْطَلَتْ أَهْلِيَّةَ الْإِرْثِ إِذَا الْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ أَحَدًا، وَ لَا بَقَاءَ لَهُ بِدُوْنِ الْأَهْلِيَّةِ، وَ بِالْمُطَاوَعَةِ مَا أَبْطَلَتِ الْأَهْلِيَّةَ، لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ لَا يُنَافِي الْإِرْثَ وَهُوَ الْبَاقِيْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا طَاوَعَتْ فِيْ حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ، لِأَنَّهَا تَثْبُتُ الْفُرْقَةُ فَتَكُوْنُ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ

السَّبَبِ، وَ بَعْدَ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ لَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا فَافْتَرَقَا.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی پھر (عیاذ باللہ) وہ مرتد ہوگئی، لیکن پھر اسلام لے آئی پھر شوہر اپنے اسی مرض الموت میں مرگیا اور بیوی عدت میں تھی تو وہ وارث نہیں ہوگی، اور اگر وہ مرتد نہیں ہوئی بلکہ جماع کے سلسلے میں اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کی مطاوعت کی تو وہ وارث ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مرتد ہوکر بیوی نے وراثت کی اہلیت باطل کردی، کیوں کہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیت کے بغیر وراثت باقی نہیں رہتی۔ اور مطاوعت کی وجہ سے عورت نے اہلیت کو باطل نہیں کیا، اس لیے کہ محرمیت وراثت کے منافی نہیں ہے۔ اور وہ باقی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب عورت نے قیام نکاح کی صورت میں مطاوعت کی، اس لیے کہ مطاوعت فرقت ثابت کرتی ہے، لہٰذا عورت بطلان سبب پر راضی ہوگی۔ اور تین طلاق کے بعد مطاوعت کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ حرمت مطاوعت پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہوگیا۔

اللغات:

﴿ارتدت﴾ مرتد ہوگئی۔ ﴿العیاذ﴾ پناہ۔ ﴿طاوعت﴾ قدرت دی، بات مانی۔ ﴿فرقة﴾ علیحدگی، جدائی۔

مرض الموت کی مطلقہ کا ارتداد یا مطاوعت ابن زوج:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرض کی حالت میں کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ یا طلاق بائن دی پھر اس کی وہ بیوی مرتد ہوگئی، لیکن شوہر کے انتقال اور اتمام عدت سے پہلے وہ مشرف بہ اسلام ہوگئی اس کے بعد سابقہ مرض کی وجہ سے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ بھی عدت میں تھی تو بھی وہ بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف طلاق کے بعد اگر اس نے شوہر کے بیٹے سے جماع کرالیا اور اسے جماع پر قدرت دیدی تو وہ وارث ہوگی۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے عورت نے وراثت کی اہلیت کو باطل کردیا کیوں کہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیت کے بغیر وراثت اور استحقاق وراثت کی بقاء نہیں رہتی، اس لیے ارتداد کی صورت میں تو بیوی محروم ہوجائے گی، اس کے بالمقابل مطاوعت ابن زوج کی صورت میں چوں کہ لیاقت کی اہلیت باطل نہیں ہوتی صرف محرمیت ثابت ہوتی ہے اور محرمیت وراثت کے منافی نہیں ہے، یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ دو لوگوں میں محرمیت بھی ہو اور دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں، اس لیے مطاوعت کی صورت میں چوں کہ اہلیت ارث باقی رہتی ہے اور اہلیت استحقاق وراثت کے لیے کافی ووافی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں وہ بیوی وارث ہوگی بشرطیکہ عدت باقی ہو۔

اس کے برخلاف اگر طلاق سے پہلے بقائے نکاح کی حالت میں بیوی ابن زوج سے مطاوعت کرتی ہے تو اس مطاوعت کی وجہ سے بیوی شوہر کی میراث سے محروم ہوجائے گی، کیوں کہ قیام نکاح کی حالت میں مطاوعت سے فرقت ثابت ہوتی ہے اور چوں کہ یہ فرقت بیوی کے اپنے عمل سے ثابت ہوئی ہے، اس لیے فرقت پر اقدام کرنے کی وجہ سے بیوی کو سبب ارث یعنی نکاح کے بطلان پر راضی سمجھا جائے گا اور جب خود بیوی ہی سبب ارث یعنی نکاح کے بطلان پر راضی ہے تو کیا کرے گا قاضی۔ اور شوہر کے تین طلاق دینے کے بعد اگر بیوی مطاوعت کرتی ہے تو وہ میراث کی مستحق ہوگی کیوں کہ اس صورت میں اس کی مطاوعت سے صرف

حرمت ثابت ہوگی فرقت نہیں کیوں کہ یہاں حرمت مطاوعت سے مقدم ہے اور فرقت حرمت سے بھی مقدم ہے۔ اور میراث سے محرومی کا سبب فرقت ہے نہ کہ حرمت، لہٰذا اس صورت میں عورت ڈنکے کی چوٹ پر وارث ہوگی، اس لیے کہ مرض الموت میں مطلقہ ہونے کی وجہ سے وہ امراۃ فار ہے اور امرأۃ فار مستحق وراثت ہوتی ہے۔

وَ مَنْ قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ وَ لَاعَنَ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا تَرِثُ، وَ إِنْ كَانَ الْقَذْفُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا، وَ هٰذَا مُلْحَقٌ بِالتَّعْلِيْقِ بِفِعْلٍ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ، إِذْهِيَ مُلْجَأَةٌ إِلَى الْخُصُوْمَةِ لِدَفْعِ عَارِ الزِّنَاءِ عَنْ نَفْسِهَا، وَ قَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ.

ترجمہ: اور جس شخص نے بحالت صحت اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور مرض الموت میں اس نے لعان کیا اس کی بیوی وارث ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وارث نہیں ہوگی اور اگر تہمت لگانا (بھی) مرض الموت میں ہو تو بالاتفاق وہ وارث ہوگی۔ اور یہ مسئلہ ایسے فعل کی تعلیق کے ساتھ ملحق ہے جس سے عورت کو چارۂ کار حاصل نہ ہو، کیوں کہ اپنے نفس سے زنا کے عار کو ختم کرنے کے لیے بیوی خصومت پر مجبور ہوئی ہے اور ہم اس کی توجیہ بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قذف﴾ زنا کا الزام لگایا۔ ﴿لاعن﴾ لعان کیا۔ ﴿ملجاۃ﴾ مجبور کردی گئی ہے۔ ﴿عار﴾ شرمساری۔

بحالت صحت تہمت لگانے اور مرض الموت میں لعان کرنے کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تندرسی اور صحت کی حالت میں اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور مرض الموت میں اس نے لعان کر کے بیوی سے علیحدگی اختیار کی اور پھر عدت کے دوران وہ مرگیا تو حضرات شیخینؒ کے یہاں اس کی بیوی وارث ہوگی، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ بیوی وارث نہیں ہوگی، ہاں اگر قذف اور لعان دونوں بحالت مرض ہوں تو اس صورت میں سب کے یہاں بیوی وارث ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اور یہ مسئلہ اس صورت سے متعلق اور ملحق ہے جس میں عورت کے طلاق کو ایسے فعل پر معلق کیا گیا ہے جس کا کرنا بیوی کے لیے ضروری تھا اور اس فعل کو انجام دینے کے علاوہ بیوی کے پاس کوئی دوسری راہ نہیں تھی، کیوں کہ اس مسئلے کی طرح صورت مسئلہ میں بھی شوہر نے اس پر زنا کی تہمت لگا کر اسے اپنے نفس سے تہمت دور کرنے کے لیے قاضی کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کیا ہے لہٰذا جس طرح مسئلہ طلاق میں عورت فعل تعلیق کو انجام دینے پر مجبور تھی اسی طرح یہاں بھی وہ قاضی کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہے اور اس شکل کو پوری تفصیل کے ساتھ ماقبل میں فکذا الجواب عند محمد الخ کے تحت بیان کیا جاچکا ہے۔

وَ إِنْ آلٰى امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ ثُمَّ بَانَتْ بِالْإِيْلَاءِ وَهُوَ مَرِيْضٌ لَمْ تَرِثْ، وَ إِنْ كَانَ الْإِيْلَاءُ أَيْضًا فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ، لِأَنَّ الْإِيْلَاءَ فِي مَعْنَى تَعْلِيْقِ الطَّلَاقِ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ خَالٍ عَنِ الْوُقُوْعِ فَيَكُوْنُ مُلْحَقًا بِالتَّعْلِيْقِ

بِمَجِيءِ الْوَقْتِ وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَهُ.

ترجمہ: اور اگر تندرستی کی حالت میں شوہر نے اپنے بیوی سے ایلاء کیا پھر ایلاء کی وجہ سے عورت بائنہ ہوگئی اور شوہر مریض ہے تو وہ شوہر کی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر ایلاء بھی مرض میں ہو تو وارث ہوگی، اس لیے کہ ایلاء کرنا چار ماہ کے جماع سے خالی ہونے پر طلاق کو معلق کرنے کے معنی میں ہے لہٰذا یہ شکل وقت کے آنے پر طلاق کو معلق کرنے کے ساتھ ملحق ہوگی اور اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿الٰی﴾ ایلاء کرلیا (چار ماہ تک قریب نہ جانے کی قسم کھالی)۔ ﴿بانت﴾ بائنہ ہوگئی۔ ﴿مضیّ﴾ گزر جانا۔

ایلاء مرض:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے صحت کی حالت میں اپنی بیوی سے ایلاء کیا یعنی یہ قسم کھائی کہ چار ماہ تک اس سے وطی نہیں کرے گا اور پھر اس نے اپنی قسم پوری کرلی یعنی چار ماہ تک اس نے بیوی سے وطی نہیں کیا اور یہ چار ایسی حالت میں مکمل ہوئے کہ شوہر مرض الموت میں مبتلا تھا تو اس چار ماہ کی تکمیل پر اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو جائے گی، لیکن شوہر کی وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ اس وقت جو فرقت اور بینونت پیش آئی ہے وہ شوہر کے ایلاء کی طرف منسوب ہے اور اس وقت شوہر مرض الموت میں مبتلا ہے جب کہ اس فرقت کا سبب یعنی ایلاء اس کے مرض سے چار ماہ پہلے کا ہے اور اس مرض میں شوہر کی طرف سے ایلاء وغیرہ کچھ نہیں پایا گیا جو طلاق اور فرقت کا سبب بنے، اسی لیے ہم شوہر کو فار نہیں قرار دے سکتے اور جب شوہر فار نہیں ہوگا تو اس کی بیوی امراۃ فار نہیں ہوگی اور جب وہ امراۃ فار نہیں ہوگی تو مستحق میراث بھی نہیں ہوگی۔

اس کے برخلاف اگر ایلاء اور بینونت دونوں چیزیں بحالت مرض ہوں اور پھر دوران عدت شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں اس کی بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ یہ ایلاء چار ماہ تک بیوی سے وطی نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرنے میں ہے، لہٰذا جس طرح کسی وقت اور موسم کے آنے پر طلاق کو معلق کرنے سے تعلیق سابق تطلیق بن جایا کرتی ہے اور بقائے عدت کی صورت میں شوہر کا قصد الی الفرار متحقق ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی اس کی وارث ہوتی ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ایلاء تعلیق کے معنی میں ہوگا اور وجود شرط کے وقت تطلیق بن جائے گا اور بیوی امراۃ فار ہونے کی وجہ سے مستحق وراثت ہوگی۔ صاحب ہدایہؒ نے وقد بینا الوجہ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (عنایہ)

قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالطَّلَاقُ الَّذِيْ يَمْلِكُ فِيْهِ الرَّجْعَةَ تَرِثُ بِهِ فِيْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يُزِيْلُ النِّكَاحَ حَتّٰى يَحِلَّ الْوَطْيَ فَكَانَ السَّبَبُ قَائِمًا، وَ كُلُّ مَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا تَرِثُ إِنَّمَا تَرِثُ إِذَا مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ طلاق جس میں شوہر کو رجعت کا اختیار رہتا ہے اس کی تمام صورتوں میں اس کی بیوی وارث ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی یہاں تک کہ اس میں وطی کرنا

حلال ہوتا ہے اس لیے سبب (وارث) باقی رہا۔ اور ہر وہ جگہ جہاں ہم نے عورت کے وارث ہونے کو بیان کیا ہے وہاں عورت اسی وقت وارث ہوگی جب شوہر کی وفات اس حال میں ہوئی ہو کہ اس کی بیوی عدت میں ہو۔ اور اسے ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔

طلاق رجعی مانع عن الارث نہیں:

اس عبارت میں دو باتوں کا بیان ہے (۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ طلاق رجعی کی تمام صورتوں اور تمام شکلوں میں بیوی اپنے شوہر کی وارث ہوگی، کیوں کہ طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوتا، اسی لیے طلاق رجعی کی صورت میں شوہر کے لیے بیوی سے وطی کرنا حلال ہوتا ہے اور یہ وطی ہی رجعت شمار کی جاتی ہے، لہٰذا جب طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور نکاح کی بقاء ہی وراثت کے استحقاق کا سبب ہے تو ظاہر ہے کہ بیوی وارث بھی ہوگی مگر اس وراثت کے اور ہر موقع پر بیوی کے وارث ہونے کے لیے یہ شرط اور ضروری ہے کہ شوہر کا انتقال ایسی حالت میں ہوا ہو جب بیوی کی عدت باقی ہو، کیوں کہ انقضائے عدت کے بعد زوجین کا ہر معاملہ ایک دوسرے سے الگ اور صاف ہوجاتا ہے چہ جائے کہ میراث جیسا اہم معاملہ باقی ہو۔ یہی وہ دوسری بات ہے جسے اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم علمہ اتم

بَابُ الرَّجْعَةِ

یہ باب احکام رجعت کے بیان میں ہے

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رجعت طبعی طور پر طلاق کے بعد ہوتی ہے، اس لیے صاحب ہدایہ وضع اور بیان کے اعتبار سے بھی باب الرجعۃ کو کتاب الطلاق کے بعد بیان کر رہے ہیں تا کہ طبع اور وضع میں مناسبت اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ وھکذا فی البنایہ (۲۲۶/۵)

رجعت کے لغوی معنی ہیں واپس ہونا، لوٹنا اور طلاق کے بعد رجعت کے ذریعے چوں کہ بیوی دوبارہ شوہر کے نکاح میں واپس آجاتی ہے، اس لیے اس معنی کی وجہ سے رجعت کو رجعت کہا جاتا ہے۔ رجعت کے اصطلاحی اور شرعی معنی ہیں استدامۃ ملک النکاح یعنی ملک نکاح کو باقی رکھنے کا نام اصطلاح شرع میں رجعت کہلاتا ہے۔ صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحت رجعت کے لیے پانچ شرطیں ہیں (۱) الفاظ صریحہ کے ساتھ طلاق دینا یا ان الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق دینا جو صریح کے معنی میں ہوں (۲) طلاق کے عوض مال نہ لیا گیا ہو (۳) شوہر نے تین طلاق نہ دیا ہو (۴) بیوی مدخول بہا ہو (۵) اس کی عدت باقی ہو۔ (۲۲۶/۵)

وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً أَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فِي عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۱) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَ لَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ ، لِأَنَّ الرَّجْعَةَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ سُمِّيَ إِمْسَاكًا وَهُوَ الْإِبْقَاءُ، وَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ الْإِسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ، لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا .

ترجمه: جب شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دیں تو اسے عدت کے دوران عورت سے رجوع کرنے کا اختیار ہے، خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ ارشاد باری تعالی ہے ''ان عورتوں کو شرعی دستور کے مطابق روک لو'' اور یہ ارشاد بغیر کسی تفصیل کے ہے۔ اور عدت کا باقی رہنا ضروری ہے اس لیے کہ ملکِ نکاح کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کا امساک نام رکھا گیا ہے اور امساک ابقاء ہی ہے اور باقی رکھنا عدت ہی میں متحقق ہوگا، کیوں کہ انقضائے عدت کے بعد شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔

اللغات:

﴿یراجع﴾ رجوع کرلے۔ ﴿أمسکوا﴾ روکے رکھو۔ ﴿معروف﴾ بہتر طریقے سے۔ ﴿فصل﴾ فاصلہ، وقفہ۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿امساك﴾ روکے رکھنا۔ ﴿إبقاء﴾ بچانا، باقی رکھنا۔

رجوع عن الطلاق کی حیثیت اور شرائط:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دیتا ہے اور پھر وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اسے رجوع کرنے اور اپنی مطلقہ بیوی کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے، خواہ وہ بیوی رجعت کے لیے تیار ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ رجعت پر راضی ہو یا نہ ہو بہر صورت شوہر کو رجعت کا حق اور اختیار ہے، کیوں کہ مطلقہ رجعیہ کے متعلق قرآن کریم کا اعلان یہ ہے **فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروفٍ أو فارقوهن بمعروف** کہ جب مطلقہ رجعیہ عورتیں انقضائے عدت کے قریب پہنچ جائیں تو ان کے شوہروں کو دو باتوں کا اختیار ہے یا تو وہ ان کو شرعی طریقے کے مطابق دوبارہ اپنے نکاح میں رکھ لیں یا پھر انہیں دستور شرعی کے موافق رخصت کر دیں۔ اور چوں کہ ان دونوں باتوں میں قرآن نے عورتوں کی رضاء یا عدم رضاء سے کوئی بحث نہیں کی ہے، اس لیے یہ حکم مطلق ہوگا، اور شوہروں کو علی الاطلاق رجعت کا اختیار ہوگا۔

و لا بد من قیام العدة الخ: فرماتے ہیں کہ صحت رجعت کے لیے عدت کی بقاء ضروری ہے، کیوں کہ ملکِ نکاح کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے اسی لیے قرآن نے رجعت کو اِمساک کے کلمے سے تعبیر کیا ہے اور اِمساک کے معنی بھی باقی رکھنے کے ہیں اور امساک اور استدامتِ ملک کے معنی صرف اور صرف عدت میں متحقق ہو سکتے ہیں، اس لیے جوازِ رجعت کے لیے عدت کی بقاء ضروری ہے، اور عدت کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی، کیوں کہ عدت کے بعد عورت سے شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور ملکیت کے رہتے ہوئے تو اِبقاء اور امساک متحقق ہو سکتے ہیں، لیکن ملکیت ختم ہونے کے بعد یہ چیزیں متحقق نہیں ہو سکتیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صحتِ رجعت کے لیے بقائے عدت شرط اور ضروری ہے۔

وَالرَّجْعَةُ أَنْ يَقُوْلَ رَاجَعْتُكِ أَوْ رَاجَعْتُ إِمْرَأَتِيْ وَ هٰذَا صَرِيْحٌ فِي الرَّجْعَةِ لَا خِلَافَ بَيْنَ الْأَئِمَّةِ، قَالَ أَوْ يَطَأُهَا أَوْ يُقَبِّلُهَا أَوْ يَلْمَسُهَا بِشَهْوَةٍ أَوْ يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ وَ هٰذَا عِنْدَنَا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا تَصِحُّ الرَّجْعَةُ إِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتّٰى يَحْرُمَ وَطْيُهَا، وَ عِنْدَنَا هُوَ اسْتِدَامَةُ النِّكَاحِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، وَ سَنُقَرِّرُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَالْفِعْلُ قَدْ يَقَعُ دَلَالَةً عَلَى الْإِسْتِدَامَةِ كَمَا فِيْ إِسْقَاطِ الْخِيَارِ وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يَخُصُّ بِالنِّكَاحِ وَهٰذِهِ الْأَفَاعِيْلُ تَخُصُّ بِهِ خُصُوْصًا فِيْ حَقِّ الْحُرَّةِ، بِخِلَافِ الْمَسِّ وَالنَّظْرِ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِأَنَّهُ قَدْ يَحِلُّ بِدُوْنِ النِّكَاحِ كَمَا فِي الْقَابِلَةِ وَالطَّبِيْبِ وَغَيْرِهِمَا، وَالنَّظْرُ إِلٰى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْ يَقَعُ بَيْنَ الْمُسَاكِنَيْنِ، وَالزَّوْجُ يُسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لِطَلَّقَهَا فَيَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور رجعت یہ ہے کہ شوہر یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کرلی، یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی اور یہ رجعت کے لیے صریح لفظ ہے جس میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ یا شوہر بیوی سے وطی کرلے، یا اسے بوسہ لے لے، یا شہوت کے ساتھ اسے چھولے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھ لے اور یہ ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زبان سے کہنے پر قادر ہونے کی صورت میں صرف قول کے ذریعے رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ رجعت ابتدائے نکاح کے درجے میں ہے یہاں تک کہ (شوافع کے یہاں) مطلقہ رجعیہ بیوی سے وطی کرنا حرام ہے۔ اور ہمارے یہاں رجعت نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور عنقریب اسے ثابت بھی کریں گے انشاء اللہ۔

اور فعل بھی استدامت پر دلیل واقع ہوتا ہے جیسا کہ خیار ساقط کرنے میں ہے اور فعل کا دلیل بننا نکاح کے ساتھ خاص ہے اور مذکورہ تمام افعال نکاح کے ساتھ خاص ہیں بالخصوص آزاد عورت کے حق میں۔ برخلاف شہوت کے بغیر چھونے اور دیکھنے میں، اس لیے کہ یہ بدون نکاح بھی حلال ہو جاتا ہے جیسے دایہ اور ڈاکٹرنی وغیرہ کے حق میں۔ اور غیر فرج کی طرف دیکھنا کبھی کبھی ایک ساتھ رہنے والوں میں بھی واقع ہو جاتا ہے اور عدت کے زمانے میں شوہر بیوی کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا اگر غیر فرج کی طرف دیکھنا رجعت ہوگا تو شوہر بیوی کو طلاق دیدے گا اور بیوی کی عدت دراز ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿یطأها﴾ اس سے جماع کرلے۔ ﴿یقبل﴾ چوم لے، بوسہ لے لے۔ ﴿یلمس﴾ چھوئے۔ ﴿فرج﴾ شرم گاہ۔ ﴿استدامه﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿اسقاط﴾ گرانا، ساقط کرنا۔ ﴿یخص﴾ خاص ہوتا ہے۔ ﴿مسّ﴾ چھونا۔ ﴿قابلة﴾ دایہ، بچہ جنوانے والی۔ ﴿مساکن﴾ ہم نشین، ساتھ رہنے والے۔

رجوع کا طریقہ:

اس عبارت میں رجعت کی صورتوں اور اس کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں قولی رجعت بھی صحیح ہے اور فعلی رجعت بھی صحیح ہے خواہ شوہر قولی رجعت پر قادر ہوتے ہوئے بھی فعلی رجعت کرے بہر صورت اس کی یہ رجعت درست اور جائز ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر شوہر رجعت بالقول پر قادر ہے تو اس کے لیے رجعت بالفعل کرنا درست نہیں ہے اور رجعت بالفعل سے رجعت متحقق نہیں ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کرنا از سرنو نکاح کرنے کے درجے میں ہے، لہٰذا جس طرح نکاح جدید کے لیے زبان سے ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے اسی طرح رجعت کے لیے بھی زبان سے الفاظ رجعت کو ادا کرنا ضروری ہے اور بلا عذر قولی سے فعلی رجعت کی طرف عدول کرنا درست نہیں ہے، اسی لیے شوافع کے یہاں مطلقہ رجعیہ سے شوہر کے لیے وطی کرنا حلال نہیں ہے، کیوں کہ وہ بیوی اس کے حق میں اجنبیہ کی طرح ہے اور اجنبیہ سے بدون نکاح وطی حلال نہیں ہے، لہٰذا مطلقہ رجعیہ سے بدون رجعت قولی شوافع کے یہاں وطی حلال نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ہمارے یہاں شوہر کے لیے مطلقہ رجعیہ بیوی سے وطی کرنا بھی حلال ہے اور رجعت بالقول پر قادر ہوتے ہوئے بھی رجعت بالفعل سے رجعت کا تحقق درست ہے، کیوں کہ ہمارے یہاں رجعت از سرنو نکاح کا نام نہیں ہے بلکہ نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے یعنی طلاق رجعی کے بعد بھی میاں بیوی کا نکاح باقی رہتا ہے، لیکن اس نکاح کی بقاء اور اس کے تحفظ کے لیے عدت

کے دوران رجعت کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو رجعت کو ملک نکاح کے لیے استدامت قرار دیا ہے آگے چل کر ہم اس کی مزید وضاحت بھی پیش کریں گے اور وہ وضاحت یہی ہے کہ **الطلاق الرجعي لایحرم الوطي** یعنی طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔

والفعل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم جو فعل کو رجعت پر دلیل مانتے ہیں وہ ہر فعل کو دلیل نہیں مانتے بلکہ ہم ایسے افعال کو رجعت پر دلیل مانتے ہیں جن کا تعلق نکاح سے ہے اور جو افعال نکاح کے ساتھ خاص ہیں اور زوجین ہی عموماً انہیں انجام دیتے ہیں مثلاً وطی کرنا شہوت کے ساتھ عورت کو چومنا اور چھونا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا یہ سب ایسے افعال ہیں جو نکاح کے ساتھ خاص ہیں اور عموماً زوجین ہی انھیں انجام دیتے ہیں، لہٰذا اگر مطلقہ رجعیہ عورت کے شوہر سے اس طرح کے افعال کا صدور ہوتا ہے تو ان افعال کو رجعت شمار کریں گے اور ان کے ذریعے شوہر ملک نکاح کو باقی رکھنے والا شمار ہوگا، اور فعل کو استدامت پر دلیل ماننا صرف نکاح کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر مواقع پر بھی فعل کو استدام پر دلیل مانا گیا ہے مثلاً ایک شخص نے خیار شرط کے ساتھ کوئی باندی خریدی اور مدت خیار میں اس نے اس باندی سے وطی کرلیا تو اس کا یہ فعل استدامتِ ملک کی دلیل ہوگا اور اس کا خیار ساقط ہوجائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی شوہر کا وطی کرنا یا شہوت کے ساتھ عورت کو چومنا چاٹنا بھی استدامتِ ملکِ نکاح کی دلیل ہوگا اور اس کے اس فعل سے رجعت کا تحقق ہوجائے گا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے وطی اور تقبیل وغیرہ کو آزاد عورت کے حق میں نکاح کے ساتھ اس لیے خاص مانا ہے کہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کے بعد ہی یہ افعال انجام دیے جاسکتے ہیں اور نکاح سے پہلے آزاد عورت کے حق میں اس طرح کی حرکتیں کرنا حرام اور ناجائز ہیں، اس کے برخلاف باندی کے حق میں نکاح کے بغیر بھی اس طرح کی حرکتیں ممکن بھی ہیں اور جائز بھی ہیں بایں طور کہ وہ باندی ملک یمین یا ملکِ متعہ کے طور پر کسی کی ملکیت میں آئی ہو تو بدون نکاح بھی اس سے استمتاع درست اور حلال ہے۔

بخلاف المس الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ لمس اور قبل وغیرہ سے اسی وقت رجعت ثابت ہوگی جب شہوت کے ساتھ ان کا صدور ہوا ہو، لیکن اگر شہوت کے بغیر یہ افعال صادر ہوں تو پھر ان سے رجعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ شہوت کے بغیر یہ افعال، نکاح کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور بدون نکاح بھی حلال ہیں چنانچہ دایہ اور طبیب وغیرہ سے بھی عورت کے ساتھ اس طرح کی یہ حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور شہوت سے خالی ہوتی ہیں، اس لیے تحققِ رجعت کے لیے شہوت کے ساتھ ان کا صدور ضروری ہے، اسی طرح ثبوت رجعت کے لیے بیوی کی شرم گاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ عموماً پڑوسی لوگ اور ایک ساتھ رہنے والے انسان ایک دوسرے کی شرمگاہ کے علاوہ دیگر چیزوں کو دیکھ لیا کرتے ہیں اور پھر شوہر اور بیوی تو دورانِ عدت ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اس لیے شرم گاہ کے علاوہ دیگر چیزوں کے دیکھنے کا معاملہ تو نہایت آسان ہے، لہٰذا ثبوت رجعت کے لیے شرم گاہ کے علاوہ کو دیکھنا ضروری ہے، اب اگر غیر شرمگاہ کو دیکھنا یا شہوت کے علاوہ کو دیکھنا رجعت قرار دیدیا جائے تو شوہر پھر بیوی کو طلاق دے دے گا، کیوں کہ وہ اس کو رکھنے کے موڈ میں نہیں ہے لہٰذا وہ پھر طلاق دے گا اور بلاوجہ عورت کی عدت طویل ہوجائے گی اور اس صورت میں عورت کا ضرر ہے اور اسے حرج ہے **والحرج مدفوع في الشرع**۔

قَالَ وَ يُسْتَحَبُّ أَن يُّشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا يَصِحُّ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رحمۃ اللہ علیہ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ أَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ ﴾ (سورة الطلاق: ٢)، وَالْأَمْرُ لِلْإِيْجَابِ، وَ لَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوْصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ، وَ لِأَنَّهُ اسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهِ فِيْ حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِي الْفَيْءِ وَالْإِيْلَاءِ إِلَّا أَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الْإِحْتِيَاطِ كَيْ لَا يَجْرِيَ التَّنَاكُرُ فِيْهَا، وَ مَا تَلَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَيْهِ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ قَرَنَهَا بِالْمُفَارَقَةِ وَهُوَ فِيْهَا مُسْتَحَبٌّ، وَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْلِمَهَا كَيْ لَا تَقَعَ فِي الْمَعْصِيَةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شوہر رجعت پر دو گواہوں کو گواہ بنالے، لیکن اگر اس نے گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوقولوں میں سے ایک میں فرمایا کہ (بدون اجتہاد) رجعت صحیح نہیں ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو، اور امر ایجاب کے لیے ہے، ہماری دلیل اشتہاد کی قید سے نصوص کا مطلق ہونا ہے۔ اور اس لیے کہ رجعت نکاح کی استدامت ہے اور نکاح میں بحالت بقاء شہادت شرط نہیں ہے جیسا کہ فیٔ اور ایلاء میں ہوتا ہے، تاہم زیادتی احتیاط کے پیش نظر شہادت مستحب ہے تاکہ اس میں انکار نہ ہوسکے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تلاوت کردہ آیت استحباب پر محمول ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے حالاں کہ مفارقت میں شہادت مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ شوہر بیوی کو رجعت سے مطلع کردے تاکہ وہ معصیت میں نہ پڑے۔

اللغات:

﴿یشهد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿ذوی عدل﴾ دو عدل والے۔ ﴿إشهاد﴾ گواہ بنانا۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿فیىء﴾ .... ﴿إيلاء﴾ چار مہینے تک مقاربت (صحبت) نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ﴿تناكر﴾ انکار کرنا۔ ﴿قرن﴾ ملایا ہے۔ ﴿یعلم﴾ بتلادے۔

رجوع پر گواہ بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے رجعت کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ دو عادل اور حق پرست آدمیوں کو رجعت پر گواہ بنالے اور ہمارے یہاں ایسا کرنا مستحب اور مستحسن ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دوقولوں میں سے ایک قول میں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اشہاد واجب اور ضروری ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں و أشهدوا الخ کے فرمان سے رجعت اور فرقت کے مواقع پر اشہاد کا حکم دیا ہے اور أشهدوا امر کا صیغہ ہے جس کا موجب وجوب ہے لہٰذا اس امر کے پیش نظر بوقت رجعت اشہاد واجب ہوگا۔

اشہاد کے مستحب ہونے پر ہماری دلیل ان تمام نصوص کا اطلاق ہے جو اشہاد کی قید اور شرط سے خالی ہیں مثلاً قرآن کریم کی یہ

آیتیں (۱) فامسکوھن بمعروف (۲) فإمساك بمعروف (۳) وبعولتھن أحق بردھن وغیرہ وغیرہ یہ تمام آیتیں صرف اور صرف رجعت پر دلالت کر رہی ہیں اور رجعت کے لیے اشہاد کے وجوب سے خاموش اور ساکت ہیں، اب اگر ہم اشہاد کو واجب قرار دیدیں تو نصوص مطلقہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔

رجعت میں اشہاد کے واجب نہ ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ رجعت بقائے نکاح کا نام ہے اور بقائے نکاح کے لیے اشہاد شرط نہیں ہے، لہٰذا رجعت کے لیے بھی اشہاد شرط نہیں ہوگا جیسا کہ فی اور ایلاء میں بھی بقائے نکاح مقصود ہوتا ہے اور ان کے لیے بھی اشہاد شرط نہیں ہے، ہاں زیادتی احتیاط کے پیش نظر اشہاد مندوب و مستحسن ہے اور شوہر کو بوقت رجعت اشہاد کر لینا چاہیے تاکہ دوبارہ ازدواجی زندگی گذارنے میں انھیں کوئی دشواری نہ ہو اور لوگوں کی بدگمانیوں سے بچ جائیں، اس لیے اس حوالے سے اشہاد کرنا مستحب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تلاوت کردہ آیت بھی استحباب ہی پر محمول ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے أو فارقوھن بمعروف وأشھدوا ذوي عدل منکم اور مفارقت میں بالاتفاق شہادت مستحب ہے، لہٰذا رجعت میں بھی شہادت مستحب ہی ہوگی، واجب نہیں ہوگی۔

ویستحب أن یعلمھا الخ: فرماتے ہیں کہ شوہر کو چاہیے کہ رجعت سے اپنی بیوی کو بھی آگاہ کر دے، کیوں کہ جب بیوی کو معلوم رہے گا تو وہ اس کی تیاری میں رہے گی اور کسی دوسری جگہ شادی وغیرہ کرنے سے باز رہے گی، ورنہ تو عدم علم کی صورت میں اسے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے پیشگی اطلاع بہتر ہے۔

وَ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ، وَ إِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا، لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ إِنْشَاءَهُ فِي الْحَالِ فَكَانَ مُتَّهِمًا إِلَّا أَنَّ بِالتَّصْدِيْقِ تَرْتَفِعُ التُّهْمَةُ، وَ لَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَهِيَ مَسْئَلَةُ الْإِسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ وَ قَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ النِّكَاحِ.

ترجمہ: اور جب عدت ختم ہوگئی تو شوہر نے کہا میں نے عدت میں تم سے رجوع کر لیا تھا اور بیوی نے اس کی تصدیق کر دی تو وہ رجعت ہوگی اور اگر بیوی نے اس کی تکذیب کر دی تو بیوی کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو شوہر فی الحال پیدا کرنے کا مالک نہیں ہے، لہٰذا وہ متہم ہوگا، لیکن بیوی کی تصدیق سے تہمت ختم ہو جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بیوی پر قسم نہیں ہے اور یہ اشیائے ستہ میں استحلاف کا مسئلہ ہے اور کتاب النکاح میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

اللغات:

﴿انقضت﴾ گزر گئی، ختم ہوگئی۔ ﴿متھم﴾ تہمت والا۔ ﴿ترتفع﴾ اٹھ جائے گی۔

عدت کے بعد رجوع فی العدۃ کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی کی عدت ختم ہونے کے بعد شوہر نے اس سے کہا کہ میں نے تو عدت کے دوران تم سے رجعت کر لی تھی، لہٰذا ہمارا تمہارا نکاح باقی ہے اور بیوی نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو یہ رجعت شمار ہوگی اور ان دونوں کے لیے ازدواجی زندگی گذارنا صحیح ہوگا، لیکن اگر بیوی شوہر کی تکذیب کر دیتی ہے تو اس صورت میں بیوی کی تکذیب معتبر ہوگی اور رجعت

ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جسے فی الحال وہ پیدا نہیں کرسکتا، اس لیے اپنی خبر میں وہ متہم ہوگا ہاں جب بیوی تصدیق کردے گی تو اس کی تصدیق سے تہمت دور ہوجائے گی، اسی لیے ہم نے صورت مسئلہ میں رجعت کا معاملہ بیوی کی تصدیق اوراس کی تکذیب پر موقوف کردیا ہے۔ اور تصدیق یا تکذیب کی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی سے کسی طرح کی کوئی قسم نہیں لی جائے گی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ان چھ اشیاء میں قسم لینے سے متعلق ہے جو کتاب النکاح میں گذر چکا ہے، مگر صاحب بنایہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے، اس لیے کہ کتاب النکاح میں یہ مسئلہ نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کی معمولی سی جھلک بیان کی گئی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الدعوات میں ان شاء اللہ یہ بحث آئے گی۔ (۲۴۳/۵)

وَ إِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي لَمْ يَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَا تَصِحُّ، لِأَنَّهَا صَادَفَتِ الْعِدَّةَ إِذْهِيَ بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا إِلَى أَنْ تُخْبِرَ، وَ قَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ، وَ لِهٰذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي يَقَعُ الطَّلَاقُ، وَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهَا صَادَفَتْ حَالَةَ الْإِنْقِضَاءِ، لِأَنَّهَا أَمِيْنَةٌ فِي الْإِخْبَارِ عَنِ الْإِنْقِضَاءِ فَإِذَا أَخْبَرَتْ دَلَّ ذٰلِكَ عَلَى سَبْقِ الْإِنْقِضَاءِ، وَ أَقْرَبُ أَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ، وَ مَسْئَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ، وَ لَوْ كَانَتْ عَلَى الْإِتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِإِقْرَارِهٖ بَعْدَ الْإِنْقِضَاءِ، وَالْمُرَاجَعَةُ لَا يَثْبُتُ بِهٖ.

ترجمه: اور جب شوہر نے (اپنی بیوی سے) کہا میں نے تم سے رجعت کرلیا ہے اور بیوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت پوری ہوچکی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رجعت صحیح نہیں ہوگی، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ رجعت نے عدت کو پالیا، کیوں کہ ظاہراً عورت کے خبر دینے تک عدت باقی ہے اور رجعت خبر دینے پر مقدم ہے، اسی لیے اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دے دی اور بیوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت پوری ہوچکی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت نے انقضائے عدت کی حالت کو پالیا، کیوں کہ عدت ختم ہونے کی خبر دینے میں بیوی امین ہے، لہٰذا جب اس نے خبر دے دی تو یہ خبر دینا عدت کے پہلے گذرنے پر دلیل ہوگیا۔ اور انقضائے عدت کے احوال میں سب سے قریب ترین شوہر کے قول کا حال ہے۔ اور طلاق کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اگر متفق علیہ بھی ہوتو طلاق انقضائے عدت کے بعد شوہر کے اقرار سے واقع ہوگی اور اقرار سے رجعت ثابت نہیں ہوتی۔

اللغاتُ:

﴿مجيبة﴾ جواب دینے والی۔ ﴿صادفت﴾ آئی ہے، وارد ہوئی ہے۔ ﴿أمينة﴾ قابل اعتماد۔

عدت کے بعد رجوع فی العدة کا دعویٰ کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے یہ کہا کہ میں نے تم سے رجعت کرلی ہے، لیکن بیوی نے فوراً جواب

دیا کہ میری عدت تو پوری ہو چکی ہے، اب اس صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی مطلقہ بائنہ ہوگی اور رجعت صحیح نہیں ہوگی جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں رجعت صحیح ہوگی اور وہ عورت بدستور اس شخص کی بیوی رہے گی، کیوں کہ شوہر کا راجعتك کہنا اس بات کی علامت ہے کہ رجعت نے عدت کو پالیا ہے اور عدت رجعت ہی کے زمانے میں ہوئی ہے اور پھر ظاہر حال بھی یہی ہے کہ رجعت نے زمانۂ عدت کو پالیا ہو، اس لیے کہ بیوی عدت میں تھی اور اس کی عدت کا ختم ہونا اس کے خبر دینے سے معلوم ہوگا، مگر صورت مسئلہ میں اس کے خبر دینے سے پہلے ہی شوہر نے رجعت کی خبر دی ہے، اس لیے شوہر کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ وہ قول انقضائے عدت والی خبر سے مقدم ہے، اسی لیے اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں اور بیوی نے جواب میں کہا کہ میاں میری تو عدت بھی مکمل ہو چکی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ طلاق دینے کی خبر انقضائے عدت کی اطلاع اور خبر سے مقدم ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر کا قول اور اس کی طرف سے مراجعت کی اطلاع انقضائے عدت سے مقدم نہیں ہے، بلکہ حالتِ انقضاء کے ساتھ متصل ہے اور چوں کہ بیوی نے شوہر کی خبر کے ساتھ ساتھ انقضائے عدت کی خبر دی ہے، اس لیے اس کی یہ خبر مراجعت کی خبر سے مقدم بھی ہو سکتی ہے، کیوں کہ انقضائے عدت کی خبر دینے میں بیوی امین ہے اور امین کا قول معتبر ہوتا ہے، لہٰذا بیوی کا خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عدت شوہر کی مراجعت سے پہلے ہی ختم ہو چکی ہے اور چوں کہ پہلے ہونے میں شوہر کی مراجعت کی خبر کا حال سب سے قریب ترین حال ہے، اس لیے زیادہ دور نہیں تو کم از کم انقضائے عدت کے زمانے کو شوہر کی خبر مراجعت سے مقدم مانیں گے اور جب عدت کا ختم ہونا مراجعت سے مقدم ہوگا تو ظاہر ہے کہ مراجعت بھی ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ عدت گذرنے کے بعد رجعت کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

ومسألة الطلاق الخ: حضرات صاحبینؒ نے صورت مسئلہ کو مسئلہ طلاق پر قیاس کیا ہے صاحب ہدایہؒ یہاں سے اسی قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھائی طلاق والا مسئلہ بھی ہمارے اور تمہارے (امام صاحب اور صاحبینؒ کے) درمیان مختلف فیہ ہے، اس لیے اسے لیکر ہمارے خلاف قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہم اسے متفق علیہ مان بھی لیں تو بھی طلاق والے مسئلے میں انقضائے عدت کے بعد جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ شوہر کے اقرار کرنے سے واقع ہوتی ہے اور طلاق جس طرح دینے سے واقع ہوتی ہے اسی طرح اقرار کرنے سے بھی واقع ہوتی ہے، جب کہ مراجعت صرف رجعت سے ہوتی ہے نہ کہ اقرار رجعت سے اور وہ بھی ایام عدت میں ہوتی ہے نہ کہ عدت گذرنے کے بعد اور صورت مسئلہ میں چوں کہ عورت کی عدت گذرنے کے بعد مراجعت کی گئی ہے، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وَ إِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَ صَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَ كَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى، لِأَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوْكٌ لَهُ فَقَدْ أَقَرَّ بِمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ لِلزَّوْجِ فَشَابَهَ الْإِقْرَارَ عَلَيْهَا بِالنِّكَاحِ، وَهُوَ يَقُوْلُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يَبْتَنِيْ عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِي الْعِدَّةِ قَوْلُهَا فَكَذَا فِيْمَا يَبْتَنِيْ عَلَيْهَا، وَ لَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى وَ كَذَا عِنْدَهُ فِي الصَّحِيْحِ، لِأَنَّهَا مُنْقَضِيَةُ

الْعِدَّةِ فِي الْحَالِ وَ قَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتْعَةِ لِلْمَوْلٰى وَ لَا تُقْبَلُ قَوْلُهَا فِي إِبْطَالِهِ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّ الْمَوْلٰى بِالتَّصْدِيْقِ فِي الرَّجْعَةِ مُقِرٌّ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَ لَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ مَعَ الْعِدَّةِ، وَ إِنْ قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَ قَالَ الزَّوْجُ وَ الْمَوْلٰى لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا، لِأَنَّهَا أَمِيْنَةٌ فِي ذٰلِكَ إِذْ هِيَ الْعَالِمَةُ بِهِ.

ترجمہ: اور جب باندی کی عدت گذرنے کے بعد اس کے شوہر نے کہا میں نے تجھ سے رجعت کرلی تھی اور مولی نے اس کی تصدیق کردی لیکن باندی نے اسے جھٹلا دیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باندی کا قول معتبر ہوگا۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ مولی کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ باندی کا بضعہ مولیٰ کی ملکیت ہے، اس لیے کہ مولیٰ نے شوہر کے لیے ایسی چیز کا اقرار کیا ہے جو خالص اس کا حق ہے، لہٰذا یہ باندی پر نکاح کا اقرار کرنے کے مشابہ ہوگیا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجعت کا حکم عدت پر مبنی ہے اور عدت کے متعلق باندی کا قول معتبر ہوتا ہے لہٰذا اس چیز میں بھی باندی کا قول معتبر ہوگا جو عدت پر مبنی ہوگی۔

اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو حضرات صاحبین کے یہاں مولی کا قول معتبر ہوگا نیز صحیح قول کے مطابق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے، اس لیے کہ باندی فی الحال عدت کو پورا کرچکی ہے اور مولیٰ کے لیے ملک متعہ ظاہر ہوگئی ہے اور ملک متعہ باطل کرنے کے سلسلے میں باندی کا قول نہیں مانا جائے گا۔ برخلاف پہلی صورت کے، کیوں کہ مولیٰ رجعت کی تصدیق کرکے بوقت رجعت عدت کا اقرار کررہا ہے اور عدت کے ہوتے ہوئے اس کی ملکیت ظاہر نہیں ہوسکتی۔

اور اگر باندی نے یہ کہا کہ میری عدت پوری ہوگئی ہے اور شوہر و مولیٰ نے یہ کہا کہ تیری عدت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں امین ہے، اس لیے کہ باندی ہی انقضائے عدت کو جاننے والی ہے۔

اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿انقضاء﴾ ختم ہونا، گزر جانا۔ ﴿صدق﴾ تصدیق کر۔ ﴿بضع﴾ شرم گاہ۔ مراد: حقوق زوجیت۔ ﴿یبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے۔ ﴿منقضیة﴾ پوری ہوچکی، ختم ہوچکی۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں باندی کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی شخص کے نکاح میں تھی لیکن اس نے اسے طلاق رجعی دے دی اور پھر جب اس باندی کی عدت ختم ہوگئی تو شوہر نے کہا کہ بھائی تم اس وقت بھی میری زوجہ ہو اور میرے نکاح میں ہو، کیوں کہ میں نے عدت کے دوران تم سے رجعت کرلی تھی اور باندی کے مولیٰ نے اس رجعت کی تصدیق بھی کردی، مگر باندی اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئی اور اس نے اسے جھٹلا دیا تو اب اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باندی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں (بنایہ) اس کے برخلاف حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر اور مولیٰ کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت ہوجائے گی، کیوں کہ باندی اور اس کی ملک بضعہ مولیٰ کی ملکیت ہے اور مولیٰ نے شوہر کی تصدیق کرکے اس کے لیے اپنی اس ملکیت کا اقرار کیا ہے، لہٰذا شوہر کے لیے یہ ملکیت ثابت ہوگی اور رجعت متحقق ہوجائے گی۔ اور جس طرح اگر مولیٰ از سرنو باندی کے نکاح کا اقرار کرتا تو اس کا یہ اقرار صحیح ہوتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی رجعت کے حوالے سے اس

کی تصدیق اور اس کا اقرار معتبر ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں مسئلہ صرف رجعت کے اقرار یا انکار کا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز ہے جس کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور وہ چیز عدت ہے، کیوں کہ عدت ہی پر رجعت اور عدم رجعت کا مدار ہے، چنانچہ اگر عدت باقی ہے تو رجعت درست اور معتبر ہوگی اور اگر عدت ختم ہوگئی ہو تو پھر رجعت کا تحقق نہیں ہوسکتا، اور عدت کی بقاء یا عدم بقاء کے سلسلے میں بیوی کا قول معتبر ہے، لہٰذا جو چیز عدت پر مبنی اور موقوف ہو اس کے بھی وقوع یا عدم وقوع کے سلسلے میں بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا اور چوں کہ رجعت اپنے تمام لوازمات ومتعلقات سمیت عدت پر موقوف ہے، اس لیے اس سلسلے میں بھی بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا اور صورت مسئلہ میں چوں کہ بیوی رجعت کی تکذیب کررہی ہے، اس لیے رجعت ثابت نہیں ہوگی۔

ولو کان علی القلب: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسئلے کی نوعیت ماقبل میں بیان کردہ صورت مسئلہ سے الگ ہو بایں طور کہ باندی تو شوہر کے رجعت کرلینے کی تصدیق کرے، لیکن مولیٰ اس کی تکذیب کرے تو اس صورت میں حضرات صاحبینؒ کے یہاں بھی مولیٰ ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی اور صحیح قول کے مطابق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے یعنی ان کے یہاں بھی مولیٰ ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ باندی فی الحال عدت کو پورا اور مکمل کرلینے والی ہے اور انقضائے عدت کی صورت میں باندی اور اس کے شوہر میں علیحدگی ثابت ہوکر باندی کے منافع بضع ایک بار پھر مولیٰ کے لیے ثابت ہوچکے ہیں اور یہ ثبوت باندی اور اس کے شوہر کے اقرار مراجعت سے باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ اب باندی کے منافع بضع خالص مولیٰ کا حق ہیں اور شوہر اور باندی اس حق پر اپنا حق جمانے کی کوشش کررہے ہیں جب کہ مولیٰ اور مالک اس کا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے (بشرطیکہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو) اس کے برخلاف پہلی صورت میں رجعت اس لیے ثابت نہیں ہوگی اور باندی کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ اس صورت میں اگرچہ مولیٰ کی تصدیق شامل حال ہے اور تصدیق مولیٰ کے پیش نظر رجعت ثابت ہونی چاہیے تھی مگر پھر بھی اس کا عدم ثبوت بایں معنی ہے کہ رجعت کی تصدیق کرکے مولیٰ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ بوقت رجعت عدت باقی تھی کیوں کہ بقائے عدت کے بغیر رجعت ہی معتبر نہیں ہوگی اور جب باندی کی عدت باقی تھی تو اس وقت وہ شوہر کی ملکیت تھی اور اس کا بضعہ بھی شوہر کا حق تھا نہ کہ مولیٰ کا، لہٰذا وہاں مولیٰ کی تصدیق سے مسئلہ رجعت پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا اور باندی ہی کا قول معتبر ہوگا۔

و إن قالت الخ: مسئلہ یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گذر چکی ہے اور طلاق اور دعوائے انقضاء میں اتنے ایام کا فاصلہ ہو کہ عدت کا گذرنا ممکن ہو، لیکن شوہر اور مولیٰ یہ کہیں کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور تمہاری عدت پوری نہیں ہوئی ہے تو اس سلسلے میں بھی بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ بیوی ہی انقضائے عدت سے باخبر ہوتی ہے اور اس سلسلے میں وہ امین ہوتی ہے اور امین کا قول بلاچوں چرا تسلیم کیا جاتا ہے۔

وَ إِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ إِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَ إِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ، وَ إِنِ انْقَطَعَ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ يَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ أَوْ يُمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلَاةٍ كَامِلٍ، لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيْدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ فَبِمُجَرَّدِ الْإِنْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَ إِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ، وَ فِيْمَا دُوْنَ الْعَشَرَةِ

يَحْتَمِلُ عَوْدُ الدَّمِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَعْتَضِدَ الْإِنْقِطَاعُ بِحَقِيْقَةِ الْإِغْتِسَالِ أَوْ بِلُزُوْمِ حُكْمٍ مِنْ أَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ بِمُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً، لِأَنَّهُ لَا يُتَوَقَّعُ فِيْ حَقِّهَا أَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَاكْتُفِيَ بِالْإِنْقِطَاعِ، وَ تَنْقَطِعُ إِذَا تَيَمَّمَتْ وَ صَلَّتْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَ هٰذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ إِذَا تَيَمَّمَتْ إِنْقَطَعَتْ، وَ هٰذَا قِيَاسٌ، لِأَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ حَتّٰى يَثْبُتُ بِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ مَا يَثْبُتُ بِالْإِغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ وَ إِنَّمَا اعْتُبِرَ طَهَارَةً ضَرُوْرَةً أَن لَّا تَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ، وَ هٰذِهِ الضَّرُوْرَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ أَدَاءِ الصَّلٰوةِ لَا فِيْمَا قَبْلَهَا مِنَ الْأَوْقَاتِ، وَ الْأَحْكَامُ الثَّابِتَةُ أَيْضًا ضَرُوْرِيَّةٌ اِقْتِضَائِيَّةٌ، ثُمَّ قِيْلَ تَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الشُّرُوْعِ عِنْدَهُمَا وَ قِيْلَ بَعْدَ الْفَرَاغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: اور جب دس دن پر تیسرے حیض کا خون بند ہوا تو رجعت ختم ہوگئی اگر چہ عورت نے غسل نہیں کیا۔ اور اگر دس دن سے کم میں بند ہوا تو رجعت منقطع نہیں ہوئی یہاں تک کہ عورت غسل کرلے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت گذر جائے، اس لیے کہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں آتا، لہذا (دس دن کے بعد) صرف خون بند ہونے سے عورت حیض سے نکل گئی اور عدت پوری ہوگئی اور رجعت بھی ختم ہوگئی۔ اور دس دن سے کم میں خون کے دوبارہ آنے کا احتمال رہتا ہے، لہذا (اس صورت میں) حقیقت اغتسال کے ساتھ انقطاع دم کو تقویت دینا ضروری ہے یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کسی حکم کے اس پر لازم ہونے کے ساتھ (انقطاع کو تقویت دینا ضروری ہے) مثلاً کامل نماز کا وقت گذرنے کے ساتھ۔

برخلاف اس صورت کے جب عورت کتابیہ ہو، کیوں کہ اس کے حق میں کسی زائد علامت کی توقع نہیں ہوتی، لہذا انقطاع دم پر اکتفاء کرلیا جائے گا۔ اور اگر عورت نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو حضرات شیخینؒ کے یہاں رجعت منقطع ہوجائے گی اور یہ استحسان ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے تیمّم کیا تبھی رجعت ختم ہوگئی اور یہ قیاس ہے، کیوں کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت مطلقہ ہے حتی کہ اس کے ذریعے وہ تمام احکام ثابت ہوتے ہیں جو غسل کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں، لہذا تیمم غسل کے درجے میں ہوگا۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ملوّث کرنے والا ہے نہ پاک کرنے والا ہاں ضرورت کے تحت اسے طہارت مان لیا گیا ہے تا کہ واجبات کئی گنا زیادہ نہ ہوجائیں۔ اور یہ ضرورت نماز اداء کرنے کی حالت میں متحقق ہوگی نہ کہ اس سے پہلے وقتوں میں، اور تیمم کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام بھی بر بنائے ضرورت بتقاضۂ صلاۃ ہوتے ہیں۔

پھر ایک قول یہ ہے کہ حضرات شیخینؒ کے یہاں نماز شروع کرتے ہی رجعت ختم ہوجائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد رجعت ختم ہوگی تا کہ جوازِ صلاۃ کا حکم پختہ ہوجائے۔

اللغات:

﴿انقطعت﴾ پوری ہوگئی، ختم ہوگئی۔ ﴿یعتضد﴾ تقویت دی جائے۔ ﴿ملوّث﴾ آلودہ کرنے والا۔ ﴿مطهّر﴾ پاک کرنے والا۔ ﴿لا تتضاعف﴾ کئی گنا بڑھ نہ جائیں۔

عدت کب ختم ہوتی ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت مطلقہ رجعیہ ہے اور وہ اپنی عدت گذار رہی ہے اور عدت میں دو حیض گذر چکے ہیں اور تیسرے حیض میں دس دن مکمل ہونے پر اس کا خون بند ہوگیا، تو اب اس صورت میں جیسے ہی دس دن مکمل ہوئے اور خون بند ہوا اسی وقت اس کی عدت بھی ختم ہوگئی اور رجعت کا چانس اور احتمال بھی ختم ہوگیا، کیوں کہ جب دس دن مکمل ہونے کے بعد خون بند ہوا تو یقینی طور سے وہ عورت حیض سے پاک ہوگئی اور طاہرات عورتوں کی فہرست میں داخل ہوگئی اور اب اس کی طہارت کے لیے کسی دوسری علامت کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے یہاں دس دن سے زیادہ حیض کا خون نہیں آتا، اس لیے دس دن مکمل ہوتے ہی انقطاع رجعت وعدت کا حکم لاگو ہوجائے گا۔

اس کے برخلاف اگر تیسرے حیض میں دس دن سے کم میں خون بند ہوا تو محض انقطاع دم سے انقطاع عدت ورجعت کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ انقطاع عدت کے لیے کسی ایسی علامت کا ہونا ضروری ہوگا جس سے انقطاع حیض کا علم ہوجائے اور وہ حائضہ عورت طاہرات عورتوں کی فہرست میں شمار ہونے لگے اور خون کے عود کرنے کا احتمال بند ہوجائے۔ اور یہ خاص علامت یا تو غسل ہے یا پھر اتنی مدت تک خون کا بند رہنا ہے کہ اس عورت پر ایک کامل نماز کا وقت گذر جائے، چنانچہ اگر وہ عورت غسل کر لیتی ہے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت بدون جریان خون گذر جاتا ہے تو اس سے اس کے طاہرہ ہونے کے پہلو کو ترجیح مل جائے گی اور وہ طاہرات کی صف میں شامل ہوجائے گی اور اس وقت سے اس کی عدت اور احتمال رجعت کو ختم مانا جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر کوئی کتابیہ عورت مطلقہ رجعیہ ہو اور تیسرے حیض میں دس دن سے کم میں اس کا خون بند ہوگیا ہو تو اس کے حق میں صرف انقطاع دم ہی سے عدت اور رجعت کا اختتام ہوجائے گا اور کسی دوسری علامت کی ضرورت نہیں رہے گی، کیوں کہ مسلمہ عورت کے حق میں اغتسال اور نماز علامت زائدہ ہیں اور کتابیہ عورت پر نہ تو نماز فرض ہے اور نہ ہی غسل، اس لیے اس کے حق میں صرف انقطاع دم ہی سے اتمام عدت کا فیصلہ کردیا جائے گا۔

وتنقطع الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مطلقہ رجعیہ عورت کا خون دس دن سے کم میں بند ہوا اور اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں عدت اور رجعت کا انقطاع ہوجائے گا اور اگر اس نے صرف تیمّم کیا اور نماز نہیں پڑھا تو ان حضرات کے یہاں انقطاع نہیں ہوگا، بلکہ انقطاع کے لیے نماز پڑھنا یا ایک کامل نماز کے وقت کا گذرنا شرط ہے، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محض تیمّم ہی سے انقطاع متحقق ہوجائے گا اور نماز پڑھنے کی شرط نہیں ہوگی، یہاں دراصل جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ قیاس ہے اور جو حضرات شیخین کا قول ہے وہ استحسان ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم طہارت مطلقہ ہے اور جو احکام پانی سے وضو کرنے پر ثابت ہوتے ہیں وہ سب کے سب تیمّم کرنے پر بھی ثابت اور حاصل ہوجاتے ہیں، لہٰذا جو حکم غسل کا ہوگا وہی تیمّم کا بھی ہوگا اور صرف غسل کرنے سے انقطاع متحقق ہوجاتا ہے لہٰذا صرف تیمّم کرنے سے بھی انقطاع عدت

ورجعت کا تحقق ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم حقیقت میں مطہر نہیں، بلکہ ملوث ہے اور انسان کے اعضاء کو مٹی میں آلودہ کرنے والا ہے مگر پانی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں مسلمان کے لیے ادائیگی صلاۃ وغیرہ کی ضرورت کے پیش نظر اسے مطہر مان لیا گیا ہے، تاکہ بندۂ مومن کے ذمے کئی نمازیں قضاء نہ ہونے پائیں اور وہ بعد میں پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ اور چوں کہ یہ ضرورت صرف ادائیگی صلاۃ کی حالت میں متحقق ہوتی ہے اور اس سے پہلے اس ضرورت کی کوئی خاص ضرورت نہیں پڑتی، اس لیے صرف ادائیگی صلاۃ کی حالت میں تیمم کو مطہر مانیں گے اور اگر حائضہ مطلقہ تیمم کے بعد نماز بھی پڑھ لیتی ہے تب تو اس کی طہارت ثابت ہو کر اس کی عدت پوری ہوگی ورنہ نہیں۔ راقم الحروف کے ناقص خیال میں صورت مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ زیادہ قوی ہے، کیوں کہ خود حضرات شیخینؒ بھی شوافع کے خلاف تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں اور ایک تیمم سے متعدد نمازوں کے جواز کے لیے تیمم کی طہارت کے مطلق ہونے پر بڑی شدومد کے ساتھ نعرہ لگاتے ہیں۔ (عبدالحلیم قاسمی بستوی)

والأحكام الخ: یہاں سے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ دلیل میں **حتی یثبت به الخ** سے جو قیاس پیش کیا گیا تھا اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیمم کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کا غسل کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کے مماثل اور مشابہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصف طہارت میں تیمم غسل کے مساوی اور برابر ہے، بلکہ جس طرح تیمم سے حاصل ہونے والی طہارت ضرورت کے تحت ہوتی ہے اسی طرح تیمم سے ثابت ہونے والے احکام بھی بر بنائے ضرورت اور بتقاضائے صلاۃ ہی ثابت ہوتے ہیں چنانچہ تیمم سے قراءت قرآن کا جواز، دخول مسجد کا جواز اور آیت سجدہ کی تلاوت وغیرہ کا جواز سب ضرورتاً ثابت ہوتے ہیں اور تقاضۂ صلاۃ کے پیش نظر ثابت ہوتے ہیں، اس لیے کہ نماز پڑھنے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا اور مسجد میں داخل ہونا نیز دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کرنے پر سجدہ کرنا ناگزیر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اعمال تقاضۂ صلوٰۃ کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے ثبوت اعمال کو لیکر تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

ثم قیل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حصول طہارت اور انقطاع عدت کے لیے جب حضرات شیخینؒ کے یہاں تیمم کے بعد نماز پڑھنا بھی شرط ٹھہرا تو اس شرط کا وقوع کب مانا جائے گا؟ اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ نماز شروع کرتے ہی رجعت وعدت کا انقطاع ہو جائے گا اور انقطاع کے لیے نماز سے فارغ ہونا ضروری نہیں ہے، (۲) لیکن دوسرا اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ صرف نماز شروع کرنے سے رجعت کا انقطاع متحقق نہیں ہوگا، بلکہ شروع کرنے کے بعد جب عورت نماز سے فارغ ہو جائے گی تب انقطاع رجعت متحقق ہوگا، اس لیے کہ نماز کو شروع کرنا نماز شروع نہ کرنے کی طرح ہے بایں معنی کہ جس طرح شروع کرنے کے سے پہلے پانی پر قادر ہونے کی صورت میں تیمم باطل ہو جاتا ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد مکمل کرنے سے پہلے پہلے پانی پر قدرت ہونے کی صورت میں بھی تیمم باطل ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر تیمم سے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر پانی پر قادر ہونے سے صحت نماز پر کوئی اثر نہیں ہوگا اگرچہ وہ سلام پھیرتے ہی پانی پر قادر ہوئی ہو۔ اس لیے انقطاع عدت وغیرہ کے سلسلے میں نماز کا ختم ہونا معتبر ہے، صاحب بنایہ نے لکھا ہے **وهو الصحيح كذا في المبسوط** (۲۳۹/۵)۔

وَ إِذَا اغْتَسَلَتْ وَ نَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَإِنْ كَانَ عُضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ، وَ إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ إِنْقَطَعَتْ، قَالَ وَ هٰذَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ فِي عُضْوِ الْكَامِلِ أَنْ لَا تَبْقَى الرَّجْعَةُ لِأَنَّهَا غَسَلَتِ الْأَكْثَرَ، وَالْقِيَاسُ فِيْمَا دُوْنَ الْعُضْوِ أَنْ تَبْقٰى، لِأَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ لَا يَتَجَزّٰى ، وَ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقِلَّتِهٖ فَلَا يَتَيَقَّنُ بِعَدَمِ وُصُوْلِ الْمَاءِ إِلَيْهِ فَقُلْنَا إِنَّهٗ تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَ لَا تَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ اخِذًا بِالْإِحْتِيَاطِ فِيْهِمَا، بِخِلَافِ الْعُضْوِ الْكَامِلِ، لِأَنَّهٗ لَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْجَفَافُ وَ لَا يُغْفَلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ تَرْكَ الْمَضْمَضَةِ وَالْإِسْتِنْشَاقِ كَتَرْكِ عُضْوٍ كَامِلٍ وَ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ، لِأَنَّ فِيْ فَرْضِيَّتِهٖ اخْتِلَافًا، بِخِلَافِ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَعْضَاءِ.

ترجمہ: اور جب عورت نے غسل کیا اور اپنے بدن کا کوئی حصہ بھول گئی جہاں پانی نہیں پہنچا تو اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت منقطع نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہو جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ استحسان ہے اور عضو کامل میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی نہ رہے اس لیے کہ عورت نے اکثر حصوں کو دھولیا ہے اور ایک عضو سے کم میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی رہے، اس لیے کہ جنابت اور حیض کا حکم متجزی نہیں ہوتا۔ استحسان کی دلیل (اور یہی دلیل عضو کامل اور اس سے کم میں فرق بھی ہے) یہ ہے کہ ایک عضو سے کم میں بہت جلد خشکی سرایت کر جاتی ہے، کیوں کہ وہ کم ہوتا ہے، لہٰذا اس عضو تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہوتا، اسی لیے ہم نے کہا کہ رجعت منقطع ہو جائے گی اور اس عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا حلال نہیں ہے دونوں میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔

برخلاف عضو کامل کے کیوں کہ اس کی طرف خشکیاں سرایت نہیں کرتیں اور عادتاً اس سے غافل بھی نہیں ہوا جاتا اس لیے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو چھوڑنا عضو کامل کو چھوڑنے کی طرح ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ ایک عضو سے کم کے درجے میں ہے، اس لیے کہ ان کی فرضیت میں اختلاف ہے برخلاف ان کے علاوہ دیگر اعضاء کے۔

اللغات:

﴿اغتسلت﴾ نہائی۔ ﴿نسیت﴾ بھول گئی۔ ﴿لم یصب﴾ نہیں پہنچا۔ ﴿یتسارع﴾ جلدی کرتا ہے۔ ﴿جفاف﴾ خشک ہونا۔ ﴿لا یتیقّن﴾ یقین نہیں کیا جا سکتا۔ ﴿لا یغفل﴾ لا پرواہی نہیں کی جاتی۔

حائضہ مطلقہ غسل میں کوئی عضو بھول گئی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مطلقہ رجعیہ حائضہ عورت کا خون تیسرے حیض سے دس دن سے کم میں بند ہوا اور اس عورت نے غسل کرلیا لیکن وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ دھونا بھول گئی اور وہاں تک پانی نہ پہنچا سکی تو جس حصے کو وہ بھول گئی ہے اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے زائد ہو تب تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا اور اس وقت رجعت بھی ختم نہیں ہوگی، لیکن اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور غسل بھی صحیح ہوگا اور رجعت کا اختتام بھی متحقق ہو جائے گا، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ استحسان ہے اور عضو کامل میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی نہ رہے یعنی اگر دورانِ غسل عضو کامل چھوٹ جائے تو بھی غسل متحقق ہو کر رجعت اور عدت کا معاملہ ختم ہو جائے، کیوں کہ اگر چہ یہ عضو کامل ترک ہوا ہے مگر عورت نے اس عضو کے علاوہ پورے بدن کو دھولیا ہے جو ایک عضو کامل سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ للأکثر حکم الکل اس لیے اس صورت میں بھی رجعت کو ختم ہونا چاہیے صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس یہ ہے کہ محل قیاس مادون العضو ہے یعنی اگر ایک عضو سے کم حصہ بھی غسل سے خالی رہ جائے گا تو غسل صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں بھی حدث باقی رہے گا اس لیے کہ حیض اور جنابت وغیرہ کے احکام میں تجزی نہیں ہوتی۔ اور جب تک حدث باقی رہے گا اس وقت تک غسل صحیح نہیں ہوگا اور جب غسل صحیح نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ رجعت اور عدت بھی ختم نہیں ہوں گی بلکہ باقی رہیں گی۔

ووجه الاستحسان الخ: متن کے تحت جو استحسان کا مسئلہ بیان کیا گیا تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک عضو سے کم حصہ انتہائی کم اور معمولی رہتا ہے اور اس کے کم ہونے ہی کی وجہ سے اس کی طرف جلدی خشکی سرایت کر جاتی ہے اور اس تک پانی کے نہ پہنچنے کا یقین ہی نہیں ہوتا یعنی انسان کا دھیان ہی اس طرف نہیں جاتا کہ اس نے اس معمولی حصے کو نہ دھویا ہو بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے دھلا تھا لیکن وہ جلدی سے خشک ہوگیا اس لیے احتیاطاً اس صورت میں حکم یہ ہے کہ رجعت منقطع ہو جائے اور عدت ختم ہو جائے، مگر چوں کہ یہ انقطاع بر بنائے احتیاط ہے اسی لیے ایسی عورت کے لیے اس غسل کے فوراً بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ عضو یقینی طور پر نہ دھویا گیا، ہو اور عدت میں نکاح ہو جائے حالاں کہ معتدۃ الغیر سے نکاح حلال نہیں ہے، اسی لیے احتیاط کے پیش نظر مذکورہ عورت کو نکاح سے منع کیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف عضو کامل کا مسئلہ ہے تو اس کے ترک سے رجعت منقطع نہیں ہوگی، کیوں کہ نہ تو کامل عضو دھونے کے بعد جلدی خشک ہوتا ہے اور نہ ہی عادتاً اسے ترک کیا جاتا ہے بلکہ عام طور پر ایک عضو کو تو دھو ہی لیا جاتا ہے، اس لیے اس کا چھوٹنا انقطاع رجعت کا سبب نہیں ہوگا اور اس صورت میں بدستور رجعت وعدت باقی رہے گی، اور یہی فرق ہے عضو کامل اور عضو ناقص میں کہ عضو ناقص سے عموماً غفلت برتی جاتی ہے اور عضو کامل کو عموماً دھویا جاتا ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے اور دونوں کو ایک سمجھنا درست نہیں ہے۔

وعن أبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی حائضہ عورت نے غسل کرتے وقت کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ترک کردیا تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت جو ہشام کی ہے وہ یہ ہے کہ مضمضہ (کلی کرنا) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) کا ترک بھی عضو کامل کے ترک کی طرح ہے یعنی قیاساً امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی رجعت منقطع ہو جائے گی کیوں کہ وہ للأکثر حکم الکل والا ضابطہ اپناتے ہیں البتہ

استحساناً رجعت منقطع نہیں ہوگی۔ (۲) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت جسے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کا ترک مادون العضو کے ترک کے درجے میں ہے اور مادون العضو کے ترک میں چوں کہ رجعت ہر طرح سے منقطع ہوجاتی ہے، اس لیے اس صورت میں بھی رجعت منقطع ہوجائے گی خاص کر اس وجہ سے بھی کہ مضمضہ اور استنشاق کی فرضیت میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ چیزیں وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں جب کہ ہمارے یہاں وضو میں تو یہ سنت ہیں البتہ غسل میں فرض ہیں، لہٰذا جب ان کی فرضیت کے حوالے سے اختلاف ہے تو ان کے ترک کی صورت میں انقطاع رجعت کا حکم لگانے میں ہی احتیاط ہے۔

وَ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ أَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَ قَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا فَلَهُ الرَّجْعَةُ، لِأَنَّ الْحَبْلَ مَتٰى ظَهَرَ فِيْ مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ أَنْ يَكُوْنَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ[1] ((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ)) وَ ذٰلِكَ دَلِيْلُ الْوَطْيِ مِنْهُ، وَ كَذَا إِذَا ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا، وَ إِذَا ثَبَتَ الْوَطْيُ تَأَكَّدَ الْمِلْكُ، وَالطَّلَاقُ فِيْ مِلْكٍ مُتَأَكَّدٍ يُعَقِّبُ الرَّجْعَةَ وَ يَبْطُلُ زَعْمُهُ بِتَكْذِيْبِ الشَّرْعِ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ يَثْبُتُ بِهٰذَا الْوَطْيِ الْإِحْصَانُ فَلِأَنْ تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ أَوْلٰى، وَ تَاوِيْلُ مَسْأَلَةِ الْوِلَادَةِ أَنْ تَلِدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تُتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ.

ترجمه: جس شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حاملہ تھی، یا بیوی نے اس سے بچہ جنا اور شوہر نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو اس کو رجعت کا حق ہے، اس لیے کہ حمل جب ایسی مدت میں ظاہر ہوا جس کا شوہر سے ہونا ممکن ہے تو اسے شوہر ہی کا حمل قرار دیا جائے گا،، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''بچہ فراش کا ہے'' اور یہ شوہر سے وطی کی دلیل ہے نیز جب شوہر سے بچے کا نسب ثابت ہوگیا تو شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور جب وطی ثابت ہوگئی تو ملکیت موکد ہوجائے گی۔ اور ملک موکد میں طلاق کے بعد رجعت واقع ہوتی ہے اور شریعت کی تکذیب سے شوہر کا دعویٰ باطل ہوجائے گا۔ کیا دکھتا نہیں کہ اس وطی سے احصان ثابت ہوجاتا ہے تو رجعت تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ اور مسئلہ ولادت کی تاویل یہ ہے کہ بیوی نے طلاق سے پہلے بچہ جنا ہو، اس لیے کہ اگر وہ طلاق کے بعد بچہ جنے گی تو ولادت سے عدت پوری ہوجائے گی اور رجعت متصور نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿لم أجامع﴾ میں نے جماع نہیں کیا۔ ﴿جعل﴾ بنایا جائے گا۔ ﴿یعقب﴾ پیچھے لائی ہے۔ ﴿زعم﴾ گمان، وہم۔ ﴿تنقضی﴾ پوری ہوجائے گی۔

تخریج:

[1] اخرجہ الائمۃ الستۃ فی کتبھم و البخاری فی کتاب الفرائض باب الولد للفراش، حدیث رقم: ٦٧٥٠.
و مسلم فی کتاب الرضاع، حدیث: ٣٧. و ابوداؤد فی کتاب الطلاق. حدیث: ٢٢٧٤.
والترمذی فی کتاب الوصایا، باب ٥. و ابن ماجہ. فی کتاب النکاح باب الولد للفراش و للعاھر الحجر. حدیث رقم: ٢٠٠٧.

حاملہ سے رجوع کرنا جبکہ شوہر وطی کا منکر ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حاملہ تھی یا بیوی نے بچہ جنا اور شوہر نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا ہے پھر اس نے اس کو طلاق دی تو اس انکار کے بعد بھی شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں حاملہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے بعد وضع حمل سے پہلے پہلے بیوی شوہر کی عدت میں ہے اور دوران عدت رجعت کرنا صحیح ہے اور دوسری صورت میں بیوی نے طلاق سے پہلے شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے بچہ جنا ہے، اس لیے شوہر کے انکار کے باوجود اس کو بیوی سے رجعت کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ جب حمل اتنی مدت میں ظاہر ہوا یعنی جب بیوی نے اتنی مدت میں بچہ جنا کہ اس مدت میں اس حمل کو شوہر کا حمل قرار دینا ممکن ہے مثلاً طلاق کے بعد چھ ماہ سے کم میں بیوی نے بچہ جنا تو یہ بچہ شوہر ہی کا سمجھا جائے گا اور اس حمل کو شوہر ہی کا حمل قرار دیا جائے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ تو صاحب فراش کا ہی ہوتا ہے اور چوں کہ وہ عورت اس سے پہلے اپنے شوہر کی بیوی تھی اس لیے وہ بچہ بھی اسی کا ہوگا۔ اور جب بچہ شوہر کا ہوگا تو شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور وطی ثابت ہونے کی صورت میں اس عورت پر شوہر کی ملکیت موکد ہو جائے گی اور عورت مدخول بہا شمار ہوگی اور ملک موکد میں طلاق کے بعد ہی رجعت واقع ہوتی ہے، اس لیے شوہر کے لیے رجعت کرنا صحیح ہے، رہا شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے جماع نہیں کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اس کے انکار کے مقابلے میں شریعت کا اقرار ہے اور شریعت نے دلالت حال کے پیش نظر اس سے نسب کو ثابت کیا ہے اور شریعت کا اقرار اقویٰ ہے، اس لیے وہ شوہر کے انکار پر غالب ہو جائے گا۔

ألا ترى الخ: صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پہلے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ملک موکد میں طلاق رجعت کو ثابت کرتی ہے، یہاں سے اسی دعوے کی مزید وضاحت اور دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شوہر کی مذکورہ وطی سے احصان ثابت ہو جائے گا اور سزا اور عقوبت وغیرہ کے وجوب میں احصان موثر ہے، لہٰذا جب اس وطی سے احصان ثابت ہو رہا ہے تو رجعت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی، کیوں کہ رجعت سے عقوبت وغیرہ کا وجوب متعلق نہیں ہے۔ (عنایہ، بنایہ ۵/۲۴۲)

وتأويل مسئالة الخ: متن میں جو أو ولدت منه بیان کیا گیا ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل اور تشریح یہ ہے کہ وہ عورت طلاق سے پہلے شوہر کے نکاح میں بچہ جنے، تاکہ رجعت ہو سکے، کیوں کہ اگر طلاق کے بعد بچہ جنے گی تو وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور پھر رجعت کا امکان ختم ہو جائے گا۔ اس لیے امکان رجعت کے لیے یہاں یہ تاویل کرنی ہوگی کہ اس نے طلاق سے پہلے بچہ جنا ہو۔

فَإِنْ خَلَا بِهَا وَ أَغْلَقَ بَابًا أَوْ أَرْخَى سِتْرًا وَ قَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكِ الرَّجْعَةَ لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوَطْئِ وَ قَدْ أَقَرَّ بِعَدَمِهِ فَيُصَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَالرَّجْعَةُ حَقُّهُ وَ لَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا شَرْعًا، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمّٰى يَبْتَنِيْ عَلٰى تَسْلِيْمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ، بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ، فَإِنْ رَاجَعَهَا مَعْنَاهُ بَعْدَ مَا خَلَا بِهَا وَ قَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِيَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ

النَّسَبُ مِنْهُ، إِذْ هِيَ لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَبْقَى فِي الْبَطْنِ هٰذِهِ الْمُدَّةَ فَأُنْزِلَ وَاطِيًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُوْنَ مَا بَعْدَهُ، لِأَنَّ عَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوَطْيِ قَبْلَهُ فَيَحْرُمُ الْوَطْيُ، وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کرلیا یا پردہ ڈالدیا اور کہا کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو وہ رجعت کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے کہ ملک وطی کے ذریعے موکد ہوتی ہے حالاں کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کا اقرار کرلیا ہے، لہٰذا شوہر کے حق میں اس کے اقرار کی تصدیق کرلی جائے گی اور رجعت اس کا حق ہے۔ اور شرعاً اسے جھٹلایا نہیں جائیگا۔ برخلاف مہر کے اس لیے کہ مہر متعین کا موکد ہونا مبدل کی تسلیم پر مبنی ہے نہ کہ قبضۂ مبدل پر۔ برخلاف پہلی صورت کے۔

پھر اگر شوہر نے اس سے رجعت کرلی یعنی اس کے ساتھ خلوت کرنے اور لم اجامعها کہنے کے بعد پھر دو سال سے ایک دن کم میں اس عورت نے بچہ جنا تو وہ رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ یہ نسب شوہر سے ثابت ہوگیا کیوں کہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہیں کیا اور اس مدت میں بچہ عورت کے بطن میں باقی رہ سکتا ہے، اس لیے شوہر کو طلاق سے پہلے وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا، نہ کہ طلاق کے بعد اس لیے کہ دوسرے کا اعتبار کرنے پر نفس طلاق ہی سے ملکیت ختم ہوجائے گی، کیوں کہ طلاق سے پہلے وطی معدوم ہے، لہٰذا وطی حرام ہوگی اور مسلمان حرام کام نہیں کرتا۔

اللغات:

﴿أغلق﴾ بند کرلیا۔ ﴿أرخى﴾ لٹکایا۔ ﴿ستر﴾ پردہ۔ ﴿يصدّق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿يبتنى﴾ مبنی ہوتا ہے۔ ﴿لم تقر﴾ اقرار نہیں کیا۔

خلوت کے بعد انکار وطی سے رجوع کے ساقط ہونے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا یا دروازہ پر پردہ ڈالدیا اور بعد میں یہ کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے اور یہ کہہ کر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی بیوی مطلقہ بدون عدت ہوگی اور شوہر کو رجعت کا حق نہیں ہوگا، کیوں کہ بیوی غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا عورت کو اگر طلاق دی جائے تو طلاق دیتے ہی وہ بائنہ ہوجاتی ہے اور نہ تو شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اس لیے کہ بیوی پر شوہر کی ملکیت وطی کے ذریعے موکد ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کا اقرار کیا ہے، اس لیے اس کا یہ اقرار اس کے حق میں معتبر مانا جائے گا اور اس اقرار کی وجہ سے رجعت جو شوہر کا حق ہے وہ ساقط ہوجائے گا۔

ولم يصر مكذبا الخ: یہاں سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے: اعتراض یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر سے حق رجعت کو ساقط کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اپنے قول لم اجامعها میں شرعاً مکذب ہے اور شریعت کی طرف سے اس کی تکذیب ہورہی ہے اس لیے کہ اگر اس کی تکذیب نہ ہوتی تو اس پر مہر واجب نہ ہوتا حالاں کہ خلوت صحیحہ کے بعد شوہر پر مہر کامل واجب ہوا ہے، لہٰذا مہر کامل کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے قول لم اجامعها میں شرعاً جھوٹا ہے اور جب وہ جھوٹا ہے تو اس کا حق رجعت

ساقط نہیں ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مہر کامل کے واجب ہونے سے نہ تو شوہر کا جماع کرنا لازم آتا ہے اور نہ ہی شرعاً اس کا جھوٹا ہونا، کیوں کہ مہر کامل کا وجوب جماع یا وطی سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ وجوب مبدل یعنی عورت کی طرف سے بضع کو تسلیم کرنے اور شوہر کے سپرد کرنے سے متعلق ہے خواہ شوہر اس پر قبضہ کرے یا نہ کرے اور خلوت صحیحہ میں چوں کہ عورت کی طرف سے مبدل یعنی بضع کو شوہر کے حوالے کرنا پایا گیا ہے، اس لیے شوہر پر کامل مہر واجب ہوگا۔

اس کے برخلاف پہلی صورت میں چوں کہ ثبوت نسب کا معاملہ ہے اور ثبوت نسب کے لیے وطی کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے اس صورت میں اگر شوہر لم اجامعھا کہتا ہے تو شرعاً اس کی تکذیب کی جائے گی۔ ورنہ تو حمل کا بدون وطی ہونا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے اور اس میں بے شمار خرابیاں ہیں۔

فإن راجعها الخ: اس کا حاصل یہ ہے اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت کرنے کے بعد لم أجامعها کہا اس کے بعد اس نے اس سے رجعت بھی کرلی اور پھر اس عورت نے دو سال سے ایک دن کم میں بچہ جنا تو یہ رجعت بھی صحیح ہوگی اور اس بچے کا نسب بھی مذکورہ شوہر سے ثابت ہوگا اور جب نسب ثابت ہوگا تو ظاہر ہے کہ وطی بھی ثابت ہوگی، اس لیے کہ بدون وطی نسب کا ثبوت ممکن نہیں ہے اور جب وطی ثابت ہوئی تو شوہر اپنے قول لم أجامعها میں جھوٹا ہوگیا اور اس کے لیے رجعت ثابت ہوگئی اور اس کا رجعت کرنا صحیح ہوا اور چوں کہ عورت نے حمل کی وجہ سے انقضائے عدت کا بھی اقرار نہیں کیا ہے اور دو سال کی مدت تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اس لیے ثبوت نسب کے پیش نظر شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور یہ وطی قبل الطلاق ہی مانی جائے گی، کیوں کہ شوہر نے خلوت کے بعد لم أجامعها کہہ کر نفس طلاق ہی سے عورت کو بائنہ قرار دے دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد وطی کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ اگر ہم وطی کو بعد الطلاق مانیں تو شوہر کے لیے فعل حرام کا مرتکب ہونا لازم آئے گا اور ایک مسلمان سے اس چیز کی توقع نہیں ہے کہ وہ حرام کاری کرے اس لیے مسلمان کے فعل کو حرام کاری سے بچانے اور صلاح پر محمول کرنے کے لیے اس وطی کو قبل الطلاق کی حالت ہی پر محمول کریں گے۔ کیوں کہ فقہ کا ضابطہ ہے **الأصل أن أمور المسلمين تحمل على السداد والصلاح حتى يظهر غيره** کہ حتی الامکان مسلمانوں کے امور ومعاملات کو صلاح وفلاح ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔

فَإِنْ قَالَ لَهَا إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ أَتَتْ بِوَلَدٍ اٰخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ اٰخَرَ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَ إِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ إِذَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، لِأَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَيَكُوْنُ الْوَلَدُ الثَّانِيْ مِنْ عُلُوْقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ، لِأَنَّهَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيْرُ مُرَاجِعًا.

ترجمه: پھر اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ جب تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے پھر عورت نے ایک بچہ جنا پھر دوسرا بچہ بھی جنا تو یہ دوسری ولادت رجعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے بطن سے ہو اور بطن ثانی یہ ہے کہ دوسرا بچہ چھے مہینے کے بعد ہو ہر چند کہ دوسال سے زیادہ میں ہو بشرطیکہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ پہلے لڑکے سے بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے اور عدت واجب ہو چکی ہے، لہٰذا دوسرا لڑکا ایسی وطی سے ہوگا، جو شوہر کی طرف سے عدت میں پیدا ہوگی۔ اس لیے کہ بیوی نے عدت

ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے لہٰذا شوہر رجعت کرنے والا ہوگا۔

اللغات:

﴿بطن﴾ حمل۔ ﴿لم تقر﴾ اقرار نہیں کیا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔

طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم بچہ جنوگی تو تمہیں طلاق ہے چنانچہ اس عورت نے ایک بچہ جنا اور وہ مطلقہ ہوگئی لیکن پھر چھے ماہ کے بعد اس نے دوسرا بچہ جنم دیا تو اب یہ دوسرا بچہ اس مطلقہ عورت کے لیے رجعت ثابت ہوگا اگر چہ وہ دو سال کے بعد پیدا ہو بشرطیکہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، کیوں کہ ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ بچہ دو سال تک بھی ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے لہٰذا انقضائے عدت کے اقرار سے پہلے جب بھی بچہ پیدا ہوگا یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر نے پہلے بچے کے بعد عدت کے دوران بیوی سے جماع کیا تھا اور بیوی حاملہ ہوگئی تھی لہٰذا اس کی عدت تو وہیں ختم ہوگئی تھی مگر چوں کہ اس کا اظہار نہیں ہوا تھا اور نہ ہی عورت نے انقضائے عدت کا اقرار کیا تھا اس لیے ولد ثانی کی ولادت ہی کو اس عورت کی رجعت قرار دیں گے کیوں کہ وہ رجعت کی بہت بڑی علامت ہے۔

وَ إِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةَ أَوْلَادٍ فِي بُطُوْنٍ مُخْتَلِفَةٍ فَالْوَلَدُ الْأَوَّلُ طَلَاقٌ وَالْوَلَدُ الثَّانِيْ رَجْعَةٌ وَ كَذَا الثَّالِثُ، لِأَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ صَارَتْ مُعْتَدَّةً، وَ بِالثَّانِيْ، صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ يُجْعَلُ الْعُلُوْقُ بِوَطْيٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ، وَ يَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِيْ بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِيْ لِأَنَّ الْيَمِيْنَ مَعْقُوْدَةٌ بِكَلِمَةِ كُلَّمَا وَ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ، وَ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا ذَكَرْنَا وَ تَقَعُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّالِثِ، وَ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالْأَقْرَاءِ لِأَنَّهَا حَامِلٌ مِّنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِيْنَ وَقَعَ الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے یوں کہا جب بھی تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے مختلف بطون سے تین بچوں کو جنم دیا تو پہلا لڑکا طلاق ہے اور دوسرا نیز تیسرا بچہ رجعت ہے، اس لیے کہ جب بیوی نے پہلا بچہ جنا تو طلاق واقع ہوگئی اور وہ معتدہ ہوگئی اور دوسرے بچے سے شوہر رجعت کرنے والا ہو گیا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ حمل کا قرار ایسی وطی سے ہوگا جو عدت میں پیش آئی ہوگی۔ اور دوسرے بچے کی ولادت سے دوسری طلاق واقع ہوگی، اس لیے کہ قسم کلمۂ کلما کے ذریعے منعقد کی گئی ہے اور عدت بھی واجب ہوگی اور شوہر رجعت کرنے والا بھی ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اور تیسری طلاق تیسرے بچے کی پیدائش سے ہوگی اور حیض سے عدت واجب ہوگی، اس لیے کہ وقوع طلاق کے وقت حاملہ عورت ذوات الحیض میں سے ہے۔

اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔ ﴿حادث﴾ نیا واقع ہونے والا۔ ﴿یمین﴾ قسم۔

طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل آسان ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے کلمۂ کلما کے ذریعے قسم کھا کر اپنی بیوی سے یہ کہا کہ جب بھی تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے اب یہ کہنے کے بعد بیوی نے تین بچے جنے اور یہ تینوں بچے مختلف بطون سے ہوئے یعنی ہر بچے کی ولادت کے درمیان ۶؍ ماہ سے زائد فاصلہ تھا، تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے بچے کی ولادت سے وہ عورت مطلقہ ہو جائے گی، کیوں کہ ولادت ہی پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے اور پھر جیسے ہی دوسرا بچہ پیدا ہوگا اس سے رجعت ہو جائے گی یعنی شوہر رجعت کرنے والا ہو جائے گا کیوں کہ دوسری ولادت کا ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ شوہر نے عدت میں اس عورت سے وطی کی تھی اور مطلقہ رجعیہ سے عدت کے دوران وطی کرنے سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے رجعت ثابت ہو جائے گی، مگر ثبوت رجعت کے بعد ہی فوراً دوسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ یمین کو کلمۂ کلما کے ذریعے منعقد کیا گیا ہے اور کلمۂ کلما تکرار کا متقاضی ہے لہٰذا جب جب ولادت پائی جائے گی تب تب طلاق واقع ہوگی اور اسی وقت عدت بھی ثابت ہوگی پھر تیسرے بچے کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی اور رجعت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ ولادت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے طلاق کی عدت میں وطی کی گئی ہے اور اس رجعت کے فوراً بعد پھر تیسری طلاق پڑے گی کیوں کہ کلمہ کلما تکرار کا متقاضی ہے لہٰذا تیسرے بچے کی پیدائش سے پھر طلاق واقع ہوگی اور اب حیض کے ذریعے بیوی کی عدت واجب ہوگی، کیوں کہ یہ عورت وقوع طلاق کے وقت حائضہ ہے اور حائضہ عورتوں کی عدت حیض سے شمار کی جاتی ہے اس لیے اب اس کی عدت بھی حیض سے شمار کی جائے گی۔

وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَ تَتَزَيَّنُ لِأَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ إِذِ النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا وَ يُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا أَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا وَ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ، لِأَنَّهَا رُبَّمَا تَكُوْنُ مُجَرَّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيْرُ بِهِ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُوْلُ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُّسَافِرَ بِهَا حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَهُ ذٰلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ وَ لِهٰذَا لَهُ أَنْ يَّغْشَاهَا عِنْدَنَا، وَ لَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ (سورة الطلاق: ١ الآية) وَ لِأَنَّ تَرَاخِيَ عَمَلِ الْمُبْطِلِ لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُرَاجَعَةِ فَإِذَا لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتّٰى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ ظَهَرَ أَنَّهُ لَا حَاجَةَ فَتَبَيَّنَ أَنَّ الْمُبْطِلَ عَمِلَ عَمَلَهُ مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِهِ وَ لِهٰذَا تُحْتَسَبُ الْأَقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ فَلَمْ يَمْلِكِ الزَّوْجُ الْإِخْرَاجَ إِلَّا أَنْ يُّشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ وَ يَتَقَرَّرُ مِلْكُ الزَّوْجِ، وَ قَوْلُهُ حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا مَعْنَاهُ الْإِسْتِحْبَابُ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ.

ترجمہ: اور مطلقہ رجعیہ عورت سنورے اور زینت اختیار کرے اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے حلال ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں نکاح باقی ہے پھر رجعت کرنا مستحب ہے اور زینت اختیار کرنا اس پر ابھارنے والا ہے اس لیے زینت اختیار کرنا مشروع ہوگا۔ اور

مطلقہ رجعیہ کے شوہر کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے یہاں تک کہ عورت کو اطلاع دے دے یا اسے اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رجعت کرنا شوہر کے قصد میں نہ ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی عورت ننگی رہتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ شوہر کی نگاہ ایسی جگہ پڑجائے کہ وہ اس سے رجعت کرنے والا ہوجائے پھر شوہر اس کو طلاق دیدے اور عورت پر عدت دراز ہوجائے اور بیوی سے رجعت کرلینے پر گواہ قائم کیے بغیر شوہر کے لیے اس کو لیکر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شوہر کو یہ اختیار ہے کہ اس لیے نکاح باقی ہے اسی لیے تو ہمارے یہاں شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا حلال ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **ولا تخرجوهن من بيوتهن** ''مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو'' اور اس لیے کہ مبطل کے عمل کا مؤخر ہونا مراجعت کی طرف شوہر کی ضرورت کے پیش نظر ہے لیکن جب شوہر نے رجعت نہیں کی یہاں تک کہ عدت پوری ہوگئی تو یہ ظاہر ہوگیا کہ اسے مراجعت کی حاجت نہیں ہے چنانچہ یہ واضح ہوگیا کہ مبطل نے اپنے وجود ہی کے وقت سے اپنا کام کردیا تھا اسی لیے جو حیض آچکے ہیں وہ عدت میں شمار کیے جائیں گے، لہٰذا شوہر بیوی کو گھر سے نکالنے کا مالک نہیں ہوگا الا یہ کہ اس کی رجعت پر گواہ قائم کرلے چنانچہ اس وقت عدت باطل ہوجائے گی اور شوہر کی ملکیت ثابت ہوجائے گی۔ اور ماتن کے حتی **يشهد على رجعتها** کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گواہ بنانا مستحب ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿**تتشوّف**﴾ سنورے، سنگھار کرے۔ ﴿**يسمع**﴾ سنادے۔ ﴿**خفق**﴾ آہٹ، زمین پر چلنے کی آواز۔ ﴿**نعل**﴾ جوتے۔ ﴿**يغشاها**﴾ اس سے جماع کرلے۔ ﴿**تراخی**﴾ مؤخر ہونا، ملتوی ہونا۔

مطلقہ رجعیہ کے احکام:

اس عبارت میں مطلقہ رجعیہ اور اس کے شوہر سے متعلق کئی احکام ومسائل بیان کیے گئے ہیں جن میں سے سب سے پہلا (۱) مسئلہ یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو چاہیے کہ وہ عدت کے دوران اپنے آپ کو بناؤ سنگار سے آراستہ رکھے اور ہمہ وقت بن ٹھن کے بیٹھی رہے تاکہ اسے دیکھ کر شوہر کا دل اس کی طرف مائل ہو اور وہ رجعت کر بیٹھے۔ اس مطلقہ کے حق میں بناؤ سنگار کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال ہے، کیوں کہ اب بھی ان دونوں کا نکاح باقی ہے چنانچہ طلاق رجعی کے بعد بھی ان کے مابین وراثت اور نکاح کے تمام امور جاری وساری رہتے ہیں اور پھر رجعت کرنا شرعاً مستحب اور مستحسن بھی ہے اور زیب وزینت اختیار کرنا رجعت پر آمادہ کرتا ہے اس لیے اس حوالے سے بناؤ سنگار کرنا بھی مشروع اور مستحسن ہوگا۔

ويستحب لزوجها الخ: (۲) پہلا حکم اور پہلا مسئلہ تو مطلقہ عورت سے متعلق تھا اور دوسرا مسئلہ اس کے شوہر سے متعلق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر کا مراجعت کا ارادہ نہ ہو اور وہ بیوی سے علیحدگی کا خواہاں ہو تو اسے چاہیے کہ جس گھر میں بیوی رہتی ہو اس میں اطلاع کے بغیر داخل نہ ہو، خواہ پہلے سے اطلاع دیدے یا کم از کم جاتے وقت اپنے جوتوں کی آہٹ سے اپنے جانے کا پتہ بتلادے، اس لیے کہ وہ رجعت کے موڈ میں نہیں ہے اور عورت بھی کبھی اپنے کمرے میں بالکل برہنہ رہتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ شوہر کی نگاہ عورت کے فرج داخل کی طرف چلی جائے اور بدون قصد ہی رجعت ثابت ہوجائے، حالاں کہ شوہر بیوی کے اپنے نکاح میں نہیں رکھنا چاہتا، اس لیے لامحالہ وہ دوبارہ اسے طلاق دے گا اور پھر اس عورت کی عدت دراز ہو

جائے گی اور درازئ عدت میں بیوی کو نقصان ہے، اس لیے صنف نازک کو مضرت سے بچانے کے لیے شریعت نے شوہر کے لیے داخل ہونے سے پہلے اطلاع دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔

(۳) ولیس له الخ: یہ حکم بھی شوہر ہی سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک شوہر بیوی سے رجعت نہ کرلے اور اس رجعت پر گواہ نہ بنالے اس وقت تک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جاسکتا یہی جمہور احناف کا مسلک ہے، اس کے برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ رجعت پر گواہ بنائے بغیر بھی شوہر بیوی کو سفر میں لے جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور عدت کے دوران وطی کرنا حلال رہتا ہے تو پھر سفر میں کونسی بڑی بات ہے ہر کوئی اپنی منکوحہ کو لے کر گھومتا، پھرتا اور عیش کرتا ہے، اس لیے مطلقہ رجعیہ کا شوہر بھی دوران عدت اسے لے کر موج مستی کرے۔

جمہور احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت ''لاتخرجوھن من بیوتھن'' ان عورتوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہیں طلاق رجعی دی گئی ہو اور اس آیت میں صاف طور پر مطلقہ رجعیہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنے پر روک لگائی گئی ہے جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان عورتوں کو لے کر سفر کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ سفر میں بھی إخراج من البیوت یہی ہوتا ہے۔

ولأن تراخي الخ: یہاں سے ہماری عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق نکاح کے لیے خاتم اور مبطل ہے، اس لیے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نفس طلاق ہی سے میاں بیوی کا نکاح منقطع ہوجائے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں مگر چوں کہ یہ طلاق رجعی کا مسئلہ ہے اور طلاق رجعی میں شریعت نے شوہر کی ضرورت کے پیش نظر اس کو عدت کے دوران رجعت کا حق دیا ہے اس لیے عدت ختم ہونے تک طلاق کے عمل یعنی ابطال نکاح کو مؤخر کردیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص عدت کے دوران رجعت نہیں کرتا تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسے رجعت کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور جب اسے رجعت کی ضرورت نہیں تھی تو طلاق دینے کے وقت ہی سے طلاق اپنا کام کرنے لگتا ہے اور اسی وقت سے عورت کو مطلقہ شمار کیا جانے لگتا ہے کیوں کہ اس عمل کو ایک حاجت کی وجہ سے اپنا کام کرنے سے روکا گیا تھا، مگر جب وہ حاجت نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اب ممانعت بھی نہیں رہے گی اور ایقاع طلاق کے وقت ہی عورت کو بائنہ سمجھا جائے گا اسی لیے تو انقضائے عدت سے پہلے جتنے حیض گذرے ہیں وہ سب عدت میں شمار کیے جائیں گے، اور انہیں جوڑ کر اور ملا کر عدت کا حساب کیا جائے گا اور یہ عورت وقوع طلاق کے وقت ہی سے بائنہ شمار ہوگی اور مطلقہ بائنہ عورت کے ساتھ شوہر کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مطلقہ رجعیہ کے ساتھ بھی سفر کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔

ہاں اگر شوہر رجعت پر گواہ بنالے تو پھر اس کی ملکیت بیوی پر پختہ ہوجائے گی اور اس سے ساتھ لیکر سفر کرنے کی اجازت ہوگی۔

وقوله حتی الخ: فرماتے ہیں کہ متن میں جو حتی یشھد علی رجعتھا ہے اس کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ رجعت کرنا مندوب اور مستحب ہے نہ کہ واجب چنانچہ شروع میں ثم الرجعة مستحبة سے اسی استحباب ہی کو بیان کیا گیا ہے۔

وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْيَ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ يُحَرِّمُهُ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ زَائِلَةٌ لِوُجُوْدِ الْقَاطِعِ وَهُوَ الطَّلَاقُ، وَ لَنَا أَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتّٰى يَمْلِكَ مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا، لِأَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظْرًا لِلزَّوْجِ لِيُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ عِنْدَ اعْتِرَاضِ النَّدَمِ، وَ هٰذَا الْمَعْنٰى يُوْجِبُ اسْتِبْدَادَهُ بِهِ، وَ ذٰلِكَ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ اسْتِدَامَةً لَا إِنْشَاءً، إِذِ الدَّلِيْلُ يُنَافِيْهِ، وَالْقَاطِعُ أَخَّرَ عَمَلَهُ إِلٰى مُدَّةٍ إِجْمَاعًا أَوْ نَظْرًا لَهُ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ.

ترجمہ: اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وطی کو حرام کر دیتی ہے، اس لیے کہ قاطع نکاح کے پائے جانے کی وجہ سے زوجیت زائل ہوگئی۔ اور قاطع نکاح طلاق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت قائم ہے یہاں تک کہ بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی شوہر اس سے رجعت کرنے کا حق دار ہے، اس لیے کہ شوہر پر شفقت کے پیش نظر رجعت کا حق ثابت ہوا ہے تاکہ ندامت کے وقت شوہر کے لیے اس کا تدارک کرنا ممکن ہو۔ اور یہ مفہوم حق رجعت کے ساتھ شوہر کے مستقل ہونے کو واجب کرتا ہے اور وہ ملکِ نکاح کو ہمیشہ رکھنے کی اطلاع دیتا ہے نہ کہ اسے از سرنو پیدا کرنے کی، اس لیے کہ دلیل اس کے منافی ہے۔ اور قاطع (طلاق) نے بالاتفاق ایک مدت تک کے لیے اپنا عمل مؤخر کر دیا، یا شوہر پر شفقت کرتے ہوئے ایسا کیا جیسا کہ گذر چکا۔

اللغات:

﴿لا یحرم﴾ حرام نہیں کرتی۔ ﴿قاطع﴾ کاٹنے والا۔ ﴿نظر﴾ شفقت، مہربانی۔ ﴿استبداد﴾ مستقل ہونا۔ ﴿اعتراض﴾ پیش آنا۔ ﴿ندم﴾ شرمساری۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔

طلاق رجعی سے وطی کا حرام نہ ہونا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں طلاق رجعی کے بعد بھی مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا درست اور حلال ہے اور یہ طلاق وطی کو حرام نہیں کرتی، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق رجعی وطی کو حرام کر دیتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے زوجیت قائم رہتی ہے اور طلاق اس زوجیت کے لیے زہر ہے یعنی طلاق سے زوجیت ختم ہو جاتی ہے اور جب زوجیت ختم ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ وطی بھی حرام ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے، اسی لیے تو عدت کے دوران بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی شوہر کے لیے اس سے مراجعت کا حق باقی رہتا ہے، کیوں کہ یہ حق شوہر پر شفقت کے پیش نظر ثابت ہوا ہے، تاکہ اگر کبھی شوہر کو اپنی حرکت پر شرمندگی اور ندامت ہو تو وہ رجعت کر کے اس شرمندگی کو دور کر سکے۔ اور یہ معنی اور مطلب اسی وقت ثابت ہوگا جب حق رجعت کے سلسلے میں شوہر مستقل رہے، کیوں کہ شوہر جب مستقل رہے گا تبھی اس کے حق میں کامل طور پر شفقت ہو سکے گی۔ اور حق رجعت کے حوالے سے شوہر کا استقلال اس بات کی علامت ہے کہ رجعت نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے نہ کہ ابتداءً نکاح کرنے کا، لہٰذا جب رجعت بقائے نکاح کا نام ہے تو پھر جب تک یہ حق باقی رہے گا یعنی جب تک عدت کا زمانہ باقی رہے گا اس وقت تک وطی کرنا بھی حلال اور درست رہے گا۔

والقاطع أخره الخ: اس عبارت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق رجعی میں قاطع یعنی طلاق نے اپنے عمل کو انقضائے عدت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ لہٰذا جب قاطع (طلاق) کے عمل کو انقضائے عدت تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہے تو پھر مذکورہ قاطع اور زوجیت میں کوئی منافات نہیں ہے اور جب قاطع یعنی طلاق رجعی اور زوجیت میں کوئی منافات نہیں ہے تو پھر اس قاطع کے پائے جانے کے باوجود بھی وطی کرنا درست اور حلال ہوگا۔ **أو نظر له** فرماتے ہیں کہ قاطع کے عمل کو یا تو اجماع امت سے مؤخر کیا گیا ہے یا پھر شوہر پر شفقت کے پیش نظر اس کے عمل کو مؤخر کیا گیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ **فقط واللہ اعلم وعلمه اتم۔**

فَصْلٌ فِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے مطلقہ حلال ہوتی ہے

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ جب ان چیزوں کے بیان سے فارغ ہو گئے جن کے ذریعے طلاق رجعی کا تدارک کیا جاتا ہے، تو اب یہاں سے ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جن کے ذریعے طلاق رجعی کے علاوہ دیگر طلاقوں کا تدارک کیا جاتا ہے۔

وَ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا، لِأَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ بَاقٍ، لِأَنَّ زَوَالَهُ مُعَلَّقٌ بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ، وَ مَنْعُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ لِإِشْتِبَاهِ النَّسَبِ، وَ لَا اشْتِبَاهَ فِي إِطْلَاقِهِ.

ترجمه: اور جب طلاق بائن ہو اور تین سے کم ہو تو شوہر کو یہ اختیار ہے کہ عدت میں اور عدت گذرنے کے بعد عورت سے نکاح کرلے، اس لیے کہ محلیت کا حلال ہونا باقی ہے، کیوں کہ محل کا زوال تیسری طلاق سے متعلق ہے، لہذا تیسری طلاق سے پہلے محل کا زوال معدوم ہوگا۔ اور عدت کے دوران دوسرے سے نکاح کی ممانعت نسب مشتبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور شوہر سے نکاح کو جائز قرار دینے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔

اللغات:

﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہونا، گزر جانا۔

طلاق بائن کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن دیدی تو اسے اختیار ہے چاہے تو وہ عدت کے دوران اس سے نکاح کرے اور چاہے تو عدت کے بعد کرے، کیوں کہ ابھی بیوی کو صرف دو ہی طلاقیں دی گئی ہیں اور وہ مغلظہ بائنہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ بیوی تیسری طلاق سے مغلظہ ہوگی لہذا جب تک تیسری طلاق نہیں دی جائے گی اس وقت تک محلیت باقی رہے گی او، شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا درست اور جائز ہوگا۔

ومنع الغیر الخ: سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے عدت کے دوران جو نکاح کی اجازت دی، ہے وہ درست نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے "ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله" کے فرمان

سے عدت کے دوران نکاح کو ممنوع قرار دیا ہے، اس لیے عدت کے دوران نکاح کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدت کے دوران نکاح کی جو ممانعت ہے وہ شوہر کے علاوہ دوسرے شخص سے ہے، کیوں کہ دوسرے سے نکاح کرنے میں اشتباہ نسب اور اختلاط نسب کا اندیشہ ہے جب کہ شوہر سے نکاح کرنے میں اشتباہ نسب کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لیے عدت کے دوران شوہر کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا تو ممنوع ہوگا لیکن شوہر کے ساتھ نکاح کرنا ممنوع نہیں ہوگا۔

وَ إِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْأَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيْحًا، وَ يَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا أَوْ يَمُوْتُ عَنْهَا، وَالْأَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾، وَالْمُرَادُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ، وَالثِّنْتَانِ فِيْ حَقِّ الْأَمَةِ كَالثَّلَاثِ فِيْ حَقِّ الْحُرَّةِ، لِأَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِيَّةِ عَلٰى مَا عُرِفَ ثُمَّ الْغَايَةُ نِكَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا، وَالزَّوْجِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ إِنَّمَا تَثْبُتُ بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ، وَ شَرْطُ الدُّخُوْلِ ثَبَتَ بِإِشَارَةِ النَّصِّ وَهُوَ أَنْ يُّحْمَلَ النِّكَاحُ عَلَى الْوَطْيِ حَمْلًا لِلْكَلَامِ عَلَى الْإِفَادَةِ، دُوْنَ الْإِعَادَةِ، إِذِ الْعَقْدُ اُسْتُفِيْدَ بِإِطْلَاقِ اسْمِ الزَّوْجِ، أَوْ يُزَادُ عَلَى النَّصِّ بِالْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَ قَوْلُهُ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَذُوْقَ عُسَيْلَةَ الْآخَرِ))، رُوِيَ بِرِوَايَاتٍ، وَ لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِيْهِ سِوٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَوْلُهُ، غَيْرُ مُعْتَبَرٍ لَوْ قَضٰى بِهِ الْقَاضِيْ لَا يَنْفُذُ، وَالشَّرْطُ الْإِيْلَاجُ، دُوْنَ الْإِنْزَالِ لِأَنَّهُ كَمَالٌ وَ مُبَالَغَةٌ فِيْهِ، وَالْكَمَالُ قَيْدٌ زَائِدٌ.

ترجمہ: اور اگر آزاد عورت کے حق میں تین طلاق ہو یا باندی کے حق میں دو طلاق ہو تو بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح صحیح کرلے اور وہ اس کے ساتھ دخول کرلے پھر وہ اسے طلاق دیدے یا اسے چھوڑ کر مرجائے اور اس سلسلے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے'' کہ اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور (فإن طلقها سے) تیسری طلاق مراد ہے۔ اور باندی کے حق میں دو طلاق آزاد عورت کے حق میں تین طلاق کی طرح ہے، کیوں کہ رقیت محلیت کی حلت کو نصف کردیتی ہے جیسا کہ کتب اصول میں معلوم ہو چکا ہے پھر (حتی الخ کی) غایت دوسرے شوہر سے مطلقاً نکاح کرنا ہے اور مطلق زوجیت صرف نکاح صحیح سے ثابت ہوگی۔ اور دخول کی شرط اشارۃ النص سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ نکاح کو وطی پر محمول کیا جائے کلام کو افادہ پر محمول کرتے ہوئے نہ کہ اعادے پر، کیوں کہ عقد لفظ زوج کے تلفظ سے مستفاد ہے۔ یا حدیث مشہور کے ذریعے نص پر زیادتی کی جائے گی اور وہ نص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جب تک بیوی دوسرے شوہر کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت تک وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ یہ حدیث متعدد روایات سے مروی ہے اور حضرت سعید بن میسب کے علاوہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور سعید بن میسب کا قول غیر معتبر ہے یہاں تک کہ قاضی اگر اس کا فیصلہ کرے گا تو نافذ نہیں ہوگا۔ اور ادخال شرط ہے نہ کہ انزال، اس لیے کہ انزال ادخال

میں مبالغہ اور کمال ہے۔ اور کمال قیدِ زائد ہے۔

اللغات:

﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿منصّف﴾ آدھا کرنا۔ ﴿غایت﴾ انتہاء۔ ﴿یحمل﴾ محمول کیا جائے۔ ﴿تذوق﴾ چکھ لے۔ ﴿عسلیة﴾ شہد، ذائقہ۔ ﴿إیلاج﴾ داخل کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجه الائمة الستة فی کتبهم و ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب المبتوتة لا یرجع الیها زوجها، حدیث: ۲۳۰۹.
والبخاری فی کتاب الطلاق باب من جوّز الطلاق الثلاث، حدیث رقم: ۵۲۶۱.
و مسلم فی کتاب النکاح باب لا تحل المطلقة ثلاثا، حدیث: ۱۱۵.

تین طلاق کی حرمت کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دے دیا یا اپنی منکوحہ باندی کو دو طلاق دے دیا تو جب تک یہ عورتیں دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرلیں اور نکاح کے بعد دخول کر کے وہ انھیں چھوڑ نہ دے اس وقت تک پہلے شوہر کے لیے یہ حلال نہیں ہوسکتیں، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا ہے کہ "**فإن طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**" اس آیت سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ اکثر مفسرین کے یہاں **فإن طلقها** سے طلاق ثالث مراد ہے اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو طلاق کے بعد شوہر نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دیدی تو وہ بیوی اس کے لیے حرام ہوجائے گی اور جب تک وہ دوسرے آدمی سے نکاح نہیں کرلیتی اور وہ اسے طلاق نہیں دے دیتا اس تک وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

واثنتان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ عدم حلت والا مسئلہ آزاد عورت کے حق میں تین طلاق پر موقوف ہے اور باندی کے حق میں دو طلاق پر موقوف ہے، چنانچہ اگر کوئی باندی کسی شخص کے نکاح میں ہو اور اسے دو طلاق دیدے تو صرف دو طلاق ہی سے وہ باندی بائنہ ہوجائے گی، کیوں کہ باندی کے ساتھ رقیت کا لیبل لگا ہوا ہے اور رقیت محلیت نکاح کی حلت کو نصف کردیتی ہے، لہٰذا ضابطہ کے تحت تو ڈیڑھ طلاق ہی سے باندی کو مغلظہ بائنہ ہوجانا چاہیے تھا، مگر چوں کہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، اس لیے ڈیڑھ کے بجائے اسے دو کردیا گیا ہے اور دو کے عدد کو باندی کے حق میں طلاق کا فرد کامل قرار دیا گیا ہے۔

ثم الغایة الخ: یہاں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ طلاق مغلظہ کے بعد زوج اول کے واسطے دوبارہ حلال ہونے کے لیے اللہ تعالی نے **حتی تنکح زوجا غیره** کے فرمان سے جو نکاح کا حکم دیا ہے وہ مطلق ہے اور مطلق کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ **المطلق إذا أطلق یراد به الفرد الکامل** یعنی جب مطلق کو مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے فرد کامل ہوتا ہے اور نکاح کا فرد کامل نکاح صحیح ہے اس لیے حلت کے لیے نکاح صحیح کرنا ضروری ہوگا۔ اور نکاح فاسد سے کام نہیں چلے گا۔

وشرط الدخول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حلت کے لیے صرف نکاح ضروری نہیں، بلکہ نکاح کے علاوہ زوج ثانی کا

ادخال کرنا بھی شرط اور ضروری ہے اور یہ شرط اگر چہ دلالۃ النص سے ثابت نہیں ہے مگر اشارۃ النص سے اس کا ثبوت ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آیت مذکورہ میں حتی تنکح کو وطی کے معنی پر محمول کیا جائے اور اس سے وطی مراد لی جائے تا کہ آیت کو افادہ اور فائدہ پر محمول کیا جائے کیوں کہ زوجا غیرہ سے تو خود ہی نکاح اور عقد کا معاملہ سمجھ میں آرہا ہے، اس لیے اگر حتی تنکح کو بھی نکاح پر محمول کیا جائے تو پھر نکاح ہی کا اعادہ لازم آئے گا اور اعادے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ اسے افادے پر محمول کر کے تنکح کو وطی پر محمول کیا جائے گا۔

أو يزاد على النص الخ فرماتے ہیں کہ حلت کے لیے ادخال کی شرط یا تو اشارۃ النص سے ثابت ہوگی یا پھر نص پر حدیث مشہور سے زیادتی کی جائے گی اور حدیث مشہور پر کتاب اللہ سے زیادتی کرنا جائز ہے، اور وہ حدیث یہ ہے لاتحل للأول حتی تذوق عسيلة الأخر کہ جب تک وہ عورت دوسرے شوہر کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طرق اور یہ مضمون متعدد روایات سے مروی ہے اور ان تمام روایات میں دخول کو شرط قرار دیا گیا ہے اور اس شرط میں سعید بن میسبؒ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں ہے اور چوں کہ دخول کی شرط متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے ان تمام روایات کے خلاف سعید بن میسبؒ کا اختلاف موثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قاضی سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ کے قول یعنی عدم شرط دخول پر فیصلہ کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور اس قاضی پر لعن طعن کیا جائے گا۔

والشرط الإيلاجُ الخ : فرماتے ہیں کہ نکاح کے علاوہ جو ادخال کی شرط ہے وہ ادخال ہی تک محدود ہے اور صرف ادخال ہی شرط ہے، انزال شرط نہیں ہے چنانچہ اگر زوج ثانی صرف ادخال کے بعد بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تب بھی وہ بیوی زوج اول کے لیے (عدت گذرنے کے بعد) حلال ہو جائے گی اگر چہ انزال نہ ہوا ہو، کیوں کہ انزال ادخال کا کمال اور اس کا نتیجہ ہے اس لیے یہ شرط نہیں ہوگا۔

وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيْلِ كَالْبَالِغِ لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ وَهُوَ شَرْطٌ بِالنَّصِّ وَ مَالِكٌ رَحمَہُ اللّٰہُ عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِيْهِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّاهُ، وَ فَسَّرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ، وَ قَالَ غُلَامٌ لَمْ يَبْلُغْ وَ مِثْلُهُ يُجَامِعُ جَامَعَ امْرَأَةً وَجَبَ عَلَيْهَا الْغُسْلُ وَ أَحَلَّهَا عَلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ، وَ مَعْنٰى هٰذَا الْكَلَامِ أَنْ تَتَحَرَّكَ آلَتُهُ وَ يَشْتَهِيْ، وَ إِنَّمَا وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا وَ لِالْتِقَاءِ الْخَتَانَيْنِ وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُوْلِ مَائِهَا وَالْحَاجَةُ إِلَى الْإِيْجَابِ فِيْ حَقِّهَا، أَمَّا لَا غُسْلَ عَلَى الصَّبِيِّ وَ إِنْ كَانَ يُؤْمَرُ بِهٖ تَخَلُّقًا.

ترجمہ: اور قریب البلوغ بچہ حلالہ کرنے میں بالغ شخص کی طرح ہے۔ اس لیے کہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا اور دخول از روئے نص شرط ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں مراہق کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لڑکا جو بالغ نہ ہوا ہو لیکن اس طرح کا لڑکا جماع کر سکتا ہو اور اس

نے کسی عورت سے جماع کیا ہو تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اس عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے گا۔ اور اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اس کا آلہ متحرک ہوتا ہو اور شہوت کرتا ہو اور بیوی پر التقائے ختانین کی وجہ سے غسل واجب ہوگا اور التقاء ختانین ہی عورت کی منی گرنے کا سبب ہے اور غسل واجب کرنے کی ضرورت عورت کے حق میں ہے بچے پر غسل واجب نہیں ہے، لیکن غسل کی عادت ڈالنے کے لیے اسے بھی غسل کا حکم دیا جائے گا۔

اللغاتُ:

﴿مراهق﴾ قریب البلوغ لڑکا۔ ﴿یتحرّك﴾ حرکت کرتا ہو۔ ﴿یشتهی﴾ شہوت آتی ہو۔ ﴿التقاء﴾ ملنا۔ ﴿ختان﴾ شرم گاہ۔ ﴿تخلّق﴾ عادت ڈالنے کے لیے۔

حلالہ میں زوج مراھق کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر اسے اپنے نکاح سے علیحدہ کر دیا اور حلالہ کے بغیر ان دونوں میں دوبارہ رشتۂ زوجیت کی بحالی کے لیے کوئی راہ نہیں رہ گئی اور اس عورت نے کسی مراہق بچے سے نکاح صحیح کر کے دخول کرالیا تو ہمارے یہاں اس دخول سے حلالہ ثابت ہو جائے گا اور اس مراہق بچے کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد عدت گذار کر وہ عورت دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اس۔ لیے کہ اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ حلالہ کے لیے نکاح صحیح میں دخول شرط ہے اور وہ شرط یہاں موجود ہے، اس لیے مراہق کا کیا ہوا حلالہ ہمارے یہاں درست اور جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مراہق کے حلالہ کو معتبر نہیں مانتے، کیوں کہ ان کے یہاں حلالہ کے لیے انزال شرط ہے اور مراہق سے انزال ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کا حلالہ بھی معتبر نہیں ہوگا۔ لیکن ان کے خلاف وہ دلیل حجت ہے جو اس سے پہلے بیان کی گئی ہے کہ انزال یہ ادخال کا نتیجہ ہے اور قید زائد ہے اور حلالہ کے لیے نتیجہ شرط نہیں ہے۔ صرف فعل سے کام چل جائے گا۔

وفسره الخ: فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مراہق کی تفسیر یوں کی ہے کہ مراہق وہ لڑکا ہے جو بالغ نہ ہو لیکن اس جیسے لڑکے سے جماع کا امکان ہو اور وہ جماع کر سکتا ہو اب اگر اس لڑکے نے کسی عورت سے جماع کر لیا تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اگر وہ مطلقہ ہوگی تو اسی جماع سے پہلے شوہر کے لیے حلال بھی ہو جائے گی۔

ومعنی هذا الکلام الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ مراہق اس پوزیشن میں ہو کہ عورت اور اس کے متعلق سیکس کی باتیں کرنے سے اس کا عضو تناسل حرکت کرتا ہو، اس میں انتشار پیدا ہوتا ہو اور وہ عورتوں سے رغبت اور ان سے ملنے کی خواہش رکھتا ہو۔ رہا مسئلہ وجوب غسل کا تو وہ صرف عورت پر واجب ہوگا اس لیے کہ التقائے ختانین ہی سے عورت کی منی اترتی ہے اور یہی چیز اس پر وجوب غسل کا ذریعہ اور سبب ہے اور بچے پر غسل واجب نہیں ہوگا کیوں کہ اسے انزال ہی نہیں ہوگا، تاہم اس بچے کو غسل کا حکم دیا جائے گا تا کہ ابھی سے اسے اس بات کا علم ہو جائے اور غسل کرنے کی عادت پڑ جائے۔

قَالَ وَ وَطْيُ الْمَوْلٰی أَمَتَهٗ لَايُحِلُّهَا لِأَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ، وَ إِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ لِقَوْلِهٖ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ)) وَ هٰذَا هُوَ مَحْمَلُهٗ، فَإِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْيِهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ

لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ إِذِ النِّكَاحُ لَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَفْسُدُ النِّكَاحُ، لِأَنَّهُ فِيْ مَعْنَى الْمُوَقَّتِ فِيْهِ وَ لَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ لِفَسَادِهِ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَا بَيَّنَّا وَ لَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازِيْ بِمَنْعِ مَقْصُوْدِهِ كَمَا فِيْ قَتْلِ الْمُوَرِّثِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے نکاح کرنا اسے حلال نہیں کرے گا، اس لیے کہ غایت نکاح زوج ہے۔ اور اگر تحلیل کی شرط سے نکاح کیا تو نکاح مکروہ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر لعنت بھیجی ہے اور یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ پھر اگر وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دیا تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی اس لیے کہ نکاح صحیح میں دخول موجود ہے، کیوں کہ نکاح شرط سے باطل نہیں ہوتا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ نکاح مؤقت کے معنی میں ہے اور وہ پہلے شوہر کے لیے بیوی کو حلال نہیں کرے گا، اس لیے کہ وہ فاسد ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نکاح صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن (پھر بھی) پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ جس چیز کو شریعت نے مؤخر کر دیا تھا اس نے اسے جلدی حاصل کر لیا، لہٰذا اس کے مقصود کو روک کر اسے بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ مورث کے قتل میں ہے۔

اللغات:

﴿لا یحل﴾ نہیں حلال کرے گی۔ ﴿غایة﴾ انتہاء۔ ﴿تحلیل﴾ (پہلے شوہر کے لیے) حلال کرنا۔ ﴿مؤقت﴾ متعین وقت والا۔ ﴿استعجل﴾ جلدی طلب کر لیا۔

تخریج:

❶ اخرجه الترمذی فی کتاب النکاح باب ماجاء فی المحل والمحلل له، حدیث: ۱۱۲۰.
والنساء فی کتاب الطلاق باب احلال المطلقة ثلاثا، حدیث: ۳۴۴۵.

حلالہ کے چند احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی شخص سے نکاح میں تھی اور اس نے دو طلاق دیکر اسے آزاد کر دیا اور اپنے نکاح سے کلی طور پر خارج کر دیا پھر اس کے مولیٰ نے اس سے وطی کر لی تو اس وطی سے حلالہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس وطی سے وہ باندی پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم نے حتی تنکح زوجا غیرہ میں حلت کی غایت زوج کو قرار دیا ہے اور مولیٰ زوج نہیں ہے، اس لیے اس کی وطی سے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

و إذا تزوّجها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مطلقہ مغلظہ عورت سے حلالہ کرنے کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو اس نکاح سے حلالہ ثابت تو ہو جائے گا مگر اس طرح شرط کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی گئی ہے اور یہ لعنت ایسی صورت میں ہے جب حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کیا گیا ہو، اسی لیے حکم یہ ہے کہ

نکاح کرنے والا شخص حلالہ کے متعلق اپنے دل میں سوچ کر رکھے اور بوقت نکاح اس کا اظہار نہ کرے تاکہ وہ لعنت اور پھٹکار سے بچ جائے۔

بہرحال اگر کسی شخص نے بشرط حلالہ نکاح کرنے کے بعد اس عورت سے وطی کر کے اسے طلاق دے دیا تو یہ وطی محلل ہوگی اور وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی، کیوں کہ حلت کے لیے نکاح صحیح میں وطی کرنا شرط ہے اور وہ یہاں موجود ہے اور رہی حلالہ کی شرط تو اس سے صحت نکاح پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اس لیے کہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

وعن أبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ **الخ:** فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ بشرط تحلیل نکاح فاسد ہے، کیوں کہ یہ نکاح نکاحِ موقت کے معنی میں ہے اور نکاح موقت فاسد ہے لہٰذا یہ بھی فاسد ہوگا اور جب نکاح فاسد ہوگا تو بیوی اس وطی سے پہلے شوہر کے لیے حلال بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ تحلیل کیلئے نکاح صحیح شرط ہے وھو لم یوجد۔

وعن محمد رحمۃ اللہ علیہ: اس سلسلے میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ بشرط تحلیل نکاح تو صحیح ہے کیوں کہ نکاح شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا، لیکن اس نکاح سے حلت اور حلالہ کا ثبوت نہیں ہوگا، اس لیے کہ شریعت نے نکاح کو دائمی اور ابدی بنا کر حلال کیا ہے اور زوج ثانی کی موت پر حلالہ کو موقوف اور اس وقت تک مؤخر کیا ہے مگر یہ شخص بشرط تحلیل نکاح کر کے اس حلالہ کو مقدم کر رہا ہے۔ اور اپنے عمل سے شریعت کو چیلنج کر رہا ہے اس لیے اس کا یہ عمل اور اس کا یہ مقصد رد کر دیا جائے اور اسے تحلیل سے محروم کر دیا جائے گا جیسے اگر کوئی شخص جلدی میراث حاصل کرنے کے لیے اپنے مورث کو قتل کر دے تو اسے بھی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ اگرچہ وارث میراث کا مستحق ہے مگر یہ استحقاق مورث کی فطری موت کے بعد ہے، لیکن قتل کر کے اس نے اسے جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے اس کی یہ کوشش رائیگاں اور بیکار ہوجائے گی۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذکورہ شخص کا نکاح تو صحیح ہوگا لیکن وہ ثمر آور نہیں ہوگا اور اس سے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

وَ إِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَ تَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، وَ يَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِيْ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَهْدِمُ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ، لِأَنَّهُ غَايَةٌ لِلْحُرْمَةِ بِالنَّصِّ فَيَكُوْنُ مُنْهِيًّا، وَ لَا إِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوْتِ، وَ لَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ" سَمَّاهُ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ.

ترجمہ: اور جب شوہر نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاق دی اور اس کی عدت پوری ہوگئی اور اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹ آئی تو (اب) تین طلاق کے ساتھ لوٹے گی اور دوسرا شوہر مادون الثلاث کو اسی طرح منہدم کر دے گا جس طرح کہ وہ ثلاث کو منہدم کر دیتا ہے۔ اور یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زوج ثانی مادون الثلاث منہدم نہیں کرے گا، اس لیے کہ زوج ثانی از روئے نص حرمت کی غایت ہے، لہٰذا وہ حرمت کو ختم کرنے والا ہوگا۔ اور ثبوتِ حرمت

سے پہلے اس کا اختتام نہیں ہوسکتا۔ حضرات شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے لعن اللّٰہ الخ (اس حدیث میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوج ثانی کو محلل کہا ہے اور محلل وہی ہے جو حلت کو ثابت کردے۔

اللغات:

﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔ ﴿یهدم﴾ منہدم کردیتا ہے۔ ﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿غایة﴾ انتہاء۔

مسئلہ ھدم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاقوں سے کم مثلاً ایک دو طلاق دیں اور عدت گذرنے کے بعد اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی، لیکن پھر وہ وہاں سے مطلقہ ہوگئی اور عدت گذارنے کے بعد دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آگئی، تو حضرات شیخینؒ کے یہاں اب وہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی یعنی اس کا یہ شوہر پھر سے تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور جب تک تین طلاق نہیں دے گا اس وقت تک اسے اپنے نکاح میں رکھ سکے گا، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب زوج اول پہلے نکاح کے ماقبی طلاق کا مالک ہوگا یعنی اگر پہلے اس نے دو طلاق دی تھیں تو اب ایک طلاق کا مالک ہوگا اور اگر پہلے اس نے ایک دی تھی تو اب دو طلاق کا مالک ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ زوج ثانی مطلقہ عورت سے نکاح کرکے ثلاث تطلیقات کو تو منہدم کردیتا ہے، لیکن مادون الثلاث کو منہدم نہیں کرتا، کیوں کہ نص قرآنی فإن طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره میں فلاتحل له کے ذریعے زوج ثانی کو حرمت غلیظہ کی غایت بتلایا گیا ہے اور غایت کے ساتھ ساتھ مغیا بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا زوج ثانی حرمتِ غلیظہ یعنی ثلاث تطلیقات کو معدوم اور ختم کرنے والا ہوگا لیکن صورت مسئلہ میں چوں کہ تین سے کم طلاق دی گئی ہے، اس لیے حرمت غلیظہ ثابت ہی نہیں ہے اور جب حرمتِ غلیظہ نہیں ثابت ہے تو اس کا اختتام کیسے ہوگا اس لیے تین طلاق سے کم والی صورت میں دوبارہ مطلقہ سے نکاح کرنے پر زوجِ اول صرف ماقبی طلاق کا مالک ہوگا۔

ولهما قوله الخ: حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ حدیث ہے لعن اللّٰہ المحلل الخ صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے شیخینؒ کے استدلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں زوج ثانی کو محلل یعنی حلال کرنے والا قرار دیا ہے اور زوج ثانی کے ذریعے جو حلت ثابت ہوگی اس میں دو احتمال ہیں (۱) اسے حل سابق مانیں (۲) اِسے جدید مانیں، حل سابق اسے نہیں مان سکتے، کیوں کہ اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آئے گا، اس لیے کہ مادون الثلاث میں تو حل سابق ہے ہی، لہٰذا اس سے حلِ جدید مانیں گے اور حلِ جدید اس حل کے علاوہ ہوگی جو پہلے تھی اور حلِ سابق چوں کہ ناقص ہے، لہٰذا حل جدید کامل ثابت ہوگی اور کامل حلِ جدید تین طلاقوں کے ساتھ ثابت ہوگی، اس لیے حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں زوج اول تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ (عنایہ) (بنایہ ۵/۲۶۳)

وَ إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَ تَزَوَّجْتُ وَ دَخَلَ بِيَ الزَّوْجُ وَ طَلَّقَنِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِيْ، وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ أَنْ يُّصَدِّقَهَا إِذَا كَانَ فِيْ غَالِبِ ظَنِّهٖ أَنَّهَا صَادِقَةٌ، لِأَنَّهٗ مُعَامِلَةٌ أَوْ أَمْرٌ دِيْنِيٌّ لِتَعَلُّقِ

مُحِلِّ بِهِ وَ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيْهِمَا مَقْبُوْلٌ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ إِذَا كَانَتِ الْمُدَّةُ تَحْتَمِلُهُ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْ أَدْنٰى هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَ سَنُبَيِّنُهَا فِيْ بَابِ الْعِدَّةِ.

ترجمہ: اور جب شوہر آزاد عورت کو تین طلاق دے پھر اس نے کہا کہ میری عدت پوری ہوگئی تھی میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تھا، اس نے میرے ساتھ دخول کر کے مجھے طلاق دے دیا اور میری (دوسری) عدت بھی پوری ہو چکی ہے اور مدت اس کا احتمال رکھتی ہو تو اگر شوہر کے غالب گمان میں وہ سچی ہو تو اس کے لیے اس عورت کی تصدیق کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک معاملہ ہے یا ایک امر دینی ہے کیوں کہ اس سے حلّت متعلق ہے اور معاملہ اور دینی مسئلے میں ایک شخص کا قول مقبول ہوتا ہے۔ اور جب مدت اس کا احتمال رکھتی ہے تو اس عورت کی خبر قابل انکار بھی نہیں ہے۔ اور اس کی ادنیٰ مدت میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے جسے ہم باب العدت میں بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ)

اللغات:

﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔ ﴿یصدق﴾ تصدیق کرے۔ ﴿ظن﴾ گمان۔ ﴿مستنکر﴾ انکار کیے جانے کا تقاضا کرنے والا۔

مطلقہ ثلاث اپنے دوبارہ پاک ہونے کی اطلاع دے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد اس عورت نے کہا ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق سے میری عدت پوری ہو چکی تھی اس لیے میں نے دوسرے آدمی سے نکاح کیا اور اس نے میرے ساتھ دخول بھی کیا مگر پھر مجھے طلاق دے دیا۔ اور اب میری دوسری عدت بھی پوری ہو چکی ہے اس لیے اگر آپ کو (زوج اول) مجھ میں کچھ دل چسپی ہے تو چلیے دوبارہ نکاح کر لیتے ہیں، صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو بیوی کے سچا ہونے کا یقین ہو یا اس کے ظن غالب میں وہ سچ بول رہی ہو اور دونوں یعنی طلاق اور عدت اور اس کے اس دعوے کے درمیان اتنی مدت ہو جس میں یہ ساری چیزیں ممکن ہوں تو شوہر کو اس عورت کی تصدیق کرنے اور پھر اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شرعاً نکاح کی دو حیثیتیں ہیں (۱) نکاح ایک معاملہ ہے، کیوں کہ دخول کے وقت عورت کا بضع مال متقوم بن جاتا ہے (۲) یا پھر یہ کہ نکاح ایک دینی مسئلہ اور عقد ہے اس لیے کہ نکاح کے ذریعے میاں بیوی کا ایک دوسرے کے لیے حلال ہونا متعلق ہے اور معاملہ اور امر دینی دونوں میں سے ہر ایک میں شخص واحد کی خبر اور اس کا قول معتبر اور مقبول ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں اس عورت کا قول مقبول ہوگا اور زوج اول کے لیے دوبارہ اس سے نکاح کرنا درست اور حلال ہوگا۔ اور خاص کر جب اس عورت کے طلاق اور دعوے میں اتنی لمبی مدت ہے جس میں یہ ساری چیزیں ممکن ہیں تو پھر بلا وجہ اس کی خبر کو رد نہیں کیا جائے گا اور اگر شوہر کا دل مطمئن ہو تو اسے چاہیے کہ دوبارہ اس سے نکاح کر کے اس کے ارمانوں کو پورا کر دے۔

واختلفوا الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کی بات ماننے کے لیے اس کی طلاق اور اس بات کے درمیان کم از کم کتنی مدت کا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی مختلف آراء ہیں اور باب العدت میں انشاء اللہ ہم انہیں بیان کریں

گے، لیکن شاید صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا یہ وعدہ بھول گئے اور باب العدۃ میں اسے بیان نہ کرسکے، تاہم ہدایہ کے عربی شارحین مثلاً صاحب عنایہ، صاحب بنایہ اور علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ:

(۱) حضرات صاحبین کے یہاں اس مدت کی ادنیٰ مقدار ۳۹/انتالیس ایام ہیں۔

(۲) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ۳۲/ایام ہیں۔

(۳) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ۴۰/چالیس ایام ہیں۔

(۴) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ۲۹/ایام ہیں۔

(۵) اور تاج الفقہاء حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پورے دو ماہ یعنی ساٹھ ایام ہیں۔ (عنایہ، بنایہ: ۲۶۶/۵)۔

بَابُ الْإِیْلَاءِ

یہ باب احکام ایلاء کے بیان میں ہے

علامہ اتزاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب ہدایہ کو چاہیے تھا کہ قیاساً پہلے خلع کو ذکر کرتے اس کے بعد ایلاء کو کیوں کہ خلع بھی ایک قسم کی طلاق ہے، لیکن چوں کہ خلع بیوی کی جانب سے ہوتا ہے اور مال کے عوض ہوتا ہے اس لیے اسے ایلاء کے بعد ذکر کیا گیا اور اس کے طلاق ہونے کا اعتبار کرکے اسے ایلاء پر مقدم نہیں کیا گیا۔ (بنایہ: ۲۶۸/۵)

واضح رہے کہ إیلاء باب افعال کا مصدر ہے آلی یؤلي إیلاء کے لغوی معنٰی ہیں قسم کھانا۔

ایلاء کے شرعی معنی ہیں: منع النفس عن قِربان المنکوحة أربعة أشهر فصاعدا منعا مؤكدا باليمين یعنی چار ماہ یا اس سے زیادہ دنوں تک بیوی کے پاس نہ جانے کی تاکیدی قسم کھانے کا نام اصطلاح شریعت میں ''ایلاء'' ہے۔

صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ ایلاء کے لیے چار چیزیں ہونی چاہئیں (۱) قسم اور یمین کا انعقاد اپنی منکوحہ پر ہو (۲) شوہر طلاق دینے کا اہل ہو (۳) ایلاء کا حکم یہ ہے حانث ہونے کی صورت میں شوہر پر کفارہ واجب ہوتا ہے (۴) اس کی ایک مدت متعین ہے یعنی چار ماہ یا اس سے زائد چنانچہ اگر شوہر نے اپنی قسم پوری کردی اور اس مدت میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہوجائے گی۔

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ﴾ (سورة البقرة: ٢٢٦) **(الْآيَةُ)**.

ترجمہ: جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا یوں کہا کہ بخدا میں چار ماہ تک تجھ سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے'' جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لیے چار ماہ تک انتظار کرنا ہے''۔

اللغات:

﴿لا أقرب﴾ میں قریب نہیں آؤں گا۔ ﴿مولی﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿تربّص﴾ انتظار کرنا۔

ایلاء کی تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایام کی وضاحت کے بغیر مطلقاً بیوی سے واللہ لا أقربك کہا تو اس صورت میں بالا جماع وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا۔ لیکن اگر اس نے واللہ لا أقربك أربعة أشهر کہا اور ایام یعنی أربعة أشهر کی وضاحت کردی تو اس صورت میں صرف ہمارے یہاں وہ ایلاء کرنے والا ہوگا لیکن شوافع اور مالکیہ کے یہاں وہ مولی نہیں ہوگا، کیوں کہ ان حضرات کے یہاں چار ماہ مکمل ہونے کے بعد قسم پوری ہوگی اور چار ماہ کے اندر اندر اسے رجعت کا حق ہوگا لہٰذا وہ جب تک چار ماہ سے زائد کی قسم نہیں کھائے گا اس وقت تک ایلاء کرنے والا نہیں شمار ہوگا اگر چہ وہ زائد مقدار ایک ہی دن کی کیوں نہ ہو۔ لیکن للذین یؤلون من نسائهم تربصه أربعة أشهر کا ظاہر ان حضرات کے خلاف حجت اور دلیل ہے، کیوں کہ اس نص میں تربص اور انتظار کو فقط أربعة أشهر پر موقوف کیا گیا ہے اور اس پر ایک لمحے کی بھی زیادتی نہیں کی گئی ہے، اس لیے دوسروں کو بھی زیادہ کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو نص قرآنی کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔

فَإِنْ وَطِيَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِهِ وَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ، لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ مُوْجَبُ الْحِنْثِ، وَ سَقَطَ الْإِيْلَاءُ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ تَرْتَفِعُ بِالْحِنْثِ، وَ إِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيْقَةٍ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ تَبِيْنُ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ، لِأَنَّهُ مَانِعُ حَقِّهَا فِي الْجِمَاعِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ فِي التَّسْرِيْحِ، كَمَا فِي الْجُبِّ وَالْعِنَّةِ، وَ لَنَا أَنَّهُ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ عِنْدَ مُضِيِّ هٰذِهِ الْمُدَّةِ، وَهُوَ الْمَأْثُوْرُ عَنْ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَالْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ) وَ كَفٰى بِهِمْ قُدْوَةً، وَ لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَأْجِيْلِهِ إِلَى انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ.

ترجمہ: چنانچہ اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر بیوی سے جماع کرلیا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا، کیوں کہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے۔ اور ایلاء ساقط ہوجائے گا اس لیے کہ حانث ہونے سے قسم ختم ہوجاتی ہے۔ اور اگر شوہر نے بیوی سے قربت نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گذر گئے تو بیوی ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوجائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی کی تفریق سے بائنہ ہوگی۔ کیوں کہ شوہر بیوی کے حق میں جماع کو روکنے والا ہے لہٰذا تسریح میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا جیسے مقطوع الذکر اور عنین میں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کا حق روک کر اس پر ظلم کیا ہے، لہٰذا مدت ایلاء گذرتے ہی شریعت نے نعمت نکاح کے زائل ہونے سے اسے بدلہ دیا ہے۔ اور یہی حکم حضرت عثمان، حضرت علی، حضرات عبادلۂ ثلاثہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے اور ان حضرات کا پیشوا ہونا ہی ہمیں کافی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ایلاء زمانۂ جاہلیت میں طلاق تھا، لہٰذا شریعت نے مدت ایلاء گذرنے تک اسے (طلاق) مؤخر کردیا۔

اللغات:

﴿ترتفع﴾ اٹھ جاتی ہے۔ ﴿تسریح﴾ چھوڑ دینا، جانے دینا۔ ﴿جب﴾ ذکر کٹا ہوا ہونا۔ ﴿عنة﴾ جماع پر قادر نہ ہونا۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔ ﴿ماثور﴾ منقول، مروی۔ ﴿قدوة﴾ رہنماء، امام۔ ﴿تأجیل﴾ تاخیر، ایک متعین مدت تک التواء۔

مدت ایلاء گزار دینے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایلاء کرنے کے بعد شوہر اپنے آپ کو نہ روک سکا اور مدت ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اس نے بیوی سے جماع کرلیا تو اب وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا اور اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا، اس لیے کہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے اور حانث ہونے والے پر اس کا لزوم ووجوب ہوتا ہے اور اب اس کا ایلاء ختم ہوجائے گا۔ کیوں کہ ایلاء کا دارو مدار قسم پر ہے اور جب قسم ہی ٹوٹ گئی اور ختم ہوگئی تو ظاہر ہے کہ ایلاء بھی ختم ہوجائے گا اور چار ماہ گذرنے کے بعد بیوی پر طلاق وغیرہ نہیں واقع ہوگی۔

و إن لم یقربھا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی قسم پر جما اور ڈٹا رہ گیا اور چار ماہ تک اس نے بیوی کو ہاتھ نہ لگایا یہاں تک کہ چار ماہ بحالت ایلاء مکمل ہوگئے تو اب ہمارے یہاں ان دونوں میں تفریق ہوجائے گی اور بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف چار ماہ گذرنے سے تفریق نہیں ہوگی، بلکہ چار ماہ گذرنے کے بعد فرقت موقوف رہے گی اور اب اگر شوہر بیوی سے جماع نہیں کرتا یا رجعت کرنے سے انکار کردیتا ہے تو پھر یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوگا اور قاضی ان میں تفریق کرے گا جو طلاق بائن ہوگی۔

ہمارے اور شوافع کے مسلک میں صرف تفریق قاضی کا فرق ہے یعنی ان کے یہاں زوجین کی تفریق قضائے قاضی سے ہوگی اور ہمارے یہاں مضی مدت سے۔ بہر حال قاضی کی تفریق پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جماع اور وطی بیوی کا حق ہے لیکن چار ماہ تک شوہر نے یہ حق نہ دے کر بیوی کو ضرر پہنچایا ہے اور چار ماہ گذرنے سے یہ واضح ہوگیا کہ وہ امساک بالمعروف کے موڈ میں نہیں ہے، لہٰذا جب شوہر سے امساک بالمعروف فوت ہورہا ہے تو ظاہر ہے کہ قاضی اس کا نائب بن کر تسریح بالاحسان کردے گا، کیوں کہ قرآن کریم نے تو صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا ہے **فإمساك بالمعروف أو تسريح بالإحسان** یعنی مطلقہ عورتوں کی عدت گذرنے کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق انھیں روک لو یا پھر احسن طریقے پر انھیں چھوڑ دو۔

ولنا الخ: اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر ظالم ہے اور شوافع کو بھی اس کا اقرار ہے تو ظالم کو فوراً سزا ملنی چاہیے اور اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ چار ماہ گذرتے ہی شوہر کے ظلم کا بدلہ نعمت نکاح سے اسے محروم کرنے کے ذریعے دیا جائے گا اور اس سلسلے میں قضائے قاضی یا مضی مدت کا انتظار نہیں کیا جائے گا، تاکہ جلد از جلد عورت شوہر سے کلی طور پر آزاد ہوجائے اور اس کے ضرر سے ہمیشہ ہمیش کے لیے چھٹکارا پاجائے۔ اور یہ کوئی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ اور کررہے ہیں بلکہ کبار صحابہ مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی یہی حکم اور یہی مسئلہ منقول ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کی اتنی بڑی تعداد سے ایک مسئلے کا مروی ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یقیناً ان حضرات نے یہی حکم اپنے اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سمجھا ہوگا اور ان حضرات کا پیشوا ہونا اور ہم سے بہت پہلے اس پر فتویٰ اور فیصلہ دینا ہی ہمارے لیے کافی ووافی ہے۔

ولأنه كان الخ: یہاں سے ہماری عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ایلاء کرنا طلاق شمار ہوتا تھا لیکن اس وقت یہ طلاق علی الفور تھا یعنی ایلاء کرتے ہی بیوی پر طلاق واقع ہوجاتی تھی اور کسی مدت کی ضرورت درکار نہیں تھی اور اسلام نے بھی ایلاء کو طلاق مانا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جاہلیت میں یہ علی الفور طلاق تھا لیکن اسلام میں چار ماہ گذرنے پر طلاق ہے اور جس طرح جاہلیت میں ایلاء کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق تفریق قاضی پر موقوف نہیں تھی اسی طرح اسلام میں بھی اسے تفریق قاضی پر موقوف نہیں کیا گیا ہے۔

فائدہ:

عبادلۃ سے حضرات فقہاء کرام کے یہاں یہ تین صحابہ مراد ہوتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: اور حضرات محدثین کے ہاں اس سے یہ چار صحابہ مراد ہوتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۴) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (بنایہ ۲۷۱/۵، وهكذا في العنايه)

فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ لِأَنَّهَا كَانَتْ مُوَقَّتَةً بِهِ، وَ إِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْأَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ لِأَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَ لَمْ يُوْجَدِ الْحِنْثُ لِتَرْتَفِعَ بِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الطَّلَاقُ قَبْلَ التَّزَوُّجِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ مَنْعُ الْحَقِّ بَعْدَ الْبَيْنُوْنَةِ فَإِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْإِيْلَاءُ فَإِنْ وَطِئَهَا وَ إِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ تَطْلِيْقَةٌ أُخْرٰى لِأَنَّ الْيَمِيْنَ بَاقِيَةٌ لِإِطْلَاقِهَا وَ بِالتَّزَوُّجِ ثَبَتَ حَقُّهَا فَيَتَحَقَّقُ الظُّلْمُ وَ يُعْتَبَرُ ابْتِدَاءُ هٰذَا الْإِيْلَاءِ مِنْ وَقْتِ التَّزَوُّجِ، فَإِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْإِيْلَاءُ وَ وَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ أُخْرٰى إِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا لِمَا بَيَّنَّاهُ، فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذٰلِكَ الْإِيْلَاءِ طَلَاقٌ لِتَقْيِيْدِهِ بِطَلَاقِ هٰذَا الْمِلْكِ، وَهِيَ فَرْعُ مَسْأَلَةِ التَّنْجِيْزِ الْخِلَافِيَّةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ لِإِطْلَاقِهَا وَ عَدَمِ الْحِنْثِ، فَإِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهِ لِوُجُوْدِ الْحِنْثِ.

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے چار ماہ پر قسم کھائی تھی تو یمین ساقط ہوجائے گی اس لیے کہ قسم اسی مدت کے ساتھ موقت تھی۔ اور اگر اس نے ابدی قسم کھائی تھی تو یمین باقی رہے گی، اس لیے کہ وہ مطلق تھی اور حانث ہونا بھی نہیں پایا گیا کہ اس سے قسم ختم ہوجائے، لیکن نکاح کرنے سے پہلے طلاق مکرر نہیں ہوگا، اس لیے کہ فرقت کے بعد بیوی کے حق کو روکنا نہیں پایا گیا۔ پھر اگر اس نے دوبارہ اس عورت سے نکاح کرلیا تو ایلاء عود کر آئے گا چنانچہ اگر اس نے وطی کرلی (تو ٹھیک) ورنہ چار ماہ گذرنے کے بعد دوسری طلاق واقع ہوجائے گی، اس لیے کہ مطلق ہونے کی وجہ سے یمین باقی ہے۔ اور نکاح کرنے سے عورت کا حق ثابت ہوگیا لہٰذا ظلم کرنا متحقق ہوجائے گا۔ اور اس ایلاء کی ابتداء نکاح کے وقت سے ہوگی۔ پھر اگر شوہر نے تیسری مرتبہ نکاح کرلیا تو ایلاء پھر عود آئے گا اور چار ماہ گذرنے سے دوسری (تیسری) طلاق واقع ہوجائے گی اگر شوہر نے بیوی سے قربت نہ کی ہو، اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

پھر اگر زوج اول نے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کے بعد اس سے نکاح کیا تو اس ایلاء سے طلاق نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ ایلاء اس (پہلی) ملک کی طلاق کے ساتھ مقید ہے اور یہ مختلف فیہ مسئلہ تنجیزی کی فرع ہے اور اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ اور مطلق ہونے نیز حانث نہ ہونے کی وجہ سے یمین باقی ہے، پھر اگر شوہر نے بیوی سے وطی کرلی تو اس قسم کا کفارہ ادا کرے اس لیے کہ حنث موجود ہے۔

اللغات:

﴿موقتة﴾ ایک متعین وقت والی۔ ﴿بینونة﴾ بائنہ ہونا۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔

ایلاء کی قسم کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایلاء کرنے والے شوہر نے اپنی قسم پوری کردی تو اس کی دو شکلیں ہیں (۱) اس نے چار ماہ تک قسم کھائی تھی (۲) یا اس نے ابدی اور دائمی قسم کھائی تھی۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی اس نے صرف چار ماہ پر قسم کھائی تھی اور اس نے اسے پورا کردیا یعنی چار ماہ تک بیوی سے وطی نہیں کیا تو چار ماہ مکمل ہوتے ہی قسم ساقط ہوجائے گی، کیوں کہ چار ماہ کے ساتھ قسم موقت تھی۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شوہر نے ابدی اور دائمی قسم کھائی تھی تو چار ماہ گذرنے کے بعد عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور یمین بدستور باقی رہے گی کیوں کہ وہ مطلق ہے اور پھر شوہر نے وطی بھی نہیں کی ہے اس لیے حانث ہونا بھی نہیں پایا گیا کہ حنث کی وجہ سے یمین ختم ہوجائے، اس لیے یمین باقی رہے گی، لیکن اگر ایک طلاق بائن کے بعد شوہر نے بیوی سے نکاح نہیں کیا اور پھر چار ماہ گذر گئے تو اس پر دوسری طلاق نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ پہلی طلاق سے بیوی بائن ہوچکی ہے اور دوبارہ چوں کہ نکاح نہیں ہوا ہے، اس لیے شوہر نے بیوی کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم بھی نہیں کیا ہے، لہٰذا دوسرے چار ماہ کے گذرنے پر دوسری طلاق نہیں واقع ہوگی۔

فإن عاد الخ: فرماتے ہیں اگر شوہر نے طلاق اول کو عدت گذرنے کے بعد دوبارہ بیوی سے نکاح کرلا تو ایلاء بھی عود کر آئے گا۔ اب اگر شوہر چار ماہ کے اندر اندر وطی کرلیتا ہے تو یمین ختم ہوجائے گی اور وہ حانث ہوجائے گا اور اگر وطی نہیں کرتا ہے تو چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ مطلق ہونے کی وجہ سے ابھی بھی یمین باقی ہے اور دوبارہ نکاح کرنے سے بیوی کا حق جماع ثابت ہوچکا ہے، حالاں کہ شوہر نے چار ماہ تک اس حق کو ادا نہ کرکے بیوی پر ظلم کیا ہے، اس لیے بیوی سے دفع مضرت کے پیش نظر چار ماہ گذرتے ہی اس پر دوسری طلاق بائن واقع ہوجائیگی۔ اور دوسرے چار ماہ میں نکاح کے وقت سے ایلاء شروع ہوگا اور اسی وقت سے چار ماہ کی مدت شمار کی جائے گی۔

فإن تزوجها ثالثا الخ: فرماتے ہیں کہ پھر اگر تیسری مرتبہ بھی شوہر نے اس سے نکاح کرلیا لیکن اس مرتبہ بھی چار ماہ تک اس نے بیوی سے جماع نہیں کیا تو چوں کہ قسم مطلق تھی اس لیے پھر سے نکاح کرتے ہی ایلاء عود کر آئے گا اور وطی نہ کرنے کی وجہ سے چار ماہ بعد تیسری طلاق واقع ہوگی اور وہ عورت مطلقہ مغلظہ ہوجائے گی۔

فإن تزوجها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تین طلاق واقع ہونے کے بعد بیوی نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ دخول کرکے اسے طلاق دیا اور عدت ختم ہونے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر کے نکاح میں آگئی تو اب سابقہ ایلاء

ختم ہوجائے گا اور اس سے کوئی طلاق نہیں واقع ہوگی اگر چہ چار ماہ تک اس سے وطی نہ کرے، کیوں کہ پہلے والا ایلاء پہلے والے نکاح کی ملکیت کے ساتھ مقید تھا اور چوں کہ پہلے نکاح سے حاصل شدہ تینوں طلاق کی ملکیت کو شوہر ضائع کر چکا ہے اور اب بیوی از سر نو اس کے نکاح میں آئی ہے اس لیے پہلے والا ایلاء نکاح ثانی کے ذریعے حاصل شدہ طلاقوں پر موثر نہیں ہوگا۔

وهي فرع الخ: فرماتے ہیں کہ ایلاء کرنا طلاق کو معلق کرنے کے معنی میں ہے اور یہ مسئلہ مسئلہ تنجیزی کی فرع ہے جو باب **الأيمان في الطلاق** کے تحت گذر چکا ہے، چنانچہ صاحب عنایہ وبنایہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا لیکن مدت ایلاء مکمل ہونے سے پہلے اس نے اسے تین طلاق دے دی جو فوراً واقع ہوگئیں تو ہمارے یہاں چوں کہ ایلاء انہی تین طلاقوں کے ساتھ مقید تھا اور وہ ختم ہوچکی ہیں، اس لیے ایلاء بھی ختم ہوجائے گا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چوں کہ واللہ **لا أقربك** مطلق ہے۔ اس لیے ان تین طلاقوں کے بعد بھی ایلاء باقی رہے گا، مگر جس طرح مبسوط والے مسئلے میں ہمارے یہاں ایلاء ایک نکاح کی املاک کے ساتھ مقید ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی وہ ایک نکاح کی املاک کے ساتھ مقید ہے اور جب بیوی ایک مرتبہ مغلظہ بائنہ ہوکر کلی طور پر شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی تو اب اس نکاح سے ملحق ایلاء بھی ختم ہوجائے گا۔ لیکن یمین ہمارے یہاں بھی بدستور باقی رہے گی، کیوں کہ یمین مطلق تھی، لہٰذا جب بھی شوہر بیوی سے وطی کرے گا وہ حانث ہوگا اور اسے کفارۂ یمین دینا ہوگا۔

فَإِنْ حَلَفَ عَلٰى أَقَلِّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما لَا إِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ، وَ لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ عَنْ قُرْبَانِهَا فِيْ أَكْثَرِ الْمُدَّةِ بِلَا مَانِعٍ، وَ بِمِثْلِهِ لَا يَثْبُتُ حُكْمُ الطَّلَاقِ فِيْهِ.

ترجمہ: لیکن اگر شوہر نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی ہے ''چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے'' اور اس لیے کہ شوہر کا عورت کے قریب جانے سے اکثر مدت میں رکنا بغیر مانع کے ہے اور اس جیسے امتناع سے طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿مولی﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿امتناع﴾ رکنا، پرہیز کرنا۔ ﴿قربان﴾ قریب جانا۔

چار ماہ کے ایلاء کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چار ماہ سے کم کا ایلاء کیا اور اس سے کم مدت تک بیوی کے پاس نہ جانے یعنی اس سے قربت نہ کرنے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ اس سلسلے میں مقدرات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہی ہے کہ '' **لا إيلاء فيما دون أربعة أشهر** '' یعنی چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ چوں کہ مقدرات شرعیہ کا ہے، اس لیے اس سے نص قرآنی **للذين الخ** کی تقیید نہیں ہوگی، بلکہ یہ فتویٰ آیت کریمہ کی توضیح اور تفسیر ثابت ہوگا اور یہ مانا جائے گا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے مثلاً بیوی سے ایک ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر اس نے دو تین ماہ تک وطی نہیں کیا تو ایک ماہ کے بعد والے دو تین ماہ بلا قسم اور بلا مانع کے رہے اور اس جیسی مدت اور قسم سے ایلاء نہیں ثابت ہوتا لہٰذا چار ماہ کی قسم سے بھی ایلاء نہیں ثابت ہوگا۔

وَ لَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَ شَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ فَهُوَ مُوْلٍ لِأَنَّه جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِحَرْفِ الْجَمْعِ فَصَارَ كَجَمْعِهِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ بخدا میں تجھ سے دو ماہ اور ان دونوں مہینوں کے بعد دو ماہ وطی نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، اس لیے کہ اس نے حرف جمع کے ذریعے دونوں کو جمع کر دیا ہے، لہٰذا یہ حرفِ جمع کے ساتھ جمع کرنے کی طرح ہوگیا۔

چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی نے لاأقربك شهرين وشهرين بعد هذين الشهرين کہا تو اس صورت میں وہ مولی ہوگا، کیوں کہ اس نے شہرین شہرین کو لفظ جمع یعنی واؤ کے ساتھ جمع کر دیا اور یہ ایسا ہوگیا گویا اس نے لاأقربك أربعة أشهر کہا اور لاأقربك أربعة أشهر کہنے سے ایلاء ثابت ہوجاتا ہے، لہٰذا لاأقربك شهرين وشهرين الخ کہنے سے بھی ایلاء ثابت ہوجائے گا۔

وَ لَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا، لِأَنَّ الثَّانِيَ إِيْجَابٌ مُبْتَدَءٌ وَ قَدْ صَارَ مَمْنُوْعًا بَعْدَ الْأُوْلٰى شَهْرَيْنِ وَ بَعْدَ الثَّانِيَةِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا يَوْمًا مَكَثَ فِيْهِ فَلَمْ تَتَكَامَلْ مُدَّةُ الْمَنْعِ.

ترجمہ: اور اگر ایک دن ٹھہرا رہا پھر کہا کہ پہلے دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ میں تم سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ دوسری قسم از سر نو ایجاب ہے حالاں کہ وہ شخص پہلی قسم کے بعد دو ماہ سے اور دوسری قسم کے بعد چار ماہ سے ممنوع ہوگیا سوائے اس ایک دن کے جس میں وہ ٹھہرا تھا، اس لیے مدت منع پوری نہیں ہوئی۔

چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے ایک دن واللہ لا أقربك شهرين کہہ کر ایلاء کیا اور خاموش ہوگیا پھر ایک دن کے بعد دوسرے دن اس نے یوں کہا واللہ لا أقربك شهرين بعد الشهرين الأولين کہ پہلے دو ماہ کے بعد دو ماہ اور میں تم سے جماع نہیں کروں گا تو اس صورت میں وہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی قسم کے بعد وہ شخص ایک دن رکا رہا اور پھر دوسری قسم جو ہے وہ از سر نو ایجاب ہے اور کلام سابق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ایک دن کا فصل ہے اور پھر معطوف میں لفظ نفی یعنی لا أقربك اور لفظ اللہ یعنی واللہ کا اعادہ بھی موجود ہے اس لیے یہ جملہ مستقل ایجاب ہوگا اور کلام اول کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا اور جب یہ کلام اول کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا تو شوہر ایلاء کرنے والا بھی نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی قسم صرف دو ماہ کی ہے اور دوسری قسم چار ماہ سے ایک دن کم کی ہے اور اس سے پہلے آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء متحقق نہیں ہوتا اور جب بھی وہ شخص بیوی سے وطی کرے گا اس پر دو قسموں کے دو کفارے واجب ہوں گے۔

وَ لَوْ قَالَ وَاللّٰهِ أَقْرَبُكِ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا، خِلَافًا لِزُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهُوَ يَصْرِفُ الْإِسْتِثْنَاءَ، إِلٰى اٰخِرِهَا إِعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ فَتَمَّتْ مُدَّةُ الْمَنْعِ. وَلَنَا أَنَّ الْمُوْلِي مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا بِشَيْءٍ يَلْزَمُهُ وَ يُمْكِنُهُ هٰهُنَا، لِأَنَّ الْمُسْتَثْنٰى يَوْمٌ مُنَكَّرٌ، بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ، لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْاٰخِرِ لِتَصْحِيْحِهَا فَإِنَّهَا لَا تَصِحُّ مَعَ التَّنْكِيْرِ، وَلَا كَذٰلِكَ الْيَمِيْنُ، وَلَوْ قَرِبَهَا فِيْ يَوْمٍ وَالْبَاقِيْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ أَوْ أَكْثَرَ صَارَ مُوْلِيًا لِسُقُوْطِ الْإِسْتِثْنَاءِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ بخدا میں ایک دن کے علاوہ پورے سال تم سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اجارے پر قیاس کرتے ہوئے استثناء کو آخر سال کی طرف پھیرتے ہیں، لہٰذا انکار کی مدت پوری ہوجاتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا وہ شخص کہلاتا ہے جسے کسی چیز کے لزوم کے بغیر چار ماہ تک بیوی سے قربت کرنا ممکن نہ ہو۔ حالاں کہ یہاں بدون لزوم شئ بھی اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے، اس لیے کہ (إلّا یوما) جس دن کا استثناء کیا گیا ہے وہ غیر متعین ہے، برخلاف اجارہ کے، کیوں کہ (اس میں) آخر کی طرف پھیرنا اجارہ کی درستگی کے لیے ہوتا ہے، اس لیے کہ بلاتعیین اجارہ درست نہیں ہوتا۔ اور یمین کا یہ حال نہیں ہے۔ اور اگر شوہر نے کسی دن بیوی سے قربت کرلی اور مدت ایلاء میں چار ماہ یا اس سے زائد مدت باقی ہے تو وہ ایلاء کرنے والا ہوجائے گا، اس لیے کہ استثناء ساقط ہوگیا۔

اللغات:

﴿یصرف﴾ پھیرتے ہیں۔ ﴿تمّت﴾ پوری ہوگی۔ ﴿قربان﴾ قریب آنا۔ ﴿تصحیح﴾ درست کرنا۔

ایک دن کے استثناء کے ساتھ پورے سال کی قسم کھانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایلاء کرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی کہ واللہ ایک دن کے علاوہ میں پورے سال تم سے وطی نہیں کروں گا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہمارے یہاں یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ شخص مولی ہوجائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ ہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے ایک یوم کا استثناء کیا ہے تو اس استثناء کو سال کے آخر کی طرف پھیرا جائے گا جیسا کہ اگر کوئی شخص ایک دن کے علاوہ پورے سال کے لیے کوئی چیز اجارے پر لے تو اس ایک دن کو (جو مستثنیٰ ہے) سال کے آخری حصے اور لمحے کی طرف پھیر کر بقیہ ایام یعنی ۳۶۴ دن کا اجارہ درست مانا جاتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی استثناء کردہ یوم کو سال کے آخری جز اور لمحے کی طرف پھیرا جائے گا اور چوں کہ اس دن سے پہلے کی مدت چار ماہ سے زائد ہے، اس لیے اس شخص کا ایلاء درست ہوجائے گا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں متکلم نے جس ایک دن کا استثناء کیا ہے وہ دن غیر متعین ہے اور پورے سال کے ہر ہر دن میں شوہر کو وطی کرنے کا اختیار ہے اور مولی اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو لزوم کفارہ کے بغیر چار ماہ تک بیوی سے وطی نہ کرسکے، حالاں کہ صورت مسئلہ میں استثناء کردہ یوم کے مطلق ہونے کی وجہ سے وہ شخص ہر چار ماہ تک بلکہ اس کے علاوہ پورے سال میں ہر ہر دن وطی کرنے کا حق دار ہے اور جس دن بھی وہ وطی کرے گا اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ پہلے ہی ایک دن

کا استثناء کر چکا ہے، حالاں کہ مولی کے لیے چار ماہ تک مسلسل وجوب کفارہ کے بغیر وطی کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے، اس لیے غیر متعین یوماً کے استثناء کی وجہ سے وہ شخص ہمارے یہاں ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

بخلاف الإجارة الخ : امام زفر رحمہ اللہ یمین کو اجارہ پر قیاس کردہ یوم مستثنیٰ کو سال کے آخر کی طرف پھیر کر صورت مسئلہ میں ایلاء کو درست قرار دیتے ہیں، صاحب ہدایہ یہاں سے ان کے قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھائی یمین کو اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اجارہ جہالت اور عدم تعین کے ساتھ قطعاً درست نہیں ہوتا جب کہ یمین جہالت کے ساتھ بھی درست ہوجاتی ہے، اس لیے یمین میں یوم مستثنیٰ کو خاص کر سال کے آخر کی طرف نہیں پھیرا جائے گا، ہاں اجارہ کی درستگی کے لیے اس میں ایسا کر سکتے ہیں اور اس حوالے سے یمین اور اجارے میں فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

لو قربها الخ: فرماتے ہیں کہ اگر واللہ لا أقربك سنة إلا یوماً کہنے کے بعد اس شخص نے کسی دن بیوی سے وطی کرلی اور وطی کرنے کے بعد ایلاء میں چار ماہ یا اس سے زائد ایام باقی ہیں تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہوجائے گا، کیوں کہ جس استثناء کی وجہ سے ایلاء کا تحقق اور اس کا ثبوت معدوم ہو رہا تھا وہ خود ہی معدوم ہوگیا اور چوں کہ اس کے بعد عدت ایلاء کے بقدر ایام باقی ہیں، اس لیے ایلا متحقق ہوجائے گا۔

وَ لَوْ قَالَ وَهُوَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لَا أَدْخُلُ الْكُوْفَةَ وَامْرَأَتُهُ بِهَا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا، لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ يَلْزَمُهُ بِالْإِخْرَاجِ مِنَ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بصرہ میں رہتے ہوئے یہ کہا کہ بخدا میں کوفہ میں داخل نہیں ہوں گا اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو، تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ اس شخص کے لیے کسی چیز کے لزوم کے بغیر بھی بیوی کو کوفہ سے نکال کر وطی کرنا ممکن ہے۔

اللغات:

﴿إخراج﴾ نکالنا۔

ایلاء کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر بصرہ میں ہو اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو اور شوہر کوفہ میں نہ داخل ہونے کی قسم کھائے تو اس قسم سے وہ مولی نہیں ہوگا، کیوں کہ مولی وہ شخص ہوتا ہے جو چار ماہ تک لزوم کفارہ کے بغیر اپنی بیوی سے وطی نہ کر سکے حالاں کہ یہ شخص چار ماہ سے پہلے لزوم کفارہ کے بغیر بھی وطی کر سکتا ہے، وہ اس طرح کہ اپنی بیوی کو کوفہ سے بصرہ بلالے یا کسی تیسری جگہ بلا کر اس سے ہم بستری کرلے اور ظاہر ہے کہ جب لزوم کفارہ کے بغیر اس کے لیے وطی کرنا ممکن ہے تو پھر ایلاء کہاں سے ثابت ہوجائے گا۔

قَالَ وَ لَوْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ بِصَوْمٍ أَوْ بِصَدَقَةٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ لِتَحَقُّقِ الْمَنْعِ بِالْيَمِيْنِ وَهُوَ ذِكْرُ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ، وَ هٰذِهِ الْأَجْزِيَةُ مَانِعَةٌ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ، وَ صُوْرَةُ الْحَلْفِ بِالْعِتْقِ أَنْ يُّعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا عِتْقَ عَبْدِهِ، وَ فِيْهِ خِلَافُ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَإِنَّهُ يَقُوْلُ يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ، وَهُمَا يَقُوْلَانِ الْبَيْعُ مَوْهُوْمٌ

فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَّةَ فِيهِ، وَالْحَلْفُ بِالطَّلَاقِ أَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا طَلَاقَهَا أَوْ طَلَاقَ صَاحِبَتِهَا، وَ كُلُّ ذٰلِكَ مَانِعٌ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیوں کہ جماع سے رکنا قسم کی وجہ سے متحقق ہے اور وہ شرط وجزاء کو ذکر کرنا ہے اور یہ تمام قربت سے مانع ہیں کیوں کہ ان میں مشقت ہے۔ اور آزاد کرنے کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی قربت پر اپنے غلام کی آزادی کو معلق کردے۔ اور اس مسئلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حالف کے لیے غلام فروخت کر کے قربت کرنا ممکن ہے چنانچہ (ایسا کرنے سے) اس پر کچھ نہیں لازم ہوگا۔ حضرات طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ (غلام کو) بیچنا ایک موہوم چیز ہے لہٰذا وہ منعیتِ ایلاء کے لیے مانع نہیں بنے گا۔ اور طلاق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی قربت پر اس کی یا اس کی سوکن کی طلاق کو معلق کردے اور ان میں سے ہر ایک بات مانع قربت ہے۔

اللغات:

﴿مولی﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿أجزیة﴾ واحد جزاء : بدلہ، سزا۔ ﴿قربان﴾ قریب آنا۔

قسم کی مختلف صورتیں جو ایلاء بنتی ہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز مثلاً حج یا روزے کی قسم کے ساتھ ایلاء کو بیان کیا اور یوں کہا کہ إن قربتك فعلي حج البیت یعنی اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے، یا یوں کہا کہ إن قربتك فعلي صوم شهر أو سنة، یا یوں کہا کہ إن قربتك فعلي صدقة مائة دراهم یعنی جماع کرنے کی صورت میں مجھ پر سو دراہم صدقہ کرنا لازم ہے، یا یوں کہا کہ إن قربتك فعلي عتق رقبة أو أنت طالق تو ان تمام صورتوں میں اگر وہ شخص جماع کر لیتا ہے تو حانث ہوجائے گا اور اگر چار ماہ تک وہ اپنی قسم پر قائم رہتا ہے تو پھر ایلاء متحقق ہوجائے گا، اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ قسم یعنی شرط اور جزاء کے تذکرے سے یقیناً شوہر وطی سے رک جائے گا اور جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا، کیوں کہ یہ تمام جزائیں ایسی ہیں جس میں مالی جانی اور جسمانی مشقت ہے چنانچہ حج میں مال اور جان دونوں کی مشقت ہے، روزہ میں نفس اور جسم کو مشقت لاحق ہوتی ہے اسی طرح صدقے میں مالی مشقت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان آرام دہ واقع ہوا ہے اور وہ مشقتوں کا متحمل نہیں ہے، اس لیے وہ جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا اور جب جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا تو پھر بیوی سے چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک وطی بھی نہیں کرے گا اور اس مدت تک بیوی سے وطی نہ کرنے کا نام ہی ایلاء ہے اس لیے ان صورتوں میں ایلاء متحقق ہوجائے گا۔

وصورة الحلف الخ: فرماتے ہیں کہ حلف بالعتق کی صورت یہ ہے کہ شوہر بیوی سے جماع کرنے پر اپنے غلام کی آزادی کو معلق کر کے یوں کہے کہ إن قربتك فعبدي حر یعنی اگر میں نے تم سے جماع کیا تو میرا فلاں غلام آزاد ہے اس صورت میں حضرات طرفینؒ کے یہاں ایلاء متحقق ہوجائے گا، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایلاء متحقق نہیں ہوگا، کیوں کہ اس شخص کے لیے لزوم کفارہ کے بغیر بھی چار ماہ سے پہلے اس کے لیے وطی کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ وہ شخص قربت کرنے سے پہلے ہی غلام کو فروخت کردے اور پھر بیوی سے وطی کرلے تاکہ حانث ہونے اور کفارہ دینے سے بچ جائے اور ظاہر ہے کہ جب صورت مسئلہ میں حالف کے لیے بدون ادائے کفارہ بھی وطی کرنا ممکن ہے تو پھر ایلاء نہیں ہوگا کیوں کہ ایلاء میں چار ماہ تک لزوم کفارہ کے بغیر وطی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان کے برخلاف حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بھائی غلام کو بیچنا یہ کوئی قطع اور یقینی امر نہیں ہے، بلکہ امر موہوم ہے اور امر موہوم کسی چیز کے لیے مانع نہیں ہوتا اس لیے صورت مسئلہ میں جزاء کے لیے کوئی مانع نہیں ہوگا اور جزاء اپنی حالت پر برقرار رہے گی اور جزاء یعنی غلام کا آزاد ہونا قربت سے شوہر کو روکنے اور اس کی شہوت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کافی ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں ایلاء متحقق اور موجود ہے۔

والحلف بالطلاق الخ: فرماتے ہیں کہ حلف بالطلاق کی صورت یہ ہے کہ شوہر یوں کہے **إن قربتك فأنت طالق أو زوجتي فلانة طالق** یعنی اگر میں نے تم سے قربت کی تو تمہیں طلاق ہے یا تمہاری سوکن یعنی میری فلاں بیوی کو طلاق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی قربت سے روکنے والی ہے، کیوں کہ طلاق کے خوف سے شوہر بیوی سے وطی نہیں کرے گا اور اس طرح وہ چار ماہ بلکہ اس سے بھی زائد مدت تک وطی نہیں کرے گا اور چار ماہ سے زائد مدت تک وطی نہ کرنے کی قسم کھانے کا نام ہی ایلاء ہے لہٰذا اس صورت میں بھی ایلاء متحقق ہے۔

وَ إِنْ آلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِيًا، وَ إِنْ آلٰى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا، لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الْأُوْلٰى دُوْنَ الثَّانِيَةِ، وَ مَحَلُّ الْإِيْلَاءِ مَنْ تَكُوْنُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنَّصِّ، فَلَوِ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِيْلَاءِ سَقَطَ الْإِيْلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَّةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ زوجیت پہلی بیوی میں موجود ہے نہ کہ دوسری میں اور بنص قرآنی محل ایلاء وہی عورتیں ہیں جو زوجیت میں ہوں، پھر اگر ایلاء کی مدت ختم ہونے سے پہلے مطلقہ کی عدت پوری ہوگئی تو محلیت کے فوت ہونے کی وجہ سے ایلاء ساقط ہوجائے گا۔

اللغات:

﴿آلی﴾ ایلاء کیا۔ ﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔

مطلقہ سے ایلاء کرنا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے ایلاء کیا تو ایلاء متحقق ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء متحقق نہیں ہوگا، کیوں کہ تحقق ایلاء کے لیے محلیت ضروری ہے اور مطلقہ رجعیہ میں محلیت باقی رہتی ہے اس لیے کہ طلاق رجعی کے بعد بھی وہ شوہر کی زوجیت میں رہتی ہے لہٰذا مطلقہ رجعیہ کے حق میں ایلاء متحقق ہوجائے گا، لیکن مطلقہ بائنہ کے حق میں ایلاء متحقق نہیں ہوگا، اس لیے کہ طلاق بائن کی وجہ سے وہ عورت زوجیت سے خارج ہوجاتی ہے اور ایلاء کا محل نہیں رہتی، **ولا يتحقق الإيلاء إلا في المحل**۔

وَ لَوْ قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا وَ لَا مُظَاهِرًا، لِأَنَّ الْكَلَامَ فِيْ مَخْرَجِهٖ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيْحًا بَعْدَ ذٰلِكَ، وَ إِنْ قَرِبَهَا كَفَّرَ لِتَحَقُّقِ الْحِنْثِ، إِذِ الْيَمِيْنُ

مُنْعَقِدَةٌ فِيْ حَقِّهِ، وَ مُدَّةُ إِيْلَاءِ الْأَمَةِ شَهْرَانِ، لِأَنَّ هٰذِهِ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ أَجَلًا لِلْبَيْنُوْنَةِ فَتَتَنَصَّفُ بِالرِّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ.

ترجمہ: اور اگر مرد نے کسی اجنبیہ عورت سے کہا کہ بخدا میں تم سے وطی نہیں کروں گا یا تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو اور پھر اس نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو نہ تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا، اس لیے کہ محلیت معدوم ہونے کی وجہ سے یہ کلام نکلتے وقت باطل ہوگیا تھا لہٰذا باطل ہونے کے بعد صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر اس شخص نے اس عورت سے وطی کرلی تو وہ کفارہ ادا کرے، اس لیے کہ حنث متحقق ہوگیا کیوں کہ حانث ہونے کے حق میں یمین منعقد ہوچکی تھی۔

اور باندی کی مدت ایلاء دوماہ ہے کیونکہ یہی مدت بائن ہونے کے لیے متعین کی گئی ہے، لہٰذا رقیت کی وجہ سے اس میں تنصیف ہوجائے گی، جیسے کہ عدت کی مدت میں (رقیت کی وجہ سے تنصیف ہوتی ہے)۔

اللغات:

﴿ظهر﴾ پشت۔ ﴿کفّر﴾ کفارہ دے۔ ﴿تحقّق﴾ پکا ہوچکا ہے۔ ﴿ضربت﴾ طے کی گئی ہے۔ ﴿بینونة﴾ بائنہ ہونا۔

اجنبی عورت سے ایلاء کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ واللّٰہ لا أقربك بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا یہ کہا کہ أنت عليّ کظھر أمي یعنی جس طرح میری ماں کی پشت میرے لیے حرام ہے اسی طرح تیری پشت بھی میرے لیے حرام ہے اور تجھ سے وطی کرنا میرے لیے جائز نہیں ہے، یہ کہا اور اس کے کچھ دنوں بعد اس شخص نے مذکورہ عورت سے نکاح کرلیا تو نکاح کرنے کے بعد نہ تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا ہوگا کیوں کہ صحتِ ایلاء یا صحتِ ظہار کے لیے عورت کا محل ہونا یعنی کہنے والے کی زوجیت میں ہونا ضروری ہے اور بوقتِ تکلم چوں کہ وہ عورت اس شخص کی بیوی نہیں تھی اس لیے اس کا یہ کلام لغو ہوگیا تھا اور جب ایک مرتبہ وہ کلام لغو ہوگیا تھا تو وہ دوبارہ صحیح ہوکر نہیں لوٹے گا، اس لیے بعد میں نکاح کرنے سے ایلاء اور ظہار کا تحقق نہیں ہوگا، مگر چوں کہ عبارت کا پہلا جملہ یعنی واللّٰہ أقربك یمین ہے اور مطلق ہے اس لیے اگر نکاح کے بعد بھی وہ شخص اس عورت سے وطی کرے گا تو اس جملے کی وجہ سے اس پر کفارہ یمین واجب ہوگا، کیوں کہ اس جملے کے حق میں یمین منعقد ہوچکی تھی اس لیے اس کا ارتکاب کفارے کا سبب بنے گا۔

ومدة الإیلاء الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ آزاد عورت کے حق میں ایلاء کی مدت چار ماہ ہے لیکن باندی کے حق میں یہ مدت دوماہ ہے، کیوں کہ اسی دوماہ کو باندی کے حق میں بینونت کی حد بتایا گیا ہے اور رقیت کی وجہ سے عدت وفات وطلاق میں باندی کے حق میں تنصیف ہوتی ہے لہٰذا ایلاء کی مدت میں بھی تنصیف ہوگی اور اس کی مدت ایلاء آزاد عورت کی مدت ایلاء یعنی چار ماہ کی آدھی دوماہ ہوگی۔

وَ إِنْ كَانَ الْمُوْلِيْ مَرِيْضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ أَوْ كَانَتْ مَرِيْضَةً أَوْ رَتْقَاءَ أَوْ صَغِيْرَةً لَا تُجَامَعُ أَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَّصِلَ إِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الْإِيْلَاءِ فَفَيْئُهُ أَنْ يَقُوْلَ بِلِسَانِهِ فِئْتُ إِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الْإِيْلَاءِ، فَإِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَ الْإِيْلَاءُ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا فَيْءَ إِلَّا بِالْجِمَاعِ وَ إِلَيْهِ ذَهَبَ الطَّحَاوِيُّ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فَيْئًا

لَكَانَ حِنْثًا، وَ لَنَا أَنَّهُ آذَاهَا بِذِكْرِ الْمَنْعِ فَيَكُوْنُ إِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ، وَ إِذَا ارْتَفَعَ الظُّلْمُ لَا يُجَازٰى بِالطَّلَاقِ، وَ لَوْ قَدَرَ عَلَى الْجِمَاعِ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذٰلِكَ الْفَيْءُ وَ صَارَ فَيْئُهُ بِالْجِمَاعِ لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِالْخَلْفِ.

ترجمه: اور اگر مولی بیمار ہو اور جماع پر قادر نہ ہو یا بیوی بیمار ہو یا پیشاب کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا شگاف نہ ہو یا وہ اتنی چھوٹی ہو جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو یا دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ مدت ایلاء میں شوہر اس تک نہ پہنچ سکتا ہو تو (ان تمام صورتوں میں) ایلاء سے رجعت کا طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی زبان سے یوں کہے میں نے مدت ایلاء میں اس سے رجعت کر لیا چنانچہ اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماع کے بغیر رجعت نہیں ہوگی اور اسی طرف امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی گئے ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ رجعت ہوتی تو حنث بھی پایا جاتا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کی بات کر کے بیوی کو تکلیف دی ہے، لہٰذا اس کو راضی کرنا زبانی وعدے سے تحقق ہو جائے گا اور جب ظلم مرتفع ہو گیا تو اسے طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر مدت ایلاء میں جماع پر قادر ہو گیا تو زبانی فئ (رجوع) باطل ہو جائے گا اور اس کا فئ جماع کے ذریعے ہوگا، کیوں کہ وہ شخص نائب کے ذریعے مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا۔

اللغات:

﴿رتقاء﴾ جسمانی ساخت کے اعتبار سے ناقابل جماع، مقام تناسل نہ رکھنے والی عورت۔ ﴿فیئ﴾ رجوع۔ ﴿آذیٰ﴾ اذیت دی ہے۔ ﴿إرضاء﴾ راضی کرنا۔ ﴿ارتفع﴾ اٹھ گیا۔

جن صورتوں میں جماع نہیں ہو سکتا ان میں مولی رجوع عن الایلاء کیسے کرے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور پھر میاں بیوی میں سے کوئی اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ جماع پر قدرت نہیں رہ گئی یا پیشاب کی راہ کے علاوہ بیوی کے فرج میں کوئی دوسرا سراخ نہیں تھا یا بیوی اتنی کم سن اور چھوٹی تھی جس سے جماع نہ ہو سکتا ہو تو ان تمام صورتوں میں ہمارے یہاں رجعت کا حکم رجعت بالجماع سے رجعت بالقول کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر مدت ایلاء کے دوران شوہر نے فِئتُ إلیها کہہ کر فئ اور رجعت کر لیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور رجعت متحقق ہو جائے گی۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایلاء میں فئ اور رجعت صرف اور صرف جماع کے ساتھ خاص ہے اور زبانی جمع خرچ سے فئ کا تحقق نہیں ہو سکتا، احناف میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی رجحان اور میلان ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اگر زبان سے فئت إلیها وغیرہ کہنے سے فئ ثابت ہوتی تو قسم بھی ٹوٹ جاتی اور شوہر حانث بھی ہو جاتا، کیوں کہ فئ سے دو حکم متعلق ہوتے ہیں (۱) کفارہ کا واجب ہونا (۲) فرقت کے حکم کا ممنوع ہونا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ زبان سے فئ کرنا کفارہ کے حق میں معتبر نہیں ہے یعنی ایسا کرنے سے کفارہ نہیں واجب ہوتا لہٰذا دوسرا حکم یعنی فرقت کی ممانعت بھی ختم نہیں ہوگی اور بدستور دونوں میں فرقت باقی اور برقرار رہے گی اور جب فرقت باقی رہے گی تو ایلاء بھی باقی رہے گا اسی لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایلاء کی رجعت صرف اور صرف

جماع سے متحقق ہوگی اور زبان سے اس کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ (بنایہ ۵/۲۸۴)

والنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ مولی جماع کے ذریعے فئ کرے لیکن جب وہ شخص بیمار ہوگیا اور جماع پر قادر نہیں رہ گیا تو ظاہر ہے کہ فئ باللسان سے کام چلایا جائے گا اور صورت مسئلہ میں فئ باللسان ہی درست بھی ہے، کیوں کہ جب شوہر جماع پر قادر ہی نہ رہا تو ظاہر ہے کہ ایلاء کرکے اس نے صرف بیوی کو ڈرایا اور دھمکایا ہے اور چوں کہ یہ دھمکی زبانی ہے، اس لیے اس کی تلافی بھی زبان سے کی جائے گی اور زبان سے فئت إلیھا کہہ دینے پر فئ (رجوع) کا تحقق ہوجائے گا۔ اور بلا وجہ اسے طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا کیوں کہ شریعت نے سزاء بحسب جرم مقرر کیا ہے اور جب شوہر نے بیوی کے ساتھ زیادتی نہیں کہ تو اس کی ملکیت طلاق کو ختم کرکے اس کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

ولو قدر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدت ایلاء کے دوران وہ شخص تندرست ہوکر جماع پر قادر ہوگیا تو اب ہمارے یہاں بھی فئ باللسان کا اعتبار نہیں ہوگا اور بالاتفاق اسے جماع ہی کے ذریعے رجعت اور فئ کرنا ہوگا کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص بدل کے ذریعے مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہوجائے گا اس کے حق میں حکم اصل کی طرف عود کر آتا ہے اور اسے اصل ہی کے ذریعے مامور بہ کو اداء کرنا پڑتا ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ یہ شخص بھی بدل یعنی فئ باللسان کے ذریعے مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے اصل یعنی جماع پر قادر ہوگیا ہے، اس لیے اس کے حق میں بھی حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا اور اب صرف فئ بالجماع ہی سے رجعت متحقق ہوگی۔

وَ إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّهُ نَوٰى حَقِيْقَةَ كَلَامِهِ وَ قِيْلَ لَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَمِيْنٌ ظَاهِرًا وَ إِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الثَّلَاثَ وَ قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْكِنَايَاتِ وَ إِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيْسَ بِظِهَارٍ لِانْعِدَامِ التَّشْبِيْهِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِيْهِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَ فِي الظِّهَارِ نَوْعُ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَ، وَ إِنْ قَالَ أَرَدْتُ التَّحْرِيْمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ يَمِيْنٌ يَصِيْرُ بِهِ مُوْلِيًا، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي تَحْرِيْمِ الْحَلَالِ إِنَّمَا هُوَ يَمِيْنٌ عِنْدَنَا وَ سَنَذْكُرُهُ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَ مِنَ الْمَشَائِخِ مَنْ يَصْرِفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيْمِ إِلَى الطَّلَاقِ مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے متعلق پوچھا جائے گا چنانچہ اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولنا چاہا ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ اس نے اپنے کلام کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ظاہراً یہ قسم ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی ہے تو وہ ایک طلاق بائن ہوگی الا یہ کہ وہ تین کی نیت کرے۔ اور کنایات میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کی نیت ہے تو وہ ظہار

ہے۔ اور یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے، کیوں کہ محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینا معدوم ہے حالاں کہ یہ چیز ظہار میں رکن ہے حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطلق حرمت کا اطلاق کیا ہے اور ظہار میں بھی ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق مقید کا احتمال رکھتا ہے۔

اور اگر اس نے کہا کہ میں نے حرام کرنے کا ارادہ کیا یا اس سے میرا کوئی ارادہ نہیں تھا تو وہ قسم ہے جس کے ذریعے وہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا، اس لیے کہ حلال چیز کو حرام کرنے میں اصل یہ ہے کہ وہ ہمارے یہاں قسم ہے اور کتاب الأیمان میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے اور مشائخ میں سے بعض حضرات حکم عرف کی وجہ سے لفظ تحریم کو نیت کے بغیر طلاق کی طرف پھیرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اللغاتُ:

﴿تشبیہ﴾ مشابہ بتانا۔ ﴿لم أرد﴾ میں نے ارادہ نہیں کیا۔

"انت علی حرام" کہنے والے کے حکم کی تفصیل:

اس عبارت میں ایک ہی جملے کے تحت کئی مسئلے زیر بحث ہیں جو ان شاء اللہ ترتیب وار آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

(۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا أنتِ عليّ حرام تو مجھ پر حرام ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اس کی نیت اور ارادہ معلوم کیا جائے گا چنانچہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ یوں ہی میرے منہ سے یہ جملہ نکل گیا اور جھوٹ بولتے ہوئے میں نے اس کا تلفظ کر دیا تو جمہور علماء کے یہاں اس کا یہ ارادہ شرعاً معتبر ہوگا اور جھوٹ سمجھ کر اس سے توجہ ہٹالی جائے گی، کیوں کہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی مراد لیا ہے بایں طور کہ اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے اور أنت عليّ حرام سے اس کا حرام ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان حلال چیز کو حرام نہیں کر سکتا ہے اس لیے اس کا یہ قول واقع کے مطابق نہیں ہوگا اور اس کے جھوٹ ہونے کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ أنت علي حرام کہہ کر اگر شوہر جھوٹ کا ارادہ کرتا ہے تو صرف دیانۃً اس کی تصدیق ہوگی اور قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ قضاءً اسے ایلاء پر محمول کریں گے، کیوں کہ ظاہراً یہ کلام کلام قسم ہے، اس لیے کہ اس میں حلال چیز کو حرام کرنا ہے اور تحریم حلال کا قسم ہونا نص سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے یا أیها النبي لم تحرمّ ما أحلّ اللّٰه لك اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ کیوں اسے حرام کرتے ہیں؟ اور آگے چل کر فرمایا قد فرض اللّٰه لکم تحلة أیمانکم اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنا بھی فرض کیا ہے، آیت کے دونوں ٹکڑوں سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ پہلے تو تحریم حلال کا بیان ہے اور پھر قسم کھولنے کا بیان ہے، اگر تحریم حلال قسم نہ ہوتی تو اس کی حلت کے کیا معنی ہیں؟ معلوم ہوا کہ تحریم حلال قسم ہے اور قسم کو اگر کوئی جھوٹ پر محمول کرنے کا ارادہ کرے تو قضاءً اور ظاہراً اس کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ لہٰذا صورت مسئلہ میں بھی قضاءً اس شخص کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۲) اس جملے سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس شخص نے یہ کہا کہ اس جملے سے میں نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے تو اگر اس نے ایک یا دو طلاق کی نیت کی تھی تو دونوں صورتوں میں اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کا ارادہ

کیا ہے تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ طلاق مراد لینے کی صورت میں یہ الفاظ کنایات سے ایقاع طلاق کا مسئلہ ہوگا اور ہم اسے باب الکنایات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں فلانعید ههنا۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس جملے سے ظہار کی نیت کی تھی تو حضرات شیخین عِیَۡالِیۡا کے یہاں ظہار ثابت ہوجائے گا لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہار کا تحقق نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ محللة عورت کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا نام ظہار ہے مثلاً شوہر کہے أنتِ عليَّ كظهر أمي اور صورت مسئلہ میں تشبیہ معدوم ہے حالاں کہ تشبیہ ظہار کا رکن ہے اور رکن کے بغیر اصل شئ متحقق نہیں ہوتی۔ اس لیے ظہار متحقق نہیں ہوگا۔

ولهما الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں أنت عليَّ حرام کہہ کر شوہر نے مطلق تحریم ذکر کی ہے اور متکلم کی نیت سے مطلق کو مقید کیا جاسکتا ہے اور چوں کہ بیوی کئی طریقوں سے حرام ہوسکتی ہے، مثلاً وہ مطلقہ بائنہ ہوجائے یا محرمہ بالظہار ہوجائے، تو جب أنت علي حرام میں حرمت کے ایک سے زائد پہلو موجود ہیں تو پھر شوہر کی نیت سے اس کی تعیین ہوگی اور اگر شوہر اس سے ظہار کی نیت کرتا ہے تو ظہار ثابت ہوجائے گا، کیوں کہ ظہار میں بھی ایک طرح کی حرمت ہے اور شوہر کا کلام اس کا احتمال رکھتا ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے یوں کہا میں نے اس جملے سے بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا مراد لیا ہے یا یہ کہا کہ میں نے بغیر کسی نیت کے یوں ہی کہہ دیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کا یہ جملہ یمین پر محمول ہوگا اور اس سے ایلاء ثابت ہوجائے گا۔ چنانچہ تحریم مراد لینے کی صورت میں یہ جملہ یمین پر اس لیے محمول ہوگا کہ لم تحرم ما أحلَّ الله لك الخ میں تحریم حلال کو یمین سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام طحاویؒ وغیرہ کی دلیل کے تحت بیان کیا گیا۔ اور کچھ بھی مراد نہ لینے کی صورت میں اس لیے یمین ہوگا کہ اس کے اس کلام سے تو حرمت ثابت ہی ہوگی مگر کون سی حرمت ثابت ہوگی یہ متعین نہیں ہو پا رہا ہے اس لیے کہ اس نے کوئی نیت ہی نہیں کی، چنانچہ ہم اسے یمین یعنی ایلا پر محمول کریں گے کیوں کہ ایلاء سے ثابت ہونے والی حرمت تمام حرمتوں میں سب سے ادنیٰ اور کم تر ہے، اس لیے کہ ایلاء میں کفارہ سے پہلے وطی کرنا حلال ہے، ایلاء کی حرمت چار ماہ بعد ثابت ہوتی ہے جب کہ طلاق اور ظہار کی حرمت فوراً ثابت ہوجاتی ہے اور طلاق میں نکاح سے پہلے اور ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے وطی حلال نہیں ہوتی۔ لہٰذا متکلم پر آسانی کے پیش نظر اسے ایلاء پر محمول کیا جائے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ آگے کتاب الأيمان میں ان شاء اللہ ہم اس پر سیر حاصل بحث کریں گے، اس لیے تھوڑا انتظار کا مزہ لیجیے۔

ومن المشائخ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مشائخ بلخ میں سے فقیہ ابوجعفر ہندوانی، شیخ ابوبکر اسکاف اور شیخ ابوبکر بن سعیدؒ کا نظریہ یہ ہے کہ أنت علي حرام سے اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو اس سے طلاق ہی مراد لی جائے گی، کیوں کہ باشندگان بلخ وغیرہ اس جملے سے طلاق ہی مراد لیتے ہیں اور طلاق دینے کے لیے اس کو استعمال کرتے ہیں، گویا کہ ان حضرات نے اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے اور شریعت میں عرف کا اعتبار ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے رسم المفتی نامی اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ والعرف في الشرع له اعتبار۔ فقط واللّٰه اعلم وعلمه اتم۔

بَابُ الْخُلْعِ

یہ باب احکام خلع کے بیان میں ہے

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ باب الخلع کو باب الإیلاء کے بعد بیان کرنے کی دو وجہیں ہیں (۱) ایلاء میں مال نہیں ہوتا اور خلع میں مال ہوتا ہے لہٰذا مال سے خالی ہونے کے اعتبار سے ایلاء طلاق سے زیادہ قریب ہے، اس لیے پہلے ایلاء کو بیان کیا اور اب خلع کو بیان کررہے ہیں۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایلاء میں ظلم وزیادتی اور طلاق پر اقدام مرد کی طرف سے ہوتا ہے جب کہ خلع میں یہ تمام امور عورت کی طرف سے ہوتے ہیں اور مردوں کو ہر محاذ پر عورتوں سے تقدم اور سبقت حاصل ہے اس لیے یہاں بھی ایلاء کو خلع پر مقدم کیا گیا اور خلع کو بعد میں بیان کیا جارہا ہے۔

خُلع کے لغوی معنی: لغت میں خلع (ف) کے معنی میں ہیں نکالنا، الگ کرنا، اتارنا قرآن کریم میں ہے۔ **فَاخْلَعْ نَعلیك** جو جوتے اتارنے کے معنی میں ہے۔

خلع کے شرعی معنی: **عبارۃ عن أخذ مال من المرأۃ بإزاء ملك النکاح بلفظ الخلع** یعنی لفظ خلع کے ذریعے ملک نکاح کے عوض بیوی سے مال لینے کا نام اصطلاح شرع میں خلع ہے۔ اور خلع کی شرائط طلاق کی شرائط ہیں۔ اور خلع کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذریعے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ (بنایہ ۲۹۱/۵)

وَ إِنْ تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَ خَافَا أَنْ لاَّ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ﴾ (سورۃ البقرۃ : ۲۲۹) **فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَ لَزِمَهَا الْمَالُ لِقَوْلِهٖ[1] عَلَیْہِ السَّلَامُ ((اَلْخُلْعُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ)) وَ لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتّٰى صَارَ مِنَ الْكِنَايَاتِ، وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَاتِ بَائِنٌ، إِلاَّ أَنَّ ذِكْرَ الْمَالِ أَغْنٰى عَنِ النِّيَّةِ هُنَا، وَ لِأَنَّهَا لَا تَتَسَلَّمُ الْمَالَ إِلاَّ لِتُسَلَّمَ لَهَا نَفْسَهَا وَ ذٰلِكَ بِالْبَيْنُوْنَةِ.**

ترجمہ: اور اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے جھگڑا کریں اور دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت شوہر کو ایسے مال کے ذریعے اپنی جان کا فدیہ دے جس کے ذریعے شوہر کو الگ کردے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

گرامی ہے ''ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے اس فدیہ میں جو عورت شوہر کو فدیہ دے چنانچہ جب شوہر نے ایسا کرلیا تو خلع کے ذریعے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور بیوی پر مال لازم ہوگا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''خلع طلاق بائن ہے۔ اور اس لیے کہ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ کنایات میں ہوگیا اور الفاظ کنایات کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق بائن ہوتی ہے، البتہ مال کی وضاحت نے یہاں نیت سے مستغنی کردیا۔ اور اس لیے کہ عورت صرف اس لیے مال دیتی ہے تاکہ اس کی جان اس کے سپرد کردی جائے اور یہ چیز طلاق بائن سے حاصل ہوگی۔

اللغاتُ:

﴿تشاق﴾ مخالفت کریں، جھگڑا کریں۔ ﴿تفتدی﴾ فدیہ دے دے۔ ﴿یخلعها﴾ الگ کرے۔ ﴿جناح﴾ حرج، گناہ۔ ﴿أغنٰی﴾ ضرورت مند نہیں رکھا۔

تخریج:

❶ اخرجه البیهقی فی کتاب الخلع والطلاق باب الخلع هل هو فسخ او طلاق، حدیث رقم: ١٤٨٦٥.

خلع کی تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر میاں بیوی میں کسی وجہ سے نا اتفاقی پیدا ہوجائے اور صورت حال اتنی سنگین ہوجائے کہ نباہ اور گذر بسر کی کوئی شکل باقی نہ رہے اور ان دونوں کو یہ احساس ہوجائے کہ اب اللہ کے حدود کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو اداء کرنا پانا مشکل ہے تو اگر عورت شوہر سے مال کے عوض یعنی اسے مال دے کر اپنی جان آزاد کرالے تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ طریقہ اختیار کرنا درست اور جائز ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآن سے تو اس کا ثبوت اس آیت سے ہے ''**فإن خفتم أن لا یقیما حدود الله فلاجناح علیهما فیما افتدت به**'' اس آیت کے متعلق بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور ان کی بیوی جمیلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی عدالت میں خلع کیا تھا۔ اور دربار نبوی سے جو فیصلہ صادر ہوا تھا وہی فیصلہ خلع کے لیے دلیل بشکل حدیث بن گیا، اس لیے قرآن اور حدیث دونوں سے اس کا ثبوت ہوا۔

صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ میں عورت کے مال دینے کو فدیہ دینے سے تعبیر کیا ہے اور عورت کی جانب سے فدیہ دینے کا مطلب ہے قید سے رہائی حاصل کرنا اور یہ معنی خلع میں موجود ہے، کیوں کہ عورتیں شوہروں کے پاس درحقیقت قید ہی ہوتی ہیں اور ہر چیز میں ان کے احکام کی پابند اور ان کے اشاروں پر کاربند ہوتی ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے **اتقوا الله في النساء ، فإنهن عندکم عوانا** کہ اللہ تعالیٰ سے عورتوں کے سلسلے میں ڈرتے رہا کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں، عوان بمعنی قیدی۔ (بنایہ ۲۹۲/۵)

بہرحال یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت خلع کے ذریعے اپنے آپ کو شوہر کی قید سے آزاد کراسکتی ہے اور جب بھی یہ کام ہوگا یعنی خلع ہوگا اس وقت بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور بیوی کے ذمے مال واجب ہوگا جو شوہر کے حوالے کرنا ہوگا۔ خلع کے طلاق بائن ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں موجود ہے **الخلع تطلیقة بائنة**، خلع کے طلاق بائن ہونے کی عقلی دلیل یہ

ہے کہ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے اسی لیے اسے طلاق کے الفاظ کنایات میں سے شمار کیا گیا ہے اور الفاظ کنایات کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق، طلاق بائن ہوتی ہے، اس لیے خلع کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق بھی بائن ہوگی۔

إلا أن ذکر المال سے ایک طالب علمانہ اشکال کا جواب دیا گیا ہے، اشکال یہ ہے کہ جب خلع الفاظ کنایات میں سے ہے تو جس طرح دیگر الفاظ کنایات میں وقوع طلاق کے لیے نیت شرط ہے اسی طرح لفظ خلع میں بھی نیت شرط ہونی چاہیے، حالاں کہ لفظ خلع میں نیت شرط نہیں ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ خلع لغوی اعتبار سے کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہے مگر جب مال کو ذکر کردیا جاتا ہے تو وہ خلع عن النکاح کے لیے متعین ہوجاتا ہے، اور خلع عن النکاح میں مال کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ولأنها لاتتسلم الخ: خلع کے ذریعہ واقع ہونے والی طلاق کے بائن ہوے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عورت مال اس لیے دیتی ہے تاکہ اس کی جان کو مکمل طور پر اس کے حوالے کردیا جائے اور عورت کی جان صرف طلاق بائن میں ہی علی وجہ الکمال اس کے حوالے ہوتی ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی خلع سے طلاق بائن ہی کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے۔

وَ إِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ يُكْرَهُ لَهٗ أَنْ يَّأْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَ إِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ إِلٰى أَنْ قَالَ فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (سورة النساء : ٢٠)، وَ لِأَنَّهٗ أَوْحَشَهَا بِالْإِسْتِبْدَالِ فَلَا يَزِيْدُ فِيْ وَحْشِهَا بِأَخْذِ الْمَالِ.

ترجمه: اور اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو تو اس کے لیے بیوی سے عوض لینا مکروہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو'' یہاں تک کہ فرمایا کہ اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ اور اس لیے کہ شوہر نے بیوی بدل کر اسے وحشت میں ڈالدیا ہے، لہٰذا مال لے کر اسے مزید وحشت میں نہ ڈالے۔

اللغات:

﴿نشوز﴾ سرکشی، نافرمانی، زیادتی۔ ﴿استبدال﴾ بدلنا۔ ﴿أوحش﴾ نامانوس کیا ہے، اجنبی کردیا ہے۔

شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کے لیے خلع کے عوض اس صورت میں مال لینا صحیح ہے جب سرکشی اور زیادتی بیوی کی طرف سے ہو، لیکن اگر زیادتی خود شوہر کی طرف سے ہو تو پھر اس صورت میں اس کے لیے بدل خلع کے طور پر مال لینا مکروہ ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے ''کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہتے ہو اور مہر وغیرہ میں کسی بیوی کو تم نے بہت ڈھیر سارا مال دے رکھا ہو تب بھی اس میں سے کچھ نہ لو، قرآن نے آگے کہا ''أتأخذونه بهتانا و إثما مبينا'' یعنی کیا تم تہمت لگا کر اور صریح گناہ کا مرتکب ہو کر اسے لے رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو تو پھر اس کے لیے بدل خلع لینا مکروہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے خلع پر رضامندی ظاہر کرکے یہ اشارہ دیدیا ہے کہ وہ موجودہ بیوی کی جگہ دوسری بیوی لائے گا اور ایک عورت کے حق میں اس سے بڑا دھماکہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس کا شوہر اس کو چھوڑ رہا ہو، لہٰذا استبدال کی اطلاع دے

کر شوہر نے بیوی کو وحشت میں ڈالدیا ہے، تو مال اور عوض لے کر اسے بیوی کو مزید وحشت میں نہیں ڈالنا چاہیے، صاحب ہدایہ نے ولأنه أوحشها سے اسی کو بیان کیا ہے۔

وَ إِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا كَرِهْنَا لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا، وَ فِي رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ طَابَ الْفَضْلُ أَيْضًا لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا بَدْأً، وَ وَجْهُ الْأُخْرٰى قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶ فِي امْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ ((أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا)) وَقَدْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا.

ترجمہ: اور اگر سرکشی بیوی کی طرف سے ہو تو ہم شوہر کے لیے یہ بات مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس نے جتنا بیوی کو دیا ہے اس سے زیادہ لے، اور جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ شوہر کے لیے زیادہ لینا بھی مباح ہے اس لیے کہ سابق میں ہم نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ مطلق ہے۔ اور دوسری روایت کی دلیل حضرت ثابت بن قیس بن شماش رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "أمّا الزيادة فلا" حالاں کہ نافرمانی عورت کی طرف سے تھی۔

اللغات:

﴿طاب﴾ پاک ہے، حلال ہے۔ ﴿فضل﴾ اضافہ۔

تخریج:

❶ اخرجه دارقطني في السنن، حديث ٣٦٧١، مشكولا.

شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر سرکشی اور زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو مبسوط کی روایت کے مطابق شوہر کے لیے مقدار مہر سے زائد مال لینا مکروہ ہے جب کہ جامع صغیر کی روایت میں امام محمد علیہ الرحمہ نے زیادتی کو بھی شوہر کے لیے حلال اور مباح قرار دیا ہے اور اس اباحت کی دلیل فلاجناح علیهما فيما افتدت به کا اطلاق ہے یعنی اس آیت میں مطلق فدیہ کو مباح قرار دیا گیا ہے خواہ اور وہ مہر کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ اس لیے مہر کی مقدار سے زیاد لینا شوہر کے لیے حلال ہے۔ اور مبسوط میں بیان کردہ روایت کی دلیل حضرت ثابت قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "أما الزيادة فلا" یعنی مہر مسمیٰ کی مقدار سے زیادہ بدوی خلع لینا مکروہ ہے، علامہ عینی علیہ الرحمہ نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث مکمل طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے قال أخبرني أبو الزبير بن ثابت بن قيس بن شماش كانت عنده زينب بنت عبدالله بن أبي بن سلول وكان أصدقها حديقة فكرهته، فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم أتريدين عليه حديقته التي أعطاك، قالت نعم وزيادة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم أمّا الزيادة فلا الخ۔ (۲۹۸/۵)

حضرت ثابت بن قیس نے اپنی بیوی کو ایک باغ بطور مہر دیا تھا، لیکن بیوی ان سے مطمئن نہیں تھیں، اس لیے انہوں نے خلع کا مطالبہ کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم وہ باغ واپس کرسکتی ہو جو ثابت نے تمہیں مہر میں دیا تھا، انہوں نے کہا کہ

ہاں میں اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ بھائی زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس واقعے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اگر نشوز عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کے لیے مہر مسمی کی مقدار سے زیادہ بدل خلع لینا مکروہ ہے، اس لیے کہ صاحب شریعت نے جب اباحت کو ممنوع قرار دیدیا تو حرمت اگرچہ نہیں، لیکن کراہت تو ضرور ہوگی۔

وَ لَوْ أَخَذَ الزِّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ وَ كَذٰلِكَ إِذَا أَخَذَ وَالنُّشُوْزُ مِنْهُ، لِأَنَّ مُقْتَضٰي مَا تَلَوْنَاهُ شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا، وَالْإِبَاحَةُ، وَ قَدْ تُرِكَ الْعَمَلُ فِي حَقِّ الْإِبَاحَةِ لِعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُوْلًا فِي الْبَاقِيْ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے زیادہ لے لیا تو قضاءً جائز ہے اور ایسے ہی جب اس نے مال لے لیا حالاں کہ نشوز اسی کی طرف سے تھا، اس لیے کہ ہماری تلاوت کردہ نص دو چیزوں کی متقاضی ہے حکماً جائز ہونا اور مباح ہونا، لیکن معارض کی وجہ سے اباحت کے حق میں عمل ترک کردیا گیا ہے لہٰذا دوسرے میں معمول باقی رہے گا۔

شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خواہ نشوز مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے بہر دو صورت اگر مرد نے بدلِ خلع میں مہر مسمّٰی کی مقدار سے زیادہ مال لے لیا تو یہ زیادہ مال لینا شوہر کے لیے جائز تو ہے لیکن مباح نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے اور جواز اور کراہت میں اجتماع ممکن ہے کیوں کہ جواز کی ضد حرمت ہے جب کہ اباحت کی ضد کراہت ہے۔ اور فیما افتدت به والی آیت دو چیزوں کی متقاضی ہے (۱) شرعی جواز (۲) اور اباحت اور یہ بات طے ہے کہ اگر معارض کی وجہ سے نص کے پورے حصے پر عمل ممکن نہ ہو تو جو حصہ معارض سے خالی ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں اباحت پر عمل ترک کردیا گیا ہے، کیوں کہ اباحت کے معارض أما الزيادة فلا الخ والی حدیث موجود ہے، اس لیے اس معارض کی وجہ سے اباحت کے حق میں عمل نہیں ہوگا، تاہم جواز کے حق میں آیت پر ضرور عمل ہوگا اور شوہر کے لیے زیادہ لینا جائز ہوگا، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ جواز مع الکراہت ہے۔ (بنایہ: ۲۹۹/۵)

وَ إِنْ طَلَّقَهَا عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ لَزِمَهَا الْمَالُ، لِأَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيْزًا وَ تَعْلِيْقًا وَ قَدْ عَلَّقَهُ بِقُبُوْلِهَا، وَالْمَرْأَةُ تَمْلِكُ الْتِزَامَ الْمَالِ لِوَلَايَتِهَا عَلٰى نَفْسِهَا، وَ مِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوْزُ الْإِعْتِيَاضُ عَنْهُ وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا كَالْقِصَاصِ، وَ كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِمَا بَيَّنَّا، وَ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَ قَدْ مَلَكَ الزَّوْجُ أَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فَتَمْلِكُ هِيَ الْاٰخَرَ وَهُوَ بِالنَّفْسِ تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے مال کے عوض طلاق دی اور بیوی نے اسے قبول کرلیا تو اس پر مال لازم ہوگا، اس لیے کہ شوہر منجز اور معلق دونوں طرح طلاق دینے میں مستقل ہے اور شوہر نے طلاق کو عورت کی قبولیت پر معلق کیا ہے اور عورت مال لازم کرنے کی مالک ہے اس لیے کہ اس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور ملک نکاح ان چیزوں میں سے ہے جن کا عوض لینا جائز ہے ہر چند کہ قصاص کی طرح نکاح بھی مال نہیں ہے۔ اور یہ طلاق بائن ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ جان کا مالی معاوضہ

ہے اور شوہر بدلین میں سے ایک کا مالک ہے لہٰذا برابری ثابت کرنے کے لیے بیوی دوسرے بدل کی مالک ہوگی۔ اور دوسرا بدل بیوی کا نفس ہے۔

اللغات:

﴿قبلت﴾ قبول کرلیا۔ ﴿یستبد﴾ مستقل ہوتا ہے، اکیلا ہی کرنے والا ہوتا ہے۔ ﴿تنجیز﴾ فوری واقع کرنا۔ ﴿التزام﴾ اپنے ذمے لینا۔ ﴿مساواۃ﴾ برابری۔

طلاق علی المال:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو مال پر معلق کر کے یوں کہا کہ **طلقتك علی ألف درهم** میں نے ایک ہزار درہم کے عوض تجھے طلاق دی اور بیوی نے اسے قبول کرلیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور بیوی پر ایک ہزار درہم کی ادائیگی لازم ہوگی۔ صاحب بنایہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ صورت تین چیزوں پر مبنی ہے (۱) و (۲) میاں بیوی دونوں میں معاوضے کے لین دین کی اہلیت ولیاقت ہو (۳) اور تیسری چیز یہ ہے کہ محل میں عوض اور معاوضہ لینے کی صلاحیت ہو، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تینوں چیزیں موجود ہیں، کیوں کہ شوہر ہر طرح کی طلاق دینے کا اہل ہے خواہ وہ فوری طلاق دے یا طلاق کو کسی چیز پر معلق کردے، اسی طرح بیوی بھی اپنے اوپر مال لازم کرنے کی حق دار ہے، کیوں کہ اسے اپنے نفس پر ولایت تامہ حاصل ہے اور وہ مال دے کر اپنے آپ کو ہر طرح سے آزاد کراتی ہے۔ اور پھر نکاح کے اندر قبولیت معاوضہ کی صلاحیت بھی ہے، کیوں کہ اگرچہ نکاح مال نہیں ہے مگر پھر بھی اس کو ختم کرنے کا عوض لینا جائز ہے جیسے قصاص کے عوض معاوضہ لینا جائز ہے حالاں کہ قصاص مال نہیں ہے، بہرحال یہاں صحت معاوضہ کی تمام شرطیں موجود ہیں اس لیے شوہر کا مال کے عوض طلاق دینا صحیح ہے۔ اور اگر بیوی مال کی ادائیگی کو قبول کرلیتی ہے تو اس پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ بیوی نے اسی لیے مال دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے تاکہ اسے کامل طور پر اس کا نفس دے دیا جائے اور یہ اسی وقت ہوگا جب طلاق بائن واقع ہو۔

ولأنه معاوضة الخ: یہاں سے طلاق کے بائن ہونے کی دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ مال دے کر جان چھڑانے سے متعلق ہے یعنی ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف جان ہے اور شوہر ایک چیز کا یعنی مال کا مالک ہے اس لیے لازمی طور پر بیوی دوسری چیز یعنی نفس کی مالک ہوگی تاکہ میاں بیوی کی ملکیت میں برابری اور مساوات ثابت ہوجائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب مذکورہ طلاق طلاقِ بائن ہو۔

قَالَ وَ إِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ أَنْ يُخَالِعَ الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ أَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ، وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ، وَ إِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا فَوُقُوْعُ الطَّلَاقِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِلتَّعْلِيْقِ بِالْقَبُوْلِ وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ، لِأَنَّهُ لَمَّا بَطَلَ الْعِوَضُ كَانَ الْعَامِلُ فِي الْأَوَّلِ لَفْظُ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ، وَ فِي الثَّانِي الصَّرِيْحُ وَهُوَ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَ إِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْءٌ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَا سَمَّتْ مَا لَا مُتَقَوِّمًا حَتّٰى تَصِيْرَ

غَارَّةٌ لَهُ، وَ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلٰى إِيْجَابِ الْمُسَمّٰى لِلْإِسْلَامِ وَ لَا إِلٰى إِيْجَابِ غَيْرِهِ لِعَدَمِ الْإِلْتِزَامِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا خَالَعَ عَلٰى خَلٍّ بِعَيْنِهِ فَظَهَرَ أَنَّهُ خَمْرٌ لِأَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا فَصَارَ مَغْرُوْرًا وَ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَاتَبَ أَوْ أَعْتَقَ عَلٰى خَمْرٍ حَيْثُ تَجِبُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ، لِأَنَّ مِلْكَ الْمَوْلٰى فِيْهِ مُتَقَوَّمٌ وَ مَا رَضِيَ بِزَوَالِهِ مَجَّانًا، أَمَّا مِلْكُ الْبُضْعِ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ عَلٰى مَا نَذْكُرُ وَ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْبُضْعَ فِيْ حَالَةِ الدُّخُوْلِ مُتَقَوَّمٌ وَالْفِقْهُ أَنَّهُ شَرِيْفٌ فَلَمْ يُشْرَعْ تَمَلُّكُهُ إِلَّا بِعِوَضٍ، إِظْهَارًا لِشَرَفِهِ، فَأَمَّا الْإِسْقَاطُ فَنَفْسُهُ شَرِيْفٌ فَلَا حَاجَةَ إِلٰى إِيْجَابِ الْمَالِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر خلع کا عوض باطل ہوجائے مثلاً مسلمان شراب یا خنزیر یا مردار پر خلع کرے تو شوہر کو کچھ نہیں ملے گا اور فرقت بائنہ ہوگی۔ اور اگر طلاق کا عوض باطل ہوجائے تو وہ رجعی ہوگی، چنانچہ دونوں صورتوں میں طلاق کا واقع ہونا قبول پر معلق کرنے کی وجہ سے ہے اور حکم میں دونوں کا مختلف ہونا اس لیے ہے کہ جب عوض باطل ہوگیا تو پہلی صورت میں لفظ خلع عامل ہوگا اور وہ لفظ کنایہ ہے اور دوسری صورت میں لفظ صریح ہے اور صریح کے بعد رجعت ہوتی ہے۔ اور عورت پر شوہر کے لیے اس وجہ سے کچھ نہیں واجب ہوا، کیوں کہ اس نے مال متقوم کو متعین نہیں کیا تھا کہ وہ دغاباز ہوجائے۔ اور اس لیے بھی کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے مال متعین واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کو واجب کرنے کی کوئی صورت ہے اس لیے کہ بیوی نے اس کا التزام نہیں کیا ہے، برخلاف اس صورت کے جب شوہر نے کسی متعین سرکہ پر خلع کیا لیکن وہ خمر نکلا، کیوں کہ عورت نے مال متعین کیا تھا لہٰذا شوہر دھوکا کھانے والا ہوگیا۔ اور برخلاف اس صورت کے جب آقا نے اپنے غلام سے شراب پر بدل کتابت کیا یا شراب کے عوض اسے آزاد کیا چنانچہ ان صورتوں میں غلام کی قیمت واجب ہوگی، کیوں کہ غلام میں مولیٰ کی ملک متقوم ہے اور وہ مفت اس کے زائل ہونے پر راضی نہیں ہے رہی ملک بضع تو حالت خروج میں وہ متقول نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اور برخلاف نکاح کے۔ اس لیے بضع بحالت دخول متقوم ہے اور راز کی بات یہ ہے کہ بضع ایک اچھی چیز ہے اس لیے اس کی عمدگی کو ظاہر کرنے کے لیے عوض کے بغیر اس کا مالک بننا مشروع نہیں ہوا ہے، رہا ملک کو ساقط کرنا تو وہ اپنی ذات میں عمدہ ہے، اس لیے مال واجب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿خمر﴾ شراب۔ ﴿میتة﴾ مردار۔ ﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿سمّت﴾ طے نہیں کیا۔ ﴿غارّة﴾ دھوکہ دینے والی۔ ﴿خل﴾ سرکہ۔ ﴿مغرور﴾ جس کو دھوکہ دیا گیا ہو۔ ﴿مجّانا﴾ بلاعوض، مفت۔ ﴿شریف﴾ محترم۔

غیر متقوم شے کو بدل خلع بنانا:

صورت مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان شخص نے اپنی بیوی سے شراب، خنزیر یا مردار کے عوض خلع کیا تو خلع تو درست ہوگا اور دونوں میں فرقت بائن واقع ہوگی، لیکن پر بدل خلع کا عوض نہیں واجب ہوگا نہ تو شراب وغیرہ اور نہ ہی ان کے علاوہ دوسرا کوئی

مال۔ اور اگر کسی شخص نے شراب یا خمر کو عوض مقرر کر کے اپنی بیوی کو طلاق دیا تو ظاہر ہے کہ عوض باطل ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں طلاق تو اس لیے واقع ہوگی کہ شوہر نے وقوع طلاق کو بیوی کے قبول عوض پر معلق کیا تھا اور دونوں صورتوں میں بیوی نے عوض قبول کرلیا ہے، اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن پہلی صورت میں طلاق بائن ہوگی اور دوسری صورت میں طلاق رجعی، ان میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں عوض باطل ہو گیا تو صرف لفظ طلاق باقی رہا اور یہ لفظ پہلی صورت میں خلع ہے اور خلع الفاظ کنایات میں سے ہے اور الفاظ کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے اس لیے پہلی صورت میں لفظ خلع سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور دوسری صورت میں عوض باطل ہونے کے بعد أنت طالق ہی باقی بچا ہے اور أنتِ طالق لفظ صریح ہے اور الفاظ صریحہ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لیے دوسری صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی۔

و إنما لم یجب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بیوی پر شوہر کے لیے مال کے نام پر ایک رتی بھی واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ خمر اور خنزیر کو بدل متعین کیا گیا تھا اور یہ چیزیں مال متقوم نہیں ہیں اور ان کی تعیین کھلے لفظوں میں ہوئی ہے، اس لیے بیوی شوہر کو دھوکا دینے والی بھی نہ ہوئی۔ کیوں کہ ایک مسلمان کے لیے نہ تو ان چیزوں کا مالک بننا صحیح ہے اور نہ ہی ان پر قبضہ کرنا درست ہے، اس لیے مال مسمیٰ کو واجب کرنے کی صورت نہیں ہے۔ اور مال مسمیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مال بھی نہیں واجب کیا جاسکتا، کیوں کہ بیوی نے اسے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے، اب ظاہر ہے کہ اسے واجب کرنے کی صورت میں بیوی پر ظلم ہوگا و **الظلم مدفوع في الشرع۔**

بخلاف ما إذا خالع الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے سرکے کے کسی متعین مٹکے پر خلع کیا اور بعد میں وہ مٹکہ شراب نکلا تو اس صورت میں بیوی پر اس کا بدل واجب ہوگا چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر مہر مسمیٰ کے بقدر مال واجب ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں خل مسمیٰ کے بقدر سرکہ واجب ہوگا، کیوں کہ عورت نے سرکہ پر خلع کر کے مال متقوم پر خلع کیا ہے مگر جب وہ شراب اور مال متقوم ٹھہرا تو عورت شوہر کو دھوکہ دینے والی ہوئی اس لیے اس پر مال مسمیٰ کا بدل اور واجب ہوگا کیوں کہ دھوکہ دینے سے انسان پر ضمان واجب ہوتا ہے۔ (عنایہ)

و بخلاف الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی مولیٰ نے شراب یا خنزیر کے عوض اپنے غلام سے بدل کتابت کیا یا ان چیزوں کے عوض اسے آزاد کیا تو ان دونوں صورتوں میں غلام پر اس کی قیمت بشکل عوض و بدل واجب ہوگی، اس لیے کہ غلام مولیٰ کی ملکیت ہے اور وہ مالِ متقوم ہے، اور شراب وغیرہ مال غیر متقوم ہے اور مولیٰ مفت میں اپنی ملکیت زائل کرنے پر راضی نہیں ہے، اس لیے خمر وغیرہ کے عوض میں غلام پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اس کے برخلاف عورت کی ملکِ بضع ہے تو حالت خروج یعنی طلاق اور خلع وغیرہ کی صورت میں وہ مالِ متقوم نہیں رہتی، اس لیے اگر ملکِ بضع کی رہائی کے لے (طلاق یا خلع کے ذریعے) شراب وغیرہ کو عوض متعین کی جائے تو خلع صحیح ہوگا لیکن شراب وغیرہ واجب نہیں ہوگی۔

و بخلاف النکاح الخ فرماتے ہیں کہ خلع اور طلاق کے برخلاف اگر کسی شخص نے شراب یا خنزیر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوگا اور مہر مسمیٰ کے بدل میں مہر مثل واجب ہوگا کیوں کہ عورت کی بضع حالتِ دخول (بحالت نکاح) میں مال

متقوم ہے اس لیے اس کے عوض میں مہر مسمّی یعنی شراب وغیرہ کا بدل بشکل مہر مثل واجب ہوگا۔

و الفقه الخ: فرماتے ہیں کہ ملکِ بضع کے بحالتِ دخول مال متقوم ہونے کا راز اور بھید یہ ہے کہ بضع فی نفسہ عمدہ اور قابل احترام چیز ہے اس لیے بحالت ابتداء یعنی نکاح کے وقت اس کا مالک بننے کے لیے عوض کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی عمدگی اور شرافت کا اظہار ہو، لیکن بحالت انتہا یعنی طلاق اور خلع کی صورت میں اسے ساقط کرنے کے لیے مال کا ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ فی نفسہ شریف ہے تو پھر بلا وجہ اس کے اسقاط میں مال نہیں واجب کیا جائے گا۔ اور یہی فرق ہے خلع اور نکاح کے درمیان کہ خلع میں شراب وغیرہ کو عوض ٹھہرایا جائے تو عوض باطل ہوتا ہے اور اس کا بدل بھی واجب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بضع کی حالتِ خروج ہے اور حالتِ خروج میں بضع مال متقوم نہیں ہے، اس کے برخلاف نکاح کی حالت حالتِ دخول ہے اور حالتِ دخول میں بضع مال متقوم ہوتا ہے اس لیے اگر خمر یا خنزیر کے عوض نکاح ہو تو ان کا بدل یعنی مہر مثل واجب ہوگا۔

قَالَ وَ مَا جَازَ أَنْ يَكُوْنَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ، لِأَنَّ مَا يَصْلُحُ عِوَضًا لِلْمُتَقَوَّمِ أَوْلَى أَنْ يَصْلُحَ لِغَيْرِ الْمُتَقَوَّمِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو چیز مہر ہو سکتی ہے وہ خلع کا بدل بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے جو چیز متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ غیر متقوم کا تو بدرجۂ اولیٰ عوض ہو سکتی ہے۔

بدل خلع کیا ہو؟

مسئلہ یہ ہے فقہ میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع میں عوض ہو سکتی ہے کیوں کہ نکاح کی حالت میں بضع مال متقوم ہوتا ہے اور خلع کی حالت میں وہ مالِ غیر متقوم ہوتا ہے اور جو چیز مال متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ مال غیر متقوم کا عوض تو بدرجۂ اولیٰ بن سکتی ہے۔ لیکن اس کا برعکس نہیں ہو سکتا یعنی جو چیز خلع کا عوض بن سکے اس کا مہر اور نکاح کا عوض بننا ضروری ہو چنانچہ دس دراہم سے کم خلع کا عوض تو بن سکتا ہے لیکن مہر کا عوض نہیں ہو سکتا۔ (بنایہ ۵/۳۰۵)

فَإِنْ قَالَتْ لَهُ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا وَ لَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا لَمْ تَغُرَّهُ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ.

ترجمہ: پھر اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لو چنانچہ شوہر نے خلع کر لیا اور بیوی کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ عورت نے مال متعین کر کے شوہر کو دھوکہ نہیں دیا ہے۔

اللغات:

﴿خالعني﴾ مجھ سے خلع کر لو۔ ﴿لم تغرّہ﴾ اسے دھوکہ نہیں دیا۔

بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کی بات مان کر علی مافي یدها پر خلع کرلیا اور بعد میں کچھ نہیں نکلا تو خلع صحیح ہوگا اور بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا کیوں کہ تسمیہ علی مافي یدها ہے اور کلمۂ ما عام ہے جو مال اور غیر مال سب کو شامل ہے، اس لیے کہ ایسا کہہ کر بیوی شوہر کو دھوکہ دینے والی نہیں ہوئی اور جب وہ دھوکہ دینے والی نہیں ہوئی فلایجب علیه بدل التسمية شيئ آخر۔ (عنایه)

وَ إِنْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْئٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا لِأَنَّهَا لَمَّا سَمَّتْ مَالًا لَمْ يَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ إِلَّا بِعِوَضٍ، وَ لَا وَجْهَ إِلَى إِيْجَابِ الْمُسَمّٰى وَ قِيْمَتِهٖ لِلْجَهَالَةِ، وَ لَا إِلَى قِيْمَةِ الْبُضْعِ أَعْنِيْ مَهْرَ الْمِثْلِ، لِأَنَّهٗ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ حَالَةَ الْخُرُوْجِ فَتَعَيَّنَ إِيْجَابُ مَا قَامَ بِهٖ عَلَى زَوْجٍ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ.

ترجمه: اور اگر بیوی نے کہا میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کرلو چنانچہ شوہر نے خلع کرلیا اور بیوی کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی اپنا مہر شوہر کو واپس کردے، اس لیے کہ جب بیوی نے مال کا نام لے لیا تو عوض کے بغیر شوہر ملکِ نکاح کے زوال پر راضی نہیں ہوا اور جہالت کی وجہ سے مالِ مسمّٰی اور اس کی قیمت واجب کرنے کی صورت نہیں ہے اور نہ ہی بضع کی قیمت یعنی مہر مثل واجب کرنے کی کوئی صورت ہے، اس لیے کہ بحالتِ خروج بضع غیر متقوم رہتا ہے، لہٰذا شوہر سے ضرر ختم کرنے کے لیے اس مقدار کا واجب کرنا متعین ہے جس میں وہ شوہر کو پڑی ہے۔ (مهر مسمّٰی)

اللغات:

﴿ردّت﴾ لوٹائے گی۔ ﴿عوض﴾ بدل، قیمت۔

بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس کے عوض تم مجھ سے خلع کرلوں چنانچہ شوہر میاں نے خلع کرلیا لیکن بعد میں جب بیوی صاحبہ نے اپنی ہتھیلی جھاڑی تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا، اب اس عورت کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ اس مہر کو واپس شوہر کے حوالے کردے جو اس نے بوقت نکاح اسے دیا تھا، کیوں کہ عورت نے علی مافي يدی من المال کہہ کر شوہر کو مال کا لالچ دیا ہے لہٰذا مال کے بغیر شوہر خلع کرنے اور اپنی ملکیت نکاح کو زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ میں بیوی کی طرف سے شوہر کو مال دینے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہی ہے کہ بیوی اپنا مہر شوہر کو دیدے، کیوں کہ مسمّٰی بھی مجہول ہے اور اس کی قیمت بھی مجہول ہے اسی طرح مہر مثل دینا بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ مہر مثل مال متقوم ہے حالاں کہ بوقت خلع وخروج بضع غیر متقوم ہوتا ہے، اس لیے ان تمام چیزوں کی ادائیگی متعذر ہے اور اب شوہر کو منانے اور خاموش کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ بیوی اس کا دیا ہوا مہر اس کے حوالے کردے تا کہ شوہر مطمئن ہوجائے اور مفت میں ضیاع ملک کے

وہ دے اور ضرر سے بچ جائے۔

وَ لَوْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ دَرَاهِمَ أَوْ مِنَ الدَّرَاهِمَ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْئٌ فَعَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ، لِأَنَّهَا سَمَّتِ الْجَمْعَ وَ أَقَلُّهُ ثَلَاثَةٌ، وَ كَلِمَةُ مِنْ هٰهُنَا لِلصِّلَةِ دُوْنَ التَّبْعِيْضِ، لِأَنَّ الْكَلَامَ يَخْتَلُّ بِدُوْنِهِ.

ترجمه: اور اگر بیوی نے کہا مجھ سے ان دراہم کے عوض خلع کرلو جو میرے ہاتھ میں ہیں چنانچہ شوہر نے خلع کرلیا لیکن اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے، اس لیے کہ اس نے صیغۂ جمع کو متعین کیا ہے اور اقل جمع تین ہیں۔ اور کلمہ مِنْ یہاں بیان کے لیے ہے، تبعیض کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ اس کے بغیر کلام مختل ہو جاتا ہے۔

اللغاتُ:

﴿سمّت﴾ طے کیا ہے، ذکر کیا ہے۔ ﴿تبعیض﴾ بعضیت بتانا۔ ﴿یختل﴾ خلل زدہ، غلط۔

بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے کہا خالعني علی مافي یدی من دراهم أومن الدراهم اور شوہر نے اس سے خلع کرلیا لیکن بیوی کے ہاتھ میں دراہم تو درکنار ایک کوڑی بھی نہیں تھی تو اس صورت میں بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے جنہیں وہ شوہر کو ادا کرکے بری الذمہ ہوگی، کیوں اس نے دراہم کو بصیغۂ جمع ذکر کیا ہے اور جمع کی کم سے کم تعداد تین ہے اور اقل متعین بھی ہوتا ہے، اس لیے بیوی پر تین دراہم واجب کیے جائیں گے۔

و کلمة من الخ: فرماتے ہیں کہ بیوی کے قول من دراهم یا من الدراهم میں کلمۂ مِن بیان اور وضاحت کے لیے ہے بعضیت کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ اگر اس کو کلام سے محذوف مانیں گے اور بدون مِنْ خالعني علی مافي یدی دراهم کہیں گے اور بعد میں کچھ نہیں نکلے گا تو یہ کلام مختل ہوگا اور یہ صورت مفضی الی النزاع ہوگی، لہٰذا من کو بیان کے لیے مانیں گے اور جب من بیانیہ ہوگا تو دراہم کا کلمۂ بصیغۂ جمع باقی رہے گا اور اقل جمع کے متعین ہونے کی وجہ سے بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے۔ (بنایہ ۵/۳۰۷)

وَ إِنِ اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَبْدٍ لَهَا آبِقٍ عَلٰى أَنَّهَا بَرِيْئَةٌ مِنْ ضَمَانِهِ لَمْ تَبْرَأْ وَ عَلَيْهَا تَسْلِيْمُ عَيْنِهِ إِنْ قَدَرَتْ، وَ تَسْلِيْمُ قِيْمَتِهِ إِنْ عَجِزَتْ، لِأَنَّهُ عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ، فَيَقْتَضِي سَلَامَةَ الْعِوَضِ، وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ، إِلَّا أَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ، وَ عَلٰى هٰذَا النِّكَاحُ، وَ إِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ، لِأَنَّهَا لَمَّا طَلَبَتِ الثَّلَاثَ بِأَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِثُلُثِ الْأَلْفِ، وَ هٰذَا لِأَنَّ حَرْفَ الْبَاءِ تَصْحَبُ الْأَعْوَاضَ، وَالْعِوَضُ يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ، وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِوُجُوْبِ الْمَالِ.

ترجمه: اور اگر بیوی نے اپنے بھاگے ہوئے غلام کے عوض اس شرط پر خلع کیا کہ وہ اس کے ضمان سے بری ہے تو وہ بری نہیں ہوگی

اور اس پر بعینہٖ اسی غلام کو سپرد کرنا واجب ہے اگر وہ اس کے سپردگی پر قادر ہو، اور اس کی قیمت سپرد کرنا واجب ہے اگر وہ اس غلام کی سپردگی سے عاجز ہو، اس لیے کہ خلع عقد معاوضہ ہے لہٰذا عوض کی سلامتی کا متقاضی ہوگا اور عوض سے بری ہونے کی شرط لگانا شرط فاسد ہے اس لیے وہ شرط باطل ہوجائے گی۔ لیکن خلع شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اور اسی پر نکاح کو قیاس کرلو۔

اور اگر بیوی نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض تم مجھے تین طلاق دیدو لیکن شوہر نے اسے ایک ہی طلاق دی تو بیوی پر ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ اس لیے کہ جب اس نے ایک ہزار کے عوض میں تین طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے ایک ہزار کے ایک تہائی سے ہر طلاق کا مطالبہ کیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ لفظ باء عوضوں پر داخل ہوتا ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے۔ اور طلاق بائن واجب ہوگی اس لیے کہ مال واجب ہے۔

اللغاتُ:

﴿ابق﴾ اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام۔ ﴿ضمان﴾ ذمہ داری۔ ﴿معوّض﴾ جس کا بدل دیا جارہا ہو۔

عبد آبق کو بدل خلع بنانا:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) جن میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یہ کہہ کر خلع کرایا کہ میرا جو غلام بھاگا ہوا ہے جاؤ اس کو پکڑلو اور اسے میری طرف سے بدل خلع میں لے لو، لیکن اگر تم غلام کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر میری کوئی ذمے داری نہیں ہے اور میں اس کے عوض کوئی دوسری چیز بدل خلع میں نہیں دوں گی، فرماتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر عورت کی یہ بات مان لیتا ہے اور وہ غلام کو پکڑ کر اپنے قبضے میں کرلیتا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر شوہر غلام کو نہیں پکڑ سکا تو پھر اگر بیوی اس کی سپردگی پر قادر ہو تو اس پر بعینہٖ اسی غلام کو سپرد کرنا واجب ہے اور اگر وہ غلام کی سپردگی پر قادر نہ ہو تو اس کی صورت میں اس پر مذکورہ غلام کی قیمت ادا کرنا واجب ہے اور اسے اس وقت تک چھٹکارا نہیں مل سکتا جب تک کہ غلام کو یا اس کی قیمت کو شوہر کے حوالے نہ کردے۔ کیوں کہ خلع عقد معاوضہ ہے یعنی ایک طرف سے عورت عوض دیتی ہے تو دوسری طرف سے شوہر اپنے نکاح کی ملکیت کو بیوی کے حوالے کرتا ہے اور عقد معاوضہ میں عوض کی سلامتی ضروری ہوتی ہے حالاں کہ براءت ذمہ کی شرط لگانا عوض کی سلامتی کے مخالف ہے اور شرط فاسد ہے اس لیے یہ شرط باطل ہوجائے گی اور خلع صحیح ہوگا کیوں کہ نکاح کی طرح خلع بھی شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شروط فاسدہ ہی باطل ہوجاتی ہے اس لیے صورت مسئلہ میں براءت کی شرط فاسد ہوجائے گی اور خلع صحیح ہوگا اور جب خلع صحیح ہوگا تو بیوی کے ذمے اس کا عوض واجب ہوگا، خواہ وہ غلام سپرد کرے یا اس کی قیمت دے۔

وعلی هذا النکاح الخ: فرماتے ہیں کہ بعینہٖ یہی حال نکاح کا بھی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے بھاگے ہوئے غلام کو مہر بنا کر کسی عورت سے نکاح کیا اور براءت کی شرط لگائی تو یہاں بھی یہ شرط فاسد ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شوہر پر بصورت قدرت بعینہٖ غلام کی سپردگی واجب ہوگی اور اگر وہ تسلیم عبد پر قادر نہیں ہوگا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ ایک ہزار کے عوض تم مجھے تین طلاق دے کر میری راہ سے نکل جاؤ اور مجھے مکمل طور پر آزاد کردو، لیکن شوہر نے اسے تین کے بجائے ایک ہی طلاق دی تو وہ ایک طلاق بیوی پر واقع ہوجائے گی اور شوہر کو ایک ہزار کا ایک تہائی۔ (یعنی ۳۳۳ دراہم) ملے گا۔ کیوں کہ جب عورت نے ایک ہزار کے عوض تین

طلاق کا مطالبہ کیا تو ظاہر ہے کہ اس نے ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ہر طلاق کا مطالبہ کیا، لہٰذا ایک طلاق دینے کی صورت میں عورت پر ایک ہزار کا ایک تہائی حصہ ملے گا، ایک تہائی واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ **طلقني ثلاث بألف** میں جو حرف باء ہے وہ عوضوں پر داخل ہوتا ہے گویا کہ اَلف ثلاث کا عوض ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے، اس لیے الف ثلاث پر تقسیم ہوگا اور ہر ہر طلاق کا حصہ **ثُلثُ الف** ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں جو طلاق واقع ہوگی وہ بائن ہوگی، کیوں کہ اس میں مال کے عوض طلاق دی گئی ہے اور طلاق علی مال سے طلاق بائن ہی واقع ہوتی ہے۔

وَ إِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا عَلٰى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ وَ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ، وَ قَالَا هِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثُلُثِ الْأَلْفِ لِأَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِي الْمُعَاوَضَاتِ حَتّٰى أَنَّ قَوْلَهُمْ إِحْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ أَوْ عَلٰى دِرْهَمٍ سَوَاءٌ، وَ لَهٗ أَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى لِلشَّرْطِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ (سورة الممتحنة : ١٢)، وَ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ كَانَ شَرْطًا وَ هٰذَا لِأَنَّهٗ لِلُّزُوْمِ حَقِيْقَةً وَاسْتُعِيْرَ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهٗ يُلَازِمُ الْجَزَاءَ وَ إِذَا كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوْطُ لَا يَتَوَزَّعُ عَلٰى أَجْزَاءِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْبَاءِ لِأَنَّهٗ لِلْعِوَضِ عَلٰى مَا مَرَّ، وَ إِذَا لَمْ يَجِبِ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدَأً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ.

ترجمه: اور اگر بیوی نے کہا مجھے ایک ہزار پر تین طلاق دو لیکن شوہر نے اسے ایک ہی طلاق دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض وہ ایک طلاق بائنہ ہوگی، اس لیے کہ معاوضات میں کلمۂ علیٰ حرف باء کے درجے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اہل عرب کا یہ قول **احمل هذا الطعام بدرهم أو علی درهم** دونوں برابر ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ علیٰ شرط کے لیے ہے، ارشاد خداوندی ہے **يُبايعنك علي أن لايُشركن بالله شيئا** (یعنی یہ عورتیں آپ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ یہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔) اور جس شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا **أنت طالق علی أن تدخلي الدار** تو یہ بھی شرط ہوگا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ کلمۂ علیٰ لزوم کے لیے حقیقتاً ہے اور شرط کے لیے مستعار لیا ہوا ہے، اس لیے کہ شرط جزاء کو مستلزم ہوتی ہے۔ اور جب کلمۂ علیٰ شرط کے لیے ہوا تو مشروط اجزاء شرط پر منقسم نہیں ہوگا۔ برخلاف باء کے، اس لیے کہ باء عوض کے لیے ہے جیسا کہ گذر چکا اور جب مال نہیں واجب ہوا تو یہ ابتداء طلاق ہوگئی اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا۔

اللغات:

﴿**احمل**﴾ اس کو اٹھا کر لے چل۔ ﴿**يبايعنك**﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتی ہیں۔ ﴿**استعير**﴾ مستعار لیا گیا ہے۔
﴿**لا يتوزع**﴾ تقسیم نہیں ہوگا۔

"طلقني ثلاثا على الف" کی تفصیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے یوں کہا کہ **طلقني ثلاثاً على ألف درهم** کہ ایک ہزار دراہم کے عوض تم مجھے تین طلاق دیدو۔ اور شوہر نے اسے صرف ایک طلاق دی تو حضرات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ ایک طلاق رجعی ہوگی اور شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا جب کہ بیوی پر کوئی بھی چیز نہیں واجب ہوگی، اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کے یہاں اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کے ذمے ایک ہزار دراہم کا ایک تہائی واجب ہوگا نیز شوہر کو رجعت کا حق بھی نہیں ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں بیوی نے طلاق علی مال کا مطالبہ کیا ہے اور طلاق علیٰ مال سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے نیز طلاق علیٰ مال عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں جو حکم باء کا ہوتا ہے وہی حکم علیٰ کا بھی ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب **احمل هذا الطعام بدرهم** اور **على درهم** میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ایک درہم میں غلے کو فروخت کر دیتے ہیں جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ معاوضات میں حرف باء اور کلمۂ علیٰ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جب ان میں کوئی فرق نہیں ہے تو جو حکم **طلقني ثلاثاً بألف** کا ہوگا وہی حکم **طلقني ثلاثاً على ألف** کا ہوگا اور **بألف** کہنے کی صورت میں اگر شوہر ایک طلاق دیتا ہے تو بیوی پر ہزار کے ایک تہائی کے عوض طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا علیٰ ألف کہنے کی صورت میں بھی اس پر ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے **طلقني ثلاثا على ألف** کہا ہے اور کلمۂ علیٰ حقیقتاً شرط کے لیے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "**يبايعنك على أن لايشركن بالله**" کہ یہ عورتیں اس شرط پر آپ سے بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی۔ یا مثلاً کلام الناس میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے **أنت طالق على أن تدخلي الدار** تو یہاں بھی گھر میں داخل ہونا طلاق کے لیے شرط ہوگا کیوں کہ کلمۂ علیٰ موجود ہے اور وضعاً تو کلمۂ علیٰ لزوم کے لیے ہے لیکن جہاں لزوم کے معنی فٹ اور درست نہ ہوتے ہوں وہاں اسے شرط کے لیے مانا جائے گا، اس لیے کہ جس طرح لازم اور ملزوم کے درمیان مناسبت ہوتی ہے اسی طرح شرط اور جزاء کے درمیان بھی لزوم اور مناسبت ہوتی ہے۔ اور مشروط شرط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا کیوں کہ مشروط وجود شرط کے وقت پایا جاتا ہے اور شرط تمام اجزاء کا نام ہے اس لیے شرط کے ایک جزء کے پائے جانے سے مشروط کا ایک جز نہیں پایا جائے گا اور جب مشروط کا کوئی بھی جزء نہیں پایا گیا تو شوہر نے عورت کو وہ طلاق نہیں دیا جس کا اس نے مطالبہ کیا تھا، بلکہ یہ شوہر کی جانب سے از سر نو طلاق ہوئی اور چوں کہ اس نے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی ہے اس لیے اس کی دی ہوئی یہ طلاق طلاقِ رجعی ہوگی۔ علیٰ کے برخلاف جو با کا مسئلہ ہے تو اسے علیٰ کے ساتھ لاحق کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ حرف باء عوض کے لیے ہے اور عوض معوض پر اور اس کے اجزاء پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

وَ لَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ أَوْ عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْئٌ، لِأَنَّ الزَّوْجَ مَا رَضِيَ بِالْبَيْنُوْنَةِ إِلَّا يُسَلَّمُ الْأَلْفُ كُلُّهَا، بِخِلَافِ قَوْلِهَا طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِالْأَلْفِ، لِأَنَّهَا لَمَّا رَضِيَتْ بِالْبَيْنُوْنَةِ بِأَلْفٍ كَانَتْ بِبَعْضِهَا أَرْضٰي.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے (بیوی سے کہا) تم اپنے آپ کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاق دیدو، لیکن بیوی نے اپنے آپ کو ایک طلاق دیا تو کچھ بھی نہیں واقع ہوگا، اس لیے کہ شوہر صرف اسی صورت میں بینونت پر راضی ہوا ہے جب پورے ایک ہزار دراہم اس کے سپرد کردیئے جائیں۔ برخلاف بیوی کے طلقني ثلاثاً بالألف کہنے کے، اس لیے کہ جب بیوی ایک ہزار کے عوض فرقت پر راضی ہے تو ایک ہزار کے جزء پر بدرجۂ اولیٰ راضی ہوگی۔

اللغات:

﴿بینونة﴾ بائنہ ہونا۔ ﴿یسلّم﴾ سپرد کیا جائے۔

"طلقی نفسك ثلاثا بألف" کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق واقع کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا طلقي نفسك ثلاثاً، بألف أو علی ألف اور بیوی نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو اس پر کوئی طلاق نہیں ہوگی، اس لیے کہ شوہر نے پورے ایک ہزار کے عوض بینونت پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے لہٰذا وہ ایک ہزار کے جزء پر کسی بھی حال میں بینونت کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر بیوی نے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر سے کہا کہ طلقني ثلاثاً بالألف اور شوہر نے اسے ایک طلاق دی تو اس صورت میں بیوی پر ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ جب بیوی ألف کے عوض بینونت پر راضی ہے تو ألف سے کم کے عوض تو بدرجۂ اولیٰ بینونت پر راضی ہوگی۔

وَ لَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی أَلْفٍ فَقَبِلَتْ طُلِّقَتْ وَ عَلَيْهَا الْأَلْفُ وَهُوَ كَقَوْلِهٖ أَنْتِ طَالِقٌ بِأَلْفٍ، وَ لَا بُدَّ مِنَ الْقُبُوْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ مَعْنٰی قَوْلِهٖ بِأَلْفٍ بِعِوَضِ أَلْفٍ يَجِبُ لِيْ عَلَيْكِ، وَ مَعْنٰی قَوْلِهٖ عَلٰی أَلْفٍ عَلٰی شَرْطِ أَلْفٍ يَكُوْنُ لِيْ عَلَيْكِ، وَالْعِوَضُ لَا يَجِبُ بِدُوْنِ قُبُوْلِهٖ، وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ لَا يَنْزِلُ قَبْلَ وُجُوْدِهٖ، وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَا قُلْنَا.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا تو ایک ہزار پر مطلقہ ہے اور بیوی نے اسے قبول کرلیا تو وہ مطلقہ ہوجائے گی اور اس پر (بیوی پر) ایک ہزار لازم ہوگا اور یہ شوہر کے أنت طالق بألفٍ کہنے کی طرح ہے اور دونوں صورتوں میں قبول کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ شوہر کے قول بألف کے معنی میں بعوض ألف یجب لي علیك، اور اس کے قول علی ألف کا مطلب ہے علی شرط ألف یکون لي علیك ہے اور قبول کیے بغیر عوض نہیں واجب ہوتا۔ اور جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ وجود شرط سے پہلے نہیں اترتی۔ اور طلاق بائن ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

طلاق علی المال کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ أنت طالق علی ألف اور بیوی نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے یہ مجھے منظور ہے تو وہ مطلقہ بائنہ ہوجائے گی اور اس پر ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی، فرماتے ہیں کہ أنت طالق علی ألف أنت طالق بألفٍ کہنے کے درجے میں ہے اور دونوں صورتوں میں بیوی کا قبول کرنا ضروری ہے، کیوں کہ شوہر کا قول أنت طالق بألف أنت

طالق بعوض ألف یجب لي علیك کے معنی میں ہے کہ تم ایک ہزار کے عوض مطلقہ ہو جو میرے لیے تم پر واجب ہے، اسی طرح شوہر کے قول أنت طالق علی ألف علی شرط ألف یکون لي علیك کے معنی میں ہے یعنی ایک ہزار کی شرط پر تم مطلقہ ہو جو میرا تم پر واجب ہے اور ظاہر ہے نہ تو قبولیت کے بغیر عوض واجب ہوتا ہے اور نہ ہی وجود شرط سے پہلے معلق بالشرط کا وقوع ہوتا ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں قبول کرنا شرط اور ضروری ہے اور جب بیوی قبول کرے گی تو اس پر عوض کی ادائیگی لازم ہوگی۔

والطلاق بائن الخ: فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئلہ میں جو طلاق واقع ہوگی وہ بائن ہوگی، کیوں کہ یہ طلاق علی مال ہے اور طلاق علی مال والی طلاق طلاق بائن ہوتی ہے۔

وَ لَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ أَنْتِ طَالِقٌ وَ عَلَيْكِ أَلْفٌ فَقَبِلَتْ، أَوْ قَالَ لِعَبْدِهٖ أَنْتَ حُرٌّ وَ عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَبِلَ عَتَقَ وَ طُلِّقَتِ الْمَرْأَةُ وَ لَا شَيْئَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ كَذَا إِذَا لَمْ يَقْبَلَا، وَ قَالَا عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْأَلْفُ إِذَا قَبِلَ، وَ إِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ، لَهُمَا أَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ فَإِنَّ قَوْلَهُمْ اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ وَ عَلَيْكَ دِرْهَمٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ بِدِرْهَمٍ، وَ لَهٗ أَنَّهٗ جُمْلَةٌ تَامَّةٌ فَلَا تَرْتَبِطُ بِمَا قَبْلَهٗ إِلَّا بِدَلَالَةٍ، إِذِ الْأَصْلُ فِيْهَا الْإِسْتِقْلَالُ، وَ لَا دَلَالَةَ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعَتَاقَ يَنْفَكَّانِ عَنِ الْمَالِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ، لِأَنَّهُمَا لَا يُوْجَدَانِ دُوْنَهٗ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا أنت طالق وعلیك ألف اور اس نے قبول کرلیا یا اپنے غلام سے کہا أنت حر وعلیك ألف اور غلام نے قبول کرلیا تو وہ آزاد ہوجائے گا اور بیوی مطلقہ ہوجائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ان دونوں پر کوئی چیز نہیں واجب ہوگی اور ایسے ہی اس صورت میں جب ان دونوں نے قبول نہ کیا ہو۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر انھوں نے قبول کرلیا تو ان میں سے ہر ایک پر ایک ہزار واجب ہوگا۔ اور اگر قبول نہیں کیا تو طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوں گے۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام معاوضہ کے لیے استعمال ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب کا یہ قول احمل هذا المتاع ولك درهم، بدرهم کہنے کے درجے میں ہے۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ علیك ألف پورا جملہ ہے جو دلیل کے بغیر اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہوگا، اس لیے کہ جملے میں خود مستقل ہونا اصل ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہوجاتے ہیں۔ برخلاف بیع اور اجارہ کے، کیوں کہ یہ دونوں مال کے بغیر نہیں پائے جاتے۔

اللغات:

﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿تامة﴾ پورا، مکمل۔ ﴿ترتبط﴾ مربوط ہوگا۔ ﴿ینفکان﴾ جدا ہوتے ہیں۔

انت طالق و علیك الف یا انت حر و علیك الف کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا أنت طالق و علیك ألف اور بیوی نے اسے قبول کرلیا، یا کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا أنت حر و علیك ألف یعنی تم آزاد ہو اور تم پر ایک ہزار واجب ہے اور غلام نے بھی قبول کرلیا تو اس صورت میں بیوی مطلقہ ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو بیوی پر ألف واجب ہوگا اور نہ ہی غلام پر جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں پر ألف ألف واجب ہوگا دوسرا مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام اور عورت نے ألف کی شرط کو نہیں منظور کیا تو حضرات صاحبینؒ کے یہاں نہ تو عتاق واقع ہوگا اور نہ ہی طلاق واقع ہوگی، جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق بھی واقع ہوگی اور آزادی بھی متحقق ہوگی۔

لهما الخ: حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ علیک ألف والا جملہ معاوضہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور معاوضہ میں علی باء کے معنی میں ہوتا ہے، لہٰذا علیك ألف بألف کے معنی میں ہوگا جیسا کہ احمل هذا المتاع درهم احمل هذا المتاع بدرهم کے درجے میں ہے اور جب شوہر أنت طالق بألف کہہ کر طلاق دے تو بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں اس پر ایک ہزار واجب ہوتا ہے لہٰذا علیک ألف کہنے کی صورت میں بھی بیوی پر ایک ہزار واجب ہوگا بشرطیکہ وہ اسے قبول کرے اور جس طرح بألف کی صورت میں بدون قبول طلاق اور ألف کا وقوع ووجوب نہیں ہوتا اسی طرح علیک ألف کہنے کی صورت بھی بدون قبول نہ تو طلاق واقع ہوگی اور نہ ہی ألف واجب ہوگا۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ علیک ألف مبتدا خبر ہے اور جملہ تامہ ہے اور جملۂ تامہ میں مستقل ہونا اصل ہے اور جملۂ تامہ دلیل کے بغیر ماقبل سے مربوط نہیں ہوتا اور یہاں ماقبل سے مربوط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہو جاتے ہیں اس لیے اگر بیوی نے یا غلام نے مال دینے کو قبول نہ کیا ہو تو ان پر کچھ نہیں واجب ہوگا۔

بخلاف البیع الخ: یہاں سے حضرات صاحبینؒ کے قیاس احمل هذا المتاع الخ: کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق اور عتاق کو بیع اور اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اجارہ اور بیع یہ دونوں خالص عقد معاوضہ ہیں اور ان میں اکثر وبیشتر مال کا لین دین ہوتا ہے اس لیے ان میں دلالت حال کی وجہ سے لك درهم بدرهم کے معنی میں ہو جائے گا جب کہ طلاق اور عتاق عموماً بغیر عوض کے ہوتے ہیں اور شرفاء لوگ ان چیزوں کا عوض نہیں لیتے اس لیے ان میں عوض پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ صراحتاً اس کا ذکر نہ کردیا جائے، اس لیے طلاق وعتاق کو بیع اور اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

وَ لَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ بِأَلْفٍ عَلٰى أَنِّيْ بِالْخِيَارِ أَوْ عَلٰى أَنَّكِ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَقَبِلَتْ فَالْخِيَارُ بَاطِلٌ إِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ، وَهُوَ جَائِزٌ إِذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ فَإِنْ رَدَّتِ الْخِيَارَ فِي الثَّلٰثِ بَطَلَ وَ إِنْ لَمْ تَرُدَّ طُلِّقَتْ وَ لَزِمَهَا الْأَلْفُ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَا الْخِيَارُ بَاطِلٌ فِي الْوَجْهَيْنِ، وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَ عَلَيْهَا أَلْفُ دِرْهَمٍ، لِأَنَّ الْخِيَارَ لِلْفَسْخِ بَعْدَ الْاِنْعِقَادِ لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الْاِنْعِقَادِ وَالتَّصَرُّفَانِ لَا يَحْتَمِلَانِ الْفَسْخَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، لِأَنَّهُ فِيْ

جَانِبِهٖ يَمِيْنٌ وَ مِنْ جَانِبِهَا شَرْطٌ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ أَنَّ الْخُلْعَ فِيْ جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ حَتّٰى يَصِحَّ رُجُوْعُهَا وَ لَا يَتَوَقَّفُ عَلٰى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ فَيَصِحُّ اشْتِرَاطُ الْخِيَارِ فِيْهِ، أَمَّا فِيْ جَانِبِهٖ يَمِيْنٌ حَتّٰى لَا يَصِحَّ رُجُوْعُهٗ وَ يَتَوَقَّفُ عَلٰى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ وَ لَا خِيَارَ فِي الْأَيْمَانِ، وَ جَانِبُ الْعَبْدِ فِي الْعَتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا تو ایک ہزار پر طلاق والی ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھے تین دن کا خیار ہے یا تجھے خیار ہے اور بیوی نے اسے قبول کرلیا تو اگر خیار شوہر کے لیے ہوگا تو باطل ہے اور اگر عورت کے لیے ہو تو جائز ہے چنانچہ اگر تین دنوں کے اندر بیوی نے خیار کو رد کردیا تو طلاق باطل ہوجائے گی۔ اور اگر رد نہیں کیا تو وہ مطلقہ ہوجائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوگا۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے اور طلاق واقع ہے اور بیوی پر ایک ہزار درہم واجب ہے، اس لیے کہ خیار انعقاد کے بعد فسخ کے لیے ہوتا ہے نہ کہ انعقاد سے روکنے کے لیے اور دونوں تصرف دونوں جانب سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، اس لیے کہ خلع شوہر کی جانب سے یمین ہے اور بیوی کی جانب سے یمین کی شرط ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی کی جانب میں خلع بیع کے درجے میں ہے یہاں تک بیوی کا رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ ماورائے مجلس پر موقوف بھی نہیں ہے لہٰذا اس میں خیار کی شرط لگانا صحیح ہے، رہا شوہر کی جانب میں تو وہ یمین ہے حتیٰ کہ شوہر کا اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اور وہ ماورائے مجلس پر موقوف ہوتا ہے اور ایمان میں خیار نہیں ہوتا۔ اور عتاق میں غلام کی جانب طلاق میں بیوی کی جانب کی طرح ہے۔

اللغات:

﴿ردّت﴾ رد کردیا، ٹھکرادیا۔ ﴿لا یتوقف﴾ موقوف نہیں ہوتی۔ ﴿أیمان﴾ واحد یمین؛ قسم۔

طلاق علی المال میں خیار کی شرط لگانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک ہزار کے عوض اپنی بیوی کو طلاق دیا لیکن اپنے لیے یا بیوی کے کے لیے تین دن کے خیار کی شرط لگادیا اور بیوی نے اسے قبول کرلیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر خیار شوہر کے لیے ہوگا تب تو وہ باطل ہوجائے گا اور بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر خیار بیوی کے لیے ہوتو باقی رہے گا۔ اور اگر تین دن کے اندر بیوی نے خیار کو رد کردیا تو طلاق باطل ہوجائے گی اور اگر اس نے رد نہیں کیا یہاں تک کہ تین دن گذر گئے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے خواہ شوہر کے لیے ہو یا بیوی کے لیے اور دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوگی اور بیوی پر ایک ہزار درہم واجب ہوں گے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ خیار انعقاد عقد کے بعد اسے فسخ کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ انعقاد عقد کو روکنے کے لیے اور صورت مسئلہ میں میاں کا ایجاب طلاق اور بیوی کا قبول یہ دونوں تصرف فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اس لیے کہ طلاق علی مال خلع ہے اور خلع شوہر کی جانب میں یمین ہے اور بیوی کی جانب میں یمین کی شرط ہے اور یمین فسخ کو قبول نہیں کرتی لہٰذا اس کی شرط بھی فسخ قبول نہیں کرے گی اس لیے صورت مسئلہ میں عقد یعنی طلاق علی مال (خلع) منعقد ہوگا اور خیار باطل ہوجائے گا۔

ولأبي حنیفة الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی کی جانب میں خلع بیع کے درجے میں ہے چنانچہ جس طرح بیع میں رجوع کرنا صحیح ہوتا ہے اور بیع ماورائے مجلس پر موقوف نہیں ہوتی اسی طرح خلع میں بھی رجوع کرنا صحیح ہوتا ہے اور خلع بھی ماورائے مجلس پر موقوف نہیں ہوتا اور بیع میں خیار کی شرط لگانا درست ہے لہٰذا خلع میں بھی خیار کی شرط لگانا صحیح ہوگا اور اگر خیار عورت کے لیے ہوتو جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر شوہر کے لیے خیار شرط ہوتو درست نہیں ہے، کیوں کہ شوہر کی جانب میں خلع یمین ہے، اسی لیے نہ تو شوہر پر خلع کرنے کے بعد رجوع کرسکتا ہے اور نہ ہی مجلس تک منحصر رہتا ہے بلکہ شوہر کے حق میں ماورائے مجلس پر موقوف بھی رہتا ہے، معلوم ہوا کہ جانب زوج میں خلع یمین ہے اور ایمان اور قسموں میں خیار نہیں ہوتا اس لیے شوہر کے لیے یہاں خیار جائز نہیں ہوگا۔

وجانب العبد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ خیار کے حوالے سے طلاق علی مال میں جو درجہ بیوی کا ہے وہی درجہ عتاق میں غلام کا ہے، چنانچہ اگر کسی غلام کو رقم کے عوض خیار شرط کے ساتھ اس کے مولیٰ نے آزاد کیا تو اگر خیار غلام کے لیے ہوگا تب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں درست ہوگا، لیکن اگر مولیٰ کے لیے خیار ہوگا تو باطل ہوگا جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں صورتوں میں خیار باطل ہوگا خواہ مولیٰ کے لیے ہو یا غلام کے لیے۔

وَ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ طَلَّقْتُكِ أَمْسِ عَلٰى أَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِيْ، فَقَالَتْ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ، وَ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهٖ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَمْسِ فَلَمْ تَقْبَلْ، فَقَالَ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ يَمِيْنٌ مِنْ جَانِبِهٖ، فَالْإِقْرَارُ بِهٖ لَا يَكُوْنُ إِقْرَارًا بِالشَّرْطِ لِصِحَّتِهٖ بِدُوْنِهٖ، أَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَتِمُّ إِلَّا بِالْقُبُوْلِ، وَالْإِقْرَارُ بِهٖ إِقْرَارٌ بِمَا لَا يَتِمُّ إِلَّا بِهٖ فَإِنْكَارُهُ الْقَبُوْلَ رُجُوْعٌ مِنْهُ.

ترجمہ: جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض گذشتہ کل تجھے طلاق دی ہے لیکن تو نے قبول نہیں کیا چنانچہ بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور جس نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض گذشتہ کل اس غلام کو تم سے فروخت کیا لیکن تم نے قبول نہیں کیا، اس پر اس دوسرے آدمی نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق بالمال شوہر کی جانب میں قسم ہے لہٰذا قسم کا اقرار کرنا شرط کا اقرار کرنا نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ قسم شرط کے بغیر بھی صحیح ہوتی ہے۔ رہی بیع تو وہ قبولیت کے بغیر تام نہیں ہوتی اور بیع کا اقرار کرنا اس چیز کا اقرار کرنا ہے جس کے بغیر بیع مکمل نہیں ہوتی، لہٰذا بائع کا قبولیت مشتری کا انکار کرنا بیع سے رجوع کرنا ہے۔

اللغات:

﴿أمس﴾ گذشتہ کل۔ ﴿لم تقبلی﴾ تو نے قبول نہیں کیا۔

طلاق علی المال کو قبول کرنے میں اختلاف کے وقت قول معتبر:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گیے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص

نے اپنی بیوی سے کہا کہ ایک ہزار درہم کے عوض میں نے کل تم کو طلاق دی تھی لیکن تم نے اسے قبول نہیں کیا، بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا ہے تو اس صورت میں شوہر کا قول یعنی عدم قبول معتبر ہوگا اور بیوی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زید نے بکر سے کہا کہ بھائی بکر میں نے اپنا غلام ایک ہزار درہم کے عوض کل تم سے فروخت کیا تھا لیکن تم نے اسے قبول نہیں کیا، اس پر بکر نے کہا کہ میں نے تو قبول کرلیا تھا اور اس صورت میں بکر یعنی مشتری کا قول معتبر ہوگا اور بیع متحقق ہوجائے گی۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح ہے کہ پہلا مسئلہ طلاق علی مال کا ہے اور طلاق علی مال جانب زوج میں قسم ہے اور قسم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قسم کھانے والے کے ساتھ پوری ہوجاتی ہے، لہٰذا شوہر کی طرف سے قسم یعنی طلاق علی مال کے اقرار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بیوی کے قبول کرنے کا بھی اقرار ہو، کیوں کہ یمین شرط یعنی قبول کے بغیر بھی درست ہوجاتی ہے، لہٰذا جب شوہر نے یہ کہا کہ فلم تقبلي تو نے قبول کیوں نہیں کیا تو یہ اس کے اپنے قول کا سوال ہوا نہ کہ انکار، اس لیے اگر بیوی اپنے قول قبلت پر گواہ پیش کرتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تو یمین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

اس کے برخلاف بیع کا مسئلہ ہے تو بیع میں قبول کرنا رکن ہے اور قبول کے بغیر بیع مکمل نہیں ہوتی، لہٰذا بیع کا اقرار کرنا ایک ایسی چیز کا اقرار کرنا ہے جو قبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اب اگر بائع مشتری کے قبول کرنے کا انکار کرتا ہے تو گویا کہ وہ بیع سے مکر رہا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اس لیے مشتری کا اقرار بائع کے انکار پر غالب ہوجائے گا اور بیع مکمل ہوجائے گی۔

قَالَ وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ كِلَاهُمَا يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا يَسْقُطُ فِيْهِمَا إِلَّا مَا سَمَّيَاهُ، وَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَعَهُ فِي الْخُلْعِ وَ مَعَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْمُبَارَأَةِ، لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ هٰذِهِ مُعَاوَضَةٌ وَ فِي الْمُعَاوَضَاتِ يُعْتَبَرُ الْمَشْرُوْطُ لَا غَيْرُهُ، وَ لِأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْمُبَارَأَةَ مُفَاعَلَةٌ مِنَ الْبَرَاءَةِ فَتَقْتَضِيْهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَ أَنَّهُ مُطْلَقٌ قَيَّدْنَاهُ بِحُقُوْقِ النِّكَاحِ لِدَلَالَةِ الْغَرَضِ، أَمَّا الْخُلْعُ فَمُقْتَضَاهُ الْإِنْخِلَاعُ وَ قَدْ حَصَلَ فِي نَقْضِ النِّكَاحِ وَ لَا ضَرُوْرَةَ إِلَى انْقِطَاعِ الْأَحْكَامِ، وَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْخُلْعَ يُنْبِئُ عَنِ الْفَصْلِ وَ مِنْهُ خَلْعُ النَّعْلِ وَ خَلْعُ الْعَمَلِ وَهُوَ مُطْلَقٌ كَالْمُبَارَأَةِ فَيُعْمَلُ بِإِطْلَاقِهِمَا فِي النِّكَاحِ وَ أَحْكَامِهِ وَ حُقُوْقِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ زوجین کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کی طرح ہے اور دونوں (خلع اور مبارأۃ) میاں بیوی میں سے ہر ایک کا جو دوسرے پر نکاح سے متعلق حق ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے ساقط کردیتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلع اور مباراۃ میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جنھیں میاں بیوی بیان کریں۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ خلع میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور مباراۃ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مباراۃ معاوضہ ہے اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مباراۃ براءت سے مفاعلت کا صیغہ ہے جو دونوں جانب سے برات کا تقاضا کرے گا اور بری ہونا مطلق ہے، لہٰذا ہم نے دلالتِ غرض کی بنیاد پر حقوق نکاح کے ساتھ اسے مقید کردیا، رہا خلع تو اس کا مقتضی

علیحدگی ہے اور نکاح ٹوٹنے میں یہ حاصل ہو چکی ہے اس لیے انقطاع احکام کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع فصل اور جدائی کی خبر دیتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے خلع النعل جوتے سے الگ ہونا (جوتا اتارنا) اور خلع العمل یعنی کام سے الگ ہونا بھی اسی سے ماخوذ ہے اور مبارات کی طرح خلع بھی مطلق ہے، لہٰذا نکاح میں، اس کے احکام میں اور اس کے حقوق میں خلع اور مبارات کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا۔

اللغاتُ:

﴿مباراۃ﴾ ایک دوسرے کو بری کر دینا۔ ﴿یسقطان﴾ ساقط کر دیتے ہیں۔ ﴿سمیّا﴾ ان دونوں نے طے کیا۔ ﴿انخلاع﴾ علیحدہ ہونا۔ ﴿ینبئ﴾ خبر دیتا ہے۔ ﴿خلع﴾ اتارنا۔ ﴿نعل﴾ جوتا۔ ﴿خلع﴾ چھوڑ دینا۔

مبارات کا بیان:

صاحب کتاب علیہ الرحمہ نے اس عبارت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ مبارات یعنی زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح خلع کرنے سے میاں بیوی کے درمیان نکاح کے ذریعہ نفقے اور سکنی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ خلع اور مبارأت علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق کو ساقط نہیں کرتے، بلکہ ان کے وقوع سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جنہیں میاں بیوی بیان کرتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ علیہ الرحمہ خلع اور مبارات میں فرق کرتے ہیں چنانچہ خلع کی صورت میں وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور میاں بیوی کے بیان کردہ حقوق ہی کو ساقط قرار دیتے ہیں جب کہ مبارات کی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور علی الاطلاق حقوق کو ساقط مانتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات میں معاوضہ کا لین دین ہوتا ہے اس لیے یہ دونوں عقد معاوضہ ہیں اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا ان دونوں میں صرف انھی چیزوں کا سقوط ہوگا جنہیں میاں بیوی بیان کریں گے۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور خلع ومبارات میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مباراۃ باب مفاعلت کا مصدر ہے اور مفاعلت کا خاصہ اشتراک ہے لہٰذا مبادات میاں اور بیوی دونوں طرف سے بری ہونے کا تقاضا کرے گا اور صورت مسئلہ میں اگر چہ براءت مطلق ہے مگر چوں کہ یہاں دلالت الغرض یعنی میاں بیوی کے درمیان ہونے والا جھگڑا یہاں مطلق کو مقید کرنے کے لیے موجود ہے، اس لیے دلالت الغرض کی بنیاد پر براءت مطلقہ کو حقوق نکاح کے ساتھ مقید کریں گے اور نکاح سے متعلق جملہ حقوق کو ساقط کر دیں گے تاکہ علی وجہ الکمال مبارات کے معنی متحقق ہو جائیں۔ اس کے برخلاف خلع کا مسئلہ ہے تو خلع کا مقتضی صرف علیحدگی اور انخلاع ہے اور یہ معنی انقطاعِ نکاح سے حاصل ہو جاتے ہیں، اس لیے خلع کی صورت میں نکاح ختم ہوگا اور میاں بیوی جن حقوق کے سقوط کا تذکرہ کریں گے وہ ساقط ہوں گے۔ اور علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق ساقط نہیں ہوں گے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع فصل اور علیحدگی وجدائی کی خبر دیتا ہے، چنانچہ خلع النعل کے معنی ہیں پورے طور پر جوتے اتارنا، اسی طرح خلع العمل کے معنی ہیں پورے طور پر کام سے الگ ہونا، لہٰذا جب خلع کے معنی کامل علیحدگی کے ہیں اور مبارات کے معنی بھی کامل علیحدگی کے ہیں تو جس طرح مبارات مطلق ہے اسی طرح خلع بھی مطلق ہوگا اور مبارات کی طرح خلع بھی علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق کا سقوط ہوگا، خواہ زوجین نے انہیں بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

وَ مَنْ خَلَعَ ابْنَتَهٗ وَ هِيَ صَغِيْرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا، لِأَنَّهٗ لَا نَظَرَ لَهَا فِيْهِ، إِذِ الْبُضْعُ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ، وَالْبَدَلُ مُتَقَوَّمٌ، بِخِلَافِ النِّكَاحِ، لِأَنَّ الْبُضْعَ مُتَقَوَّمٌ عِنْدَ الدُّخُوْلِ، وَ لِهٰذَا يُعْتَبَرُ خُلْعُ الْمَرِيْضَةِ مِنَ الثُّلُثِ وَ نِكَاحُ الْمَرِيْضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، وَ إِذَا لَمْ يَجُزْ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَ لَا يَسْتَحِقُّ مَالَهَا، ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِيْ رِوَايَةٍ، وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّهٗ تَعْلِيْقٌ بِشَرْطِ قَبُوْلِهٖ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيْقِ بِسَائِرِ الشُّرُوْطِ.

ترجمه: اور جس شخص نے اپنی چھوٹی بیٹی کا اسی کے مال کے عوض کا خلع کیا تو یہ خلع اس پر جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس میں اس کے لیے کوئی شفقت نہیں ہے، اس لیے کہ بحالت خروج بضع متقوم نہیں ہے اور بدل متقوم ہے۔ اس کے برخلاف نکاح ہے اس لیے کہ بضع بوقت دخول متقوم ہے، اسی لیے مریضہ عورت کا خلع اس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا اور مریض کا نکاح پورے مال کے مہر مثل پر معتبر ہے۔ اور جب خلع جائز نہیں ہوگا تو مہر بھی ساقط نہیں ہوگا اور شوہر بیوی کے مال کا مستحق نہیں ہوگا۔ پھر ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہوگی اور دوسری روایت میں طلاق نہیں ہوگی، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ شوہر کا طلاق دینا باپ کے قبول کرنے کی شرط پر معلق تھا، لہٰذا دیگر شروط کے ساتھ معلق کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿نظر﴾ شفقت۔ ﴿بضع﴾ عورت کی شرمگاہ۔

چھوٹی بچی کے لیے اسی کے مال سے خلع لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی باپ نے اپنی صغیرہ بچی کا نکاح کیا، اس کے بعد پھر اس نے اسی صغیرہ کے مال سے خلع کر لیا تو شرعاً یہ خلع معتبر نہیں ہوگا، کیوں کہ باپ صغیرہ کا ولی ہے اور اس کی ولایت شفقت والفت پر مبنی ہے چنانچہ جہاں ولی کی طرف سے شفقت نہیں ہوگی وہاں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں صغیرہ کے مال سے خلع کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے اس لیے یہ خلع درست نہیں ہوگا، کیوں کہ عورت کا بضع بحالتِ خلع وخروج غیر متقوم ہے اور بدلِ خلع متقوم ہے اور ظاہر ہے کہ مالِ غیر متقوم کے مقابلے مالِ متقوم کو صرف کرنا حماقت اور بیوقوفی ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں صغیرہ کا خلع نافذ نہیں ہوگا۔

بخلاف النكاح: اس کے برخلاف نکاح کا مسئلہ ہے تو نکاح درست اور جائز ہے، بشرطیکہ مہر مثل کے عوض ہو، کیوں کہ اس میں دو باتیں ہیں (۱) بضع کا دخول ہے اور بحالتِ دخول بضع متقوم ہوتا ہے، لہٰذا مال کے عوض مال کا تبادلہ ہوا اور اس میں ولی کی طرف سے شفقت ہی شفقت ہے (۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ نکاح مہر مثل کے عوض ہوا ہے اس لیے اس میں اور بھی شفقت ورحمت ہے۔ یہی فرق ہے خلع اور نکاح میں یعنی صغیرہ کا کیا ہوا خلع باطل ہے اور نکاح جائز ہے بہر حال جب صغیرہ کا خلع باطل ہے تو نہ تو مہر ساقط ہوگا اور نہ ہی شوہر کو صغیرہ کے مال میں سے کچھ ملے گا۔

ثم يقع الطلاق الخ: فرماتے ہیں کہ جب یہ خلع جائز ہوگا تو کیا طلاق بھی نہیں واقع ہوگی؟ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) طلاق واقع ہو جائے گی (۲) نہیں واقع ہوگی، لیکن اصح یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ یہ طلاق بشکل خلع ہے لہٰذا اس کا وقوع باپ کے قبول کرنے پر متعلق ہے، اس لیے اسے دیگر تعلیق اور دوسری شرطوں پر معلق کیا جائے گا اور دوسری شروط من علیہ التعلیق

کے قبول کرنے سے متحقق اور واقع ہوجاتی ہیں، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ باپ نے خلع کر کے اس شرط کو قبول کرلیا ہے، اس لیے طلاق واقع ہوجائے گی اگر چہ خلع نہ واقع ہو، رہا مسئلہ عدم وقوع خلع کا تو وہ لزوم مال کے ساتھ متعلق ہوگیا چنانچہ نہ تو خلع واقع ہوگا اور نہ ہی مال لازم ہوگا۔

وَ إِنْ خَالَعَهَا عَلٰى أَلْفٍ عَلٰى أَنَّهٗ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْأَلْفُ عَلَى الْأَبِ، لِأَنَّ اشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْأَجْنَبِيِّ صَحِيْحٌ فَعَلَى الْأَبِ أَوْلٰى، وَ لَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِأَنَّهٗ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْأَبِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے ایک ہزار پر اپنی بیوی سے خلع کیا اس شرط پر کہ بیوی کا باپ اس الف کا ضامن ہے تو خلع واقع ہوگا اور باپ پر ایک ہزار لازم ہوگا، اس لیے کہ اجنبی شخص پر بدل خلع کی شرط لگانا صحیح ہے تو باپ پر بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی۔ اور بیوی کا مہر ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ مہر باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہوا ہے۔

اللغات:

﴿خالع﴾ خلع کیا۔ ﴿ضامن﴾ ذمہ دار۔

باپ کو بدل خلع کا ضامن بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی صغیرہ بیوی کو ایک ہزار درہم کے عوض خلع دیا اور باپ نے اس ایک ہزار درہم کو اداء کرنے کی ضمانت لے لی تو اس صورت میں خلع بھی متحقق ہوجائے گا اور باپ پر ایک ہزار درہم کی ادائیگی بھی لازم ہوگی، اس لیے کہ بدل خلع کو ایک اجنبی شخص پر لازم کرنا بھی صحیح ہے جب کہ اس کی طرف سے صغیرہ کے حق میں کوئی شفقت وغیرہ نہیں ہوتی تو جب اجنبی شخص پر اس کا لزوم جائز ہے تو باپ پر تو بدرجۂ اولیٰ درست اور جائز ہوگا، کیوں کہ اس کی طرف سے صغیرہ کے حق میں شفقت بھی متحقق ہے اور باپ کو صغیرہ پر ولایت بھی حاصل ہے، اس لیے اگر باپ بدل خلع کو اداء کرنے کی ضمانت اور گارنٹی لیتا ہے اور تو خلع درست اور جائز ہے۔

ولا یسقط مھرھا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کبیرہ اور بالغہ عورتیں اگر اپنے شوہروں سے خلع کریں تو ان کا مہر ساقط ہوجاتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں خلع کے باوجود صغیرہ کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ مہر عورت کا حق ہے اور صغیرہ کے باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے اور اس کا سقوط باپ کی شفقت والفت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ باپ انھی چیزوں کا والی ہوتا ہے جن میں شفقت ہوتی ہے۔

وَ إِنْ شَرَطَ الْأَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُوْلِهَا إِنْ كَانَتْ مِنْ أَهْلِ الْقَبُوْلِ فَإِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَ لَا يَجِبُ الْمَالُ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْغَرَامَةِ فَإِنْ قَبِلَهُ الْأَبُ عَنْهَا فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے بیوی پر ایک ہزار کی شرط لگائی تو خلع کا وقوع بیوی کی قبولیت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ بیوی قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو، چنانچہ اگر اس نے قبول کرلیا تو شرط پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہوجائے گی اور مال واجب نہیں ہوگا، اس لیے

کہ صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں، پھر اگر صغیرہ کی طرف سے باپ نے بدل کو قبول کر لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

اللغات:

﴿توقف﴾ موقوف ہے۔ ﴿غرامة﴾ تاوان، جرمانہ۔

صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو ایک ہزار درہم کے عوض خلع دیا اور صغیرہ ہی پر اس کی ادائیگی کو لازم اور مشروط قرار دیا تو اب خلع کا وقوع دو باتوں پر موقوف ہوگا (۱) صغیرہ اسے قبول کرلے (۲) اور صغیرہ میں قبول کرنے کی اہلیت ہو یعنی وہ یہ سمجھتی ہو کہ خلع طلاق ہے اور اس میں شوہر کو مال دینا پڑتا ہے، اگر یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی تو طلاق واقع ہوگی لیکن صغیرہ پر مال وغیرہ لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ صغیرہ پر تاوان نہیں واجب کیا جاسکتا اس لیے کہ وہ اس کی اہل ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ خلع بدون لزوم مال کے واقع ہوگا۔

فإن قبله الخ: فرماتے ہیں کہ اگر صغیرہ پر واجب کردہ مال کی ادائیگی کو باپ نے اپنے ذمے لے لیا تو اس کی درستگی میں دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت کے مطابق یہ قبولیت صحیح ہے (۲) اور دوسری روایت کے مطابق صحیح نہیں ہے لیکن صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ اس میں صغیرہ کا نفع ہے کہ بغیر خرچ وغیرہ کے اسے نجات مل جارہی ہے۔

وَ كَذَا إِنْ خَالَعَهَا عَلٰى مَهْرِهَا وَ لَمْ يَضْمَنِ الْأَبُ الْمَهْرَ تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُوْلِهَا ، فَإِنْ قَبِلَتْ طُلِّقَتْ وَ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ، وَ إِنْ قَبِلَ الْأَبُ عَنْهَا فَعَلَى الرِّوَايَتَيْنِ.

ترجمه: اور ایسے ہی اگر شوہر نے صغیرہ کے مہر کے عوض اس سے خلع کیا اور باپ مہر کا ضامن نہیں ہوا تو یہ خلع بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا چنانچہ اگر اس نے قبول کر لیا تو مطلقہ ہو جائے گی اور مہر ساقط نہیں ہوگا۔ اور اگر باپ نے اس کی طرف سے قبول کر لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

اللغات:

﴿توقف﴾ موقوف ہے۔ ﴿غرامة﴾ تاوان، جرمانہ۔

صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

یہ مسئلہ بھی مسئلہ سابقہ کی طرح ہے، فرق یہ ہے کہ اس میں بدل خلع صغیرہ کا مہر ہے، چنانچہ اس صورت میں بھی خلع کا وقوع صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر وہ قبول کرتی ہے تو سقوط مہر کے بغیر خلع واقع ہوگا اور صغیرہ مطلقہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس کی طرف سے اس کا باپ مہر کی مقدار میں مال کا ضامن ہوتا ہے تو اس میں پھر وہی سابقہ دونوں روایتیں ہیں۔

وَ إِنْ ضَمِنَ الْأَبُ الْمَهْرَ وَهُوَ أَلْفُ دِرْهَمٍ طُلِّقَتْ لِوُجُوْدِ قَبُوْلِهٖ وَهُوَ الشَّرْطُ وَ يَلْزَمُهٗ خَمْسُمِائَةٍ اسْتِحْسَانًا، وَ فِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ الْأَلْفُ، وَ أَصْلُهٗ فِي الْكَبِيْرَةِ إِذَا خْتَلَعَتْ قَبْلَ الدُّخُوْلِ عَلٰى أَلْفٍ وَ مَهْرُهَا أَلْفٌ فَفِي الْقِيَاسِ

عَلَيْهَا خَمْسُ مِائَةٍ زَائِدَةً، وَ فِي الْإِسْتِحْسَانِ لَا شَيْئَ عَلَيْهَا، لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ عَادَةً حَاصِلُ مَا يَلْزَمُ لَهَا.

ترجمه: اور اگر باپ مہر کا ضامن ہوگیا اور مہر ایک ہزار درہم ہے تو عورت مطلقہ ہوجائے گی اس لیے کہ باپ کا قبول کرنا پایا گیا اور وہی شرط تھا۔ اور استحساناً باپ پر پانچ سو دراہم لازم ہوں گے جب کہ قیاساً اس پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے۔ اور اس حکم کی اصل بالغہ عورت کے حق میں ہے جب دخول سے پہلے ایک ہزار کے عوض اسے خلع دیا گیا ہو اور اس کا مہر بھی ایک ہزار ہو، تو قیاس میں اس پر پانچ سو دراہم زائد لازم ہوں گے اور استحسان میں اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہوگا، اس لیے کہ عام طور پر خلع سے اس چیز کا حصول مراد ہوتا ہے جو عورت کے لیے لازم ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿ضمن﴾ ضامن ہوگیا۔

صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے صغیرہ سے ایک ہزار دراہم کے عوض خلع کیا اور باپ صغیرہ کی طرف سے اس ایک ہزار کا ضامن ہوگیا اور صورت حال یہ ہے کہ صغیرہ کا مہر بھی ایک ہزار تھا تو اس صورت میں باپ کے ضامن ہوتے ہی صغیرہ **مختلعه** اور مطلقہ ہوجائے گی، کیوں کہ جب باپ اس کا ضامن ہوگیا تو گویا اس کا قبول کرنا پایا گیا اور یہی قبول کرنا ہی وقوع خلع کے لیے شرط تھا اس لیے اس کے پائے جاتے ہی وہ مطلقہ اور **مختلعه** ہوجائے گی۔

رہا یہ مسئلہ کہ باپ پر کتنے دراہم لازم ہوں گے؟ تو اس سلسلے میں قیاس اور استحسان کے اپنے اپنے الگ تقاضے ہیں، استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ باپ کے ذمے صرف پانچ سو دراہم لازم ہوں، کیوں کہ صورت مسئلہ صغیرہ کو غیر مدخول بہا مان کر وضع کیا گیا ہے اور بدل خلع کو اس کے مہر کے مساوی بلکہ عین مہر قرار دیا گیا ہے اور مہر ایک ہزار دراہم ہیں، لیکن چوں کہ صغیرہ غیر مدخول بہا کو اگر طلاق دی جائے تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ صغیرہ کو بھی غیر مدخول بہا مانا گیا ہے اس لیے اس کا مہر بھی پانچ سو درہم ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ شوہر نے پانچ ہی سو درہم پر خلع کیا ہے، اس لیے ازروئے استحسان باپ پر پانچ سو دراہم ہی واجب ہوں گے۔

لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ باپ پر ایک ہزار درہم لازم ہوں کیوں کہ اس نے اسی مقدار کا التزام کیا ہے۔

وأصله في الكبيرة الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اصل وہ بالغہ عورت ہے جسے دخول سے پہلے ایک ہزار کے عوض خلع دیا گیا ہو اور اس کا مہر بھی ایک ہی ہزار ہو تو اس صورت میں عدم دخول کی وجہ سے تو ایک ہزار کا نصف یعنی پانچ سو دراہم ساقط ہوجائیں گے اور شوہر پر بیوی کے لیے صرف پانچ سو دراہم واجب تھے، لہٰذا استحساناً وہی دراہم بدل خلع ہوجائیں گے، اور اس کے علاوہ بیوی پر کوئی چیز نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ مہر کو بدل خلع قرار دینے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو کچھ بھی ہو وہ صاف ہوجائے گا اور کسی کا کسی پر کچھ نہیں واجب ہوگا اور پانچ سو دراہم کے التزام سے چوں کہ یہ مقصود حاصل ہوجاتا ہے اس لیے استحساناً عورت پر مزید کچھ نہیں واجب ہوگا۔ لیکن قیاساً باپ پر مزید پانچ سو دراہم واجب ہوں گے، کیوں کہ اس نے اُلف دراہم کا التزام کیا ہے، لہٰذا التزام کو پورا کرنے کے لیے اسے مزید پانچ سو دراہم دینے ہوں گے۔ **فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم.**

بَابُ الظِّهَارِ

یہ باب احکام ظہار کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے خلع کو بیان کیا ہے اور اب ظہار کو بیان کررہے ہیں، دونوں میں مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں کی بنیاد نافرمانی اور سرکشی ہے مگر چوں کہ خلع میں نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے اور حرمت بھی ثابت ہوتی ہے جب کہ ظہار میں صرف حرمت ثابت ہوتی ہے اور نکاح باقی رہتا ہے، اس لیے خلع کو ظہار سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

ظہار کے لغوی معنی ہیں: شوہر کا اپنی بیوی سے أنتِ عليّ كظهر أمي کہنا۔

ظہار کے شرعی معنی ہیں: **تشبيه المحللة بالمحرمة على التأبيد** یعنی منکوحہ محللہ عورت کو محرمہ ابدیہ عورت کے مشابہ قرار دینا۔

وَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْيُهَا وَ لَا مَسُّهَا وَ لَا تَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ إِلٰى أَنْ قَالَ ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ (سورة المجادلة : ٣)، وَالظِّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَرَّرَ الشَّرْعُ أَصْلَهُ وَ نَقَلَ حُكْمَهُ إِلٰى تَحْرِيْمٍ مُوَقَّتٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرِ مُزِيْلٍ لِلنِّكَاحِ، وَ هٰذَا لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ لِكَوْنِهِ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ وَ ارْتِفَاعُهَا بِالْكَفَّارَةِ، ثُمَّ الْوَطْيُ إِذَا حَرُمَ حَرُمَ بِدَوَاعِيْهِ كَيْلَا يَقَعَ فِيْهِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِأَنَّهُ يَكْثُرُ وُجُوْدُهُمَا فَلَوْ حَرُمَ الدَّوَاعِيْ يُفْضِيْ إِلَى الْحَرَجِ، وَ لَا كَذٰلِكَ الظِّهَارُ وَالْإِحْرَامُ.

ترجمہ: جب شوہر نے اپنی بیوی سے انت عليّ كظهر أمي کہا تو وہ اس پر حرام ہوگئی، اس شخص کے لیے اس عورت سے نہ تو وطی کرنا حلال ہے اور نہ ہی اسے چھونا اور نہ اس کو بوسہ لینا حلال ہے یہاں تک کہ وہ شخص اپنے ظہار کا کفارہ دیدے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ''جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا کہ وہ جماع کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ اور زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق تھا چنانچہ شریعت نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور اس کے حکم کو کفارے کی ادائیگی تک تحریم کی طرف منتقل کردیا اس حال میں کہ اسے نکاح زائل کرنے والا نہیں بنایا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ظہار ایک جرم ہے، کیوں کہ یہ فحش اور جھوٹ ہے، لہٰذا

مناسب معلوم ہوا کہ شوہر پر بیوی کو حرام کر کے اس کے جرم کی سزا دی جائے اور کفارہ کے ذریعے اس حرمت کو ختم کیا جائے۔ پھر جب وطی حرام ہوئی تو وہ اپنے دواعی کے ساتھ حرام ہوئی، تا کہ (دواعی کے ذریعے شوہر وطی میں مبتلا نہ ہو جیسے احرام میں ہے۔) برخلاف حائضہ اور روزہ دار کے، کیوں کہ یہ دونوں کثیر الوجود ہیں، اس لیے اگر دواعی کو حرام کر دیا جائے تو حرج کا سبب بن جائے گا۔ اور ظہار اور احرام کا یہ حال نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿ظهر﴾ پشت، کمر۔ ﴿مس﴾ چھونا۔ ﴿تقبیل﴾ چومنا، بوسہ لینا۔ ﴿یکفر﴾ کفارہ دے دے۔ ﴿موقت﴾ ایک خاص وقت کی۔ ﴿مزیل﴾ زائل کرنے والی۔ ﴿جنایة﴾ غلطی، جرم۔ ﴿زور﴾ جھوٹ۔ ﴿مجازاة﴾ بدلہ دینا۔ ﴿ارتفاع﴾ اٹھ جانا۔

ظہار، تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو وہ بیوی اس پر حرام ہوگئی چنانچہ اب کفارۂ ظہار سے پہلے شوہر نہ تو بیوی سے وطی کر سکتا ہے، نہ اسے چھو سکتا ہے اور نہ ہی اس کو بوسہ لے سکتا ہے، اس حکم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے **والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل أن یتماسا الخ** یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے کہے ہوئے کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں، اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک مظاہر غلام آزاد نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

وکان الخ: فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں علی الاطلاق لوگ ظہار کو طلاق شمار کرتے اور سمجھتے تھے لیکن شریعت نے اس کے اطلاق کو مقید اور موقت کر کے یہ حکم دیا کہ ادائیگی کفارہ تک مظاہر کی بیوی اس پر حرام رہے گی اور شریعت کے اس حکم کی علت یہ ہے کہ ظہار کرنا جرم ہے، کیوں کہ اس میں فحش اور بدگوئی ہے اور قرآن کریم کی زبان میں یہ قبیح چیز ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **وأنهم لیقولون منکرا من القول وزورا** اور ظاہر ہے کہ شریعت میں جھوٹ اور قباحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس لیے مظاہر کو اس کے کہے اور کیے کی سزا ملے گی اور جس بیوی کو اس نے برا بھلا کہا ہے اسی کو اس شخص پر حرام کر دیا جائے گا یہاں تک وہ کفارہ ادا کر کے اس جرم کے داغ اور دھبے کو پاک صاف کر لے کیوں کہ شریعت کا یہ قانون ہے کہ **إن الحسنات یذهبن السیئات** یعنی نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ (بنایہ ۳۲۵/۵)

ثم إذا حرم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مظاہر پر جس طرح وطی حرام ہے اسی طرح دواعئ وطی مثلاً چومنا چاٹنا اور بوسہ لینا یہ ساری چیزیں اس پر حرام ہیں، کیوں کہ اگر یہ چیزیں حرام نہیں کی جائیں گی تو ان کی وجہ سے شوہر وطی کر بیٹھے گا اور اس طرح حرام کاری میں وہ مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا جس طرح محرم کے لیے وطی اور دواعی وطی دونوں حرام ہیں اسی طرح مظاہر کے لیے بھی یہ دونوں چیزیں حرام ہوں گی، اس کے برخلاف حائضہ اور صائمہ عورت کا معاملہ ہے تو ان سے صرف وطی حرام ہے، دواعی وطی حرام نہیں ہیں، کیوں کہ حیض اور روزہ کثیر الوقوع ہیں، اگر ان میں دواعی وطی کو بھی حرام قرار دیدیا جائے تو پھر زوجین میں سے ہر ایک کو حرج لاحق ہوگا اور شریعت میں حرج کو دور کر دیا گیا ہے، لہٰذا حائضہ اور صائمہ کے ساتھ دواعی وطی حلال اور درست اور جائز ہیں حیض اور روزہ

کے مقابلے میں ظہار اور احرام قلیل الوجود اور نادر الوقوع ہیں، اس لیے ان میں وطی بھی حرام ہوگی اور دواعی وطی پر بھی بند لگے گی۔

فَإِنْ وَطِيَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اسْتَغْفَرَاللّٰهَ تَعَالٰى، وَ لَا شَيْئَ عَلَيْهِ غَيْرَ الْكَفَّارَةِ الْأُوْلٰى، وَ لَا يُعَادِيْ حَتّٰى يُكَفِّرَ لِقَوْلِهٖ[1] عَلَیْہِ السَّلَامُ ((لِلَّذِيْ وَاقَعَ فِيْ ظِهَارِهٖ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ اسْتَغْفِرِاللّٰهَ وَ لَا تَعُدْ حَتّٰى تُكَفِّرَ))، وَ لَوْ كَانَ شَيْئٌ اٰخَرُ وَاجِبًا لِبَيَّنَهُ عَلَیْہِ السَّلَامُ، قَالَ وَ هٰذَا اللَّفْظُ لَا يَكُوْنُ إِلَّا ظِهَارٌ، لِأَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِيْهِ، وَ لَوْ نَوٰى بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ، لِأَنَّهٗ مَنْسُوْخٌ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْإِتْيَانِ بِهٖ.

ترجمه: پھر اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے بیوی سے وطی کرلی تو وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور پہلے کفارہ کے علاوہ اس پر کچھ نہیں واجب ہے اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرے اس لیے کہ جس شخص نے ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے وطی کرلی تھی، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم اللہ سے استغفار کرو اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرنا۔ اگر (کفارہ کے علاوہ) دوسری کوئی چیز واجب ہوتی تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان فرماتے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ لفظ صرف ظہار ہے، کیوں کہ یہ ظہار کے لیے صریح ہے۔ اور اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی تو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کا طلاق ہونا منسوخ ہے لہٰذا شوہر کو اس کے لانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿یکفّر﴾ کفارہ دینا۔ ﴿واقع﴾ جماع کیا۔

تخریج:

[1] اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الطلاق باب المظاهر يجامع قبل ان يكفّر، حديث: ٢٠٦٥.

کفارہ دینے سے پہلے جماع کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر شخص نے کفارۂ ظہار اداء کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اسے چاہیے کہ اللہ سے توبہ واستغفار کرے اور جو کفارہ واجب ہے اسے جلد از جلد ادا کردے۔ اور اس پر کفارۂ اولیٰ کے علاوہ دوسری کوئی چیز واجب یا لازم نہیں ہے، کیوں کہ سلمہ بن صخر بیاضی نامی ایک صحابی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، پھر کفارہ اداء کرنے سے پہلے انھوں نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا تھا اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں حاضر ہو کر اپنا یہ واقعہ سنایا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں استغفار کرنے کا اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث سے ہمارا استدلال بایں معنی ہے کہ اگر ایسے شخص پر کفارۂ اولیٰ اور استغفار کے علاوہ کوئی دوسری چیز واجب ہوتی تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان فرماتے۔ لیکن آپ کا کسی دوسری چیز کو نہ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص پر استغفار اور کفارۂ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہے۔

قال وهذا الخ: فرماتے ہیں کہ أنتِ عليّ كظهر أمي کا جملہ ظہار کے لیے صریح ہے، اس لیے اس جملے سے صرف ظہار واقع ہوگا اور اگر کوئی شخص اس سے طلاق کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت درست اور معتبر نہیں ہوگی، کیوں کہ اس لفظ سے طلاق کو مراد لینا

منسوخ ہو چکا ہے اور شریعت میں منسوخ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وَ إِذَا قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّي أَوْ كَفَخِذِهَا أَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ، لِأَنَّ الظِّهَارَ لَيْسَ إِلَّا تَشْبِيْهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَ هٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِي عُضْوٍ لَا يَجُوْزُ النَّظْرُ إِلَيْهِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے یوں کہا تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا اس کی ران کی طرح ہے یا اس کی شرم گاہ کی طرح ہے تو وہ ظہار کرنے والا ہے، اس لیے کہ محللہ عورت کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے ہی کا نام ظہار ہے اور یہ معنی ہر اس عضو میں متحقق ہو جاتا ہے جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔

اللغات:

﴿بطن﴾ پیٹ۔ ﴿فخذ﴾ ران۔ ﴿فرج﴾ شرم گاہ۔ ﴿مظاهر﴾ ظہار کرنے والا۔ ﴿محللة﴾ حلال کی ہوئی عورت۔

ظہار کے مشبہ بہ اعضائے جسمانی:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ ظہار کا تحقق اور اس کا وقوع صرف أنتِ عليّ كظهر أمِيّ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ محللہ عورت کو محرمہ عورت کے ہر اس عضو کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہو جائے گا جس کی طرف دیکھنا محرم کے لیے درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے أنتِ عليّ كبطن أمِي أو كفخذ أمِي أو كفرج أمِي کہا تو ان تمام صورتوں میں وہ ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے محرمہ کہ ان اعضاء کو دیکھنا درست نہیں ہے۔

وَ كَذَا إِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظْرُ إِلَيْهَا عَلَى التَّأْبِيْدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلُ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ، لِأَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيْمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْأُمِّ.

ترجمه: ایسے ہی اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنی محارم میں سے کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جسے (شہوت کے ساتھ) دیکھنا اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہے جیسے اپنی بہن یا پھوپھی یا اپنی رضاعی ماں (کے ساتھ تشبیہ دینا) کیوں کہ یہ عورتیں دائمی تحریم میں ماں کی طرح ہیں۔

محرمات سے تشبیہ دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کا تحقق صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر اس عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہو جائے گا جن کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا شوہر کے لیے حرام ہے مثلاً خالہ، بہن، پھوپھی اور رضاعی ماں وغیرہ ہیں کہ ان کی طرف شہوت بھری نگاہ سے دیکھنا حرام ہے، اس لیے اگر ان میں سے کسی عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دی گئی تو ظہار متحقق ہو جائے گا۔

وَ كَذٰلِكَ إِذَا قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ أَوْ رَقَبَتُكِ أَوْ نِصْفُكِ أَوْ ثُلُثُكِ لِأَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ، وَ يَثْبُتُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدَّى كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شوہر نے کہا کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پشت کے مانند ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف بدن یا تیرا تہائی بدن، اس لیے کہ ان اعضاء سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حکم (پہلے) جزء شائع میں ثابت ہوتا ہے پھر متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے طلاق میں اسے بیان کیا ہے۔

اللغات:

﴿رأس﴾ سر۔ ﴿ظهر﴾ کمر، پشت۔ ﴿فرج﴾ شرمگاہ۔ ﴿وجه﴾ چہرہ۔ ﴿رقبة﴾ گردن۔

بیوی کے کسی ایک جزء کو تشبیہ دینا:

فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ رأسكِ عليّ كظهر أمي یا یوں کہا فرجك عليّ كظهر أمي یا یوں کہا رقبتكِ عليّ كظهر أمي یا یوں کہا نصفك عليّ كظهر أمي یا یوں کہا ثلثك عليّ كظهر أمي تو ان تمام صورتوں میں ظہار ثابت اور متحقق ہو جائے گا، اس لیے کہ مذکورہ تمام اعضاء میں سے ہر عضو کے ذریعے عورت کے پورے حصے اور اس کے جسم و جثہ کو تعبیر کیا جاتا ہے اور حکم پہلے جزء شائع میں ثابت ہوگا اس کے بعد پورے بدن میں سرایت کر جائے گا، لہٰذا ان میں سے کسی بھی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا عورت کے پورے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور محللہ عورت کو محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار ثابت ہو جاتا ہے۔

وَ لَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّيْ أَوْ كَأُمِّيْ يَرْجِعُ إِلٰى نِيَّتِهٖ لِيَنْكَشِفَ حُكْمُهُ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ، لِأَنَّ التَّكْرِيْمَ بِالتَّشْبِيْهِ فَاشٍ فِي الْكَلَامِ، وَ إِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ لِأَنَّهُ تَشْبِيْهٌ بِجَمِيْعِهَا وَ فِيْهِ تَشْبِيْهٌ بِالْعُضْوِ لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيْحٍ فَيَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ، وَ إِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ لِأَنَّهُ تَشْبِيْهٌ بِالْأُمِّ فِي الْحُرْمَةِ فَكَأَنَّهُ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَ نَوَى الطَّلَاقَ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ عَلَيْهِمَا لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَكُوْنُ ظِهَارًا، لِأَنَّ التَّشْبِيْهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَارًا فَالتَّشْبِيْهُ بِجَمِيْعِهَا أَوْلٰى وَ إِنْ عَنٰى بِهِ التَّحْرِيْمَ لَا غَيْرَ فَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ هُوَ إِيْلَاءٌ لِيَكُوْنَ الثَّابِتُ بِهِ أَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ، وَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ظِهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيْهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تاکہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے چنانچہ اگر اس نے کہا کہ میں نے کرامت کا ارادہ کیا ہے تو وہ اسی کے مطابق ہوگا، کیوں کہ تشبیہ کے ذریعہ اکرام کرنا گفتگو میں رائج ہے۔ اور اگر اس نے کہا میں نے ظہار مراد لیا ہے تو وہ ظہار ہوگا کیوں کہ یہ عورت کے مجموعے کے ساتھ تشبیہ

دینا ہے اور اس میں عضو کے ساتھ بھی تشبیہ موجود ہے لیکن چوں کہ وہ صریح نہیں ہے اس لیے نیت کی ضرورت پڑے گی۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ میں نے طلاق مراد لیا ہے تو وہ طلاق بائن ہوگئی، اس لیے کہ یہ حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ ہے تو گویا کہ شوہر نے أنت علیّ حرام کہا اور اس سے طلاق کی نیت کی۔ اور اگر اس کی کوئی نیت تھی تو حضرات شیخینؒ کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں ہے کیوں کہ اسے کرامت پر محمول کرنے کا احتمال ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار ہوگا کیوں کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پورے بدن کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔ اور اگر شوہر نے اس سے صرف تحریم مراد لی ہے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ ایلاء ہوگا تاکہ اس کے ذریعہ ادنی حرمت ثابت ہو۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہار ہوگا، کیوں کہ کاف تشبیہ ظہار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اللغات:

﴿یرجع﴾ رجوع کیا جائے گا۔ ﴿ینکشف﴾ واضح ہو۔ ﴿کرامة﴾ عزت و احترام۔ ﴿تکریم﴾ عزت دینا۔ ﴿فاش﴾ عام ہے۔ ﴿یفتقر﴾ محتاج ہوگا۔

"تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے" کہنے کا حکم:

اس عبارت میں شوہر کے دو جملوں کے متعلق اس کی نیت اور اس کے ارادے پر کئی ایسے مسئلے بیان کیے گئے ہیں جو ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے آئیں گے، سب سے پہلے ان دونوں جملوں پر نظر ڈالیے (۱) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا أنتِ عليّ مثل أمي (۲) یا یوں کہا أنتِ عليّ کأمي تو ان دونوں صورتوں میں سب سے پہلے اس کی نیت دریافت کی جائے گی اور نیت کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا (۱) چناں اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ جس طرح میری ماں میرے نزدیک قابل تعظیم ہے اسی طرح تو بھی میرے نزدیک قابل تکریم ہے اور میں نے اکرام واحترام کی خاطر یہ تشبیہ دی ہے، تو اب حکم شرعی یہ ہے کہ اس کی یہ نیت معتبر ہوگی اور اس کے کلام کو تکریم پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ اس کے کلام میں اس بات کا احتمال ہے، اس لیے کہ عرف عام اور کلام الناس میں اس طرح کے کلام سے اکرام کو مراد لیا جاتا ہے۔

(۲) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس جملے سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو اس کا یہ ارادہ بھی معتبر ہوگا اور ظہار کا تحقق ہو جائے گا، کیوں کہ محللہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا نام ظہار ہے اور وہ تشبیہ یہاں موجود ہے کیوں کہ أنت عليّ کأمي میں پوری ماں کے ساتھ تشبیہ موجود ہے اور دوسرے جملے یعنی مثل أميّ میں بھی ام کے کے ساتھ تشبیہ ہے اور جب عضو کی تشبیہ سے ظہار متحقق ہو جاتا ہے تو اعضاء کے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجۂ اولیٰ ظہار متحقق ہوگا، مگر چوں کہ أنت عليّ اور کأمي تشبیہات صریحہ نہیں ہیں اس لیے ان میں نیت دیکھی جائے گی اور نیت ہی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

(۳) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو یہ نیت بھی درست ہے اور بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ یہ کلام حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کا بھی احتمال رکھتا ہے، لہٰذا یہ ایسا ہے گویا شوہر نے أنت عليّ حرام کأمي أو مثل أمِي کہا اور أنتِ عليّ حرام سے اگر شوہر طلاق کی نیت کرتا ہے تو کنایہ ہونے کی وجہ سے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

(۴) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا اور اس کلام سے میری کوئی خاص نیت نہیں تھی تو اس صورت میں حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں یہ کلام لغو ہوگا اور اسے کسی بھی چیز پر محمول نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اس میں کرامت کا بھی احتمال ہے اور طلاق وظہار کا بھی کا احتمال ہے، اس لیے مرجح کے بغیر کسی بھی مصداق پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا، کیوں کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پورے بدن کے ساتھ تشبیہ دینا تو بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا، اس لیے نیت کے بغیر ان صورتوں میں ظہار ثابت ہوگا۔

(۵) اور اگر شوہر نے ان جملوں سے تحریم یعنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا ارادہ کیا ہو تو بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ ظہار ہوگا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں ایلاء ہوگا، کیوں کہ ظہار کے مقابلے میں ایلاء کی حرمت خفیف اور ادنیٰ ہے، اس لیے کہ وہ حرمت چار ماہ بعد ثابت ہوتی ہے، بدون کفارہ وطی کے ذریعے اسے ختم کیا جاسکتا ہے اور ایلاء مباح اور جائز ہے، اس لیے ان حوالوں سے اس کی حرمت حرمتِ ظہار سے اخف ہے اور فقہ کا قاعدہ یہ ہے کہ **یختار أھون الشرین** یعنی جب کسی مسئلے میں دو شر جمع ہوں تو ان میں سے اخف کو اختیار کیا جائے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں جملوں میں حرف تشبیہ (مثل) اور کاف تشبیہ موجود ہے اور حروف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے اس صورت میں بھی شوہر کے قول کو ظہار ہی پر محمول کریں گے۔

وَ لَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَأُمِّيْ وَ نَوٰى ظِهَارًا أَوْطَلَاقًا فَهُوَ عَلٰى مَا نَوٰى، لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ: الظِّهَارَ لِمَكَانِ التَّشْبِيْهِ، وَالطَّلَاقَ لِمَكَانِ التَّحْرِيْمِ، وَالتَّشْبِيْهُ تَاكِيْدٌ لَهٗ، وَ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ فَعَلٰى قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ إِيْلَاءٌ، وَ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ ظِهَارٌ، وَ الْوُجْهَانِ بَيَّنَّاهُمَا.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ میری ماں کی طرح تو مجھ پر حرام ہے اور اس نے ظہار یا طلاق کی نیت کی تو حکم اس کی نیت کے مطابق ہوگا، اس لیے یہ کلام دونوں کا احتمال رکھتا ہے، ظہار کا احتمال تشبیہ کی وجہ سے رکھتا ہے اور طلاق کا احتمال تحریم کی وجہ سے رکھتا ہے۔ اور تشبیہ تحریم کی تاکید ہے۔ اور اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ایلاء ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ظہار ہے اور دونوں صورتیں ماقبل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

"انت علی حرام کأمی" کا حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ شوہر کے قول أنتِ عليّ حرام كامي میں طلاق کا بھی احتمال ہے اور ظہار کا بھی احتمال ہے چنانچہ جس چیز کی وہ نیت کرے گا وہ متعین ہو جائے گی، اس کلام میں ظہار کا احتمال تو اس لیے ہے کہ اس میں کاف تشبیہ موجود ہے جو ظہار کے لیے خاص ہے اور طلاق کا احتمال اس طور پر ہے کہ أنت عليّ حرام الفاظ کنایہ میں سے ہے اور الفاظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور اگر اس جملے سے شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور انت عليّ حرام کے بعد کامي میں جو تشبیہ ہے وہ اسی تحریم کی تاکید ہوگی۔

و إن لم الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سے ایلاء مراد ہوگا لأنه أدنیٰ و أخف من الظهار، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہار ہی ہوگا لأن كاف التشبيه تختص بالظهار كما مر انفا۔

وَ إِنْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ أُمِّي وَ نَوىٰ بِهٖ طَلَاقًا أَوْ إِيْلَاءً لَمْ يَكُنْ إِلَّا ظِهَارًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَا هُوَ عَلٰى مَا نَوىٰ، لِأَنَّ التَّحْرِيْمَ يَحْتَمِلُ كُلَّ ذٰلِكَ عَلٰى مَا بَيَّنَّا، غَيْرَ أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذَا نَوىٰ الطَّلَاقَ يَكُوْنُ ظِهَارًا، وَ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَكُوْنَانِ جَمِيْعًا، وَ قَدْ عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ، وَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِي الظِّهَارِ فَلَا يَحْتَمِلُ غَيْرَهٗ، ثُمَّ هُوَ مُحْكَمٌ فَيُرَدُّ التَّحْرِيْمُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ میری ماں کی پشت کی طرح تو مجھ پر حرام ہے اور اس سے طلاق یا ایلاء کی نیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صرف ظہار ہوگا، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا، اس لیے کہ تحریم (ان میں سے) ہر چیز کا احتمال رکھتی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب شوہر نے طلاق کی نیت کی تو ظہار نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق اور ظہار دونوں ہوگا۔ اور یہ اپنی جگہ معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام ظہار کے لیے صریح ہے لہٰذا اس کے علاوہ کا احتمال نہیں رکھے گا۔ پھر وہ محکم بھی ہے اس لیے تحریم کو ظہار کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

چند الفاظ ظہار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے أنتِ عليّ حرام كظهر أمي کہا اور اس سے طلاق کی یا ایلاء کی نیت کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو طلاق ہوگی اور نہ ہی ایلاء ہوگا بلکہ ظہار ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شوہر جس چیز کی نیت کرے گا وہی واقع ہوگی خواہ وہ طلاق ہو یا ایلاء، کیوں کہ شوہر کا یہ کلام طلاق اور ایلاء دونوں کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا جس چیز پر اس کی نیت کا ٹھپہ لگے گا وہی متعین ہو جائے گی۔

غير أن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس جملے سے شوہر نے طلاق کی نیت کر لی تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سے ظہار نہیں ہوگا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق بھی ہوگی اور ظہار بھی ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان حضرات کی دلیلیں نہیں ذکر کیں لیکن صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی دلیلیں بیان کی ہیں چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب شوہر نے أنتِ عليّ حرام کہا اور اس سے طلاق کی نیت کر لی تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی، لہٰذا اب كظهر أمي سے ظہار کا ثبوت نہیں ہوگا، کیوں کہ بینونت کے بعد ظہار صحیح نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ طلاق تو أنت عليّ حرام سے واقع ہوگی اور ظہار كظهر أمّي سے واقع ہوگا، کیوں کہ یہ جملہ ظہار کے لیے صریح ہے لہٰذا اس کے لیے ظاہر سے انحراف کی گنجائش نہیں ہوگی۔

ولأبي حنيفة الخ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہ طلاق نہ ایلاء اس جملے سے صرف اور صرف ظہار واقع ہوگا کیوں کہ یہ جملہ ظہار کے لیے صریح ہے اور صریح کے آگے نیت کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہوتی اور کلام میں آخری جملے کا اعتبار ہوتا ہے اور

معنی ومفہوم کو متعین کرنے میں اس کا بڑا کردار ہوتا ہے اور یہاں متکلم یعنی شوہر کے آخری جملے سے ظہار کی صراحت اور وضاحت ہورہی ہے، اس لیے اسے ظہار ہی پر محمول کریں گے اور طلاق وغیرہ کو کنارے لگادیں گے۔ نیز کظھر أمي ظہار کے لیے محکم ہے اور أنت عليّ حرام محتمل ہے کیوں کہ اس میں طلاق اور ایلاء کا بھی احتمال ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف پھیرا جاتا ہے اس لیے اسی ضابطے کے پیش نظر صورت مسئلہ میں أنت عليّ حرام کو بھی محکم یعنی کظھر أمي کی طرف پھیرا جائے گا اور صرف ظہار کو واقع کیا جائے گا۔

قَالَ وَ لَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ إِلَّا مِنَ الزَّوْجَةِ حَتَّى لَوْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿مِنْ نِّسَائِهِمْ﴾، وَ لِأَنَّ الْحِلَّ فِي الْأَمَةِ تَابِعٌ فَلَا تُلْحَقُ بِالْمَنْكُوْحَةِ، وَ لِأَنَّ الظِّهَارَ مَنْقُوْلٌ عَنِ الطَّلَاقِ، وَ لَا طَلَاقَ فِي الْمَمْلُوْكَةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ ظہار صرف بیوی سے متحقق ہوتا ہے حتی کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو وہ ظہار کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے من نسائهم فرمایا ہے۔ اور اس لیے بھی باندی میں حلت تابع ہے، اس لیے اس کو منکوحہ کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اور اس لیے بھی کہ ظہار طلاق سے منقول ہے اور مملوکہ کے حق میں طلاق نہیں ہے۔

اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔

ظہار صرف بیوی سے ہی ہوتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کا تحقق اور تعلق صرف منکوحہ عورتوں سے ہے اور منکوحہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے ظہار متحقق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی سے ظہار کرلے تو اسے مظاہر نہیں کہیں گے ظہار کے منکوحہ بیویوں کے ساتھ خاص ہونے کی کئی دلیلیں ہیں (۱) پہلی دلیل تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے ظہار کو بیان کرتے ہوئے والذین یظاھرون من نسائھم میں نساء کا لفظ استعمال کیا ہے اور نساء اگرچہ منکوحہ اور مملوکہ سب کو عام ہے مگر یہاں سیاق وسباق سے اس کا منکوحہ عورتوں کے لیے ہونا متعین ہے اور اس سے صرف انسان کی اپنی منکوحہ بیویاں مراد ہیں، معلوم ہوا کہ غیر منکوحہ عورتوں سے ظہار نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی کی حلت فرج مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ملکِ یمین مقصود ہے جب کہ منکوحہ عورت میں حلت فرج ہی مقصود بالذات ہے، اس لیے غیر مقصود بالذات کو مقصود بالذات کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ ظہار طلاق سے منقول ہے بایں معنیٰ کہ زمانۂ جاہلیت میں اسے طلاق سمجھا جاتا تھا اور چوں کہ مملوکہ باندی کے حق میں طلاق نہیں ہے، اس لیے جو چیز طلاق سے منقول ہے یعنی ظہار وہ بھی مملوکہ کے حق میں نہیں ہوگی۔

فَإِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِغَيْرِ أَمْرِهَا ثُمَّ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَجَازَتِ النِّكَاحَ فَالظِّهَارُ بَاطِلٌ، لِأَنَّهُ صَادِقٌ فِي التَّشْبِيْهِ وَقْتَ التَّصَرُّفِ فَلَمْ يَكُنْ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ، وَالظِّهَارُ لَيْسَ بِحَقٍّ مِنْ حُقُوْقِهِ حَتَّى يَتَوَقَّفَ، بِخِلَافِ إِعْتَاقِ الْمُشْتَرِيْ مِنَ الْغَاصِبِ، لِأَنَّهُ مِنْ حُقُوْقِ الْمِلْكِ.

ترجمه: پھر اگر کسی عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کرلیا اس کے بعد اس نے نکاح کی اجازت دی تو ظہار باطل ہے، کیوں کہ یہ شخص بوقت تصرف تشبیہ میں سچا ہے، لہٰذا یہ غلط بات نہیں ہوگی۔ اور ظہار نکاح کے حقوق میں سے کوئی حق بھی نہیں ہے کہ وہ موقوف رہے۔ اس کے برخلاف غاصب سے خریدنے والے کا آزاد کرنا ہے، اس لیے کہ آزاد کرنا حقوقِ ملک میں سے ہے۔

اللغات:

﴿یتوقف﴾ موقوف ہونا۔ ﴿إعتاق﴾ آزاد کرنا۔

ظہار کی ایک خاص صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا اور عورت کی اجازت سے پہلے ہی اس نے اس سے ظہار کرلیا پھر اس عورت نے نکاح کی اجازت دیدی تو نکاح درست ہوگا اور ظہار باطل ہوگا، کیوں کہ ظہار نام ہے محللہ عورت کو محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا اور صورت مسئلہ میں عورت کی اجازت سے پہلے چوں کہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے اس لیے وہ عورت اس کے لیے حرام تھی اور اجازت ہی سے پہلے اس شخص نے ظہار کیا ہے، اس لیے یہ محرمہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینا ہوا اور محرمہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار کا تحقق نہیں ہوتا۔ صاحب کتاب نے اس دلیل کو یوں بیان کیا ہے کہ ظہار نام ہے فحش اور بدگوئی کا، لیکن عدم نکاح کی وجہ سے بوقتِ تصرف (کلمات ظہار کی ادائیگی کے وقت) مذکورہ شخص اپنی بات اور اپنی تشبیہ میں سچا ہے، اس لیے اس کی یہ بات منکر من القول نہیں ہوگی اور وہ شخص مظاہر نہیں کہلائے گا۔

و الظهار ليس بحق الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں ظہار کو باطل قرار دینا درست نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اسے موقوف کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ ظہار موقوف ہے ملکِ نکاح پر اور ملک نکاح موقوف ہے عورت کی اجازت پر، لہٰذا جس طرح ملک نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے اور اسے باطل نہیں کیا گیا ہے اسی طرح ظہار کو بھی عورت کی اجازت پر موقوف مانا جائے اور اسے یکسر باطل نہ قرار دیا جائے، جیسے اگر کسی شخص نے غاصب سے کوئی غلام خرید کر اسے آزاد کردیا تو یہ بیع کی طرح آزاد کرنا بھی مغصوب منہ یعنی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، اسی طرح صورت مسئلہ میں جس طرح نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے اسی طرح ظہار کو بھی اس کی اجازت پر موقوف کرنا چاہیے۔

صاحب ہدایہؒ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکاح امر مشروع ہے جب کہ ظہار ممنوع اور امر غیر مشروع ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ امر غیر مشروع امر مشروع کے لیے لازم اور ضروری نہیں ہوسکتا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ظہار نکاح کے حقوق میں سے کوئی حق نہیں ہے کہ نکاح کی طرح وہ عورت کی اجازت پر موقوف رہے۔ اس کے برخلاف مشتری من الغاصب کے اعتاق کا معاملہ ہے تو وہ بیع وشراء کی طرح مغصوب منہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، کیوں کہ آزاد کرنا ملک کے حقوق اور لوازم میں سے ہے۔ اور اعتاق سے مشتری کی ملک تام اور مکمل ہوگی، اس لیے جس طرح اس کی ملک مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اسی طرح اس کا اعتاق بھی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اس توقف کو نکاح اور ظہار والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔

وَ مَنْ قَالَ لِنِسَائِهِ أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ كَانَ مُظَاهِرًا مِنْهُنَّ جَمِيْعًا، لِأَنَّهُ أَضَافَ الظِّهَارَ إِلَيْهِنَّ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ، وَ عَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ كَفَّارَةٌ، لِأَنَّ الْحُرْمَةَ تَثْبُتُ فِيْ حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ، وَالْكَفَّارَةُ لِإِنْهَاءِ الْحُرْمَةِ فَيَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِهَا، بِخِلَافِ الْإِيْلَاءِ مِنْهُنَّ، لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيْهِ لِصِيَانَةِ حُرْمَةِ الْإِسْمِ وَ لَمْ يَتَعَدَّدْ ذِكْرُ الْإِسْمِ.

ترجمه: اور جس شخص نے اپنی بیویوں سے کہا تم سب مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو تو وہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہوگا، اس لیے کہ اس نے ان سب کی طرف ظہار کو منسوب کیا ہے لہٰذا یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ اس نے طلاق کو منسوب کیا۔ اور اس پر ہر ایک کے لیے ایک ایک کفارہ واجب ہے، اس لیے کہ حرمت ہر ایک کے حق میں ثابت ہو چکی ہے اور کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لیے ہے لہٰذا حرمت کے متعدد ہونے سے کفارہ بھی متعدد ہوگا۔ برخلاف ان سے ایلاء کرنے کے، اس لیے کے ایلاء میں کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حفاظت کے لیے ہے اور اللہ کے نام کا تذکرہ متعدد نہیں ہے۔

اللغات:

﴿انهاء﴾ ختم کرنا۔ ﴿یتعدد﴾ متعدد ہوگا، زیادہ تعداد میں ہوگا۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت کرنا، بچانا۔

سب بیویوں سے بیک وقت ظہار کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چار بیویاں ہوں اور اس نے یہ جملہ کہہ دیا ہو أنتن عليّ كظهر أمي تو وہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے ان سب کی طرف ظہار کو منسوب کیا ہے لہٰذا یہ ایسا ہے گویا اس نے ان سب کی طرف طلاق کو منسوب کرکے أنتن طوالق کہا ہو، چنانچہ ایک ساتھ سب پر طلاق واقع ہو جائیگی۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ایک ساتھ سب پر ظہار بھی واقع ہو جائے گا۔

وعليه لكل واحد الخ: فرماتے ہیں کہ جس طرح تمام بیویوں پر ظہار واقع ہوگا اسی طرح اس شخص پر ہر ایک کی طرف سے الگ الگ کفارہ بھی واجب ہوگا، کیوں کہ ظہار کی وجہ سے ہر بیوی کے حق میں حرمت ثابت ہو چکی ہے اور اس حرمت کا اختتام کفارہ کے ذریعے ہوگا، اس لیے یہ بات لازم ہوگی کہ ہر ہر بیوی کی طرف سے اس شخص پر متعدد کفارے واجب ہوں تا کہ ہر ایک بیوی اس کے لیے حلال ہو جائے۔

بخلاف الإيلاء الخ: فرماتے ہیں کہ ظہار کے بالمقابل اگر کوئی شخص اپنی کئی بیویوں سے بیک وقت ایلاء کرلے تو اس کے ازالہ کے لیے صرف ایک ہی کفارہ واجب ہے اور ہر ہر بیوی کی طرف سے علیحدہ علیحدہ کفارۂ یمین ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ایلاء میں کفارہ اس لیے واجب ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت اور تعظیم کو باقی رکھا جائے اور ایلاء کرنے میں صرف ایک ہی مرتبہ اللہ کے نام کو لیا گیا ہے، متعدد مرتبہ نہیں لیا گیا ہے اس لیے اس کے ازالے کے لیے صرف ایک ہی کفارہ واجب ہوگا نہ کہ متعدد۔ فقط واللہ اعلم وعلمه.

فَصْلٌ فِي الْكَفَّارَةِ

یہ فصل احکام کفارہ کے بیان میں ہے

قَالَ وَ كَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِلنَّصِّ الْوَارِدِ فِيْهِ فَإِنَّهُ يُفِيْدُ الْكَفَّارَةَ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، لیکن اگر مظاہر غلام نہ پائے تو لگا تار دو ماہ تک روزے رکھے، لیکن اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اس نص کی وجہ سے جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہے، اس لیے کہ یہ نص ترتیب کے مطابق کفارہ کا فائدہ دے رہی ہے۔

اللغات:

﴿عتق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿متتابعین﴾ پے در پے، بلا وقفہ۔

کفارۂ ظہار:

اس عبارت میں مظاہر پر کفارے کی تشریح اور اس کی ترتیب کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مظاہر کے لیے اے ون AONE کوالٹی کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو تو نمبر دو پر مسلسل دو ماہ تک روزہ رکھنا ہے۔ اور اگر مظاہر ضعیف اور کمزور ہو اور روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اب آخری درجہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حکم اور ترتیب کوئی من مانی نہیں ہے بلکہ نص قرآنی سے ہم آہنگ اور مربوط ہے چنانچہ سورۂ مجادلہ میں ہے **فتحرير رقبة من قبل أ ن يتماسا۔** پھر آگے ہے **فإن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكينا الخ** اسی نص سے کفارۂ ظہار کا حکم ثابت ہے اور چوں کہ اس میں **فإن لم فإن لم** کے ذریعے ایک حکم کا دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور فاء ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے ترتیب ثابت ہوگئی۔

قَالَ وَ كُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَ هٰذَا فِي الْإِعْتَاقِ وَالصَّوْمُ ظَاهِرٌ لِلتَّنْصِيْصِ عَلَيْهِ، وَ كَذَا فِي الْإِطْعَامِ، لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيْهِ مُنْهِيَةٌ لِلْحُرْمَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِهَا عَلَى الْوَطْيِ لِيَكُوْنَ الْوَطْيُ حَلَالًا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہر چیز وطی کرنے سے پہلے ہے اور یہ حکم آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں ظاہر ہے، اس لیے کہ اس پر نص کی وضاحت ہے۔ اور کھانا کھلانے میں یہی حکم ہے، کیوں کہ ظہار کا کفارہ حرمت کو ختم کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس کو وطی پر مقدم کرنا ضروری ہے تا کہ وطی حلال ہو جائے۔

اللغات:

﴿مسیس﴾ جماع کرنا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿اطعام﴾ کھانا کھلانا۔

ظہار میں کفارے کے لیے وطی سے پہلے ہونے کی شرط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کے کفارے میں ہر کفارے کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے خواہ وہ کفارۂ اعتاق ہو یا صوم ہو یا اطعام ہو، رہا مسئلہ اعتاق اور صوم کا تو ان کے وطی سے پہلے ہونے کی صراحت خود نص قرآنی من قبل أن یتماسا میں موجود ہے اور اطعام کے ساتھ اگر چہ یہ قید نہیں ہے مگر چوں کہ کفارہ سے حرمت ظہار ختم ہوتی ہے اس لیے اس کو وطی پر مقدم کرنا اور اس سے پہلے اداء کرنا ضروری ہے تا کہ وطی حلال اور جائز واقع ہو۔

قَالَ وَ تَجْزِيْ بِالْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْكَافِرَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ، لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ يُطْلَقُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ، إِذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الذَّاتِ الْمَرْقُوْقِ الْمَمْلُوْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَالشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَ يَقُوْلُ الْكَفَّارَةُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا يَجُوْزُ صَرْفُهُ إِلٰى عَدُوِّ اللّٰهِ كَالزَّكٰوةِ، وَ نَحْنُ نَقُوْلُ الْمَنْصُوْصُ عَلَيْهِ إِعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَ قَدْ تَحَقَّقَ، وَ قَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ، ثُمَّ مُقَارَنَةُ الْمَعْصِيَةِ يُحَالُ بِهِ إِلٰى سُوْءِ اخْتِيَارِهِ.

ترجمہ: اور عتق میں کافر مسلمان نر مادہ، چھوٹا اور بڑا ہر طرح کا رقبہ کافی ہے، کیوں کہ ان سب پر لفظ رقبہ کا اطلاق ہوتا ہے، کیوں کہ رقبہ اس کا نام ہے جو ہر طرح سے غلام اور مملوک ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رقبۂ کافرہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے اسے اللہ کے دشمن کی طرف صرف کرنا جائز نہیں ہے، جیسے زکوٰۃ۔ ہم کہتے ہیں کہ جس چیز پر نص وارد ہوئی ہے وہ رقبہ آزاد کرنا ہے اور کافر کے اعتاق سے بھی عتق متحقق ہوگا اور کفارہ دینے سے معتق کا ارادہ اللہ کی اطاعت پر قدرت دینا ہے۔ پھر معصیت سے متصل ہونے کو اس کی بد اختیاری کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿تجزی﴾ کافی ہوگا۔ ﴿مرقوق﴾ غلام۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا، پھیرنا۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿تمکن﴾ قدرت دینا۔
﴿مقارنۃ﴾ ساتھ ملا ہوا ہونا۔

کفارے میں جائز غلام کی تفصیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارۂ ظہار میں جو اعتاق کا حکم مذکور ہے وہ ہر طرح کے رقبے کو شامل ہے اور اس میں مسلمان ہونے یا

مذکر اور بڑا ہونے کی کوئی قید یا تخصیص نہیں ہے اور کافر، مونث اور چھوٹا رقبہ آزاد کرنے سے بھی ہمارے یہاں اعتاق متحقق ہو جائے گا اور کفارہ بھی ادا ہو جائے گا، کیوں کہ رقبہ اس چیز کا نام ہے جو ہر طرح سے مرقوق اور مملوک ہو اور یہ صفت جس طرح رقبہ مسلمہ اور کبیرہ میں موجود ہے اسی طرح رقبۂ کافرہ اور رقبۂ صغیرہ میں بھی موجود ہے اور چوں کہ نص قرآنی فتحریر رقبة میں لفظ رقبۃ مطلق ہے اس لیے ہر طرح کا رقبہ اس میں شامل و داخل ہے۔ صاحب کتاب نے ونحن نقول سے اسی کو بیان کیا ہے کہ رقبۂ صغیرہ اور انثی میں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہم خیال ہیں، لیکن رقبۂ کافرہ کے متعلق وہ ہم سے الگ ہیں اور رقبۂ کافرہ کے اعتاق اور کفارہ کے معتبر نہیں مانتے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے اسے دشمن خدا کی طرف منتقل کرنا درست نہیں ہے جیسے زکوۃ اللہ کا حق ہے اور اسے کافر کو دینا جائز نہیں ہے۔

وقصده الخ: یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل الکفارة حق اللّٰه تعالیٰ کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کفارہ دینے سے معتق کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ رقبہ مولیٰ کی خدمت سے چھٹکارا پا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قادر ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ اس فعل کی وجہ سے اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ لیکن اگر پھر بھی وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوتا تو یہ اس کے بداعتقاد اور بدخیال ہونے کی علامت ہے۔

وَ لَا تُجْزِی الْعُمْیَاءُ وَ لَا الْمَقْطُوْعَةُ الْیَدَیْنِ اَوِ الرِّجْلَیْنِ لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ وَهِيَ الْبَصَرُ أَوِ الْبَطْشُ أَوِ الْمَشْيُ وَهُوَ الْمَانِعُ، أَمَّا إِذَا اخْتَلَّتِ الْمَنْفَعَةُ فَهُوَ غَیْرُ مَانِعٍ حَتّٰی یَجُوْزَ الْعَوْرَاءُ وَ مَقْطُوْعَةُ اِحْدَی الْیَدَیْنِ وَ اِحْدَی الرِّجْلَیْنِ مِنْ خِلَافٍ لِاَنَّهٗ مَا فَاتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ بَلْ اِخْتَلَّتْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا کَانَتَا مَقْطُوْعَتَیْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَیْثُ لَا یَجُوْزُ لِفُوَاتِ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْمَشْيِ إِذْ هُوَ عَلَیْهِ مُتَعَذِّرٌ، وَ یَجُوْزُ الْاَصَمُّ وَالْقِیَاسُ أَنْ لَا یَجُوْزَ وَهُوَ رِوَایَةُ النَّوَادِرِ لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ إِلَّا أَنَّا اِسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ، لِاَنَّ اَصْلَ الْمَنْفَعَةِ بَاقٍ فَإِنَّهٗ إِذَا صِیْحَ عَلَیْهِ یَسْمَعُ حَتّٰی لَوْ کَانَ بِحَالٍ لَا یَسْمَعُ أَصْلًا بِأَنْ وُلِدَا أَصَمَّ وَهُوَ الْأَخْرَسُ لَا یُجْزِیْهِ.

ترجمہ: اور اندھا اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹا ہوا رقبہ کافی نہیں ہے، اس لیے کہ منفعت کی جنس فوت ہے اور وہ بینائی ہے یا پکڑنا یا چلنا ہے حالاں کہ جنس منفعت کا فوت ہونا ادائے کفارہ سے مانع ہے، لیکن اگر منفعت میں خلل ہو تو وہ مانع نہیں ہے یہاں تک کہ کانا یا الگ الگ طرف سے ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا رقبہ جائز ہے، اس لیے کہ جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ مختل ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے جب ایک ہاتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں، چنانچہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ چلنے کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہے، کیوں کہ اس کے لیے چلنا دشوار ہے۔ اور بہرہ غلام آزاد کرنا جائز ہے جب کہ قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو اور یہی نوادر کی روایت ہے، اس لیے کہ جنس منفعت فوت ہے، لیکن ہم نے استحساناً اسے جائز قرار دیا ہے، کیوں کہ اصل منفعت باقی ہے، اس لیے جب چیخ کر بات کی جائے گی تو وہ یقیناً سن لے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس حال میں ہو کہ بالکل نہ سنتا ہو بایں طور کہ وہ مادر زاد بہرہ ہو اور گونگا بھی ہو تو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿عمیاء﴾ نابینا۔ ﴿بصر﴾ دیکھنا۔ ﴿بطش﴾ گرفت، پکڑنا۔ ﴿مشی﴾ چلنا۔ ﴿اختلّت﴾ خراب ہوگئی۔ خلل زدہ ہوگئی۔ ﴿عوراء﴾ یک چشم گل، کانا۔ ﴿أصم﴾ بہرا۔ ﴿صیح﴾ چیخا جائے۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔

کفارے میں ادائیگی کے لیے ناکافی غلام کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارۂ ظہار میں اندھے رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے رقبہ کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان رقبات میں منفعت کی جنس یعنی دیکھنا اور پکڑنا یا چلنا فوت ہے اور جنس منفعت سے فوت ہونے والا رقبہ ہلاک شدہ رقبہ کے درجے میں ہوتا ہے اور ہلاک شدہ رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے جنس منفعت سے فوت شدہ رقبہ کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

أما إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جنس منفعت یکسر فوت نہ ہو بلکہ منفعت میں خلل واقع ہوجائے تو ایسے رقبہ کو آزاد کرنا صحیح ہے اور منفعت کا اختلال مانع جواز نہیں ہے، اسی لیے کانے اور ایک ہاتھ اور اس کے دوسری طرف والا پیر کٹا ہوا رقبہ آزاد کرنا جائز ہے، کیوں کہ ان میں جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ کہ مختل ہوئی ہے اور اختلال مانع جواز نہیں ہے۔

بخلاف ما إذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی رقبہ کا ایک ہی ہاتھ اور ایک ہی پیر کٹا ہو لیکن دونوں ایک ہی حصے کے ہوں بایں معنی کہ دونوں دائیں طرف کے ہوں یا دونوں بائیں طرف کے ہوں تو اس صورت میں اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بھی جنس منفعت فوت ہے اس لیے اس پوزیشن میں رقبہ کے لیے چلنا متعذر اور دشوار ہے۔

ویجوز الأصم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بہرے رقبہ کو آزاد کرنا جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے اور یہی نوادر کی بھی روایت ہے، اس لیے کہ اندھے کی طرح بہرنے کے حق میں بھی جنس منفعت فوت ہوچکی ہے اور اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ جنس منفعت کا فوت ہونا مانع جواز ہے۔ لیکن استحساناً بہرے رقبہ کے اعتاق کو جائز قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ اس کی منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ بہرے پن کی وجہ سے مختل ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر زور سے آواز لگائی جائے تو بہرہ آدمی بھی سن لیتا ہے، معلوم ہوا کہ بہرہ کی منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ مختل ہوئی ہے اور مختل المنفعت رقبہ کا اعتاق جائز ہے۔ تاہم اگر کوئی رقبہ اتنا زیادہ بہرہ ہو کہ وہ پیدائشی بہرہ ہو اور بالکل نہ سن سکتا ہو تو پھر اس کا اعتاق جائز نہیں ہے کیوں کہ اب اس کی جنس منفعت فوت ہوچکی ہے۔

فائدہ:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے **ولدأصم** کے بعد **وهو الأخرس** کا اضافہ کرکے یہ اشارہ دیا ہے کہ مادرزاد بہرہ کی شناخت اس کے گونگے پن سے ہوگی۔ (عنایہ)

وَ لَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ إِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ لِأَنَّ قُوَّةَ الْبَطْشِ بِهِمَا فَبِفَوَاتِهِمَا يَفُوْتُ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ، وَ لَا يَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ، لِأَنَّ الْاِنْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَائِتَ الْمَنَافِعِ، وَ الَّذِيْ يُجَنُّ وَ يُفِيْقُ يُجْزِيْهِ، لِأَنَّ الْاِخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ، وَ لَا يُجْزِيْ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَ أُمِّ الْوَلَدِ لِاسْتِحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةٍ فَكَانَ

الرِّقُّ فِيهِمَا نَاقِصًا، وَ كَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي أَدَّى بَعْضَ الْمَالِ، لِأَنَّ إِعْتَاقَهُ يَكُوْنُ بِبَدَلٍ، وَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ يُجْزِيْهِ لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَ لِهٰذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الْاِنْفِسَاخَ، بِخِلَافِ أُمُوْمِيَّةِ الْوَلَدِ وَالتَّدْبِيْرِ، لِأَنَّهُمَا لَا يَتَحَمَّلَانِ الْاِنْفِسَاخَ.

ترجمه: اور دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ انگوٹھوں ہی سے پکڑنے کی قوت متعلق ہے، لہٰذا ان کے فوت ہونے سے جنس منفعت فوت ہو جائے گی۔ اور اس مجنون رقبہ کا اعتاق جائز نہیں ہے جسے (ذرہ برابر) عقل نہ ہو، اس لیے کہ جوارح سے فائدہ اٹھانا صرف عقل کے ذریعے ہوتا ہے، لہٰذا یہ رقبہ بھی منفعت کو فوت کرنے والا ہو گیا۔ اور وہ رقبہ جو مجنون بھی رہتا ہے اور اسے افاقہ بھی ہو جاتا ہے اس کا اعتاق جائز ہے، کیوں کہ اختلالِ منفعت مانع نہیں ہے۔ اور مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دونوں ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہو گئے ہیں لہٰذا ان میں رقیت ناقص ہو گئی ہے۔ اور ایسے ہی وہ مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو (اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے) اس لیے اس کا اعتاق بدل کے ساتھ ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکاتب کو آزاد کرنا جائز ہے، اس لیے کہ (اس میں) من کل وجہ رقیت موجود ہے، اسی لیے کتابت فسخ ہونے کو قبول کرتی ہے، برخلاف ام ولد ہونے اور مدبر ہونے کے، اس لیے کہ یہ دونوں فسخ کو قبول نہیں کرتے۔

اللغاتُ:

﴿ابهام﴾ انگوٹھا۔ ﴿بطش﴾ گرفت، پکڑ۔ ﴿جوارح﴾ اعضائے جسمانی۔ ﴿یجنّ﴾ پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ ﴿یفیق﴾ افاقہ ہو جاتا ہے، مرض ختم ہو جاتا ہے۔ ﴿اختلال﴾ خلل آنا۔ ﴿حریة﴾ آزادی۔ ﴿رقّ﴾ غلامی۔ ﴿انفساخ﴾ فسخ ہو جانا۔

کفارے میں ادائیگی کے لیے ناکافی غلام کا بیان:

اوپر کی عبادت میں کئی ایک مسئلے بیان کیے گئے ہیں جو ان شاء اللہ ترتیب وار آپ کے سامنے آئیں گے (۱) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جس رقبہ کے دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اس کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اشیاء کو لینے اور پکڑنے میں انگوٹھے کا نمایاں رول ہوتا ہے اور گرفت و مضبوطی میں انگوٹھوں سے تقویت ملتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انگوٹھا نہ ہونے سے یہ چیزیں فوت ہو جائیں گی۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ فوات منفعت مانع جواز ہے، اس لیے اس طرح کے رقبہ کا اعتاق جائز نہیں ہے۔

ولایجوز المجنون الخ: فرماتے ہیں کہ وہ غلام جو مجنون ہو گیا ہے اور اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو اور کسی بھی چیز کو وہ نہ سمجھ سکتا ہو اور اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ اعضاء و جوارح سے نفع اٹھانا عقل پر موقوف ہے اور جو مفقود العقل ہو ظاہر ہے کہ عدم انتفاع کی وجہ سے وہ مفقود المنفعت بھی ہوگا اور مفقود المنفعت کا اعتاق درست نہیں ہے، ہاں اگر کوئی رقبہ کبھی پاگل رہتا ہو اور کبھی اسے ہوش آ جاتا ہو تو اس کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ افاقہ کی وجہ سے وہ مختل المنفعت ہے اور مختل المنفعت کا اعتاق درست ہے۔

ولا یجزي عتق المدبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مدبر اور مکاتب غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ جواز کفارہ کے لیے رقبہ ضروری ہے اور رقبہ مطلق ہے جس کا فرد کامل معتبر ہوگا اور رقبہ کا فرد کامل وہ غلام ہے جو من کل وجہ مملوک اور مرقوق ہو جب کہ مدبر اور مکاتب ایک جہت سے مستحق حریت ہو جاتے ہیں، اس لیے ان میں رقیت ناقص رہتی ہے، لہٰذا من کل وجہ مرقوق نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اعتاق جائز نہیں ہے۔

و کذا المکاتب الخ: فرماتے ہیں کہ وہ مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ حصہ اداء کر دیا ہو اس کو بھی کفارے میں آزاد کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ بدل دینے کی وجہ سے اس کا اعتاق عوض اور بدل کے ساتھ ہوگا جب کہ کفارہ خالص اللہ کا حق ہے اور عبادت ہے جو عوض کے ساتھ درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حسن بن زیادؒ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ مکاتب کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ مکاتب جب تک مکمل بدل کتابت ادا نہیں کرتا اس وقت تک اس میں من کل وجہ رقیت موجود رہتی ہے اور حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **المکاتب عبد مابقي علیه درهم** یعنی جب تک مکاتب پر بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی رہے گا اس وقت تک وہ غلام ہی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کچھ عوض اداء کرنے کے بعد بھی مکاتب کتابت کو فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ اس میں رقیت رہتی ہے اور جب مکاتب میں رقیت موجود رہتی ہے تو پھر اس کا اعتاق بھی درست اور جائز ہوگا۔

اس کے برخلاف ام ولد اور مدبر کا معاملہ ہے تو چوں کہ دونوں فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اور ان میں رقیت بھی ناقص رہتی ہے، اس لیے ان کا اعتاق درست نہیں ہے۔

فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رحمۃ اللہ علیہ، لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ فَأَشْبَهَ الْمُدَبَّرَ، وَ لَنَا أَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ[1] الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ، وَالْكِتَابَةُ لَا يُنَافِيْهِ فَإِنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ إِلَّا أَنَّهُ بِعِوَضٍ فَيَلْزَمُ مِنْ جَانِبِهِ، وَ لَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ بِمُقْتَضَى الْإِعْتَاقِ إِذْهُوَ يَحْتَمِلُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُسَلَّمُ لَهُ الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي الْمَحَلِّ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ، أَوْ لِأَنَّ الْفَسْخَ ضَرُوْرِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے کچھ بھی اداء نہیں کیا ہو تو جائز ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کتابت کی وجہ سے وہ غلام حریت کا مستحق ہو چکا ہے لہٰذا یہ مدبر کے مشابہ ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیت من کل وجہ قائم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس پر ایک درہم باقی ہے اور کتابت حریت کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ یہ ممانعت کو دور کرنا ہے اور اذن فی التجارۃ کے درجے میں ہے مگر چوں کہ کتابت عوض کے بدلے میں ہے لہٰذا مولیٰ کی طرف سے لازم ہوگی۔ اور اگر عقد کتابت اعتاق سے مانع ہوتا تو مقتضیٰ اعتاق سے فسخ ہو جاتا اس لیے کہ وہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے، لیکن غلام کی کمائی اور اس کی اولاد کو اسی کے سپرد کیا جائے گا کیوں کہ محل میں آزادی کتابت

کی وجہ سے ہے اس لیے کہ فسخ ضرورتاً ثابت ہے جو ولد اور کسب کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿فك﴾ توڑنا، ہٹانا، کھولنا۔ ﴿حجر﴾ پابندی۔ ﴿یسلّم﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿اکتساب﴾ واحد کسب۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العتق باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابتہ، حدیث رقم: ۳۹۲۶.

مکاتب کو کفارے میں آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارۂ ظہار میں ہمارے یہاں ایسے مکاتب کو آزاد کرنا جائز ہے جس نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہ کیا ہو، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس طرح کے مکاتب کا اعتاق جائز نہیں ہے، ان کی دلیل مدبر پر قیاس ہے یعنی جس طرح تدبیر کی وجہ سے مدبر آزادی کا مستحق ہو چکا ہے اور اس کی رقیت میں نقص آ گیا ہے اسی لیے اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب بھی مستحق آزادی ہو چکا ہے اور اس کی رقیت میں بھی کمی آ گئی ہے، لہٰذا مدبر کی طرح اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب مکاتب نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا ہے تو وہ من کل وجہ رقیق اور مملوک ہے اسی لیے اس کا یہ عقد فسخ کا بھی احتمال رکھتا ہے اور پھر حدیث پاک **المکاتب عبدمابقي علیه درهم** کے ذریعے بھی مکاتب کے رقیق ہونے پر ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، اس لیے وہ شرعاً رقیق ہے اور رقیق کا اعتاق درست اور جائز ہے، رہا مسئلہ اس کے عقد کتابت کرنے کا تو یہ عقد مانع اعتاق نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی چیز اپنی ضد سے باطل ہوتی ہے اور کتابت مکاتبت کی ضد نہیں ہے بلکہ وہ تو ممانعت اور رکاوٹ کے ازالے کے لیے ہے اور جس طرح اگر کوئی مولیٰ اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دے کر ماذون في التجارة کر دے تو اس اذن سے اس کی رقیت پر کوئی آنچ نہیں آتی اسی طرح صورت مسئلہ میں عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب کی رقیت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور وہ بدستور رقیق رہے گا اور جب رقیق رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا اعتاق بھی درست ہوگا۔

إلا أنه بعوض الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر عقد کتابت اذن في التجارة کی طرح ہے اور صرف ممانعت دور کرنے کا نام ہے تو جس طرح ماذون کی اذن کو ختم کرنے میں مولیٰ ہوتا ہے اسی طرح فسخ کتابت میں بھی اسے مستقل ہونا چاہیے حالاں کہ مکاتب کی رضامندی کے بغیر مولیٰ تنِ تنہا عقد کتابت کو فسخ نہیں کر سکتا، آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رکاوٹ دور کرنے کے حوالے سے تو عقد کتابت اور اذن فی التجارت میں واقعی کوئی فرق نہیں ہے مگر چوں کہ اذن فی التجارۃ بلاعوض ہے اور عقد کتابت بالعوض ہے اور مولیٰ کی طرف سے لازم ہے، اس لیے اس میں غلام کی رضامندی ضروری ہوگی اور اذن فی التجارۃ چوں کہ مفت میں ہے اور بلاعوض ہے اس لیے اس کو ختم کرنے میں مولیٰ خود مختار ہوگا اور عبد ماذون کی رضامندی ضروری نہیں ہوگی۔ اور اس فرق کے ہوتے ہوئے اذن فی التجارت اور عقد کتابت کو ہر اعتبار سے ایک سمجھنا غلط ہوگا۔

ولو کان مانعا یہاں سے سابقہ سوال کا تسلیمی جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم عقد کتابت کو اعتاق سے مانع قرار دیدیں تو بھی اس سے صورت مسئلہ میں مکاتب کے اعتاق پر کوئی حرف نہیں آئے گا، کیوں کہ جیسے ہی مظاہر کسی مکاتب کو آزاد کرے گا تو مقتضائے اعتاق کی وجہ سے آزادی سے پہلے عقد کتابت فسخ ہوجائے گا کیوں کہ وہ فسخ ہونے کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا جب اعتاق سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہوجائے گا تو یہ رقیق کامل کا اعتاق ہوگا نہ کہ مکاتب کا اور رقیق کامل کا اعتاق جائز ہے۔

إلا أنه یسلم الخ: یہاں سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ بہ قول آپ کے مکاتب کو کفارے میں اداء کرنا جائز ہے اور مقتضائے اعتاق کی وجہ سے اعتاق سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہوجاتا ہے تو اس صورت میں اس کی اولاد اور اس مکاتب کی کمائی سب مولیٰ کے لیے ہونی چاہیے کیوں کہ عقد کتابت کے فسخ ہونے کی وجہ سے وہ رقیق ہوگیا اور رقیق کا سب کچھ مولیٰ کے لیے ہوتا ہے، حالاں کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ مکاتب کی کمائی اور اولاد اس کی اپنی ہوگی، آخر ایسا کیوں ہے؟ صاحب کتاب نے اس سوال کے بھی دو جواب دیئے ہیں (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ اس کو جو آزادی ملی ہے وہ کتابت کی وجہ سے ملی ہے اس لیے اس کی رقیت اتنی کامل نہیں ہے کہ اس کی ساری کمائی مولیٰ کو دی جائے۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں عقد کتابت کا فسخ ہونا صحتِ اعتاق کی ضرورت کے لیے ضرورتاً ثابت ہے اور **الضرورة تتقدر بقدرها** والے ضابطے کے تحت فسخ کتابت کا اثر صرف جواز اعتاق میں ہوگا نہ کہ دیگر چیزوں میں، لہٰذا اس کی کمائی اور اس کی اولاد کے حق میں کتابت کا معاملہ باقی رہے گا اور جس طرح دیگر مکاتب کی کمائی اور اولاد اس کی اپنی ملک ہوتی ہے اور مولیٰ کا اس میں کچھ نہیں ہوتا اسی طرح مذکورہ مکاتب کی بھی کمائی اور اس کی اولاد اس کی اپنی ملک ہوگی اور مولیٰ کا اس میں کوئی داؤ نہیں لگے گا۔

وَ إِنِ اشْتَرٰی أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ یَنْوِیْ بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا یَجُوْزُ، وَ عَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ كَفَّارَةُ الْیَمِیْنِ، وَالْمَسْئَلَةُ تَأْتِیْكَ فِیْ كِتَابِ الْأَیْمَانِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید اس حال میں خریدنے سے وہ کفارہ دینے کی نیت کیے ہوئے ہے تو یہ کفارہ سے جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور اسی اختلاف پر کفارۂ یمین ہے۔ اور کتاب الایمان میں ان شاء اللہ یہ مسئلہ آپ کے سامنے آئے گا۔

اللغاتُ:

﴿ینوی﴾ نیت کرتا ہے۔

باپ بھائی کو کفارے کی نیت سے خریدنا:

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کفارۂ ظہار میں رقبہ آزاد کرنے کی نیت سے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خریدا اور اسے کفارۂ ظہار میں دے دیا تو ہمارے یہاں کفارہ ادا ہوجائے گا جب کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اداء نہیں ہوگا، ہمارا اور ان حضرات کا یہی اختلاف کفارۂ قسم میں بھی ہے جو پوری شرح وبسط کے ساتھ آئندہ آرہا ہے۔

فَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوْسِرٌ وَ ضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ يَجُوْزُ عِنْدَهُمَا، لِأَنَّهُ يَمْلِكُ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتِقًا كُلَّ الْعَبْدِ عَنِ الْكَفَّارَةِ وَهُوَ مِلْكُهُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسَرًا، لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ السِّعَايَةُ فِيْ نَصِيْبِ الشَّرِيْكِ فَيَكُوْنُ إِعْتَاقًا بِعِوَضٍ، وَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ يَنْتَقِصُ عَلٰى مِلْكِهِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَيْهِ بِالضَّمَانِ وَ مِثْلُهُ يَمْنَعُ الْكَفَّارَةَ.

ترجمہ: پھر اگر مظاہر نے مشترک غلام کے نصف حصے کو آزاد کیا اور وہ مالدار ہے اور باقی غلام کی قیمت کا وہ ضامن ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ اعتاق جائز نہیں ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں جائز ہے، کیوں کہ وہ شخص ضمان کی وجہ سے اپنے شریک کے حصے کا مالک ہوگیا ہے، لہٰذا وہ پورے غلام کو کفارہ میں آزاد کرنے والا ہوگیا اور وہ اس غلام کا مالک بھی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب آزاد کرنے والا تنگ دست ہو، اس لیے کہ غلام پر دوسرے شریک کے حصے میں کمانا واجب ہے لہٰذا یہ اعتاق بالعوض ہوگیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس مظاہر کے شریک کا حصہ اس کی ملکیت پر ناقص ہوگیا پھر ضمان کے ذریعے منتقل ہوکر آزاد کرنے والے کی طرف آیا اور ایسا ہونا کفارۂ ظہار سے مانع ہے۔

اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار، گنجائش والا۔ ﴿معسر﴾ تنگدست۔ ﴿سعاية﴾ کوشش کرنا۔

مشترک غلام کے ایک حصے کو آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر نے کفارۂ ظہار میں ایسا غلام آزاد کیا جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک تھا اور اس نے اپنے حصے کا نصف غلام آزاد کرکے اپنے ساتھی کے حصے میں آنے والے غلام کی قیمت کا ضمان لے لیا، اب اس اعتاق کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو معتق کی حالت اور اس کی پوزیشن دیکھی جائے گی چنانچہ اگر معتق غریب اور تنگدست ہو تو بالاتفاق ایسا کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، لیکن اگر معتق مالدار ہو تو حضرت امام صاحب اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے، حضرات صاحبینؒ کے یہاں صورت مسئلہ میں اعتاق جائز ہے جب کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ناجائز حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مظاہر نے اپنے حصے کے نصف غلام کو آزاد کرکے اپنے شریک کے حصے کی بقدر قیمت کا ضمان لے لیا تو گویا وہ اس کا بھی مالک ہوگیا اور اس طرح پورا غلام آزاد کرنے والا ہوگیا اور پورا غلام آزاد کرنے سے اعتاق بھی جائز ہوجاتا ہے اور کفارۂ بھی متحقق ہوجاتا ہے اس لیے صورت مسئلہ میں اعتاق متحقق ہوجائے گا۔

ہاں اگر معتق اور مظاہر تنگدست ہو تو اس صورت میں ایسا کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اب غلام پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے دوسرے مولیٰ کے حصے کی رقم کما کر اداء کرے، اس لیے کہ اس کا معتق تنگ دست ہے اور اس صورت میں یہ اعتاق بالعوض ہوگا اور اعتاق بالعوض شریعت میں معتبر نہیں ہے لہٰذا معتق کے معسر ہونے کی صورت میں اعتاق بھی جائز نہیں ہے۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب معتق نے اپنے حصے کے نصف کو آزاد کردیا تو اس

کے شریک کا حصہ نصف سے کچھ کم ہوگیا، کیوں کہ غلام کی رقیت پورے مجموعے میں تھی نہ کہ نصف میں، لہٰذا اب شریک کے نصف میں ملکیت کو برقرار رکھنا دشوار ہوگیا اور اسی کا نام نقص ہے، اب اگر چہ معتق دوسرے شریک کو اس کے حصے کی رقم دے کر اس غلام کو خرید لیتا ہے مگر چوں کہ اس میں پہلے ہی نقصان در آیا ہے، اس لیے وہ نقصان اب بھی برقرار رہے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ مظاہر نے کامل غلام نہیں آزاد کیا ہے، بلکہ اس سے کچھ ناقص آزاد کیا ہے جب کہ جواز اعتاق اور ادائے کفارہ کے لیے کامل واکمل اور مکمل رقبہ کا آزاد کرنا ضروری ہے، اسی لیے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں اعتاق متحقق نہیں ہوگا۔

وَ إِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَةً عَنْهَا جَازَ، لِأَنَّهُ أَعْتَقَهُ بِكَلَامَيْنِ وَالنُّقْصَانُ مُتَمَكِّنٌ عَلَى مِلْكِهِ بِسَبَبِ الْإِعْتَاقِ بِجِهَةِ الْكَفَّارَةِ، وَ مِثْلُهُ غَيْرُ مَانِعٍ كَمَنْ أَضْجَعَ شَاةً لِلْأُضْحِيَةِ فَأَصَابَ السِّكِّيْنُ عَيْنَهَا، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ النُّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيْكِ، وَ هٰذَا عَلَى أَصْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ أَمَّا عِنْدَهُمَا الْإِعْتَاقُ لَا يَتَجَزَّى، فَإِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَا يَكُوْنُ إِعْتَاقًا بِكَلَامَيْنِ.

ترجمه: اور اگر مظاہر نے اپنے کفارے میں اپنا نصف غلام آزاد کیا پھر باقی کو بھی کفارے میں آزاد کر دیا تو جائز ہے، اس لیے کہ اس نے غلام دو مرتبہ کلام کر کے آزاد کیا ہے اور وہ نقصان جو اس کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے وہ کفارہ کی وجہ سے اعتاق کے سبب ہے اور اس جیسا نقصان مانع جواز نہیں ہے۔ جیسے کسی شخص نے قربانی کرنے کے لیے بکری لٹائی اور چھری اس کی آنکھ کو لگ گئی۔ برخلاف اس صورت کے جو اس سے پہلے گذر چکی۔ کیوں کہ اس میں شریک کی ملکیت میں نقصان پیدا ہوا ہے۔ اور یہ تفصیل حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل پر ہے، لیکن صاحبینؒ کے یہاں چوں کہ اعتاق متجزی نہیں ہوتا، اس لیے نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہوگا اور دو مرتبہ کلام کر کے آزاد کرنا نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿أعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿أضجع﴾ لٹایا۔ ﴿سکّین﴾ چھری۔ ﴿عین﴾ آنکھ۔ ﴿لا یتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔

اپنے ہی غلام کو آدھا آدھا کر کے آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ نصف نصف کر کے دو مرتبہ میں اسے بطور کفارہ آزاد کرے تو یہ آزاد کرنا درست اور جائز ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی جائز ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں بھی جائز ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دو کلام سے غلام آزاد ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں پہلی دفعہ میں آزاد ہو جائے گا۔ رہا مسئلہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسری مرتبہ میں نقصان آنے کا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ یہ نقصان اسی مظاہر اور ایک ہی مالک کی ملکیت میں واقع ہوا ہے اور اعتاق اور کفارہ ہی کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے یہ مانع جواز نہیں ہوگا، اس کے برخلاف اس سے پہلے والے مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو عدم جواز کے قائل ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ وہاں نقصان دوسرے شریک کی ملکیت میں تھا، اس لیے مانع تھا۔

کمن أضجع الخ: صاحب کتاب نے صورت مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قربانی کرنے کے لیے بکری لٹائی اور اتفاق سے چھری بجائے گردن پر چلنے کے اسکی آنکھ میں لگ گئی تو اگرچہ یہ عیب ہے مگر یہ عیب مانع اضحیہ نہیں ہے کیوں کہ یہ عیب اضحیہ اور قربانی ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں اگرچہ دومرتبہ کلام کر کے آزاد کرنے میں عیب ہے مگر چوں کہ یہ عیب خود اعتاق اور کفارے کے سبب پیدا ہوا ہے اس لیے مانع جواز نہیں ہوگا۔

وهذا علی أصل الخ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ پوری تقریر وتفصیل حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان اور ان کے مسلک کے مطابق ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں معاملہ بالکل واضح ہے اور کوئی جھنجھٹ نہیں ہے، کیوں کہ ان کے یہاں اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا، اس لیے جب مظاہر نے پہلی مرتبہ نصف غلام آزاد کیا تو اسی وقت پورا غلام آزاد ہوگیا اور ایک ہی کلام سے معاملہ کلیئر ہوگیا۔

وَ إِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهٗ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزّٰى عِنْدَهٗ، وَ شَرْطُ الْإِعْتَاقِ أَنْ يَكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ بِالنَّصِّ، وَ إِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَهٗ، وَ عِنْدَهُمَا إِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَحَصَلَ الْكُلُّ قَبْلَ الْمَسِيْسِ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے کفارۂ ظہار میں اپنا نصف غلام آزاد کرنے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرلیا پھر باقی غلام آزاد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان کے یہاں اعتاق میں تجزی ہوتا ہے اور از روئے نص اعتاق کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے ہو جب کہ نصف غلام کا اعتاق جماع کے بعد ہوا ہے اور حضرات شیخینؒ کے یہاں نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے لہٰذا پورا اعتاق جماع سے پہلے حاصل ہوا ہے۔

اللغات:

﴿یتجزّی﴾ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔

مذکورہ بالا مسئلہ کا ثمرہ اختلاف:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کفارۂ ظہار میں اپنا نصف غلام آزاد کرنے کے بعد اپنی اس بیوی سے جماع کرلیا جس سے اس نے ظہار کیا تھا، اس کے بعد باقی غلام کو آزاد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ اعتاق جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے یہاں عتق میں تجزی ہوسکتی ہے اس لیے شروع میں اور پہلی دفعہ میں صرف نصف غلام آزاد ہوا ہے اور اس کے بعد اس نے جماع کرلیا ہے، حالاں کہ کفارۂ ظہار کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے ادا کیا جائے اور صورت مسئلہ میں جماع سے پہلے صرف نصف کفارہ ادا کیا گیا ہے، اس لیے اعتاق جائز نہیں ہوگا اور کفارہ بھی ادا نہیں ہوگا، لیکن حضرات صاحبینؒ کے یہاں اعتاق بھی متحقق ہوگا اور کفارہ بھی ادا ہوجائے گا، کیوں کہ ان کے یہاں نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے، لہٰذا گویا کہ پورا اعتاق جماع سے پہلے واقع ہوا ہے اس لیے درست اور جائز ہے۔

وَ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يَعْتِقُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَ لَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَ لَا يَوْمُ النَّحْرِ وَ لَا أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ، أَمَّا التَّتَابُعُ فَلِأَنَّهُ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهِ، وَ شَهْرُ رَمَضَانَ لَا يَقَعُ عَنِ الظِّهَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ مَا أَوْجَبَهُ اللّٰهُ، وَالصَّوْمُ فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَنُوْبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْكَامِلِ.

ترجمه: اور اگر مظاہر اس چیز کو نہ پائے جسے آزاد کرے تو اس کا کفارہ مسلسل دو ماہ تک روزے رکھنا ہے جس میں ماہ رمضان نہ ہو، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ نہ ہو اور نہ ہی ایام تشریق ہوں۔ رہا مسلسل روزے رکھنا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ منصوص علیہ ہے اور ماہ رمضان ظہار سے نہیں واقع ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اس چیز کو باطل کرنا ہے جسے اللہ نے واجب کیا ہے، اور ان ایام میں روزہ کو منع کیا گیا ہے، لہٰذا (ان ایام کا روزہ) واجب کامل کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿متتابعین﴾ پے در پے بلافصل۔ ﴿یوم النحر﴾ عیدالاضحیٰ کا دن۔ ﴿منھی﴾ ممنوع۔ ﴿لا ینوب﴾ نائب نہیں بنے گا۔

کفارے میں روزے رکھنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر کو کفارے میں دینے کے لیے رقبہ نہ مل سکے، یا رقبہ موجود ہو لیکن وہ شخص اس کو لینے اور خریدنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ لگاتار دو ماہ تک روزہ رکھے اور ان دو ماہ کے بیچ میں نہ تو ماہ رمضان ہو اور نہ ہی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق کے دن ہوں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تتابع اور پے در پے کی شرط اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم نے **فصیام شهرین متتابعین** کے اعلان سے تتابع کو لازم اور ضروری قرار دے دیا ہے اس لیے اس میں تتابع شرط ہے۔ اور ماہ رمضان کا درمیان میں نہ ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر صیام رمضان کو کفارۂ ظہار سے واقع مان لیں تو اس چیز کو باطل کرنا لازم آئے گا جسے اللہ نے واجب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بندے کو اس چیز کے ابطال کا حق نہیں ہے جسے اللہ نے واجب کیا ہے، اس لیے ماہ رمضان کے روزے کفارۂ ظہار سے واقع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح صوم ظہار کے درمیان ایام منہی عنہ یعنی ایام تشریق وعیدین کا نہ ہونا بھی ضروری ہے، کیوں کہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے **لاتصوموا في هذه الأيام فإنها أيام أكل وشرب وبعال** یعنی ان ایام میں روزے نہ رکھو، اس لیے کہ یہ کھانے پینے اور جماع کرنے کے دن ہیں۔

فَإِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا مِنْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا، أَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَ مُحَمَّدٍ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا يَسْتَأْنِفُ، لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ التَّتَابُعَ، إِذْ لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ وَهُوَ الشَّرْطُ، وَ إِنْ كَانَ تَقْدِيْمُهُ عَلَى الْمَسِيْسِ شَرْطُهَا فَفِيْمَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ تَقْدِيْمُ الْبَعْضِ وَ فِيْمَا قُلْتُمْ تَاخِيْرُ الْكُلِّ عَنْهُ، وَلَهُمَا أَنَّ الشَّرْطَ فِي الصَّوْمِ أَنْ يَكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَ أَنْ يَكُوْنَ خَالِيًا عَنْهُ ضَرُوْرَةً بِالنَّصِّ، وَ هٰذَا

الشَّرْطُ يَنْعَدِمُ بِهٖ فَيَسْتَأْنِفُ، وَ إِنْ أَفْطَرَ مِنْهَا يَوْمًا بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتَأْنَفَ لِفَوَاتِ التَّتَابُعِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِ عَادَةً.

ترجمه: پھر اگر مظاہر نے ان دو ماہ کے دوران اس عورت سے وطی کر لی جس سے ظہار کیا تھا، خواہ رات کو عمداً وطی کی یا دن کو بھول سے وطی کی تو حضرات طرفینؒ کے یہاں از سرنو روزہ رکھے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نئے سرے سے روزہ نہ رکھے، اس لیے کہ وطی تتابع سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہی شرط ہے اور اگر چہ صوم کو وطی پر مقدم کرنا شرط ہے لیکن جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کچھ روزوں کی تقدیم ہے لیکن جو صورت تم نے اختیار کی ہے اس میں تمام روزے وطی سے مؤخر ہیں۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ روزے کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے ہو نیز وطی سے خالی ہو ضرورت نص کی وجہ سے اور وطی کرنے سے یہ شرط معدوم ہو جاتی ہے اس لیے مظاہر از سرنو روزہ رکھے گا۔ اور اگر اس نے ان دو ماہ میں ایک دن بھی افطار کر لیا خواہ عذر سے ہو یا بغیر عذر کے تو از سرنو روزہ رکھے، اس لیے کہ تتابع فوت ہے اور وہ شخص اس پر عادۃً قادر ہے۔

اللغات:

﴿عامدًا﴾ جان بوجھ کر۔ ﴿استأنف﴾ نئے سرے سے شروع کرے۔ ﴿تتابع﴾ بلافصل ہونا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿تقدیم﴾ مقدم کرنا۔

کفارے کے روزوں کے دوران جماع کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفارۂ صوم کے درمیان اپنی ظہار کردہ بیوی سے وطی کر لی خواہ اس نے رات کو جان بوجھ کر وطی کی یا دن میں بھول کر وطی کی، بہر صورت حضرات طرفینؒ کے یہاں وہ شخص از سرنو روزہ رکھے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں از سرنو روزے نہیں رکھے بلکہ اس کے سابقہ روزے باقی رہیں گے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عمداً جماع کرنے سے اسی طرح دن میں ناسیا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور جب روزہ فاسد نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ تتابع بھی فاسد نہیں ہوگا اور جب تتابع نہیں فاسد ہوگا تو استیناف کی ضرورت نہیں رہے گی کیوں کہ جو چیز عدم استیناف کی شرط تھی وہ پائی گئی۔

و إن کان تقدیمه الخ: سے ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ **من قبل أن یتماسا** کی وجہ سے کفارۂ ظہار کے روزوں کو وطی پر مقدم کرنا شرط ہے اور درمیان میں جماع کرنے کی وجہ سے یہ شرط نہیں پائی گئی، اس لیے اس صورت میں کفارہ نہیں اداء ہونا چاہیے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی یہ معلوم ہے کہ روزوں کو وطی سے مقدم کرنا شرط ہے لیکن جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کچھ روزے تو وطی سے مقدم ہیں جب کہ طرفین کی اختیار کردہ صورت میں پورے کے پورے روزے وطی سے مؤخر ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تقدیم البعض اور تاخیر البعض تأخیر الکل سے آسان ہے، اس لیے کہ کفارہ کی عدم ادائیگی آپ کے مسلک کے مطابق ہونی چاہیے نہ کہ ہمارے۔

ولهما أن الشرط الخ: حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ روزوں کے ذریعے کفارہ اداء کرنے کے لیے از روئے نص دو چیزیں شرط ہیں (۱) روزے جماع سے پہلے پہلے رکھے جائیں (۲) اور یہ تمام روزے جماع سے خالی ہوں اور جماع کی وجہ سے شرط ثانی (یعنی روزوں کا جماع سے خالی ہونا) معدوم ہو جاتی ہے اور چوں کہ شرط اول اس کے لوازمات میں سے ہے اس لیے جب

شرط ثانی معدوم ہوگی تو شرط اول بھی معدوم ہوگی اور تتابع فوت ہو جائے گا اور جب تتابع فوت ہوگا تو ظاہر ہے کہ استیناف عود کر آئے گا۔

و إن أفطر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو ماہ کے دوران افطار کرلیا تو اور کوئی روزہ توڑ دیا تو اسے چاہیے کہ وہ پھر سے از سرِ نو روزے رکھے، کیوں کہ اس نے تتابع کو فوت کر دیا ہے حالاں کہ وہ شخص پے در پے روزے رکھنے پر قادر تھا، لہٰذا جب اس نے خود تتابع کو فوت کر دیا ہے تو پھر اس پر استیناف لازم ہوگا۔

وَ إِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يَجُزْ فِي الْكَفَّارَةِ إِلَّا الصَّوْمُ، لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ التَّكْفِيْرِ بِالْمَالِ، وَ إِنْ أَعْتَقَ الْمَوْلٰى أَوْ أَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يَجُزْهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْمِلْكِ فَلَا يَصِيْرُ مَالِكًا بِتَمْلِيْكِهِ.

ترجمه: اور اگر غلام نے (اپنی بیوی سے) ظہار کرلیا تو روزے کے علاوہ کفارہ میں کچھ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ غلام کی کوئی ملک نہیں ہے لہٰذا وہ مال سے کفارہ دینے والوں میں سے نہیں ہوگا۔ اور اگر مولیٰ نے آزاد کر دیا یا اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے لہٰذا مولیٰ کے مالک کرنے سے وہ مالک نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿لم يجز﴾ جائز نہیں ہے۔ ﴿تكفير﴾ کفارہ دینا۔ ﴿أعتق﴾ آزاد کر دیا۔ ﴿أطعم﴾ کھانا کھلا دیا۔

غلام کے لیے کفارۂ ظہار:

مسئلہ یہ ہے کہ کسی غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا تو اس کا کفارہ صرف اور صرف روزے سے اداء ہوگا اور روزے کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا کفارہ ادا نہیں ہوگا نہ تو عتق رقبہ سے اور نہ ہی اطعام سے، اس لیے کہ غلام کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا جب کہ عتق رقبہ وغیرہ کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے اور غلام تو تہی دست ہے اور پھر اس میں مالک بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غلام کی طرف سے اس کا مولیٰ رقبہ کو آزاد کر دے یا کھانا کھلا دے تو یہ بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ جب غلام میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو دوسرے کی تملیک سے وہ مالک نہیں ہوسکتا۔

وَ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ أَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (سورة المجادلة : ٤)، **وَ يُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ أَوْ قِيْمَتَهُ ذٰلِكَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**[1] **فِيْ حَدِيْثِ أَوْسِ ابْنِ الصَّامِتِ وَ سَهْلِ بْنِ صَخْرٍ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ، وَ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَ قَوْلُهُ أَوْ قِيْمَتَهُ ذٰلِكَ مَذْهَبُنَا، وَ قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الزَّكَاةِ.**

ترجمه: اور اگر مظاہر روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''جو شخص روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے'' اور مظاہر ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع تمر یا جو یا اس کی

قیمت دے اس لیے کہ اوس بن صامت اور سہل بن صخر کی حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہر مسکین کے لیے نصف صاع گندم ہے، اور اس لیے کہ ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت کو دور کرنا معتبر ہے، لہٰذا اسے صدقۃ الفطر پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ماتن کا قول أو قیمته ذلك ہمارا مذہب ہے۔ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿أطعم﴾ کھانا کھلائے۔ ﴿ستین﴾ ساٹھ۔ ﴿نصف صاع﴾ پونے دوکلو۔ ﴿برّ﴾ گندم۔ ﴿تمر﴾ کھجور۔ ﴿شعیر﴾ جَو۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ابی شیبه فی مصنفه باب فی کفارة الیمین من قال نصف صاع، حدیث: ۱۲۲۰۴.

کفارے میں کھانا کھلانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مظاہر کے حق میں کفارۂ ظہار کا سب سے اعلیٰ اور افضل درجہ یہ ہے کہ وہ رقبہ آزاد کرے، لیکن اگر مظاہر عتق رقبہ پر قادر نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ روزہ رکھے، یہ دوسرا درجہ ہے۔ اور اگر روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو اب تیسرا اور آخری درجہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ مساکین کو غلہ دے یا کھانا کھلائے اور اس حکم کی دلیل قرآن کریم کا یہ اعلان ہے **فمن لم یستطع فإطعام ستین مسکینا**۔ پھر واضح رہے کہ کفارۂ ظہار اگر طعام کے ذریعے اداء کیا جائے گا تو اس میں یہ بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ مقدار بھی مکمل ہو اور تعداد بھی پوری ہو چنانچہ ساٹھ مسکینوں کو طعام دیا جائے، اور ہر ہر مسکین کو نصف صاع گندم کے برابر غلہ دے نہ تو اس مقدار سے کم دے اور نہ ہی زیادہ دے، اس مسئلے کی دلیل وہ احادیث ہیں جو حضرت اوس بن صامت اور حضرت سہل بن صخر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں مظاہر کا کفارۂ ظہار ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا غلہ دینا ہے اور یہ مقدار گندم سے نصف صاع ہے (جب کہ تمر یا جو سے ایک صاع ہے) اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفارہ بالطعام کا مقصد ہر ہر مسکین کے ایک دن کی حاجت کو دور کرنا ہے لہٰذا کفارۂ ظہار کو مقدار کے متعلق صدقۃ الفطر پر قیاس کیا جائے گا اور چوں کہ صدقۃ الفطر کی مقدار نصف صاع گندم یا ایک صاع تمر یا جو ہے، لہٰذا ایک مسکین کے حق میں کفارۂ ظہار کی بھی یہی مقدار ہوگی۔

وقوله الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے متن میں جو أو قیمته ذلك کی عبارت پیش کی ہے وہ ہمارا یعنی احناف کا مسلک ومذہب ہے کہ ہمارے یہاں صدقۃ الفطر وغیرہ میں گندم اور تمر وغیرہ کی قیمت دی جاسکتی ہے لیکن شوافع کے یہاں عین غلہ کی ادائیگی ضروری ہے اور قیمت دینے سے واجب فی الذمہ ساقط نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کو ہم کتاب الزکاۃ میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں **فلا نعیدھھنا**۔

فَإِنْ أَعْطَي مَنًّا مِنْ بُرٍّ وَ مَنَوَيْنِ مِنْ تَمَرٍ أَوْ شَعِيْرٍ جَازَ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ، إِذِ الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ.

ترجمہ: پھر اگر مظاہر نے ایک من گیہوں دیا اور دو من کھجور یا جو دیا تو جائز ہے کیوں کہ مقصود حاصل ہوگیا ہے، اس لیے کہ جنس متحد ہے۔

اللغات:

﴿من﴾ صاع کا چوتھائی۔ ﴿برّ﴾ گندم۔

کفارہ میں ملی جلی اجناس سے کھانا کھلانا:

حل عبارت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ایک صاع میں کل چار من ہوتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے ایک من ربع صاع کا ہوگا، اب اگر کسی مظاہر نے مساکین کو ایک من گندم دیا اور دو من کھجور یا جو دیا تو چوں کہ ان کا مجموعہ نصف صاع گندم کے برابر ہوگیا، اس لیے مقصود اطعام حاصل ہوگیا اور پھر گندم اور شعیر وغیرہ کی جنس بھی من حیث الاطعام ودفع الجوع متحد ہے، لہٰذا ایسا کرنا درست اور جائز ہے۔

وَ إِنْ أَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهٖ فَفَعَلَ أَجْزَأَهُ، لِأَنَّهُ اسْتِقْرَاضٌ مَعْنًى، وَالْفَقِيْرُ قَابِضٌ لَهُ أَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهٖ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهُ ثُمَّ تَمْلِيْكُهُ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے دوسرے کو حکم دیا کہ اس کے کفارۂ ظہار کے عوض دوسرا آدمی کھانا کھلا دے اور اس نے وہ کام انجام دے دیا تو اداء ہو جائے گا، کیوں کہ یہ شکل قرض لینے کے معنی میں ہے اور فقیر پہلے مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا پھر اپنے لیے، لہٰذا مظاہر کا مالک بنا پھر اس فقیر کو مالک بنانا متحقق ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿یطعم﴾ کھلا دے۔ ﴿أجزأہ﴾ اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ ﴿استقراض﴾ قرض لینا۔ ﴿تملك﴾ مالک بنا۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔

کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کھانا کھلانے کا حکم دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے کسی دوسرے شخص کو حکم دیا کہ وہ اس کے کفارۂ ظہار کی طرف سے مساکین کو کھانا کھلا دے اور اس نے ایسا کر دیا تو جائز اور درست ہے، کیوں کہ یہ شکل معناً قرض لینے کی طرح ہے چنانچہ فقیر پہلے مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا پھر اپنے لیے قبضہ کرے گا، چنانچہ جب فقیر مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا تو اس کا مالک ہونا متحقق ہو جائے گا۔ اور جب اپنے لیے قبضہ کرے گا تو پھر مالک بنانا بھی متحقق ہو جائے گا۔

فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَ عَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا أَكَلُوْا أَوْ كَثِيْرًا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا يُجْزِيْهِ إِلَّا التَّمْلِيْكُ اِعْتِبَارًا بِالزَّكٰوةِ وَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَ هٰذَا لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ وَ لَا يَنُوْبُ مَنَابَهُ الْإِبَاحَةُ، وَ لَنَا أَنَّ الْمَنْصُوْصَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيْقَةٌ فِي التَّمْكِيْنِ مِنَ الطَّعْمِ، وَ فِي الْإِبَاحَةِ ذٰلِكَ كَمَا فِي التَّمْلِيْكِ، أَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكَاةِ الْإِيْتَاءُ وَ فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْأَدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِيْكِ حَقِيْقَةٌ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے مساکین کو صبح اور شام کا کھانا دیا تو جائز ہے خواہ ان لوگوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تملیک کے سوا کچھ جائز نہیں ہے، زکوۃ اور صدقۂ فطر پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ مالک بنانا

ضرورت کو زیادہ پورا کرنے والا ہے، لہٰذا مباح کرنا اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ منصوص علیہ اطعام ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں طعام پر قدرت دینا اور تملیک کی طرح مباح کرنے میں بھی یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، رہی زکوۃ تو اس میں واجب ایتاء ہے اور صدقۃ الفطر میں واجب اداء ہے اور یہ دونوں حقیقتاً مالک بنانے کے لیے ہیں۔

اللغات:

﴿غداهم﴾ ان کو صبح کا کھانا دیا۔ ﴿عشاهم﴾ ان کو رات کا کھانا دیا۔ ﴿لا یجزی﴾ نہیں کافی ہوگا۔ ﴿لا ینوب منابه﴾ اس کے قائم مقام نہ ہوگا۔ ﴿اباحت﴾ اجازت دینا۔ ﴿تمکین﴾ قدرت دینا۔

ساٹھ مسکینوں کو تملیک کے بغیر کھانا کھلانا:

صورت مسئلہ میں اگر کسی مظاہر نے ساٹھ مساکین کو ایک دن صبح وشام کو کھانا کھلا دیا تو جائز ہے خواہ ان لوگوں نے زیادہ کھایا ہو یا کم، اس لیے کہ اطعام کا مقصود مساکین کی ایک دن کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور یہ ضرورت صبح وشام کھانا کھلانے سے پوری ہو جاتی ہے، اس لیے یہ جائز ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کھانے کو زکوۃ اور صدقۂ فطر پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح زکوۃ اور صدقۂ فطر میں تملیک ضروری ہے اسی طرح طعام میں بھی تملیک ضروری ہے اور اطعام یعنی کھانا کھلانا تملیک کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ اطعام آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے **فاطعام ستین مسکینا** اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں طعام پر قدرت دینا اور جس طرح مالک بنانے میں یہ معنی موجود ہیں اسی طرح اطعام بھی جائز ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اطعام میں تملیک بدرجۂ اتم موجود ہے اور اطعام سے مساکین کی ضرورت زیادہ پوری ہوتی ہے، اس لیے کہ اس صورت میں نہ تو ان کو محنت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی تیل مصالحہ خرچ کرنے کی۔

أما الواجب الخ: یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کفارۂ ظہار والے اطعام کو زکوۃ اور صدقۃ الفطر پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ زکوۃ میں ایتاء فرض ہے اور صدقۂ فطر میں ادا کرنا فرض ہے اور ایتاء اور اداء دونوں کے دونوں تملیک کے لیے ہیں اور یہ معنی ان میں قدرت دینے سے متحقق نہیں ہوں گے۔ اس کے برخلاف کفارۂ ظہار میں ایتاء اور اداء ضروری نہیں ہے، اس لیے طعام پر قدرت دینے سے کفارہ اداء ہو جائے گا۔

وَ لَوْ كَانَ فِيْمَنْ عَشَّاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيْمٌ لَا يُجْزِيْهِ، لِأَنَّهٗ لَا يَسْتَوْفِي كَامِلًا، وَ لَا بُدَّ مِنَ الْإِدَامِ فِيْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ لِيُمْكِنَهُ الْاِسْتِيْفَاءُ إِلَى الشَّبْعِ، وَ فِيْ خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَا يُشْتَرَطُ الْإِدَامُ.

ترجمہ: اور اگر ان مساکین میں جنہیں اس نے شام کا کھانا کھلایا ہے کوئی شیر خوار بچہ ہو تو کفارۂ ادا نہیں ہوگا کیوں کہ بچہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا ہے۔ اور جو کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ پیٹ بھر کر روٹی کھانا ممکن ہو اور گندم کی روٹی میں سالن کا ہونا شرط نہیں ہے۔

اللغات:

﴿صبیّ﴾ بچہ۔ ﴿لا یستوفی﴾ پورا وصول نہیں کیا۔ ﴿إدام﴾ سالن۔ ﴿خبز﴾ روٹی۔ ﴿شعیر﴾ جو۔ ﴿استیفاء﴾

وصول کرنا۔ ﴿شبع﴾ پیٹ بھرنا۔ ﴿حنطة﴾ گندم۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک اور صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر صبح وشام کھانے والے مساکین میں کوئی شیر خوار بچہ ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ شیر خوار بچہ کھانا بھی کھاتا ہے اور دودھ بھی پیتا ہے لہٰذا صرف طعام سے وہ کما حقہ کھانا کھانے والا نہیں شمار ہوگا۔ اس لیے کفارہ بھی ادا نہیں ہوگا۔

و لابد الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن سبزی کا ہونا ضروری ہے تا کہ اچھی طرح سیر ہو کر کھانا کھالیا جائے، لیکن اگر گندم کی روٹی ہو تو بغیر سالن کے بھی کام چل جائے گا، اس لیے کہ گیہوں کی روٹی سالن کے بغیر بھی کھائی جاسکتی ہے۔

وَ إِنْ أَعْطٰى مِسْكِينًا وَاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا أَجْزَأَهُ وَ إِنْ أَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهُ إِلَّا عَنْ يَوْمِهٖ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ، وَالْحَاجَةُ تَتَجَدَّدُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ، فَالدَّفْعُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ كَالدَّفْعِ إِلٰى غَيْرِهٖ ، وَ هٰذَا فِي الْإِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ وَ أَمَّا التَّمْلِيْكُ مِنْ مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفْعَاتٍ فَقَدْ قِيْلَ لَايُجْزِيْهِ، وَ قِيْلَ يُجْزِيْهِ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى التَّمْلِيْكِ تَتَجَدَّدُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّ التَّفْرِيْقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ .

ترجمه: اور اگر مظاہر نے ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کافی ہے اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی دن دے دیا تو جائز نہیں ہے سوائے ایک دن کے، کیوں کہ مقصود تو محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت ہر دن نئی پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اسی مسکین کو دوسرے دن دینا ایسا ہے جیسے دوسرے مسکین کو دینا۔ اور یہ حکم اباحت میں بلا اختلاف جائز ہے، رہا ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ دینا تو ایک قول یہ ہے جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے، کیوں کہ تملیک کی ضرورت ہر دن نئی ہوتی رہتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب ایک ہی مسکین کو ایک مرتبہ دے دیا، کیوں کہ متفرق کر کے دینا از روئے نص واجب ہے۔

اللغات:

﴿یومه﴾ اسی دن۔ ﴿سدخلة﴾ ضرورت پوری کرنا۔ ﴿تتجدّد﴾ نئی ہو جاتی ہے۔ ﴿إباحة﴾ اجازت دینا۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿دفعات﴾ واحد دفعة؛ ایک مرتبہ دینا۔ ﴿تفریق﴾ متفرق کرنا، علیحدہ علیحدہ کرنا۔

ایک ہی مسکین کو کھانا کھلا دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے ایک ہی مسکین کو ساٹھ یوم تک کھانا دیا تو یہ جائز ہے اور ایسا کرنے سے کفارہ اداء ہو جائے گا، لیکن اگر صرف ایک ہی دن دیدیا تو صرف اسی دن کا کفارہ اداء ہوگا اور اس کے علاوہ میں سے ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ مسکین کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ محتاج کی ضرورت پوری ہو اور چوں کہ ضرورتِ انسانی ہر دن بدلتی رہتی ہے، اسی لیے اگر ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دیا تو کافی ہے، لیکن اگر ایک ہی دن دیا تو کافی نہیں ہوگا لیکن اگر علاحدہ علاحدہ ساٹھ دنوں تک دیا تو کافی ہوگا کیوں کہ ایک کو دینا دوسرے دن دوسرے مسکین کو دینے کی طرح ہے، تو گویا یہ ایسا ہے کہ اس نے ہر دن الگ الگ مسکین کو دیا ہے۔

وھذا في الإباحة الخ: فرماتے ہیں کہ ایک ہی مسکین کو دن میں دینے سے عدم کفارہ کا جواز بلا اختلاف ہے اور اس میں کسی

کا اختلاف نہیں ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ ایک فقیر کو ایک ہی دن میں ساٹھ مرتبہ اگر کفارے کی مقدار غلّے کا مالک بنایا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ تملیک کی ضرورت ہر دن نئی نویلی ہو سکتی ہے اور ایک انسان کو ایک دن میں متعدد مرتبہ حاجت پیش آسکتی ہے، اس لیے تملیک والی صورت درست ہے اس کے برخلاف طعام والی صورت درست نہیں ہے، کیوں کہ ایک آدمی کو ایک ہی دن میں مختلف مرتبہ کھانے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

اس کے برخلاف اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ایک ہی مرتبہ دے دیا تو کافی نہیں ہوگا، کیوں کہ **فإطعام ستین مسکینا** کے اعلان سے بنص قرآنی الگ الگ کر کے دینا واجب ہے، اس لیے ایک ہی مرتبہ دینے سے کافی نہیں ہوگا۔

وَ إِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنهَا فِيْ خِلَالِ الْإِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ، لِأَنَّهُ تَعَالٰى مَا شَرَطَ فِي الْإِطْعَامِ أَنْ يَكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ إِلَّا أَنَّهُ يَمْنَعُ مِنَ الْمَسِيْسِ قَبْلَهُ، لِأَنَّهُ رُبَّمَا يَقْدِرُ عَلَى الْإِعْتَاقِ وَالصَّوْمِ فَيَقَعَانِ بَعْدَ الْمَسِيْسِ، وَالْمَنْعُ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهٖ لَا يُعْدِمُ الْمَشْرُوْعِيَّةَ فِيْ نَفْسِهٖ.

ترجمه: اور اگر کھانا دینے کے درمیان اس عورت سے وطی کر لی جس سے ظہار کیا تھا تو از سر نو کھانا نہ کھلائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کھانا دینے میں اس کے جماع سے پہلے نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، لیکن کھانا دینے سے پہلے اس کو وطی کرنے سے روک دیا جائے گا، اس لیے کہ بسا اوقات مظاہر آزاد کرنے اور روزہ رکھنے پر قادر ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ دونوں وطی کے بعد واقع ہوں گے۔ اور وہ ممانعت جو معنیٰ غیر کی وجہ سے ہو وہ اس مشروعیت کو معدوم نہیں کرتی جو فی ذاتہ ہو۔

اللغات:

﴿قرب﴾ قریب ہو گیا، مراد جماع کر لیا۔ ﴿خلال﴾ درمیان۔ ﴿لم یستأنف﴾ نئے سرے سے شروع نہ کرے گا۔
﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿لا یعدم﴾ نہیں معدوم کرتا۔

دورانِ اطعام جماع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے طعام کے ذریعے کھانا دینا شروع کیا اور ساٹھ دن کے دوران اس نے اپنی ظہار کردہ بیوی سے وطی کر لی تو اس وطی سے اس کے کفارے میں کوئی خلل نہیں ہوگا اور اسے از سر نو کھانا کھلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے کفارہ بالطعام کو بیان کرتے ہوئے **من قبل أن یتماسا** کی قید نہیں لگائی ہے، اس لیے دورانِ اطعام وطی کرنے سے استیناف نہیں لازم ہوگا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تکمیلِ اطعام سے پہلے اس شخص کو وطی کرنے سے روکا جائے گا، کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ شخص اطعام کی تکمیل سے پہلے صوم یا اعتاق پر قادر ہو جائے اور اس کا کفارہ صوم یا اعتاق کی طرف منتقل ہو جائے اور وطی کر لینے کی وجہ سے یہ بعد الوطی واقع ہو حالاں کہ بنص قرآنی صوم اور اِعتاق کا قبل الوطی ہونا ضروری ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس شخص کو تکمیلِ طعام سے پہلے وطی کرنے سے باز رکھا جائے۔

والمنع لمعنی الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کھانا دینے سے پہلے یا اس کے دوران وطی کرنا ممنوع لغیرہ ہے اور کھانا دینا مشروع لذاتہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ممنوع لغیرہ مشروع لذاتہ کے منافی نہیں ہے، اس لیے دورانِ اطعام یا اطعام سے پہلے وطی کرنا مفسد اطعام نہیں ہے اور جب وطی مفسد اطعام نہیں ہے تو استیناف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وَ إِذَا أَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ صَاعًا مِنْ بُرٍّ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُجْزِيْهِ عَنْهُمَا وَ إِنْ أَطْعَمَ ذٰلِكَ عَنْ إِفْطَارٍ وَ ظِهَارٍ أَجْزَأَهُ عَنْهُمَا، لَهُ أَنَّ بِالْمُؤَدّٰى وَفَاءً بِهِمَا وَالْمَصْرُوْفُ إِلَيْهِ مَحَلٌّ لَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ السَّبَبُ أَوْ فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ، وَلَهُمَا أَنَّ النِّيَّةَ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ لَغْوٌ وَفِي الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ وَ إِذَا لَغَتِ النِّيَّةُ وَالْمُؤَدّٰى يَصْلَحُ كَفَّارَةً وَاحِدَةً، لِأَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ أَدْنَى الْمَقَادِيْرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانَ دُوْنَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهَا كَمَا إِذَا نَوٰى أَصْلَ الْكَفَّارَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ، لِأَنَّهُ فِي الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِيْ حُكْمِ مِسْكِيْنٍ اٰخَرَ.

ترجمه: اور اگر مظاہر نے اپنے دو ظہار کے کفارے میں ساٹھ مساکین کو غلہ دیا، فی مسکین ایک صاع گندم کے اعتبار سے تو حضرات شیخینؒ کے یہاں صرف ایک ہی ظہار سے کافی ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں ظہار سے کافی ہوگا اور اگر اس نے افطار اور ظہار کے کفارے سے کھانا دیا تو بالاتفاق دونوں کی طرف سے کافی ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جو طعام اداء کیا گیا ہے وہ دونوں ظہار کے لیے کافی ہے اور جن لوگوں کو طعام دیا گیا ہے وہ ان کا محل بھی ہیں لہٰذا یہ طعام دونوں ظہار سے اداء ہوجائے گا جیسا کہ اگر سبب مختلف ہوجائے یا متفرق کر کے دیا جائے، حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک جنس میں نیت لغو ہوتی ہے اور دو جنسوں میں معتبر ہوتی ہے اور جب نیت لغو ہوگئی اور اداء کیا ہوا طعام ایک کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے کہ نصف صاع سب سے کم مقدار ہے تو نصف صاع سے کم میں منع کیا جائے گا نہ کہ زیادہ میں۔ لہٰذا ایک ہی کفارہ سے واقع ہوگا جیسا کہ اس صورت میں جب مظاہر نے اصل کفارہ کی نیت کی ہو۔ برخلاف اس صورت کے جب اس نے الگ الگ کر کے دیا ہو، کیوں کہ دوبارہ دینے میں وہ دوسرے فقیر کے درجے میں ہے۔

اللغاتُ:

﴿لم یُجزِہِ﴾ اس کو کافی نہیں ہوگا۔ ﴿أطعم﴾ کھلا دیا۔ ﴿مؤدّیٰ﴾ جو ادا کیا گیا ہے۔ ﴿وفاء﴾ پوری ادائیگی۔ ﴿مصروف﴾ جن پر خرچ کیا گیا ہے۔

دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے طعام کے ذریعے کفارہ اداء کرنا شروع کیا، اور اس طرح کیا کہ ساٹھ مساکین کو ایک ایک صاع گندم دیدیا تو حضرات شیخینؒ کے یہاں صرف ایک کفارہ اداء ہوگا اور وہ شخص ایک ہی ظہار سے کفارے سے بری ہوگا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ طعام دونوں ظہار کے لیے کفارہ بن جائے گا اور وہ شخص بری

الذمہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر مظاہر پر کفارۂ ظہار بھی ہو اور کفارۂ افطار بھی ہو اور کفارۂ افطار بھی یعنی عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ بھی ہو اور اس نے اس طرح سے ساٹھ مساکین کو ایک صاع گندم کے اعتبار سے کھانا دیا ہو تو دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔ لیکن پہلی صورت میں حضرات شیخینؒ کے یہاں صرف ایک کفارہ اداء ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دونوں ظہار کے کفارے اداء ہو جائیں گے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک کفارہ میں ایک مسکین کا حصہ نصف صاع ہے، لیکن جب مظاہر نے ہر ہر مسکین کو ایک صاع گندم دیا تو ظاہر ہے کہ یہ مقدار دونوں کفاروں کے لیے کافی ہوگئی اور پھر جن لوگوں کو دیا گیا ہے وہ کفارے کا محل بھی ہیں لہٰذا دونوں ظہار کا کفارہ اداء ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں دو کفارہ اداء ہوتا ہے جب سبب مختلف ہو یعنی ایک ظہار کا ہو اور دوسرا افطار وغیرہ کا ہو، یا اس صورت میں جب اس نے نصف نصف صاع کر کے الگ سے دیا ہو یعنی ایک ساتھ نہ دیا ہو۔ تو جس طرح ان صورتوں میں دو کفارہ اداء ہوتا ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔

ولهما الخ: حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جنسِ واحد میں نیت لغو اور بیکار ہوتی ہے، کیوں کہ نیت تو اشیائے مختلفہ اور اجناس مختلفہ میں امتیاز کے لیے ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں جب دونوں کفارے ظہار کے تھے تو اس میں دونوں کی نیت کرنا لغو ہے اور جب نیت لغو ہوگئی ہے تو طعام کی اداء کردہ مقدار چوں کہ ایک کفارہ کی صلاحیت تو رکھتی ہے اس لیے کہ نصف صاع کفارے کی ادنیٰ مقدار ہے لہٰذا اس سے کم تو مانع کفارہ ہوگا لیکن اس سے زیادہ مانع نہیں ہوگا، اس لیے ایک صاع دینے سے وہ شخص صرف ایک ظہار سے بری ہوگا اور اس کا ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر اس نے متفرق کر کے دیا یعنی پہلے ایک مسکین کو نصف صاع دیا پھر اسی کو نصف صاع دیا تو اس صورت میں دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔ کیوں کہ متفرق کر کے دینا الگ الگ مسکین کو دینے کے درجے میں ہے اور الگ الگ دینے کی صورت میں اداء اور جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وَ مَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِيْ عَنْ إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهَا، وَ كَذَا إِذَا صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَ عِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ، لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ، فَلَا حَاجَةَ إِلَى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ.

ترجمہ: اور جس شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے دو رقبہ آزاد کر دیا حالاں کہ ان میں سے کسی ایک متعین کی نیت نہیں کی تو دونوں کی طرف سے جائز ہوگا۔ اور ایسے ہی کسی نے چار ماہ روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکین کو کھانا دیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ جنس متحد ہے اور متعین کرنے والی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر ایک ہی جنس کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے لاعلی التعیین دو رقبہ آزاد کر دیا یا لگاتار چار ماہ روزہ رکھ لیا یا ۱۲۰؍ مسکینوں کو کھانا دے دیا تو وہ دونوں کفاروں سے بری الذمہ ہو جائے گا، کیوں کہ جب دونوں کفارے ایک ہی جنس کے ہیں تو پھر ان میں نیت کی ضرورت ہی نہیں ہے اور ۲؍ رقبہ چار ماہ کے روزے یا ۱۲۰؍ مساکین کا طعام ان دونوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، اس لیے وہ شخص ہر طرح سے بری ہو جائے گا۔

وَ إِنْ أَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ، وَ إِنْ أَعْتَقَ عَنْ ظِهَارٍ وَ قَتْلٍ لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا يُجْزِيْهِ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّ الْكَفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمَقْصُوْدِ جِنْسٌ وَاحِدٌ، وَجْهُ قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ أَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظِهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ وَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَ مَا أَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوْجِ الْأَمْرِ مِنْ يَدِهِ، وَ لَنَا أَنَّ نِيَّةَ التَّعْيِيْنِ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرُ مُفِيْدٍ فَتَلْغُوْ، وَ فِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلَفِ مُفِيْدٌ، وَاخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ الْكَفَّارَةُ هٰهُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ، نَظِيْرُ الْأَوَّلِ إِذَا صَامَ يَوْمًا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيْهِ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ، وَ نَظِيْرُ الثَّانِي إِذَا كَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ فِيْهِ مِنَ التَّمْيِيْزِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور اگر مظاہر نے دو ظہار کے بدلے میں ایک رقبہ آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اسے یہ اختیار ہے کہ اس کو دونوں میں سے جس کے لیے چاہے متعین کر دے اور اگر اس نے ظہار اور قتل کے عوض ایک رقبہ آزاد کیا تو ان میں سے کسی طرف سے بھی جائز نہیں ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کسی بھی طرف سے کافی نہیں ہوگا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اسے دونوں میں سے ایک کے لیے کرنے کا اختیار ہے، اس لیے کہ تمام کفارے مقصود کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ہر ظہار کے عوض نصف غلام آزاد کیا ہے اور دونوں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد اسے کسی ایک کے لیے متعین کرنے کا حق نہیں ہے اس لیے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ متحد الجنس میں اس کی نیت تعیین مفید نہیں ہے لہٰذا وہ لغو ہو جائے گی اور مختلف الجنس میں (نیت تعیین) مفید ہوتی ہے اور جنس کا مختلف ہونا حکم میں ہے اور وہ یہاں کفارہ ہے اس لیے کہ سبب مختلف ہے۔ پہلے کی نظیر یہ ہے کہ جب کسی شخص نے رمضان کے دو روزوں کی قضاء کے بدلے ایک دن روزہ رکھا تو اسے ایک دن کی قضاء سے کافی ہوگا۔ اور دوسرے کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر قضاء اور نذر کے روزے ہوں تو اس میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿لا یجزی﴾ نہیں کافی ہوگا۔

دو مختلف کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں مختلف فیہ ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے ان دونوں کی طرف سے ایک رقبہ آزاد کیا تو اب اسے اختیار ہے ان دونوں میں سے جس کفارے اور جس ظہار کے لیے وہ چاہے اسے متعین کر دے (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس پر ظہار اور قتل کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے غیر متعین کر کے ایک رقبہ آزاد کیا ہو تو وہ کسی کی طرف سے بھی جائز نہیں ہوگا یہ حکم ہمارے یہاں ہے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں

مسئلوں میں کسی کی طرف سے بھی کفارہ اداء نہیں ہوگا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اسے کفارے کو لازم اور متعین کرنے کا اختیار ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تمام کفارے مقصد کے اعتبار سے ایک ہیں کیوں کہ سب کا مقصود پردہ پوشی اور گناہ زائل کرنا ہے اور جنس واحد میں نیت کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے جس طرح پہلے والے مسئلے میں اسے تعیین کا حق ہے اسی طرح دوسرے والے مسئلے میں بھی اسے تعیین کا حق ہوگا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے کسی کفارہ کی نیت نہیں کی اور تعیین جرم کے بغیر کفارہ اداء کر دیا تو گویا یہ دونوں جرم کا کفارہ ہوا اور نصف نصف ہر ایک کے حق میں آیا اور نصف غلام آزاد کرنا معتبر نہیں ہے اس لیے کسی بھی جرم کا کفارہ اداء نہیں ہوگا اور ایک مرتبہ دو جرم کی طرف سے اداء کرنے کی وجہ سے چوں کہ معاملہ اس شخص کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اس لیے اب بعد میں اسے تعیین کا اختیار نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر جرم متحد الجنس ہو تو نیت لغو ہوتی ہے اور اگر مختلف الجنس ہو تو مفید ہوتی ہے، اب ان دونوں مسئلوں میں سے پہلے مسئلے میں جرم متحد الجنس ہے یعنی دونوں کفارۂ ظہار ہیں اس لیے اس میں بدون تعیین کے آزاد کرنے کے بعد بھی تعیین کا اختیار ہوگا اور دوسرے مسئلے میں چوں کہ جرم مختلف الجنس ہے اور ایک کفارۂ ظہار ہے اور دوسرا کفارۂ قتل اس لیے اس میں نیت تعیین لغو ہوگی اور ایک رقبہ دونوں کی طرف سے آزاد ہوگا، مگر چوں کہ وہ نصف ہے اس لیے کسی بھی کفارے کی طرف سے جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ نصف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

واختلاف الجنس في الحكم الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار دونوں میں اعتاق رقبہ موجود ہے تو یہ متحد الجنس ہوا نہ کہ مختلف الجنس، لہٰذا جس طرح پہلے والے مسئلے میں کفارہ دینے والے کے لیے کسی ایک کی نیت کرنا درست ہے اسی طرح دوسرے والے مسئلے میں بھی نیت اور تعیین درست ہونی چاہیے حالاں کہ دوسرے مسئلے میں آپ تعیین کو ممنوع قرار دیتے ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟۔

یہاں اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنس کا مختلف ہونا حکماً ہے کیوں کہ اگر چہ دونوں کا کفارہ اعتاق ہے مگر وجوب اعتاق کا سبب الگ الگ ہے، چنانچہ ایک میں یہ سبب ظہار ہے اور دوسرے میں قتل ہے اور ظاہر ہے کہ قتل اور ظہار دونوں الگ الگ ہیں اس لیے صورت ثانیہ میں اختلاف جنس حکماً ہے اور شئی من حیث الحکم بھی موثر ہوتی ہے۔

نظير الأول الخ: فرماتے ہیں کہ ہم نے جو متحد الجنس اور مختلف الجنس کے حوالے سے دو مسئلے بیان کیے ہیں ان کی نظیر بھی آپ ملاحظہ کرلیں (۱) متحد الجنس والی صورت کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر رمضان کے دو روزوں کی قضاء واجب ہو اور وہ بغیر تعیین کے ایک قضاء روزہ رکھ لے تو اس ایک روزے کو دونوں میں سے جس دن کے لیے چاہے متعین کرسکتا ہے، کیوں کہ دونوں باقی روزے متحد الجنس ہیں (۲) مختلف الجنس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص کے ذمے رمضان کا ایک روزہ قضاء ہو اور نذر کا بھی ایک روزہ قضاء ہو، اب اگر وہ تعیین کے بغیر ایک قضاء روزہ رکھتا ہے تو کسی طرف سے بھی اداء نہیں ہوگا، کیوں کہ مختلف الجنس کی صورت میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں نیت معدوم ہے۔ **فقط واللّٰہ اعلم و علمہ اتم .**

بَابُ اللِّعَانِ

یہ باب احکام لعان کے بیان میں ہے

لعان کو ظہار کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لعان کی بہ نسبت ظہار اباحت کے زیادہ قریب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر غیر منکوحہ عورت کی طرف لعان کی نسبت کی جائے گی تو حد قذف واجب ہوگی اور حد کا واجب ہونا خالص معصیت ہے جس میں اباحت کا کوئی شائبہ نہیں رہتا جبکہ ظہار میں اباحت کا شائبہ رہتا ہے، اسی لیے لعان کو ظہار سے مؤخر کر دیا گیا ہے۔ (عنایہ و بنایہ)

لعان: باب مفاعلت کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں الطَّرْدُ وَ الابْعَادُ یعنی بھگانا اور رحمت سے دور کرنا اور

لعان کے شرعی معنی ہیں شهادات تجري بين الزوجين مقرونة باللعن و الغضب یعنی لعن اور غضب سے ملی ہوئی ان چار شہادتوں کا نام لعان ہے جو زوجین میں جاری ہوتی ہیں، لعان کا رکن وہ شہادت ہے جو قسم کے ساتھ مؤکد ہو۔

لعان کا سبب: مرد کا اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگانا ہے جو موجب قذف ہو۔

لعان کی شرط: نکاح کا قیام اور اس کی بقاء ہے۔

لعان کا حکم: لعان کے بعد وطی اور استمتاع من المرأة کی حرمت ہے۔ (ملاحظہ ہو بنایہ ۵/۳۶۳۔ بیروت)

قَالَ إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَاءِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أَوْ نَفَي نَسَبَ وَلَدِهَا وَ طَالَبَتْهُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ، وَالْأَصْلُ أَنَّ اللِّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْأَيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِيْ حَقِّهِ وَ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَاءِ فِيْ حَقِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ (سورة النور : ٦)، وَالْإِسْتِثْنَاءُ إِنَّمَا يَكُوْنُ مِنَ الْجِنْسِ وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ (سورة النور : ٦)، نَصَّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِيْنِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِيْ جَانِبِهِ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَ فِيْ جَانِبِهَا بِالْغَضَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَاءِ، إِذَا ثَبَتَ هٰذَا نَقُوْلُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُوْنَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ، لِأَنَّ الرُّكْنَ فِيْهِ الشَّهَادَةُ، وَ لَا بُدَّ أَنْ تَكُوْنَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا لِأَنَّهُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّهِ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِحْصَانِهَا وَ يَجِبُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ لِأَنَّهُ لَمَّا نَفَي وَلَدَهَا صَارَ

قَاذِفًا لَهَا ظَاهِرًا، وَ لَا يُعْتَبَرُ احْتِمَالُ أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهِ بِالْوَطْيِ مِنْ شُبْهَةٍ كَمَا إِذَا نَفَي اجْنَبِيٌّ نَسَبَهُ عَنْ أَبِيْهِ الْمَعْرُوْفِ وَ هٰذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيْحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهِ فَنَفْيُهُ عَنِ الْفِرَاشِ الصَّحِيْحِ قَذْفٌ حَتّٰى يَظْهَرَ الْمُلْحَقُ بِهِ وَ يُشْتَرَطُ طَلَبُهَا لِأَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوْقِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ دونوں شہادت کے اہل ہیں اور عورت ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے پر حد لگائی جاسکے۔ یا شوہر نے اس کے بچے کے نسب کی نفی کی اور بیوی نے اس سے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو اس پر لعان کرنا واجب ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں لعان وہ شہادتیں ہیں جو قسم کے ساتھ موکد ہوں، لعن کے ساتھ متصل ہوں اور شوہر کے حق میں حد قذف کی قائم مقام ہوں اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوں، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ولم یکن لهم شهداء الّا أنفسهم (یعنی لاعنین کے پاس ان کے نفوس کے علاوہ دوسرے گواہ نہ ہوں) اور استثناء صرف جنس کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے''تو ان میں سے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہیں جو اللہ کی قسم کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ نے شہادت اور یمین دونوں کی صراحت فرمائی ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ لعان کا رکن ایسی شہادت ہے جو یمین کے ساتھ مؤکد ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رکن کے ساتھ شوہر کی جانب میں لعن کو متصل کر دیا اگر وہ جھوٹا ہوگا اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اور عورت کی جانب میں اللہ (نے رکن کے ساتھ) غضب کو ملایا اور وہ حد زنا کے قائم مقام ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ زوجین کا شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ لعان میں شہادت رکن ہے اور عورت کا اس صفت پر ہونا ضروری ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاسکے اس لیے کہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، لہٰذا بیوی کا پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ اور بچہ کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوگا کیوں کہ جب شوہر نے بیوی کے بچے کی نفی کردی تو ظاہراً وہ اس پر تہمت لگانے والا ہوگیا۔ اور اس احتمال کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کہ وطی بالشبہہ کی وجہ سے وہ لڑکا شوہر کے علاوہ کا ہو۔ جیسے اگر کوئی اجنبی شخص اپنے معروف باپ سے اپنے نسب کی نفی کردے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نسب میں اصل فراش صحیح ہے۔ اور فراش فاسد صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ لہٰذا شوہر کا فراش صحیح کی نفی کرنا تہمت ہے یہاں تک کہ وہ ظاہر ہوجائے جو صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ اور بیوی کا مطالبہ کرنا شرط ہے اس لیے کہ وہ اس کا حق ہے لہٰذا اس کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے تمام اور حقوق میں یہی شرط ہے۔

اللغات:

﴿قذف﴾ الزام لگایا۔ ﴿یحدّ﴾ حد لگایا جاتا ہے۔ ﴿قاذف﴾ تہمت لگانے والا۔ ﴿موجب﴾ سبب بننے والا۔ ﴿أیمان﴾ واحد یمین، قسمیں۔ ﴿مقرونة﴾ ملی ہوئی۔ ﴿إحصان﴾ پاک دامن ہونا۔

لعان کی حقیقت اور حیثیت:

اس دراز نفس عبارت میں لعان کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے اگر کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا اس عورت کے بچے کے نسب کو اپنے سے منع کر دیا اور کہا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے، بلکہ کسی اور کا ہے اور میاں بیوی

دونوں شہادت کے اہل ہیں یعنی فاسق وفاجر اور غلام باندی نہیں ہیں نیز عورت محصنہ اور پاک دامن ہے اور اس کے پاس کوئی مجہول النسب لڑکا یا ولد الزناء بھی نہیں ہے اور وہ عورت شوہر سے لعان کا مطالبہ کرتی ہے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے اور چار قسموں کے ساتھ اپنی براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے، اسی طرح بیوی پر بھی قسم کھانا واجب ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کے باب میں اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں لعان کی شہادتیں اللہ کی قسم کے ساتھ موکد ہیں اور لفظ لعان کے ساتھ متصل ہیں اور لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، یعنی زمانۂ جاہلیت میں قذف اور تہمت لگانے کی سزا حد قذف تھی اور یہ حد ابتدائے اسلام میں بھی باقی تھی چنانچہ قرآن کا اعلان ہے **والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتو بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة أبدا وأولئك هم الفاسقون** یعنی جولوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں لیکن پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اَسّی (۸۰) کوڑے مارو اور آئندہ کبھی ان کی شہادت کو قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔ یہ حکم بہت دنوں تک تھا لیکن بعد میں آیت لعان نازل ہوئی اور یہ حکم منسوخ ہوگیا چنانچہ پھر قرآن کریم نے اعلان کیا **والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء الاّ أنفسهم فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله انه لمن الصادقين والخامسة أن لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين ويد رؤاعنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين، والخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين۔**

یعنی جولوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے دعوے کے علاوہ کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی شہادت یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں دفعہ میں یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اس کے بعد اس عورت سے اس طرح سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ بھی چار قسم کھا کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ میں کہے اس پر خدا کا غضب ہو اگر وہ (اس کا شوہر) سچا ہو۔

صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے استدلال اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ شہداء سے اَزواج کا استثناء کیا ہے اور استثناء میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے لہٰذا زوج شہداء میں سے ہوگا یعنی وہ بھی شاہد ہوگا اور بدون شہادت شاہد کا تحقق نہیں ہوسکتا اور اس مسئلے میں چوں کہ لعان کی حکایت بیان کرنے کا نام شہادت ہے لہٰذا لعان شہادت کے ساتھ متصل ہوگا اور وہ شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ موکد ہوگی۔

ثم قرن الخ: فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی شہادت میں فرق یہ ہے کہ مرد کے حق میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو لفظ لعان کے ساتھ ملایا گیا ہے بشرطیکہ شوہر اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، اس کے برخلاف عورت کی جانب میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو غضب کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور اس کے حق میں لعان حد زنا کے قائم مقام ہے۔

إذا اثبت هذا الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب آپ لعان کی حقیقت اور حیثیت سے واقف ہوگئے تو یہ یاد رکھئے کہ ہم نے زوجین کے لیے اہل شہادت ہونے کی جو شرط لگائی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ شہادت لعان کا رکن ہے اور چوں کہ شوہر کے حق میں لعان قذف کے قائم مقام ہے اس لیے عورت کے محصنہ اور پاک دامن ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔

ویجب بنفي الخ: فرماتے ہیں کہ بچہ کے نسب کی نفی کرنے کی وجہ سے بھی لعان واجب ہوگا کیوں کہ بچے کے نسب کی نفی کرنا درحقیقت اس کی ماں پر تہمت لگانا ہے اور تہمت لگانے ہی کی وجہ سے لعان واجب ہوتا ہے اس لیے بچہ کی نسب کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوگا جیسے اگر کوئی اجنبی کسی بچے کے معروف باپ سے اس کے نسب کی نفی کردے تو وہ شخص بھی اس کی ماں پر تہمت لگانے والا ہوگا اور اس پر بھی لعان واجب ہوگا۔

و لا یعتبر سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی نفی کردے تو اس سے لعان نہیں واجب ہونا چاہیے، کیوں کہ محض نفی کرنے سے اس کا ولد الزناء ہونا اور کی ماں کا زانیہ ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس عورت کے ساتھ وطی بالشبہہ کی گئی ہو اور اس وطی سے یہ بچہ پیدا ہوا ہو، لہٰذا جب یہ احتمال ہے تو پھر براہ راست اس پر تہمت کا لیبل لگانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احتمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اگر کوئی اجنبی کسی بچے کی اس کے مشہور باپ سے نسب کی نفی کرتا ہے تو وہ تہمت لگانے والا شمار ہوتا ہے اور اس پر لعان واجب ہوتا ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تہمت بھی ثابت ہوگی اور لعان بھی واجب ہوگا۔ اور اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ نسب کے سلسلے میں فراش صحیح ہونا اصل ہے اور فراش فاسد اس کی فرع ہے، لہٰذا جب تک قطعی طور پر فراش فاسد کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک فراش صحیح یعنی باپ کا اپنے بیٹے کے نسب کی نفی کرنے کو تہمت سمجھا جائے گا۔

ویشترط طلبها الخ: فرماتے ہیں کہ وجوب لعان کے لیے عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ لعان اسی کا حق ہے اور ظاہر ہے کہ حق بغیر مطالبے کے نہیں ملا کرتا۔ فقط واللہ اعلم۔ عبدالحلیم قاسمی بستوی

فَإِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ، لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى إِيْفَائِهِ فَيُحْبَسُ بِهِ حَتّٰى يَأْتِيَ بِمَا هُوَ عَلَيْهِ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ لِيَرْتَفِعَ السَّبَبُ، وَ لَوْلَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ لِمَا تَلَوْنَا مِنَ النَّصِّ إِلَّا أَنَّهُ يَبْتَدِأُ بِالزَّوْجِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُدَّعِيْ.

ترجمہ: لیکن اگر شوہر لعان کرنے سے انکار کردے تو حاکم اسے قید کردے یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کردے، کیوں کہ یہ شوہر پر حق واجب ہے اور وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اس کے بدلے میں اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ شوہر ما وجب علیہ کو اداء کردے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے، تاکہ سبب ختم ہوجائے۔ اور اگر شوہر نے لعان کرلیا تو بیوی پر بھی لعان کرنا واجب ہے اس نص کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی، لیکن ابتداء شوہر سے کی جائے گی اس لیے کہ وہ مدعی ہے۔

اللغات:

﴿امتنع﴾ رُک گیا۔ ﴿حبس﴾ قید کردے۔ ﴿إیفاء﴾ ادا کرنا، پورا کرنا۔ ﴿یحبس﴾ قید کیا جائے گا۔

تہمت لگانے کے بعد لعان نہ کرنے والے خاوند کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ تہمت لگانے کے بعد اگر بیوی مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے، لیکن اگر شوہر لعان سے مکر

جائے اور انکار کردے تو حاکم وقت اسے محبوس ومقید کردے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کردے تاکہ آگے کی کاروائی کی جاسکے، اور انکار کرنے پر حاکم وقت اس لیے اسے محبوس کرے گا کہ قذف لگانے کی وجہ سے شوہر پر لعان کرنا ایک حق بن کر واجب ہو چکا ہے اور وہ اس حق کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اب اس کی رہائی اور خلاصی کے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو وہ لعان کردے یا اپنے کو جھوٹا بتادے تاکہ لعان کا سبب یعنی زوجین میں سے ایک کا دوسرے کی تکذیب کرنا ختم ہو جائے اور شوہر پر حد قذف جاری کردی جائے۔ اور اگر وہ لعان کرلیتا ہے تو پھر بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ بھی لعان کرے، اس لیے کہ ہماری تلاوت کردہ آیت نص میں بیوی کے لیے بھی لعان کرنے کا حکم مذکور ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **ویدرؤا عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله الخ** تاہم لعان کی ابتداء شوہر ہی سے کی جائے گی کیوں کہ اسی نے تہمت لگا کر لعان کا دروازہ کھولا ہے اور لعان شہادت کا نام ہے اور شوہر ہی اس کا مدعی ہے۔ (عنایہ)

فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تَلَاعَنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلٰى إِيْفَائِهِ فَتُحْبَسُ فِيْهِ.

ترجمه: اور اگر بیوی انکار کردے تو حاکم اسے قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا شوہر کی تصدیق کردے، اس لیے کہ لعان اس پر واجب شدہ حق ہے اور وہ اس کے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اس حق میں بیوی کو قید کیا جائے گا۔

لعان سے فرار اختیار کرنے والی بیوی کے لیے حکم:

یہ ہے کہ اگر عورت لعان کرنے سے انکار کردے تو شوہر کی طرح حاکم بیوی کو بھی قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کردے یا اپنے شوہر کی تصدیق کردے، کیوں کہ شوہر کے لعان کرنے کے بعد اس کی طرح بیوی پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اور چوں کہ وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے، اس لیے انکار کی صورت میں اسے بھی محبوس کیا جائے گا۔

وَ إِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا أَوْ كَافِرًا أَوْ مَحْدُوْدًا فِي الْقَذْفِ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ، لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اللِّعَانُ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهِ فَيُصَارُ إِلَى الْمُوْجِبِ الْأَصْلِيِّ وَهُوَ الثَّابِتُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْاٰيَةَ (سورة النور : ٤)، **وَاللِّعَانُ خَلَفٌ عَنْهُ.**

ترجمه: اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا محدود فی القذف ہو اور اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگادی تو اس پر حد واجب ہے، اس لیے کہ شوہر کی طرف سے ایک معنی کی وجہ سے لعان متعذر ہو گیا ہے، لہٰذا موجب اصلی کی طرف عود کیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **والذین یرمون المحصنت** سے ثابت ہے اور لعان اس کا خلیفہ ہے۔

اللغات:

﴿قَذَفَ﴾ الزام لگایا، تہمت لگائی۔ ﴿یرمون﴾ الزام لگاتے ہیں۔ ﴿محصنٰت﴾ پاک دامن عورتیں۔ ﴿خلف﴾ خلیفہ، بدل۔

شوہر کا اہل شہادت نہ ہونے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر غلام ہو یا میاں بیوی دونوں کافر ہوں یا شوہر محدود فی القذف ہو یعنی اس کو ایک مرتبہ تہمت کی حد لگ چکی ہو اور پھر اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگادی تو اب حکم یہ ہے کہ اس شخص سے لعان نہیں کرایا جائے گا بلکہ اس پر حد واجب ہوگی، کیوں کہ کافر یا غلام یا محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے وہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہ گیا اور لعان کے لیے شوہر کا اہل شہادت میں سے ہونا ضروری ہے، اس لیے لعان کرنا اور کرانا چوں کہ متعذر ہوگیا، لہٰذا قذف کے موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیوں کہ قذف کی یہی سزا ہے اور یہ سزا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ثابت ہے **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة أبدا الخ:** اور چوں کہ لعان اس اصل یعنی حد قذف کا نائب اور خلیفہ ہے اس لیے خلیفہ پر عمل متعذر ہونے کی صورت میں حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا۔

وَ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِيْ قَذْفٍ أَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا بِأَنَّ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُوْنَةً أَوْ زَانِيَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَ لَا لِعَانَ لِانْعِدَامِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَهُوَ عَدَمُ الْإِحْصَانِ فِيْ جَانِبِهَا وَامْتِنَاعُ اللِّعَانِ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا إِذَا صَدَّقَتْهُ، وَالْأَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِمْ الْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ، وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ، وَ لَوْ كَانَا مَحْدُوْدَيْنِ فِيْ قَذْفٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر تو شہادت کا اہل ہو لیکن بیوی باندی ہو یا کافرہ ہو یا محدودہ فی القذف ہو یا ان عورتوں میں سے ہو جس کے تہمت لگانے والے پر حد نہ جاری کی جاتی ہو بایں طور کہ وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا زانیہ ہو تو اس کے شوہر پر نہ تو حد ہے اور نہ ہی لعان، اس لیے کہ شہادت کی اہلیت معدوم ہے اور وہ عورت کی جانب میں محصنہ نہ ہونا ہے اور لعان کی ممانعت ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو عورت کی طرف سے ہے لہٰذا حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ اس صورت میں (حد ساقط ہو جاتی ہے) جب بیوی شوہر کی تصدیق کردے۔ اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مقدس اصل ہے کہ چار قسمیں ایسی ہیں جن میں میاں بیوی کے درمیان لعان نہیں ہے وہ یہودی اور نصرانی عورت جو کسی مسلمان کے تحت ہو اور باندی جو آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور آزاد عورت جو غلام کے نکاح میں ہو۔ اور اگر میاں بیوی دونوں محدود فی القذف ہوں تو شوہر پر حد جاری ہوگی۔

اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿قاذف﴾ الزام لگانے والا۔ ﴿صبيّة﴾ بچی۔ ﴿مجنونة﴾ پاگل عورت۔ ﴿احصان﴾ پاک دامنی۔ ﴿صدقتهٗ﴾ اس کی تصدیق کردی۔

تخریج:

[1] اخرجه ابن ماجه فی کتاب الطلاق باب اللعان، حدیث: ۲۰۷۱.

عورت کے اہل شہادت نہ ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر شہادت کی اہلیت رکھتا ہو لیکن اس کی بیوی شہادت کی اہل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی کی باندی ہو یا کافرہ ہو یا کسی پر تہمت لگانے کی وجہ سے اس پر حد لگائی گئی ہو یا وہ بچی یا پاگل یا زانیہ ہو اور اس کے تہمت لگانے پر حد نہ جاری کی جاتی ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ تو حد جاری ہوگی اور نہ ہی لعان، لعان تو اس لیے نہیں جاری ہوگا کہ اس کی بیوی شہادت کے لائق نہیں ہے جب کہ جریان لعان کے لیے زوجین میں سے ہر ایک کا شہادت کے لائق ہونا ضروری ہے۔ اور حد اس لیے نہیں جاری ہوگی کہ وہ عورت محصنہ اور پاک دامن نہیں ہے۔

وامتناع اللعان الخ: فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں چوں کہ عورت ہی شہادت کی اہل نہیں ہے اور پھر وہ محصنہ بھی نہیں ہے اس لیے عدم لعان کا سبب خود اسی کی طرف سے متحقق ہوا ہے لہٰذا وہ شوہر کے ذمے سے حد کو ساقط کردے گا۔

والأصل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ لعان کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اصل ہے کہ چار قسمیں اور چار جوڑے ایسے ہیں جن میں زوجین کے مابین لعان نہیں جاری ہوتا (۱) شوہر مسلمان ہو لیکن بیوی یہودیہ ہو (۲) شوہر مسلمان ہو لیکن بیوی نصرانیہ ہو (۳) شوہر آزاد ہو لیکن بیوی باندی ہو (۴) شوہر غلام ہو اور بیوی آزاد ہو۔ اس کے برخلاف اگر میاں بیوی دونوں محدود فی القذف ہوں اور شوہر بیوی پر تہمت لگائے تو شوہر پر حد قذف واجب ہوگی، کیوں کہ محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے شوہر شہادت کا اہل نہیں ہے اور چوں کہ لعان کا آغاز شوہر کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے اس کے حق میں عدم اہلیت کو منع لعان کا سبب قرار دیں گے اور اگر چہ بیوی بھی محدود فی القذف ہے اور اس کے حق میں بھی شہادت معدوم ہے، اس حوالے سے وہ بھی منع لعان کا سبب ہے، مگر چوں کہ ابتداء شوہر کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے لعان کے واقع ہونے اور نہ ہونے میں سب سے پہلے شوہر کی اہلیت کو دیکھا جائے گا۔ (عنایہ شرح عربی ہدایہ)

وَ صِفَةُ اللِّعَانِ أَنْ يَّبْتَدِئَ الْقَاضِيْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ وَ يَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ يُشِيْرُ إِلَيْهَا فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ، ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ أَرْبَعَ مَرَاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ وَ تَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ، وَالْأَصْلُ فِيْهِ مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصِّ، وَ رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهٗ يَأْتِيْ بِلَفْظَةِ الْمُوَاجَهَةِ يَقُوْلُ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ لِأَنَّهٗ أَقْطَعُ لِلْاِحْتِمَالِ، وَجْهُ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ أَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَايَبَةِ إِذَا انْضَمَّتْ إِلَيْهَا الْإِشَارَةُ انْقَطَعَ الْاِحْتِمَالُ.

ترجمہ: اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شوہر سے اس کا آغاز کرے چنانچہ شوہر چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یہ کہے میں اللہ کی

قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زناء کا عیب لگایا ہے اس سلسلے میں میں سچا ہوں۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے اگر اس عورت پر زناء کی تہمت لگانے میں وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ہر دفعہ اس عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔ پھر عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یہ کہے میں ایک اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھ پر زناء کی تہمت لگائی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس نے جو مجھے زناء کی تہمت لگائی ہے اگر اس میں وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ نص دلیل ہے جو ہم نے تلاوت کی۔ اور حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ شوہر لفظ خطاب کو استعمال کرے اور یوں کہے جو میں نے تجھ کو زناء کا عیب لگایا ہے، اس لیے کہ یہ کلی طور پر احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اور قدوری میں جو عبارت مذکور ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب لفظ غائب کے ساتھ اشارہ ملتا ہے تو احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

اللغات:

﴿صفة﴾ طریقہ۔ ﴿رمیت﴾ میں نے جو الزام لگایا ہے۔ ﴿مواجهة﴾ خطاب کا صیغہ۔ ﴿انضمّت﴾ ساتھ مل جائے۔

لعان کا طریقہ:

اس عبارت میں لعان کی کیفیت اور اس کی صورت کو بیان کیا ہے، لیکن اسے سمجھنے سے پہلے یہ یاد رکھیے کہ جب شوہر نے بیوی پر تہمت لگائی اور اس نے لعان کا مطالبہ کیا تو سب سے پہلے قاضی اس عورت سے معافی تلافی کی بات کرے، لیکن اگر بیوی اس پر آمادہ نہ ہو اور شوہر قذف اور تہمت کا انکار کر دے تو قاضی بیوی سے دو عادل گواہ طلب کرے۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے یا شوہر خود ہی قذف کا اقرار کر لے تو شوہر سے بینہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر شوہر کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر لعان واجب ہوگا۔ (مختصر من البنایہ، ۳۷۳/۵)

اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی سب سے پہلے شوہر کو سامنے لائے اور اسی سے لعان کا آغاز کرے چنانچہ شوہر بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کل پانچ مرتبہ شہادت دے جن میں سے چار مرتبہ ان الفاظ کے ساتھ دے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت پر زنا کا عیب لگایا ہے اس سلسلے میں، میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس عیب میں میں جھوٹا نکلوں یا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس کے بعد عورت بھی پانچ مرتبہ شہادت دے اور شروع کے چار دفعات میں یوں کہے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر زنا کا عیب لگایا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے، اور پانچویں دفعہ میں کہے کہ اگر وہ اس عیب میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے، یہ لعان کی کیفیت اور اس کے طریقے کا بیان ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "**والذین یرمون أزواجهم ولم یكن شهداء إلاّ انفسهم فشهادة أحدهم الخ**"۔

وروی الحسن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ شوہر اپنی شہادت میں غائب کے بجائے مخاطب کا صیغہ استعمال کرے اور **فیما رماها به من الزنا** کی جگہ یوں کہے کہ **فیما رمیتك به من الزنا**، کیوں کہ رماہا میں ہا غائب کی ضمیر ہے اور غائب میں غیر کا احتمال رہتا ہے جب کہ حاضر اور مخاطب میں یہ احتمال کلی طور پر منقطع رہتا ہے۔

مگر آگے فرماتے ہیں کہ کتاب میں جو غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وہ بھی احتمال غیر کو کلی طور پر ختم کر رہا ہے، اس لیے کہ

اس غائب کے ساتھ اشارہ بھی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اشارہ تو ہر طرح کے احتمال کے لیے قاطع ہے۔

قَالَ وَ إِذَا الْتَعَنَا لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ حَتّٰى يُفَرِّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَيْهِ تَقَعُ بِتَلَاعُنِهِمَا لِأَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ الْمُؤَبَّدَةُ بِالْحَدِيْثِ، وَ لَنَا أَنْ ثُبُوْتَ الْحُرْمَةِ يُفَوِّتُ الْإِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَلْزَمُهُ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ ذٰلِكَ الْمُلَاعِنِ عِنْدَ النَّبِيِّ ❶ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا، قَالَهُ بَعْدَ اللِّعَانِ، وَ تَكُوْنُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيْ انْتَسَبَ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْعِنِّيْنِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب میاں بیوی نے لعان کرلیا تو فرقت نہیں واقع ہوگی یہاں تک کہ ان دونوں میں قاضی تفریق کردے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے لعان کرنے سے ہی جدائی واقع ہوجائے گی، اس لیے کہ از روئے حدیث لعان سے حرمت موبدہ ثابت ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت امساک بالمعروف کو فوت کردیتا ہے لہٰذا شوہر پر تسریح بالاحسان لازم ہوگا لیکن جب شوہر اس سے رک گیا تو دفع ظلم کے پیش نظر قاضی اس کے قائم مقام ہوگیا۔ اور اس پر لعان کرنے والے صحابی کا قول دلیل ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہا تھا اے اللہ کے رسول میں نے اس عورت پر جھوٹ باندھا اگر میں اسے روکوں تو وہ تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے، انہوں نے یہ جملہ لعان کے بعد کہا ہے۔ اور یہ فرقت حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں طلاق بائن ہوگی، اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا جیسے عنین میں ہے۔

اللغات:

﴿التعنا﴾ دونوں لعان کر چکے۔ ﴿فرقة﴾ علیحدگی، جدائی۔ ﴿تلاعن﴾ آپس میں لعان کرنا۔ ﴿مؤبّدة﴾ ابدی، ہمیشہ والی۔ ﴿يفوّت﴾ فوت کرتا ہے۔ ﴿إمساك﴾ روکے رکھنا، ٹھہرانا۔ ﴿تسريح﴾ چھوڑنا، جانے دینا۔ ﴿ناب﴾ نائب ہوگا۔ ﴿منابهٗ﴾ اس کی جگہ۔ ﴿عنين﴾ غیر قادر علی الجماع۔

تخریج:

❶ اخرجه البخاری فی کتاب الطلاق باب اللعان و من طلق بعد اللعان: ۵۳۰۸.

لعان کے بعد علیحدگی کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب زوجین نے لعان کرلیا تو ہمارے یہاں محض لعان سے فرقت نہیں واقع ہوگی بلکہ قاضی کی تفریق سے فرقت واقع ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر لعان کے بعد شوہر بیوی کو طلاق دے یا اس سے ظہار کرے تو طلاق بھی واقع ہوگی اور ظہار بھی واقع ہوگا۔ اس کے برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محض لعان ہی سے فرقت واقع ہوجائے گی اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے المتلاعنان لایجتمعان أبدا یعنی لعان کرنے والا جوڑا کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتا، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حدیث پاک میں مطلق لعان پر دائمی تفریق کا حکم لگایا گیا ہے اور اس میں قاضی وغیرہ کی کوئی قید یا شرط نہیں

ہے، اس لیے صرف لعان ہی سے فرقت ثابت ہوگی اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان کی وجہ سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور حرمت کا ثبوت امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے اور امساک بالمعروف کے فوت ہونے کی صورت میں شوہر پر تسریح بالاحسان یعنی اچھے طریقے پر بیوی کو رخصت کرنا واجب ہے، مگر جب وہ ایسا نہیں کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سے ظلم دور کرنے کے لیے قاضی اس کے شوہر کا قائم مقام ہو کر تسریح بالاحسان کا فریضہ انجام دے گا اور دونوں میں تفریق کرے گا اور اس کی تفریق کے بغیر فرقت نہیں واقع ہوگی۔

دلّ علیه الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلک کی تائید حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں پیش کیا تھا۔ اس واقعے سے وجہ استدلال بایں طور ہے کہ اگر محض لعان سے فرقت واقع ہو جاتی تو اس کے بعد حضرت عویمر کو طلاق دینے کا حق نہ ہوتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکنے کا حکم دیتے، بلکہ طلاق دینے پر انہی کی سرزنش کرتے کہ لعان کے بعد جب خود ہی فرقت واقع ہو چکی ہے تو اب تمہارے طلاق سے کیا ہوگا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر نکیر نہ فرمانا اس امر کی بین دلیل ہے محض لعان سے فرقت نہیں واقع ہوتی بلکہ اس کے بعد تفریق قاضی کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۳۷۶/۵)

وتکون الفرقة الخ: فرماتے ہیں کہ لعان کرنے اور قاضی کی تفریق کرنے کے بعد جو فرقت ہوگی وہ حضرات طرفینؒ کے یہاں طلاق بائن شمار ہوگی، اس لیے جب کہ تسریح الاحسان میں قاضی شوہر کا نائب ہے تو ظاہر ہے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور چوں کہ عورت سے ظلم دور کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود بینونت ہی سے حاصل ہوگا اس لیے مذکورہ فرقت طلاق بائن ہوگی جیسا کہ عنین مرد اور اس کی بیوی میں اگر قاضی تفریق کر دے تو یہ تفریق بھی طلاق بائن ہی شمار ہوتی ہے۔

وَ هُوَ خَاطِبٌ إِذْ كَذَّبَ نَفْسَهُ عِنْدَهُمَا وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ تَحْرِيْمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا، نَصَّ عَلَى التَّأْبِيْدِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْإِكْذَابَ رُجُوْعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوْعِ لَا حُكْمَ لَهَا، وَ لَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَ مُتَلَاعِنَيْنِ وَ لَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَ لَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْإِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ.

ترجمہ: اور شوہر جب اپنے آپ کو جھٹلا دے تو حضرات طرفین کے یہاں (اس عورت سے دوبارہ) نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان دائمی حرمت ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''لعان کرنے والے زوجین کبھی بھی اکٹھا نہیں ہو سکتے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے دائمی ہونے کی صراحت فرمادی ہے۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اپنے آپ کو جھٹلانا (اپنے قول سے) رجوع کرنا ہے اور رجوع کے بعد شہادت کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اور جب تک میاں بیوی لعان کرتے ہیں اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتے، لیکن جھٹلانے کے بعد نہ تو لعان باقی رہا اور نہ ہی اس کا حکم، اس لیے اب میاں بیوی جمع ہو سکتے ہیں۔

اللغات:

﴿مؤبد﴾ ابدی، ہمیشہ والی۔ ﴿إکذاب﴾ جھٹلانا۔

تخریج:

[1] اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب اللعان، حدیث: ۲۲۵۰.

لعان کے بعد دوبارہ شادی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لعان اور قاضی کی تفریق کے بعد شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو دوبارہ وہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرات طرفین کا مسلک یہ ہے کہ شوہر دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد وہ عورت ہمیشہ ہمیش کے لیے اس شخص پر حرام ہوگئی اور اب آئندہ وہ کبھی بھی اس سے نکاح نہیں کرسکتا، ان کی دلیل یہ حدیث ہے المتلاعنان لایجتمعان أبدا یعنی لعان کرنے والا جوڑا دوبارہ کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتا اور اس حدیث سے وجہ استدلال اس طرح ہے کہ جب حدیث پاک میں ابدی اور دائمی حرمت کی صراحت اور وضاحت کردی گئی ہے تو پھر بلا وجہ اس میں تاویل کرنا بیکار ہے۔

حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب لعان کرنے کے بعد شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو گویا کہ اس نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور اس کے اپنے قول سے رجوع کرنے کے بعد شہادت کا حکم باطل ہوگیا اور جب شہادت کا حکم باطل ہوگیا تو لعان بھی ختم ہوگیا اس لیے اب دوبارہ ان دونوں کا اجتماع ہوسکتا ہے۔

رہی وہ حدیث جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی متدل ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کا صحیح مطلب یہ ہے کہ لعان کرنے والے جب تک لعان کررہے ہیں اور لعان پر باقی ہیں اس وقت تک ان کا اجتماع نہیں ہوسکتا، لیکن لعان کے بعد تو وہ جمع ہوسکتے ہیں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور حدیث موقوف سے اتنا زبردست حکم نہیں ثابت ہوا کرتا کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک حلال عورت کو حرام کردیا جائے۔

وَ لَوْ كَانَ الْقَذْفُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ نَفٰى الْقَاضِيْ نَسَبَهٗ وَ أَلْحَقَهٗ بِأُمِّهٖ، وَ صُوْرَةُ اللِّعَانِ أَنْ يَّأْمُرَ الْحَاكِمُ الرَّجُلَ، فَيَقُوْلُ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنْ نَفْيِ الْوَلَدِ، وَ كَذَا فِيْ جَانِبِ الْمَرْأَةِ.

ترجمہ: اور اگر تہمت لگانا بچے کی نفی کرنے کے ذریعے ہو تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کردے گا اور اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کردے گا۔ اور لعان کی صورت یہ ہوگی کہ حاکم اس شخص کو اس کا حکم دے چنانچہ وہ کہے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ لڑکے کی نفی کرنے کا جو میں نے تجھے عیب لگایا ہے میں اس میں سچا ہوں اور ایسے ہی عورت کی طرف بھی ہے۔

اللغات:

﴿قذف﴾ تہمت۔ ﴿نفی﴾ نفی کردے۔ ﴿رمیت﴾ میں نے الزام لگایا ہے۔

نفی ولد کی تہمت کا لعان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے بیوی پر لگائی جانے والی تہمت بچے کی نفی کی ہو اور شوہر نے اپنی ذات اور اپنے نطفے سے اس بچے کے نسب کا انکار کردیا ہو تو پھر لعان کے بعد قاضی اس شخص سے بچے کے نسب کی نفی کردے گا اور اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کردے گا۔ اور اس صورت میں لعان کا طریقہ یہ ہوگا کہ شوہر کہے میں نے بچے کی نفی کرکے جو تجھ پر زنا کا عیب لگایا ہے، اس

میں سچا ہوں۔ اور بیوی یوں کہے کہ میرے بچے کے نسب کی اپنے نطفے سے نفی کر کے جو تو نے مجھ پر عیب لگایا ہے اس میں تو جھوٹا ہے۔

وَ لَوْ قَذَفَهَا بِالزِّنَا وَ نَفْيِ الْوَلَدِ ذَكَرَ فِي اللِّعَانِ الْأَمْرَيْنِ ثُمَّ يَنْفِي الْقَاضِيْ نَسَبَ الْوَلَدِ وَ يُلْحِقُهُ بِأُمِّهِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَى وَلَدَ امْرَأَةِ هِلَالِ ابْنِ أُمَيَّةَ عَنْ هِلَالٍ وَ أَلْحَقَهُ بِهَا، وَ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذَا اللِّعَانِ نَفْيُ الْوَلَدِ فَيُوَفَّرُ عَلَيْهِ مَقْصُوْدُهُ فَيَتَضَمَّنُهُ الْقَضَاءُ بِالتَّفْرِيْقِ، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْقَاضِيْ يُفَرِّقُ وَ يَقُوْلُ قَدْ أَلْزَمْتُهُ أُمَّهُ وَ أَخْرَجْتُهُ مِنْ نَسَبِ الْأَبِ، لِأَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِهِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بیوی پر زنا اور نفی ولد دونوں کی تہمت لگائی تو لعان میں دونوں باتیں ذکر کی جائیں پھر قاضی (باپ سے) بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کی ہلال سے نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا تھا اور اس لیے کہ اس لعان کا مقصد بچے کی نفی کرنا ہے لہٰذا شوہر پر کماحقہ اس کا مقصد پورا کیا جائے گا، لہٰذا جدا کرنے کا فیصلہ اس کو شامل ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ قاضی تفریق کرے اور یوں کہے کہ میں نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا اور اسے باپ کے نسب سے خارج کر دیا، اس لیے کہ بچے کی نفی تفریق سے جدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿قذف﴾ الزام لگایا۔ ﴿یوفّر﴾ پورا کیا جائے گا۔ ﴿یتضمّن﴾ ضمناً شامل ہوگا۔ ﴿یفرّق﴾ علیحدگی کرا دے۔ ﴿ألزمت﴾ میں نے لازم کر دیا۔ ﴿ینفك﴾ جدا ہو جاتا ہے۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب اللعان، حدیث: ۲۲۵٦.

زنا اور نفی ولد کی وجہ سے کیا جانے والا لعان:

مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی بھی تہمت لگائی اور اس کے بچے کے نسب کی نفی بھی کر دی تو لعان کرتے وقت **فیمار میتك به من الزنا ونفي الولد** کہہ کر دونوں باتوں کی وضاحت کرنا ضروری ہے اور جب وضاحت کے ساتھ لعان ہو جائے تو پھر قاضی اس شخص سے بچے کی نفی کر دے اور اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے، اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہؓ نے اپنی بیوی کے بچے کی نفی کر دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا تھا، لہٰذا جہاں بھی قاضی باپ کے نسب کی نفی کرے گا وہاں بچے کو ماں کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس لعان کا مقصد ہی یہی ہے کہ باپ کے نطفے سے بچے کی نفی ہو جائے اور چوں کہ زوجین کے مابین قاضی کے تفریق سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے تفریق قاضی والا فیصلہ نفی ولد کے لیے بھی کافی ہوگا، گویا کہ صاحب ہدایہ کی نگاہ میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ثم ینفي القاضي نسب الولد ویلحقه بأمه زائد ہے اور یہاں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ تفریق قاضی کے ضمن

میں بچے کی نفی شامل اور داخل ہے۔ (عنایہ)

اس کے برخلاف حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کے لیے تفریق کے بعد بھی بچے کے نسب کی باپ سے نفی کرنا اور یوں کہنا ضروری ہے کہ میں نے اسے اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا اور اس کے باپ کے نسب سے خارج کر دیا، کیوں کہ لعان کے ذریعے میاں بیوی کی تفریق بچے کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، اس لیے کہ بچے کی نفی تفریق باللعان سے جدا بھی ہوسکتی ہے چنانچہ اگر شوہر بیوی پر صرف زنا کی تہمت لگائے تو ظاہر ہے کہ لعان کی وجہ سے زوجین میں تو تفریق ہوگی مگر بچے کی نفی نہیں ہوگی اس لیے بچہ کی نفی کے لیے علیحدہ اس کی وضاحت ضروری ہے۔

فَإِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَ أَكْذَبَ نَفْسَهُ حَدَّهُ الْقَاضِيْ لِإِقْرَارِهٖ بِوُجُوْبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ، وَ حَلَّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، وَ هٰذَا عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ أَهْلُ اللِّعَانِ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ الْمَنُوْطُ بِهٖ وَهُوَ التَّحْرِيْمُ، وَ كَذٰلِكَ إِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ لِمَا بَيَّنَّا، وَ كَذَا إِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ لِانْتِفَاءِ أَهْلِيَّةِ اللِّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا.

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے (اپنے قول سے) رجوع کرلیا اور اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو قاضی اس پر حد جاری کرے اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر وجوبِ حد کا اقرار کیا ہے اور اس شخص کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اور یہ حکم حضرات طرفینؒ کے یہاں ہے اس لیے کہ جب اس پر حد جاری کردی گئی تو وہ لعان کا اہل نہیں رہ گیا لہٰذا جو حکم اس کے ساتھ متعلق تھا وہ بھی ختم ہوگیا اور وہ حکم تحریم ہے۔ اور ایسے ہی اگر مرد نے بیوی کے علاوہ دوسری عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اسے حد لگائی گئی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی طرح جب کسی عورت نے زناء کیا پھر اسے حد لگائی گئی اس لیے کہ عورت کی طرف سے لعان کی اہلیت منتفی ہے۔

اللغات:

﴿عاد﴾ لوٹ گیا، رجوع کرلیا۔ ﴿أكذب﴾ جھٹلایا۔ ﴿حدّ﴾ حد لگائے گا۔ ﴿منوط﴾ متعلق۔

شوہر کے تہمت سے رجوع کر لینے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد اپنے قول سے رجوع کرلیا اور اپنے آپ کو اس نے جھٹلا دیا تو اب قاضی کا کام یہ ہے کہ اس پر حد جاری کرے اور اسے اسی کوڑے لگوائے، اس لیے کہ جب خود ہی اس نے قذف کا اقرار کیا ہے تو گویا وہی اپنے اوپر حد لازم کرنے والا ہوگیا اور انسان کے حق میں اس کا اپنا اقرار معتبر ہوتا ہے، اس لیے اس شخص کو حد لگائی جائے گی۔ اور حد کے بعد حضرات طرفینؒ کے یہاں وہ میاں بیوی دوبارہ آپس میں نکاح کر سکتے ہیں، اس لیے کہ حد جاری ہونے کے بعد شوہر لعان کا اہل نہیں رہ گیا، کیوں کہ لعان نام ہے شہادت کا، اور محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے یہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہ گیا، اس لیے اس حوالے سے وہ لعان کا بھی اہل نہیں رہا اور جب لعان اس کے حق میں معدوم ہوگیا تو لعان کی وجہ سے ثابت شدہ حکم یعنی تحریم بھی معدوم ہوجائے گی اور دوبارہ وہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کر سکتے ہیں۔

و کذالك الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس جرم میں

اسے حد لگائی گئی تو اس شخص کے لیے بھی مذکورہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، دلیل وہی ہے جو سابق میں گذر چکی۔

و کذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے لعان کیا پھر عورت نے زنا کیا پھر اس پر حد جاری کی گئی تو اس کے بعد اس کے شوہر کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، کیوں کہ جریان حد کے بعد اس عورت کی جانب لعان کی اہلیت معدوم ہو چکی ہے اور لعان سے ثابت شدہ حکم یعنی تحریم ختم ہو چکی ہے **فلاحرج في التزوج**۔

وَ إِذَا قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ أَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا، لِأَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا لَوْ كَانَ أَجْنَبِيًّا فَكَذَا لَا يُلَاعَنُ الزَّوْجُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ، وَ كَذَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا أَوْ مَجْنُوْنًا لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَ قَذْفُ الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ، لِأَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيْحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ، وَ فِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ هٰذَا لِأَنَّهُ لَا يَعْرَى عَنِ الشُّبْهَةِ وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِيْ بِهَا.

ترجمہ: اور جب مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی حالاں کہ وہ چھوٹی ہے یا پاگل ہے تو ان کے مابین لعان نہیں ہوگا کیوں کہ اس صغیرہ پر تہمت لگانے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگر تہمت لگانے والا اجنبی ہو لہٰذا ایسے ہی شوہر سے لعان نہیں کرایا جائے گا۔ اس لیے کہ لعان حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اور ایسے ہی جب شوہر چھوٹا ہو یا مجنون ہو، اس لیے کہ شہادت کی اہلیت معدوم ہے۔ اور گونگے کے ساتھ لعان متعلق نہیں ہوگا، اس لیے کہ لعان صریح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جیسے حد قذف۔ اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ گونگے کی تہمت شبہے سے خالی نہیں ہے اور شبہات کی وجہ سے حدود ختم ہو جایا کرتے ہیں۔

اللغات:

﴿قذف﴾ تہمت لگائی۔ ﴿لا یحدّ﴾ اس کو حد نہیں لگائی جاتی۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔ ﴿لا یعریٰ﴾ نہیں خالی ہوتی۔ ﴿تندری﴾ ختم ہو جاتی ہیں، زائل ہو جاتی ہیں۔

تہمت کے بعد لعان واجب نہ ہونے کی صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی چھوٹی ہو یا پاگل ہو اور شوہر اس پر زنا کی تہمت لگا دے تو ان میں لعان نہیں ہوگا، کیوں کہ عورت کے صغیرہ یا مجنونہ ہونے کی وجہ سے اس میں شہادت کی اہلیت معدوم ہے اور اگر کوئی اجنبی کسی صغیرہ یا مجنونہ پر تہمت لگائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوتی اور چوں کہ شوہر کے حق میں لعان حد کے قائم مقام ہے اس لیے جب حد نہیں جاری ہوگی تو لعان بھی نہیں جاری ہوگا۔

اور ایسے ہی اگر عورت کے بجائے مرد صغیر یا مجنون ہو اور وہ تہمت لگائے تو بھی دونوں میں لعان نہیں ہوگا، کیوں کہ صغیر اور مجنون شہادت کے اہل نہیں ہیں اور چوں کہ لعان شہادت ہی سے عبارت ہے اس لیے لعان نہیں ہوگا۔

ولعان الأخرس الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر گونگے نے اپنی بیوی یا کسی دوسری عورت پر زنا کا عیب لگایا تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جس قذف صریح سے متعلق ہوتا ہے اسی طرح لعان بھی قذف صریح سے متعلق ہوتا ہے اور چوں کہ

گونگے کے اشارے میں حتمی طور پر کسی چیز کی وضاحت نہیں ہوتی، اس لیے اس سے لعان متعلق نہیں ہوگا۔ اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نکاح اور طلاق وغیرہ میں گونگے کا اشارہ معتبر ہے اسی طرح لعان میں بھی اس کا اشارہ معتبر ہوگا، مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ لعان حد کا نام ہے اور گونگے کے اشارے میں شبہہ ہوتا ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

وَ إِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّيْ فَلَا لِعَانَ، وَ هٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ زُفَرَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، لِأَنَّهُ لَا تَيَقُّنَ لِقِيَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ قَاذِفًا، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اللِّعَانُ يَجِبُ بِنَفْيِ الْحَمْلِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنَى مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّا تَيَقَّنَّا بِقِيَامِ الْحَمْلِ عِنْدَهُ فَيَتَحَقَّقُ الْقَذْفُ، قُلْنَا إِذَا لَمْ يَكُنْ قَذْفًا فِي الْحَالِ يَصِيْرُ كَالْمُعَلَّقِ بِالشَّرْطِ فَيَصِيْرُ كَأَنَّهُ إِنْ كَانَ بِكِ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان نہیں ہوگا اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اس لیے کہ قیام حمل کا یقین نہیں ہے لہٰذا وہ شخص تہمت لگانے والا نہیں ہوگا۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم میں بچہ جنتی ہے تو حمل کی نفی کرنے سے لعان واجب ہوگا اور مبسوط میں جو بیان کیا گیا ہے اس کے یہی معنی ہیں، کیوں کہ بوقت قذف ہمیں حمل کے موجود ہونے کا یقین ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ جب فی الحال قذف نہیں ہوا تو وہ شرط پر معلق کیے جانے کی طرح ہوگیا تو یہ ایسا ہوگیا گویا کہ اس نے کا کہا اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے جب کہ قذف کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿تیقن﴾ یقین کا حصول ہونا۔ ﴿قاذف﴾ تہمت لگانے والا۔

حمل کی نفی کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ قول لعان نہیں ہوگا جب کہ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس قول کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو یہ لعان شمار ہوگا اور مبسوط میں یہی حکم مذکور ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت شوہر نے لیس حملك مني کہا ہے اس وقت حمل کا ہونا متیقن نہیں تھا اس لیے اس وقت شوہر قاذف نہیں ہوا تو بعد میں کیسے اس پر قذف اور لعان کو لازم کیا جائے۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس قول کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہونے سے یہ یقین ہوجائے گا کہ جس وقت شوہر نے یہ کہا تھا اس وقت بیوی حاملہ تھی اور اس نے حمل کی نفی کر کے اس پر الزام اور قذف عائد کیا ہے، اس لیے اس پر لعان واجب ہوگا۔

قلنا الخ: صاحب ہدایہ امام اعظم کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شوہر کا قول لیس حملك مني ابتداء قذف نہیں ہوا تو یہ معلق بالشرط کی طرح ہوگیا اور ایسا ہوگیا جیسا کہ شوہر نے إن کان بك حمل فلیس مني کہا ہو اور قذف کو شرط پر معلق کرنا درست نہیں ہے، اس لیے جب ابتداء ہی میں اس کلام کا قذف نہ ہونا متعین ہوگیا تو بعد میں یہ قذف نہیں ہوگا۔

فَإِنْ قَالَ لَهَا زَنَيْتِ وَ هٰذَا الْحَبْلُ مِنَ الزِّنَاءِ تَلَاعَنَا لِوُجُوْدِ الْقَذْفِ حَيْثُ ذَكَرَ الزِّنَا صَرِيْحًا، وَ لَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ يَنْفِيْهِ، لِأَنَّهُ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَى الْوَلَدَ عَنْ هِلَالٍ وَ قَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا، وَ لَنَا أَنَّ الْأَحْكَامَ لَا تَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ الْوِلَادَةِ لِتَمَكُّنِ الْإِحْتِمَالِ قَبْلَهُ، وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى أَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبْلِ بِطَرِيْقِ الْوَحْيِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو نے زناء کیا ہے اور یہ حمل زناء سے ہے تو وہ دونوں لعان کریں اس لیے کہ قذف موجود ہے، کیوں کہ شوہر نے صراحتاً زنا کو ذکر کیا ہے اور قاضی اس حمل کی نفی نہ کرے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ (قاضی حمل کی نفی کرے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت ہلال سے ان کے بچے کی نفی فرمائی تھی جب کہ ہلال نے اپنی بیوی کو بحالت حمل قذف لگائی تھی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولادت کے بعد ہی حمل پر احکام مرتب ہوتے ہیں، اس لیے کہ ولادت سے پہلے دوسرا احتمال بھی رہتا ہے۔ اور حدیث اس تاویل پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے بذریعۂ وحی حمل موجود ہونے کو معلوم کرلیا تھا۔

اللغات:

﴿زنیت﴾ تو نے زنا کیا ہے۔ ﴿حبل﴾ حمل۔ ﴿تلاعنا﴾ دونوں لعان کریں گے۔

تخریج:

[1] اخرجہ البخاری فی کتاب الطلاق باب یلحق الولد بالملاعنۃ، حدیث: ۵۳۱۵ بمعناہ.

حمل کی نفی کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کے پیٹ میں موجود حمل کو بھی زنا کا حمل قرار دیا تو اب لعان ہوگا کیوں کہ شوہر کی جانب سے صریح لفظوں میں قذف لگانا پایا گیا، اس لیے لعان واجب ہوگا البتہ ہمارے یہاں قاضی لڑکے کی نفی نہیں کرے گا جب کہ امام شافعی نفی ولد کے بھی قائل ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت ہلال بن امیہؓ نے بحالت حمل اپنی بیوی پر قذف لگایا تھا تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹے کی نفی فرمادی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی نفی کی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے سے متعلق جملہ احکام ولادت کے بعد متعلق ہوتے ہیں، کیوں کہ ولادت سے پہلے حمل کا یقین نہیں ہوتا اور غیر حمل کا شبہہ رہتا ہے، اس لیے بلاوجہ بچے کی نفی نہیں کی جائے گی۔

والحدیث محمول الخ: رہا مسئلہ حضرت ہلال سے ان کے بچے کی نفی کا تو وہ اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان

کی اہلیہ کے حاملہ ہونے کا یقین ہو گیا تھا اس لیے اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

وَ إِذَا نَفَي الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِيْ تُقْبَلُ التَّهْنِيَةُ وَ تُبْتَاعُ آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَ لَاعَنَ بِهِ، وَ إِنْ نَفَاهُ بَعْدَهُ لَاعَنَ وَ يَثْبُتُ النَّسَبُ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحَمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحَمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٌ رَحَمَةُ اللهِ عَلَيْهِ يَصِحُّ نَفْيُهُ فِيْ مُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّ النَّفْيَ يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ قَصِيْرَةٍ وَ لَا يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ فَفَصَّلْنَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الْوِلَادَةِ وَ لَهُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيْرِ لِأَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّأَمُّلِ وَ أَحْوَالُ النَّاسِ فِيْهِ مُخْتَلِفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُوْلُهُ التَّهْنِيَةَ أَوْ سُكُوْتُهُ عِنْدَ التَّهْنِيَةِ أَوْ ابْتِيَاعُهُ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ أَوْ مَضٰى ذٰلِكَ الْوَقْتُ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْيِ، وَ لَوْ كَانَ غَائِبًا وَ لَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْأَصْلَيْنِ.

ترجمہ: اور جب مرد نے ولادت کے بعد ہی اپنے بیوی کے بچے کی نفی کر دی یا اس حالت میں نفی کی جب مبارکبادی قبول کی جارہی تھی یا پیدائش کی چیزیں خریدی جارہی تھیں تو اس کی نفی کرنا صحیح ہے اور اس کی وجہ سے شوہر لعان کرے۔ اور اگر اس کے بعد نفی کی تو بھی شوہر لعان کرے گا اور نسب ثابت رہے گا۔ یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ نفاس میں نفی کرنا صحیح ہے اس لیے کہ نفی کرنا معمولی مدت میں صحیح ہوتا ہے اور لمبی مدت میں صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا ہم نے ان دونوں کے درمیان مدت نفاس کو فاصل بنایا ہے، اس لیے کہ نفاس ولادت کا اثر ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مدت مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ زمانہ غور وفکر کے لیے ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کی حالتیں مختلف رہتی ہیں، لہٰذا ہم نے اس چیز کا اعتبار کیا ہے جو عدم نفی پر دلالت کرے اور وہ اس کا مبارکباد قبول کرنا یا مبارکبادی کے وقت اس کا خاموش رہنا یا اس کا سامانِ ولادت خریدنا ہے، یا وقت اس حال میں گذر گیا کہ شوہر بچے کی نفی کرنے سے رکا رہا۔ اور اگر شوہر موجود نہ ہو اور اسے ولادت کا علم نہ ہو پھر وہ آیا تو اب وہ مدت معتبر ہوگی جسے ہم نے دونوں اصلوں پر بیان کیا ہے۔

اللغات:

﴿عقیب﴾ فوراً بعد۔ ﴿تهنية﴾ مبارک باد۔ ﴿تبتاع﴾ خریدی جاتی ہیں۔ ﴿قصيرة﴾ چھوٹی، لمبائی میں کم۔ ﴿زمان﴾ وقت۔ ﴿تامّل﴾ سوچ و بچار۔ ﴿قدم﴾ آیا۔

نفی ولد کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بچہ جنتے ہی اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی، یا پیدائش کے بعد مبارکبادی قبول کی جارہی تھی اس وقت نفی کر دی یا جب ولادت کے سامان خریدے جارہے تھے اس وقت میں نفی کی تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان تینوں صورتوں میں نفی کرنا درست ہے اور اس نفی کی وجہ سے شوہر پر لعان واجب ہے۔ اور اگر ان امور کے بعد اس نے بچے کی نفی کی تو نفی درست نہیں ہوگی اور اس بچے کا نسب مذکورہ شخص سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر لعان

واجب ہوگا، کیوں کہ قذف پایا گیا۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان اوقات ثلاثہ میں نفی کرنے سے اوران کے بعد جب تک بیوی نفاس میں رہے گی اس وقت تک نفی کرنے سے نفی متحقق ہوگی اور بچے کا نسب اس شخص سے منقطع ہوجائے گا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچے کی نفی کم اور معمولی مدت میں ہوسکتی ہے اور لمبی مدت میں نفی نہیں ہوسکتی اور چوں کہ نفاس کی مدت معمولی مدت ہے اور یہ ولادت کا اثر بھی ہے اس لیے ہم نے مدتِ نفاس کو مدت قصیرہ اور مدت طویلہ کے درمیان فاصل مان کر اس مدت تک کی نفی کو درست اور معتبر قرار دیا۔

ولنا الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مدت اور وقت کو مقرر کرنا اسی لیے ہوتا ہے تا کہ اس میں غور وفکر کیا جاسکے، لیکن انسان کی حالت اور اس کی ذہنی کیفیت ہر مدت اور ہر وقت میں چوں کہ یکساں نہیں رہتی اور ہر آن اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لہٰذا وقت اور مدت کی تعیین میں کوئی فائدہ نہیں ہے اسی لیے ہم نے ان چیزوں کا اعتبار کیا ہے جو عدم نفی پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اگر بچہ کی پیدائش پر شوہر مبارکبادی قبول کرتا ہے یا لوگ مبارکباد دیتے ہیں اور وہ خاموش رہتا ہے یا ولادت کے سامان خریدتا ہے یا ان چیزوں کے وقوع کا وقت گذر جاتا ہے اور شوہر خاموش رہتا ہے تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ وہ بچے کی ولادت پر خوش ہے اور اسے اپنا لڑکا اور اپنی محنت کا ثمرہ سمجھ رہا ہے۔ اب اگر وہ ان چیزوں کے بعد نفی کرتا ہے تو اس کی نفی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اگر ان چیزوں کے ظہور کے وقت نفی کرتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا موڈ خراب ہے اور وہ اس ولادت سے ناخوش ہے اور اسے اپنا بچہ سمجھنے کے لیے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہے۔

ولو کان غائبا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بوقت ولادت شوہر نہیں تھا اور جہاں تھا وہاں اسے ولادت کا علم نہیں ہوسکا پھر گھر آیا تو گھر آنے کے بعد بچے کی نفی اور عدم نفی کے متعلق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کا اپنا اصول معتبر ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں ان کے اپنے اصول معتبر ہوں گے۔

قَالَ وَ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا، لِأَنَّهُمَا تَوْأَمَانِ خُلِقَا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ، وَحُدَّ الزَّوْجُ لِأَنَّهُ أَكْذَبَ نَفْسَهُ بِدَعْوَى الثَّانِيْ وَ إِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَ نَفَى الثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا، وَ لَاعَنَ لِأَنَّهُ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِيْ وَ لَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِنَّهَا عَفِيْفَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ وَ فِيْ ذٰلِكَ التَّلَاعُنَ كَذَا هٰذَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب بیوی نے ایک ہی بطن سے دو بچوں کو جنا اور شوہر نے پہلے بچے کی نفی کردی اور دوسرے بچے کا اقرار کرلیا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا، اس لیے کہ وہ دونوں جڑواں بچے ہیں جو ایک ہی پانی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور شوہر پر حد قذف لگائی جائے گی کیوں کہ دوسرے بچے کا دعویٰ کرکے اس نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا ہے۔ اور اگر شوہر نے پہلے بچے کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کردی تو بھی دونوں کا نسب ثابت ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے۔ اور شوہر لعان کرے گا اس لیے کہ شوہر نے دوسرے کی نفی کرکے اس (بیوی) پر تہمت لگایا ہے اور اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اور بیوی کے عفیفہ ہونے کا اقرار قذف

سے مقدم ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے کہا کہ بیوی عفیفہ ہے پھر کہا وہ زانیہ ہے اور اس طرح کہنے میں باہمی لعان واجب ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی لعان واجب ہوگا۔

اللغات:

﴿توام﴾ جڑواں بچہ۔ ﴿خُلِقَا﴾ پیدا کیے گئے ہیں۔ ﴿أکذب﴾ جھٹلایا۔ ﴿عفة﴾ پاک دامنی۔ ﴿تلاعن﴾ لعان کرنا۔

جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے ایک پیٹ سے دو بچوں کو جنم دیا یعنی دونوں بچوں کی پیدائش کے درمیان چھ ماہ سے کم مدت کا فاصلہ ہے، لیکن اس کے شوہر نے پہلے بچے کی نفی کردی اور دوسرے کا اقرار کیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی نفی معتبر نہیں ہوگی اور دونوں بچے اسی سے ثابت النسب ہوں گے، کیوں کہ یہ دونوں جڑواں ہیں اور ایک ہی منی سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا دونوں شوہر کے ہوں گے اور ایک دوسرے کا اور دوسرا اس کا ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ اور ثبوت نسب کے ساتھ ساتھ شوہر پر حد قذف بھی لگائی جائے گی، کیوں کہ پہلے بچے کا انکار اور دوسرے کا اقرار کر کے اس نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا ہے اور قذف کے بعد تکذیب کرنے سے حد جاری ہوتا ہے، اسی لیے اس پر حد جاری ہوگی۔

و إن اعترف الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں بچوں میں سے شوہر نے پہلے بچے کا اعتراف کیا اور دوسرے کی نفی کردی تو اس صورت میں بھی اس کی نفی معتبر نہیں ہوگی اور دونوں بچے اسی سے ثابت النسب ہوں گے، کیوں کہ وہ دونوں جڑواں ہیں اور ایک ہی منی اور پانی سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا اس میں دوسرے کے پانی کا احتمال معدوم ہے اور اس صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا، حد جاری نہیں ہوگی، کیوں کہ اس نے پہلے بچے کا اقرار کرلیا ہے اور دوسرے کی نفی ہے اور چوں کہ اس نفی کے بعد اس نے اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اس لیے یہ صرف قذف ہوگا اور اس کی وجہ سے شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

والاقرار الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب صورت ثانیہ میں شوہر نے پہلے بچے کا اقرار اور دوسرے کا انکار کیا ہے تو انکار ثانی کے بعد بھی پہلے کے حق میں اقرار باقی ہے، لہٰذا اس اقرار کو ثانی کے انکار کے بعد سمجھا جائے اور جس طرح پہلی صورت میں انکار کے اقرار پر مقدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد جاری کی گئی تھی اسی طرح اس صورت میں بھی اس پر حد ہی جاری ہونی چاہیے اور اسے لعان سے بچانا چاہیے؟

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے پہلے بچے کے نسب کا اقرار کرلیا تو گویا اس نے عورت کی عفت اور پاکدامنی کا اقرار کیا ہے، لیکن دوسرے بچے کا انکار کر کے اس نے بیوی پر الزام تھوپ دیا اور یہاں عفت کا اقرار ہر اعتبار سے قذف پر مقدم ہے لہٰذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے بیوی سے کہا أنت عفیفة یعنی تم بہت پاک صاف ہو لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد سب پر پانی پھیرتے ہوئے کہتا ہے کہ أنت زانیة کہ تم سے زیادہ بدکار اور بدچلن میری نگاہ میں کوئی نہیں ہے۔ اور ایسا کہنے کی صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئلہ میں بھی اس پر لعان ہی واجب ہوگا اور حد نہیں جاری کی جائے گی۔

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهٖ

یہ باب عنین وغیرہ کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ان لوگوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں جو صحیح سالم ہیں اور نکاح اور طلاق کے لائق ہیں اب یہاں سے ان لوگوں کے احکام بیان کیے جائیں گے جو نکاح کے قابل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سالم غیر سالم پر مقدم ہوتا ہے اس لیے صحیح لوگوں کے احکام کے بعد عنین کے احکام کو بیان کیا جارہا ہے۔

واضح رہے کہ عنین اس شخص کو کہتے ہیں جو عورتوں سے ہم بستری کرنے پر قادر نہ ہو خواہ اس کا آلۂ تناسل کھڑا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی خاں اور مرغینانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ العنين من لايصل إلى النساء مع قيام الألة یعنی جو شخص آلۂ تناسل کے ہوتے ہوئے بھی عورت کے پاس جانے یعنی ان سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو، وہ عنین ہے، وفي الجواهر العنين من لاينتشر ذكره یعنی جس کا آلہ منتشر نہ ہوتا ہو وہ عنین ہے، بنایہ ہی میں ہے کہ عنین کو اس لیے عنین کہتے ہیں کہ اس کا ذکر ڈھیلا رہتا ہے اور دائیں بائیں لٹکتا رہتا ہے۔ (بنایہ ۳۹۱/۵)

وَ إِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيْنًا أَجَّلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا فَبِهَا وَ إِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا إِذَا طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ، هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِيٍّ وَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلِأَنَّ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَهَا فِي الْوَطْيِ وَ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الْإِمْتِنَاعُ لِعِلَّةٍ مُعْتَرِضَةٍ ، وَ يَحْتَمِلُ لِاٰفَةٍ أَصْلِيَّةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ مُعَرِّفَةٍ لِذٰلِكَ وَ قَدَّرْنَاهَا بِالسَّنَةِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُوْلِ الْأَرْبَعَةِ، فَإِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ وَ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا تَبَيَّنَ أَنَّ الْعِجْزَ بِاٰفَةٍ أَصْلِيَّةٍ فَفَاتَ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ ، فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، وَ لَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا، لِأَنَّ التَّفْرِيْقَ حَقُّهَا.

ترجمہ: اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے ایک سال کی مہلت دے، چنانچہ اگر (ایک سال کے درمیان) وہ عورت کے پاس گیا تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کے تفریق کا مطالبہ کرنے پر حاکم ان دونوں میں تفریق کردے گا، اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور اس لیے کہ وطی کے سلسلے میں عورت کا حق ثابت ہے اور ہوسکتا ہے کہ شوہر کا وطی سے رکنا کسی پیش آمدہ بیماری کی وجہ سے ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اصلی آفت کی وجہ سے ہو، لہٰذا ایک ایسی مدت ضروری ہے جو اس کی شناخت کرانے

والی ہو اور ہم نے ایک سال کے ذریعے اس مدت کی تعیین کی ہے کیوں کہ سال چاروں فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب مدت گذرگئی اور شوہر بیوی کے پاس نہیں پہنچا تو یہ واضح ہوگیا کہ عجز آفت اصلیہ کی وجہ سے ہے چنانچہ امساک بالمعروف فوت ہوگیا اور شوہر پر تسریح بالاحسان واجب ہوگیا لیکن جب شوہر اس سے رک گیا تو قاضی اس کے قائم مقام ہوکر ان دونوں میں تفریق کردے گا۔ اور عورت کا (تفریق کو) طلب کرنا ضروری ہے، کیوں کہ تفریق اس کا حق ہے۔

اللغات:

﴿عنین﴾ نامرد، غیر قادر علی الجماع۔ ﴿أجّل﴾ مہلت دے، مدت مقرر کرے۔ ﴿امتناع﴾ رکنا۔ ﴿معترضة﴾ عارضی، پیش آمدہ۔ ﴿افة﴾ مصیبت۔ ﴿معرفة﴾ پہچان کرانے والی۔ ﴿قدّرنا﴾ ہم نے مقرر کیا ہے۔ ﴿ناب﴾ نائب ہوگا۔

عنین کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر نامرد اور عنین ہو اور اس کی بیوی قاضی کے دربار میں جاکر تفریق کا مطالبہ کرے تو سب سے پہلے قاضی اس کے شوہر کو علاج ومعالجہ کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا اگر ایک سال کے دوران عنین اپنا علاج کراکے جماع پر قادر ہوجاتا ہے اور بیوی سے وطی کرکے اس کو مطمئن کردیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ایک سال کے بعد قاضی میاں بیوی میں تفریق کردیگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عنین کو ایک سال کی مہلت کا حکم حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے چنانچہ صاحب بنایہ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ان حضرات کے اقوال کو نقل کیا ہے، **عن سعید بن المسیب** رضی اللہ عنہ **قال قضی عمر بن الخطاب في العنین أن یؤجل سنة، وعن علي** رضی اللہ عنہ **یؤجل العنین سنة فإن وصل إلیها و إلاّ فرق بینهما۔ وعن ابن مسعود** رضی اللہ عنہما **قال یؤجل العنین سنة فإن جامع و إلاّ فرق بینهما** (بنایہ ۵/ ۳۹۲) ان تمام آثار روایات سے یہ واضح ہے کہ عنین کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ وطی عورت کا ایک ثابت شدہ حق ہے لیکن جب شوہر وطی کرنے سے باز رہا تو یہ بھی احتمال ہے کہ اُسے کوئی عارضی بیماری ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پیدائشی اور اصلی بیماری ہے اور اصلی اور عارضی کا پتا لگانے کے لیے ایک مدت درکار ہے، اس لیے ہم نے اس سلسلے میں ایک سال کی تعیین کی اور اس کی جانچ کے لیے ایک سال کی مدت متعین کی کیوں کہ سال سردی، گرمی، ربیع اور خریف کو ملاکر چار فصلوں اور موسموں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں اچھی طرح مرض کی پوزیشن اور کنڈیشن معلوم ہوجاتی ہے۔ اب اگر ایک سال کے بعد وہ آکر بیوی سے ملتا ہے اور اس کا جی بھر دیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا مرض اصلی اور پیدائشی ہے اور وہ شخص جماع پر قادر نہیں ہوسکتا اور جماع پر قادر نہ ہونے کی صورت میں وہ بیوی کے حق میں امساک بالمعروف فوت کرچکا ہے، اس لیے اس پر تسریح بالاحسان واجب ہے، لیکن جب شوہر اس سے بھی باز رہا اور اس نے ایسا نہیں کیا تو پھر قاضی شوہر کے قائم مقام ہوکر دونوں میں تفریق کردے گا اور بیوی کو شوہر کے مظالم سے آزاد کردے گا۔

وَ تِلْكَ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ، لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيْ أُضِيْفَ إِلٰى فِعْلِ الزَّوْجِ فَكَأَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ **هُوَ فَسْخٌ، لٰكِنَّ النِّكَاحَ لَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ عِنْدَنَا، وَ إِنَّمَا تَقَعُ بَائِنَةً لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا**

لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِهَا، لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُ بَائِنَةً تَعُوْدُ مُعَلَّقَةً بِالْمُرَاجَعَةِ، وَ لَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا إِنْ كَانَ خَلَابِهَا، فَإِنَّ خَلْوَةَ الْعِنِّيْنِ صَحِيْحَةٌ، وَ يَجِبُ الْعِدَّةُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، هٰذَا إِذَا أَقَرَّ الزَّوْجُ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا.

ترجمه: اور یہ فرقت ایک طلاق بائن شمار ہوگی، اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کے فعل کی طرف منسوب کیا جائے گا تو گویا کہ شوہر نے اسے بذات خود طلاق دی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ فسخ ہے، لیکن ہمارے یہاں نکاح فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ اور یہ فرقت اس لیے بائنہ ہوگی، کہ جو اس کا مقصود ہے یعنی بیوی سے ظلم دور کرنا وہ صرف فرقت بائنہ ہی سے حاصل ہوگا، اس لیے کہ اگر فرقت بائنہ نہیں ہوگی تو شوہر کی مراجعت کر لینے سے وہ پھر لٹکی رہے گی۔ اور اگر شوہر نے اس عورت کے ساتھ خلوت کر لی تھی تو اسے پورا مہر ملے گا، اس لیے کہ عنین کی خلوت صحیح ہے۔ اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ سب اس وقت ہے جب شوہر نے یہ اقرار کیا ہو کہ وہ بیوی تک نہیں پہنچ سکا ہے۔

اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿فسخ﴾ توڑنا۔ ﴿خلا﴾ خلوت کی۔

عنین کے باب میں قاضی کی تفریق کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عنین اور اس کی بیوی کے درمیان واقع ہونے والی فرقت ہمارے یہاں طلاق بائن ہوگی کیوں کہ قاضی کا یہ فعل شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ خود شوہر نے اسے طلاق دی ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس فرقت کو فسخ قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فرقت بیوی کے مطالبۂ تفریق کی وجہ سے ہوئی ہے اور ہر وہ فرقت جو بیوی کی طرف سے ہو وہ فسخ کہلاتی ہے، کیوں کہ بیوی طلاق کی اہل نہیں ہے، مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح جب مکمل ہو جاتا ہے تو فسخ کو قبول نہیں کرتا اس لیے یہ فرقت فسخ نہیں ہوگی۔ اور یہ فرقت اگر چہ بیوی کے مطالبۂ تفریق کے بعد آئی ہے مگر اس مطالبہ کا سبب اصلی شوہر ہی ہے اس لیے اصلاً یہ فرقت شوہر کی طرف سے آئی ہے لہٰذا طلاق بائن شمار ہوگی۔

و إنما تقع الخ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ فرقت کے طلاق بائن ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس فرقت سے مقصود یہ ہے کہ عورت کو شوہر کے مظالم سے نجات مل جائے اور یہ نجات صرف طلاق بائن سے ہی ممکن ہے، کیوں کہ اگر ہم اس کو طلاق رجعی مان لیں تو پھر شوہر مراجعت کر لے گا اور عورت لٹکی رہے گی اور مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

ولها كمال مهرها الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عنین نے اس عورت کے ساتھ خلوت کر لی تو اس کی خلوت صحیح ہوگی اور اس خلوت کی وجہ سے عورت پر مہر واجب ہوگا اور عدت بھی واجب ہوگی، کیوں کہ اس کے رحم کے ماء زوج کے ساتھ مشغول ہونے کا وہم ہے اور عدت سے یہ وہم دور ہو سکتا ہے اس لیے عدت واجب ہوگی۔

هذا إذا أقرا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہو کہ میں بیوی کے پاس نہیں گیا ہوں لیکن اگر شوہر انکار کر دے تو کیا ہوگا؟ آگے دیکھیے:

وَلَوِاخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي الْوُصُوْلِ إِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهٖ، لِأَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفُرْقَةِ، وَالْأَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْجِبِلَّةِ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا، وَ إِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً ، وَ إِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ أُجِّلَ سَنَةً لِظُهُوْرِ كِذْبِهٖ، وَ إِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ يَحْلِفُ الزَّوْجُ، فَإِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا، وَ إِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً.

ترجمہ: اور اگر زوجین نے بیوی کے پاس شوہر کے پہنچنے میں اختلاف کیا تو اگر عورت ثیبہ ہو تو شوہر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لیے کہ وہ حق فرقت کے استحقاق کا انکار کرتا ہے۔ اور پیدائشی خلقت میں آلہ کی سلامتی اصل ہے۔ پھر اگر شوہر نے قسم کھالی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے (قسم سے) انکار کر دیا تو ایک سال تک اسے مہلت دی جائے گی۔ اور اگر عورت باکرہ ہو تو عورتیں اس کا معائنہ کریں چنانچہ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ عورت باکرہ ہے تو شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اس لیے کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ اور اگر عورتیں کہیں کہ یہ عورت ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ چنانچہ اگر اس نے قسم کھالی تو عورت کا حق نہیں رہا۔ اور اگر اس نے انکار کر دیا تو اسے ایک سال تک مہلت دی جائے گی۔

اللغات:

﴿ثیب﴾ شادی شدہ۔ ﴿جبلّۃ﴾ فطرت۔ ﴿نکل﴾ قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ ﴿یؤجّل﴾ مہلت دی جائے گی۔

شوہر کے اپنے عنین ہونے کا انکار کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے عورت کے پاس جانے اور وطی کرنے کا دعویٰ کیا لیکن بیوی نے انکار کر دیا اور بیوی ثیبہ ہے تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ شوہر حق فرقت کے عدمِ ثبوت اور وطی کے ثبوت کا مدعی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا آلہ صحیح سالم ہے اور یہی اصل بھی ہے کہ پیدائشی طور پر آلہ سلامت رہے، لیکن عورت اس سلامتی کی منکر ہے، لہٰذا اس حوالے سے اس کا قول ظاہر کے خلاف ہے اور شوہر کا قول ظاہر حال کے مطابق ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جس کا قول ظاہر کے موافق ہوتا ہے وہ یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں **الأصل أن من ساعده الظاهر فالقول قوله مع يمينه**، اس لیے صورت مسئلہ میں یمین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

ثم إن حلف الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر قسم کھالیتا ہے تو بیوی کا حق باطل ہو جائے گا لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو پھر اسے علاج ومعالجہ کے لیے ایک سال تک کی مہلت دی جائے گی۔ یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب عورت ثیبہ ہو لیکن اگر عورت باکرہ ہو تو پھر اس کا معاملہ چند عورتوں کے سپرد کیا جائے گا جو اس کی بکورت اور ثیوبت کا معائنہ کریں گی، چنانچہ اگر وہ عورتیں اس کے باکرہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں تو اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ شوہر کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا۔ اور اگر وہ عورتیں اس کے ثیبہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں تو شوہر سے قسم لی جائے گی، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بکارت وطی کے علاوہ کودنے اور مٹکنے سے زائل ہوئی ہو، لہٰذا اگر شوہر قسم کھا کر وطی کرنے کی بات کہدے گا تو پھر یہ پہلو موکد ہو جائے گا اور عورت کا

حق ختم ہوجائے گا البتہ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو عورت کے دعوے کو ایک قسم کی تقویت ملے گی اور شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، تاکہ وہ علاج و معالجہ کے ذریعے اپنے آپ کو ٹھیک ٹھاک کر لے۔

صاحب بنایہ و عنایہ نے لکھا ہے کہ عورت کی بکورت اور ثیوبت دریافت کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) عورت کی شرمگاہ میں مرغی کا سب سے چھوٹا انڈا داخل کیا جائے، اگر وہ انڈا آسانی سے اس کی شرمگاہ میں چلا جائے تو اسے ثیبہ سمجھا جائے گا لیکن اگر وہ آسانی سے نہ جائے تو پھر اسے باکرہ سمجھیں گے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس عورت کے لیے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہو تو باکرہ ہے ورنہ ثیبہ ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ انڈا توڑ کر شرمگاہ میں ڈالا جائے۔ اگر اندر چلا جائے تو وہ عورت ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے۔ (بنایہ ۵/۳۹۵)

وَ إِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ إِنْ طَلَبَتْ، لِأَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِي التَّأْجِيْلِ، وَالْخَصِيِّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ، لِأَنَّ وَطْيَهُ مَرْجُوٌّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو عورت کے طلب پر دونوں میں فوراً تفریق کر دی جائے گی، کیوں کہ اسے مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور جس طرح عنین کو مہلت دی جاتی ہے اسی طرح خصی کو بھی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ اس سے وطی کرنے کی توقع ہے۔

اللغات:

﴿مجبوب﴾ مقطوع الذکر۔ ﴿فرّق﴾ علیحدگی کرائی جائے گی۔ ﴿تاجیل﴾ مہلت دینا۔ ﴿خصی﴾ وہ مرد جس کے خصیتین نکال لیے گئے ہوں۔

مجبوب اور خصی کے احکام:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مقطوع الذکر ہو اور اس کے آلہ تناسل کو کاٹ دیا گیا ہو تو جس وقت اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے گی، اسی وقت قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے گا اور اس کے شوہر کو مہلت نہیں دے گا، کیوں کہ مہلت علاج کے لیے دی جاتی ہے اور جب اس کا آلہ ہی ختم ہے تو پھر مہلت دینا بیکار ہے، اس لیے بلا تاخیر و تاجیل ان میں تفریق کر دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص خصی ہو اور اس کے فوطے نکال لیے گئے ہوں تو جیسے عنین کو ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے اسی طرح اسے بھی سال بھر کی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ خصی مرد سے وطی کی توقع رہتی ہے اور معجون وغیرہ کھا کر وہ بھی وطی پر قادر ہو سکتا ہے۔

وَ إِذَا أُجِّلَ الْعِنِّيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَ أَنْكَرَتْ، نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ، لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ تَأَيَّدَتْ بِمُؤَيِّدٍ هِيَ الْبَكَارَةُ، وَ إِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ، حَلَفَ الزَّوْجُ، فَإِنْ نَكَلَ خُيِّرَتْ لِتَأْيِيْدِهَا بِالنُّكُوْلِ وَ إِنْ حَلَفَ لَا يُخَيَّرُ.

ترجمہ: اور جب عنین کو ایک سال کی مہلت دی گئی پھر اس نے کہا کہ میں نے اس سے جماع کر لیا ہے اور بیوی نے انکار کر دیا تو

عورتیں اسے دیکھیں، چنانچہ اگر وہ کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو اسے اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ عورتوں کی شہادت مؤید یعنی بیوی کے باکرہ ہونے سے قوی ہوگئی۔ اور اگر عورتوں نے کہا کہ وہ ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ لیکن اگر وہ قسم سے انکار کردے تو عورت کو اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ انکارِ زوج سے اسے تائید مل گئی۔ اور اگر شوہر نے قسم کھالیا تو اختیار نہیں دیا جائے گا۔

اللغات:

﴿اُجّل﴾ مہلت دی گئی۔ ﴿جامعت﴾ میں نے جماع کیا ہے۔ ﴿تایدت﴾ تائید یافتہ ہے۔ ﴿بکارۃ﴾ کنوارا پن۔

مہلت کے بعد عنین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے اور بیوی انکار کرتی ہو:

مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی نے عنین کو ایک سال کی مہلت دیدی تو ایک سال کے اندر اندر عنین نے قاضی صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ حضرت والا میں نے اپنا کام کردیا ہے اور اس عورت سے جماع کرلیا ہے، قاضی اس عورت کی انکوائری کے لیے چند خواتین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے جو مذکورہ عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے کی جانچ کریں، چنانچہ اگر وہ عورتیں اس عورت کو باکرہ قرار دیں تو پھر اسے تفریق اور عدم تفریق کا اختیار ہوگا اور جو وہ چاہے گی اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، کیوں کہ عورتوں کی شہادت اس کے باکرہ ہونے سے مزید مؤکد ہوگئی اس لیے وہ سچی شمار کی جائے گی اور شوہر کو جھوٹا تسلیم کیا جائے گا اور عورت کی منشاء کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا۔

لیکن اگر ان عورتوں نے مذکورہ عورت کو ثیبہ قرار دیا تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو پھر عورت کو اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ قسم سے انکار کی وجہ سے عورت کے دعویٰ کو تائید اور تقویت حاصل ہوگئی۔ اس لیے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور اگر شوہر قسم کھالیتا ہے تو اس عورت کا حق باطل ہوجائے گا اور فیصلہ شوہر کے ہاتھ میں ہوگا، کیوں کہ جانچ کنندہ عورتوں کی شہادت اور اس کی قسم کے ہم آہنگ ہونے سے اس کا دعویٰ مضبوط ہوگیا۔

وَ إِنْ كَانَ ثَيِّبًا فِي الْأَصْلِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ، فَإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ خِيَارٌ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِبُطْلَانِ حَقِّهَا، وَ فِي التَّأْجِيْلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيْحُ، وَ يُحْتَسَبُ بِأَيَّامِ الْحَيْضِ وَ بِشَهْرِ رَمَضَانَ لِوُجُوْدِ ذٰلِكَ فِي السَّنَةِ، وَ لَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَ مَرَضِهَا، لِأَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخْلُوْ عَنْهُ.

ترجمه: اور اگر عورت پیدائشی ثیبہ ہو تو یمین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اسے ہم بیان کرچکے ہیں۔ پھر اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کرلیا تو اس کے بعد اسے اختیار نہیں ملے گا کیوں کہ وہ اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہوگئی ہے۔ اور مہلت دینے میں قمری سال کا اعتبار ہوگا، یہی صحیح ہے، اور ایام حیض اور ماہ رمضان کو بھی شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ سال میں یہ پائے جاتے ہیں۔ اور میاں بیوی کی بیماری کے ایام شمار نہیں کیے جائیں گے، کیوں کہ سال کبھی کبھی بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿بطلان﴾ باطل ہوجانا۔ ﴿تأجیل﴾ مدت مقرر کرنا۔ ﴿یحتسب﴾ حساب کیا جائے گا۔ ﴿قد تخلو﴾ کبھی خالی بھی ہوتا ہے۔

مہلت کے بعد عنین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے اور بیوی انکار کرتی ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت پہلے سے ہی ثیبہ ہو اور جماع کے متعلق زوجین کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں یمین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ شوہر ثبوت فرقت کا منکر ہے اور بیوی مدعیہ ہے اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کی صورت میں یمین کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوگا صاحب ہدایہ نے وقد ذکرناہ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اگر شوہر کے قسم سے انکار کی وجہ سے عورت کو اختیار دیا گیا اور اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اب آئندہ کے لیے اس کا حق خیار ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے ایک مرتبہ شوہر کو اختیار کر کے اپنا حق باطل کر دیا ہے اور وہ اس کے بطلان پر راضی بھی ہوگئی ہے، تو کیا کرے گا قاضی۔

وفي التأجيل الخ: فرماتے ہیں کہ شوہر کو جو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اس میں قمری سال کا اعتبار ہوگا اور یہی صحیح ہے، صحیح کہہ کر حسن بن زیاد کے حوالے سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی اس روایت سے احتراز کیا گیا ہے جس میں وہ سال شمسی کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ سال قمری کا اعتبار ہوگا اور سال میں عورت کے ایام حیض اور ایام رمضان وغیرہ سب کا شمار ہوگا، کیوں کہ یہ سب سال کے تحت داخل اور شامل ہیں۔ ہاں میاں بیوی کے بیماری والے ایام سال کی تعداد میں معتبر نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ سال میں ایام مرض کا وجود ضروری نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی سال مرض اور بیماری سے پاک اور صاف ہوتا ہے، اس لیے ایام مرض کا شمار اور اعتبار نہیں ہوگا۔

فائدہ:

قمری سال میں کل ۳۵۴ ر دن ہوتے ہیں جب کہ شمسی سال میں ۳۶۵ ر کامل دن اور ایک دن کا بیسواں ایک سو حصہ بقول صاحب عنایہ، اور ایک دن کا چوتھائی حصہ اور ایک دن کا ایک سو بیسواں حصہ بقول صاحب بنایہ ہوتا ہے۔ (۵ر۳۹۷)

وَ إِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِلزَّوْجِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، يُرَدُّ بِالْعُيُوْبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُوْنُ وَالرَّتْقُ وَالْقَرْنُ، لِأَنَّهَا تَمْنَعُ الْإِسْتِيْفَاءَ حِسًّا وَ طَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ، قَالَ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ، وَ لَنَا أَنَّ فَوْتَ الْإِسْتِيْفَاءِ أَصْلًا بِالْمَوْتِ لَا يُوْجِبُ الْفَسْخَ فَاخْتِلَالُهُ بِهٰذِهِ الْعُيُوْبِ أَوْلٰى وَ هٰذَا لِأَنَّ الْإِسْتِيْفَاءَ مِنَ الثَّمَرَاتِ، وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ.

ترجمہ: اور اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو شوہر کو (فسخ نکاح کا) اختیار نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ عیوب سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے جذام سے، برص سے، جنون سے، رتق سے اور قرن سے، اس لیے کہ یہ امراض حساً اور طبعاً دونوں طرح مقصود حاصل کرنے سے مانع ہیں۔ اور طبع کو شرع سے تائید حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''جذامی شخص سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو'' ہماری دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے کلی طور پر استیفاء کا فوت ہونا موجب فسخ نہیں ہے، تو ان عیوب کی وجہ سے استیفاء کا مختل ہونا بدرجۂ اولیٰ موجب فسخ نہیں ہوگا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ فائدہ حاصل کرنا ثمراتِ نکاح میں سے ہے اور شوہر کا استحقاق قابو پانے میں ہے اور وہ حاصل ہے۔

اللغات:

﴿جذام﴾ کوڑھ۔ ﴿برص﴾ چتکبرا پن۔ ﴿جنون﴾ پاگل پن۔ ﴿رتق﴾ فرج داخل کا سوراخ نہ ہونا۔ ﴿قرن﴾ کسی ہڈی وغیرہ کے بڑھنے کی وجہ سے فرج میں ذکر داخل کرنے کی جگہ نہ ہونا۔ ﴿استیفاء﴾ وصولی حاصل کرنا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت حاصل کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه باب من کان یتقی المجذوم، حدیث: ۲٤٥٤٣.

عورت کے عیوب کی وجہ سے عدم فسخ کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت میں کوئی عیب ہو اور وہ اتنا خطرناک ہو کہ جماع سے مانع ہو تو بھی ہمارے یہاں اس عیب کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پانچ عیوب ایسے ہیں جن میں سے اگر کوئی عیب عورت کو پیش آجائے تو اس عیب کی وجہ سے اس کے شوہر کو فسخ نکاح کا حق ملے گا وہ پانچ عیوب ہیں (۱) جذام کوڑھ کی بیماری (۲) برص جلد کے سفید ہونے کی بیماری (۳) جنون یعنی پاگل پن (۴) رتق یعنی عورت کی شرمگاہ کے حصے میں پیشاب کے راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہ ہو اور جماع ممکن نہ ہو (۵) قرن وہ بیماری کہلاتی ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں ہڈی وغیرہ بڑھی ہو اور راستہ اتنا تنگ ہو کہ مرد اس میں اپنا ذکر داخل نہ کرسکتا ہو۔ (بنایہ ۳۹۸/۵) یہ پانچ عیوب ہیں اور ان میں سے ہر عیب مانع جماع ہے کیوں کہ یا تو طبعاً یہ مانع جماع ہیں یا حسًا چنانچہ آخر کے دونوں یعنی رتق اور قرن حسًا مانع جماع ہیں اور محنت ومشقت کے بعد بھی ان کے ہوتے ہوئے کام یابی نہیں مل سکتی اور پہلے تینوں امراض طبعاً مانع جماع ہیں، کیوں کہ ان میں سے کسی بھی عیب کے ہوتے ہوئے جماع کرنا تو درکنار طبیعت سلیمہ جماع کے متعلق سوچنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ اور یہ انکار اتنا قوی اور زوردار ہوتا ہے کہ خود صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے **فِرَّ من المجذوم فِرارَكَ من الأسد** یعنی شیر کو دیکھ کر جس طرح تیزی سے بھاگتے ہو، اسی طرح کوڑھ کے مرض میں مبتلا انسان کو دیکھ کر بھاگا کرو۔ معلوم ہوا کہ ان امراض سے جماع کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے یہ فسخ نکاح کے حق میں مؤثر ہوں گے اور ان میں سے کسی بھی عیب کے پیش آنے کی صورت میں نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ عیب کتنا بھی قوی اور خطرناک ہو لیکن موت سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ اور موت کی وجہ سے وطی کا فوت ہونا نکاح کے فسخ کا موجب نہیں ہے تو ان عیوب کی وجہ سے فوات وطی کی صورت میں کیوں کر نکاح فسخ ہوگا جب کہ ان کی وجہ سے کما حقہ وطی فوت نہیں ہوتی بلکہ اس میں خلل واقع ہوتا ہے، لہٰذا جب بالکلیہ فوت ہونا موجب فسخ نہیں ہے تو مختل ہونا تو بدرجۂ اولیٰ موجب فسخ نہیں ہوگا۔

وهذا الخ: فرماتے ہیں کہ ان عیوب کی وجہ سے اس لیے بھی نکاح فسخ نہیں ہوسکتا کیوں کہ وطی نکاح کا ثمرہ ہے اور شوہر کا حق ثمرہ میں نہیں ہے بلکہ وطی پر قابو پانے میں ہے اور وطی پر قابو پانا ان عیوب کے ہوتے ہوئے بھی ممکن ہے اور علاج ومعالجہ کے ذریعے انہیں بھگایا اور دور کیا جاسکتا ہے۔

وَ إِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جُذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ، وَ

قَالَ مُحَمَّدٌ رَحمۃ اللہ علیہ لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعَنَةِ، بِخِلَافِ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلَاقِ. وَلَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ وَ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي الْجَبِّ وَالْعَنَةِ، لِأَنَّهُمَا يُخِلَّانِ بِالْمَقْصُوْدِ الْمَشْرُوْعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَ هٰذِهِ الْعُيُوْبُ غَيْرُ مُخِلَّةٍ بِهِ فَافْتَرَقَا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمه: اور اگر شوہر کو جنون یا برص یا کوڑھ ہو تو حضرات شیخینؒ کے یہاں بیوی کو خیار نہیں ملے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے اسے خیار ملے گا جیسا کہ مجبوب اور عنین میں ہے۔ برخلاف جانب زوج کے، اس لیے کہ شوہر طلاق کے ذریعے دفع ضرر پر قادر ہے۔ حضرات شیخین علیہما الرحمۃ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو خیار کا نہ ہونا ہے کیوں کہ اس میں شوہر کے حق کو باطل کرنا ہے لیکن مجبوب اور عنین میں اس لیے خیار ثابت ہوتا ہے کیوں کہ یہ دونوں اس مقصود میں مخل ہیں جس کے لیے نکاح مشروع کیا گیا ہے۔ اور یہ عیوب اس مقصود میں مخل نہیں ہیں، لہٰذا دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب وعنہ کے علاوہ شوہر میں کسی دوسرے عیب کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر پاگل ہو یا برص یا جذام کی بیماری میں مبتلا ہو تو حضرات شیخینؒ کے یہاں اس عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں دیا جائے گا، جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسے فسخ نکاح کا اختیار دینے کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل مقطوع الذکر اور عنین شخص کی بیوی پر قیاس ہے، یعنی جس طرح مقطوع الذکر اور عنین مرد کی بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے اسے فسخ کا اختیار دیا جاتا ہے اسی طرح مجذوم اور مجنون کی بیوی کو بھی فسخ نکاح کا اختیار ملنا چاہیے، کیوں کہ شوہر کے ان عیوب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہے اور اس ضرر کو دور کرنا ضروری ہے اور دفع ضرر کے لیے خیار کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اس لیے خیار دیا جائے گا۔ اس کے بالمقابل اگر بیوی میں یہ عیوب پیدا ہو جائیں تو اسے فسخ نکاح کا اختیار نہیں ملے گا کیوں کہ شریعت نے اسے طلاق کا مالک بنایا ہے اور طلاق میں بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس لیے شوہر طلاق کے ذریعے اپنے ضرر کو دور کرسکتا ہے لہٰذا اسے اختیار نہیں دیا جائے گا۔

ولهما الخ: حضرات شیخین علیہما الرحمۃ کی دلیل یہ ہے کہ اصل بات تو یہی ہے کہ عورت کو خیار نہ دیا جائے، کیوں کہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دینے میں شوہر کے حق کا ابطال ہے اور ایک کو جلا کر دوسرے کو مارنا کوئی دانش مندی نہیں ہے، لیکن مقطوع الذکر اور عنین کی بیوی کو اس لیے اختیار دیا گیا ہے، کیوں کہ یہ دونوں نکاح کے ذریعے ثابت ہونے والے مقصود یعنی وطی کو فوت کر رہے ہیں، لہٰذا جب یہ دونوں خود مر رہے ہیں تو پھر ان کے ساتھ ان کی بیویوں کو کیوں کہ مارا جائے، اس لیے انہیں زندہ اور تابندہ رکھنے کے لیے شریعت نے ان کی بیویوں کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے۔ اس کے برخلاف جنون اور جذام وغیرہ مقصود نکاح کو فوت نہیں کرتے، بلکہ عارضی طور پر اس میں مخل بنتے ہیں، لہٰذا ان کی وجہ سے عورتوں کو فسخ جیسا بڑا اختیار نہیں دیا جائے گا ورنہ تو معمولی سی جھڑپ اور جھگڑے کے بعد ہر عورت کو اس کا شوہر پاگل نظر آئے گا اور وہ فسخ کا دعویٰ لے کر قاضی کا دربار کھٹکھٹائے گی۔ بہر حال مجنون اور مجذوم نیز مقطوع الذکر اور عنین میں فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ **فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم**.

بَابُ الْعِدَّةِ

یہ باب احکام عدت کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے فرقت اور اسباب فرقت کو بیان کیا ہے اور چوں کہ عدت اسی فرقت کا اثر ہے اور اثر مؤثر کے بعد ہوتا ہے، اس لیے طلاق اور فسخ وغیرہ کے بعد عدت کے احکام ومسائل کو بیان کیا جارہا ہے۔

عدت کے لغوی معنی ہیں: أیام أقراء المرأة یعنی عورت کے ایام حیض۔

عدت کے شرعی معنی ہیں: تَرَبُّصٌ یلزم المرأة عند زوال ملك المتعة مؤكدا بالدخول أو الخلوة أو الموت: یعنی دخول، خلوت یا موت کے ساتھ مؤکد ملک متعہ کے زوال پر عورت کو لازم ہونے والے انتظار اور تربص کا نام اصطلاح شرع میں عدت ہے۔

عدت کا سبب: نکاح یا شبہہ نکاح ہے۔

عدت کی شرط: نکاح کا زوال ہے۔ (بنایه ۵/ ۴۰۲، وهكذا في العنایه)

وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ أَقْرَاءٍ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (سورة البقرة : ۲۲۸)، وَالْفُرْقَةُ إِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِي مَعْنَى الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِيَةِ عَلَى النِّكَاحِ، وَ هٰذَا يَتَحَقَّقُ فِيهَا، وَ الْأَقْرَاءُ الْحِيَضُ عِنْدَنَا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْأَطْهَارُ، وَاللَّفْظُ حَقِيقَةٌ فِيهِمَا إِذْ هُوَ مِنَ الْأَضْدَادِ، كَذَا قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ وَ لَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةً لِلْاِشْتِرَاكِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيْضِ أَوْلٰى إِمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ، لِأَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْأَطْهَارِ وَالطَّلَاقُ يُوْقَعُ فِي طُهْرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا أَوْ لِأَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّحِمِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ أَوْ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((وَ عِدَّةُ الْأَمَةِ حَيْضَتَانِ)) فَيَلْتَحِقُ بَيَانًا بِهِ.

ترجمہ: جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دی یا بغیر طلاق کے ان دونوں میں فرقت واقع ہوئی اور بیوی آزاد ہے اور ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین

حیض تک رو کے رکھیں اور وہ فرقت جو بغیر طلاق کے ہو وہ طلاق کے معنی میں ہے، اس لیے کہ نکاح پر طاری ہونے والی فرقت میں رحم کے حمل سے پاک ہونے کی شناخت کے لیے عدت واجب ہوئی ہے اور یہ معنی اس فرقت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں اقراء سے حیض مراد ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطہار مراد ہیں اور لفظ قروء دونوں معنوں میں حقیقی ہے، کیوں کہ وہ اضداد میں سے ہے، ابن السکیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور دونوں معنوں کو یہ لفظ یکبارگی شامل نہیں ہوگا کیوں کہ وہ مشترک ہے۔ اور حیض پر اسے محمول کرنا اولیٰ ہے یا تو لفظ جمع پر عمل کرتے ہوئے، اس لیے کہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے اور طہر ہی میں طلاق بھی دی جائے تو جمع باقی نہیں رہے گا۔ یا اس لیے کہ حیض ہی براءت رحم کو بتاتا ہے اور یہی مقصود ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں، لہٰذا یہ فرمان قروء کا بیان ہو کر لاحق ہوگیا۔

اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿یتربصن﴾ انتظار کریں گی۔ ﴿تعرّف﴾ جاننا، پہچاننا۔ ﴿براءة﴾ غیر مشغول صفائی۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب فی سنة طلاق العبد، حدیث: ۲۱۸۹.

والترمذی فی کتاب الطلاق باب ماجاء ان طلاق الامة تطلیقتان، حدیث: ۱۱۸۲.

حائضہ آزاد عورت کی عدتِ طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی یا طلاق رجعی دیا، یا بغیر طلاق کے خیار بلوغ اور خیار عتق وغیرہ کی وجہ سے ان میں فرقت واقع ہوئی اور عورت آزاد ہے نیز ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو ہمارے یہاں اس کی عدت تین حیض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وہ عورتیں جنہیں طلاق دی جائے وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں'' اس سے معلوم ہوا کہ مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض ہے اور بدون طلاق واقع ہونے والی فرقت بھی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے اس لیے اس فرقت پر بھی عدت واجب ہوگی، کیوں کہ عدت کا وجوب اسی مقصد سے ہوتا ہے تاکہ نکاح پر طاری ہونے والی فرقت میں رحم کے ماء زوج کے ساتھ مشغول ہونے یا مشغول نہ ہونے کا علم ہوجائے اور یہ معنی چوں کہ فرقت بغیر طلاق میں بھی موجود ہیں، اس لیے بھی فرقت بدون طلاق، طلاق کے حکم میں ہوگی اور اس فرقت پر بھی عدت واجب ہوگی۔

والأقراء الخ: فرماتے ہیں کہ لفظ اَقراء اضداد میں سے ہے اور طہر وحیض دونوں معنوں میں مشترک ہے اور دونوں کے لیے حقیقت ہے، یہی امام لغت ابن السکیت کی رائے ہے، مگر اس لفظ سے دونوں معنی ایک ساتھ نہیں مراد لیے جاسکتے اس لیے فقہائے احناف نے اس سے حیض مراد لیا ہے اور فقہائے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے طہر پر محمول کیا ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اسے حیض پر محمول کرنا اولیٰ اور بہتر ہے کیوں کہ قرآن کریم میں ثلاثة قروء وارد ہوا ہے اور قروء قَرْءٌ کی جمع ہے اور اقل جمع تین کی تعداد ہے لہٰذا اسے حیض پر محمول کرنے کی صورت میں ہی جمع پر عمل کرنا ممکن ہوگا، کیوں کہ اگر اس سے طہر مراد لیا جائے تو جمع پر عمل متعذر ہوگا، کیوں کہ طلاق میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے اب اگر جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اسے عدت میں شمار

کریں گے تو یقیناً اس طہر کا کچھ نہ کچھ حصہ گذرا ہوگا جس میں طلاق دی گئی ہے اور اس کے بعد مزید دو طہر اور عدت میں محسوب ہوں گے تو اس اعتبار سے تعداد عدت کی مدت دو کامل طہر اور تیسرے طہر کا کچھ یا اس سے زائد حصہ ہوگا اور ثلاثہ پر عمل نہیں ہوگا۔ اور اگر جس طہر میں طلاق واقع کی گئی ہے اسے عدت میں شمار نہ کرکے اس کے علاوہ الگ سے تین طہر کو عدت قرار دیں تو پھر اس اعتبار سے عورت کی عدت دراز ہوجائے گی، کیوں کہ اس طہر کے بعد حیض آئے گا اور اس کے بعد جو طہر آئے گا اس سے عدت شمار ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر قروء سے حیض مراد لیں تو عدت میں بھی آسانی ہوگی کہ جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس کے بعد والے حیض سے عدت شمار ہوگی اور پھر طہر میں طلاق دینے کی سنت پر بھی عمل ہوجائے گا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصد براءت رحم کو معلوم کرنا ہے اور یہ مقصد حیض سے حاصل ہوگا نہ کہ طہر سے، لہٰذا اس سے بھی قروء کو حیض ہی پر محمول کریں گے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ باندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے **طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان** کا فرمان جاری کرکے اس کے حق میں حیض کو عدت قرار دے کر یہ اشارہ دے دیا ہے کہ عدت کا حساب حیض سے ہوگا اور چوں کہ باندی آزاد عورت کے تابع ہے اس لیے اس کی عدت بھی حیض سے شمار کی جائے گی اور اس حدیث کو ثلاثۃ قروء کے لیے مؤضح اور مفسر قرار دیں گے۔

وَ إِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ الْاٰيَةُ﴾ (سورة الطلاق: ٤)، **وَ كَذَا الَّتِيْ بَلَغَتْ بِالسِّنِّ وَ لَمْ تَحِضْ بِاٰخِرِ الْاٰيَةِ، وَ إِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَ أُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾** (سورة الطلاق : ٤).

ترجمه: اور اگر بیوی ایسی ہو جس کو صغر سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ''وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہوگئی ہوں (ان کی عدت تین ماہ ہے) اور ایسے ہی وہ عورت جو عمر کے اعتبار سے بالغہ ہوگئی ہو اور اسے حیض نہ آتا ہو۔ آخر آیت سے۔ اور اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کردے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل جَن دیں۔

اللغات:

﴿لا تحیض﴾ حیض نہ آتا ہو۔ ﴿صغر﴾ کم سنی۔ ﴿کبر﴾ بڑھاپا، بڑی عمر۔ ﴿سنّ﴾ سالوں کی تعداد عمر۔ ﴿لم تحض﴾ حیض نہ آیا ہو۔ ﴿أجل﴾ مدت مقررہ۔

غیر حائضہ اور حاملہ کی عدت طلاق:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں ان عورتوں کی عدت بیان کی ہے جنہیں حیض نہیں آتا، چنانچہ ایک عورت تو وہ ہے جسے صغر سنی اور کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آتا، دوسری عورت وہ ہے جسے کبر سنی اور بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، تیسری وہ عورت ہے جو عمر کے اعتبار سے تو بالغہ ہوگئی ہو لیکن پھر بھی اسے حیض نہ آتا ہو۔ واضح رہے کہ عورت کی عمر بلوغ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

سترہ سال ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں پندرہ سال ہے (بنایہ) ان تینوں کی مدت عدت تین ماہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہوجائیں، اگر ان کی عدت کے حوالے سے تمہیں کوئی شبہہ ہو تو (یاد رکھو) ان کی عدت تین ماہ ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ سے صغیرہ اور کبیرہ عورتوں کی عدت معلوم بھی ہوگئی اور اس عورت کی عدت بھی معلوم ہوگئی جو عمر کے لحاظ سے بالغ ہوگئی ہو لیکن اسے حیض نہ آتا ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد **واللائي لم يحضن** کی عبارت بیان کی ہے اور اسے **واللائي لم ينسن** پر عطف کیا ہے اور ان دونوں عمر کے لیے ایک ہی خبر یعنی **فعدتهن ثلاثة أشهر** بیان کیا ہے۔ (عنایہ)

و إن كانت حاملاً الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مطلقہ عورت حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم نے حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا **وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن**۔

وَ إِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ[1] ((طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَ عِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ))، وَ لِأَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ وَالْحَيْضَةُ لَا تَتَجَزّٰى فَكَمُلَتْ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ وَ إِلَيْهِ أَشَارَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِقَوْلِهِ لَوِ اسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَيْضَةً وَ نِصْفًا. وَ إِنْ كَانَتْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَ نِصْفٌ وَ لِأَنَّهُ مُتَجَزٍّ فَأَمْكَنَ تَنْصِيفُهُ عَمَلًا بِالرِّقِّ.

ترجمہ: اور اگر بیوی باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''باندی کی طلاق دو ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں'' اور اس لیے بھی کہ رقیت تنصیف کرنے والی ہے اور ایک حیض متجزی نہیں ہوتا لہٰذا وہ پورا ہوگا اور عدت دو حیض ہوگی۔ اور اسی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا ہے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو باندی کی عدت کو ڈیڑھ حیض قرار دے دیتا۔ اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی، اس لیے کہ مہینہ متجزی ہوسکتا ہے لہٰذا رقیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی تنصیف کرنا ممکن ہے۔

اللغات:

﴿امة﴾ باندی۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿منصف﴾ آدھا کرنے والا۔ ﴿لا تتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿کملت﴾ پورا ہوگا۔ ﴿تنصیف﴾ آدھا کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب ی سنة طلاق العبد، حدیث رقم: ۲۱۸۹.

والترمذی فی کتاب الطلاق، باب ما جاء ان طلاق الامة تطليقتان، حدیث رقم: ۱۱۸۲.

باندی کی عدت طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی باندی ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت دو حیض ہوگی، کیوں کہ باندی کی طلاق بھی دو ہی ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ باندی کی طلاق دو ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ باندی رقیق اور مملوک ہوتی ہے اور رقیت نعمتوں میں تنصیف کردیتی ہے، اس لیے تنصیف کے پیش نظر تو باندی کی عدت ڈیڑھ

حیض ہونا چاہیے مگر چوں کہ حیض میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے نصف کو ایک مکمل کر کے دو حیض اس کی عدت قرار دے دی گئی۔ اسی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اشارہ ملتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں باندی کی عدت کو ڈیڑھ حیض قرار دے دیتا مگر چوں کہ حیض متجزی نہیں ہوتا اس لیے اس کی عدت کامل دو حیض قرار دیا گیا ہے۔

و إن كانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی، کیوں کہ مہینہ کی تنصیف ممکن ہے، لہٰذا اب رقیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تین ماہ کی تنصیف کی جائے گی اور ڈیڑھ ماہ کو عدت قرار دیا جائے گا۔

وَ عِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَفَاتِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا﴾ (سورة البقرة : ٢٣٤)، وَ عِدَّةُ الْأَمَةِ شَهْرَانِ وَ خَمْسَةُ أَيَّامٍ، لِأَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ، وَ إِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَ أُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق : ٤) وَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَ الْآيَةِ الَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَ قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ لَوْ وَضَعَتْ وَ زَوْجُهَا عَلٰى سَرِيْرَةٍ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَ حَلَّ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ.

ترجمہ: اور آزاد عورت کی عدت وفات چار ماہ دس دن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے **والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا** یعنی جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویوں کو چھوڑ جائیں ان کی بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں۔ اور باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے، اس لیے کہ رقیت تنصیف کرنے والی ہے۔ اور اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **وأولات الأحمال الخ** مطلق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورۂ نساء قصریٰ اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر بیوی نے اس حال میں بچہ جنا کہ اس کا شوہر تختۂ مرگ پر ہو تو بھی اس کی عدت پوری ہوگئی اور اس کے لیے نکاح کرنا حلال ہے۔

اللغات:

﴿حرّة﴾ آزاد عورت۔ ﴿يذرون﴾ چھوڑ دیں۔ ﴿يتربصن﴾ انتظار کریں، رکی رہیں۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿منصّف﴾ آدھا کرنے والا۔ ﴿سريرة﴾ تختہ، جنازے کی چارپائی۔

عدت وفات زوج:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد عورت کا شوہر وفات پا جائے اور وہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے "**والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً**" اور اگر متوفی عنہا زوجہا کوئی باندی ہو تو پھر اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے، کیوں کہ باندی رقیق ہے اور رقیت نعمتوں کی تنصیف کر دیتی ہے۔ اور اگر وہ عورت جس کا شوہر مرا ہو خواہ وہ مطلقہ ہو یا حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ

وہ عورت آزاد ہو یا باندی بہر حال اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم کا اعلان و أولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن الخ مطلق ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت کے وضع حمل ہونے میں صریح ہے، لہٰذا اس میں مطلقہ حاملہ بھی داخل ہوگی اور متوفی عنہا زوجہا بھی شامل ہوگی۔

وقال عبدالله الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت مطلقاً چار ماہ دس دن تھی خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، لیکن جب یہ آیت اتری و أولات الأحمال الخ تو پھر مطلق والا حکم منسوخ ہوگیا اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار پائی، اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجا یتربصن الخ پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کی یہ آیت و أولات الأحمال الخ بعد میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت آیت بقرہ کے لیے ناسخ ہے اور مجھے اس پر اتنا یقین ہے کہ میں اس سلسلے میں مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں، ان کے اس فرمان مقدس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ اگر بیوی حاملہ ہو اور اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، لیکن تدفین سے پہلے ہی بیوی نے بچہ جن دیا تو بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کے لیے دوسرے شخص سے نکاح کرنا حلال ہوگا کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل تھی اور وہ پایا گیا۔

وَ إِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ثَلٰثُ حِيَضٍ، وَ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا أَوْ ثَلٰثًا، أَمَّا إِذَا كَانَ رَجْعِيًّا فَعَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَنَّ النِّكَاحَ قَدِ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَ لَزِمَتْهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ وَ إِنَّمَا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِي الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ وَانْقَطَعَ فِي حَقِّ تَغَيُّرِ الْعِدَّةِ بِخِلَافِ الرَّجْعِيِّ لِأَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ اِحْتِيَاطًا فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَ لَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ حَتّٰى وَرِثَتْهُ امْرَأَتُهٗ فَعِدَّتُهَا عَلٰى هٰذَا الْإِخْتِلَافِ وَ قِيْلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ النِّكَاحَ حِيْنَئِذٍ مَا اعْتُبِرَ بَاقِيًا إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ فِي حَقِّ الْإِرْثِ، لِأَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ.

ترجمہ: اور جب مطلقہ مرض الموت میں وارث ہوئی تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے مدت دراز ہوگی اور یہ حکم حضرات طرفینؒ کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین حیض (اس کی عدت) ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طلاق بائن ہو یا تین طلاق ہو، لیکن اگر طلاق رجعی ہو تو بالاتفاق اس پر عدت وفات واجب ہے، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کی وجہ سے موت سے پہلے ہی نکاح منقطع ہو چکا ہے اور اس عورت پر تین حیض لازم ہو چکے ہیں۔ اور عدت وفات تو اس وقت واجب ہوتی ہے جب وفات کی صورت میں نکاح ختم ہوا ہو، لیکن میراث کے حق میں نکاح باقی ہے اور عدت بدلنے کے حق میں ختم ہو چکا ہے۔ برخلاف طلاق رجعی کے، کیوں کہ (اس میں) من کل وجہ نکاح باقی رہتا ہے۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح

میراث کے حق میں باقی ہے تو احتیاطاً عدت کے حق میں بھی باقی رکھا جائے گا اور دونوں کو جمع کر دیا جائے گا۔

اور اگر مرتد ہونے کی وجہ سے شوہر کو قتل کر دیا گیا یہاں تک کہ اس کی بیوی اس کی وارث ہوئی تو اس کی عدت اسی اختلاف پر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی عدت بالاتفاق حیض سے ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں میراث کے متعلق موت کے وقت تک نکاح کو باقی نہیں مانا گیا ہے، کیوں کہ مسلمہ کافر کی وارث نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿ورثت﴾ وارث ہوئی۔ ﴿أبعد﴾ زیادہ دور۔ ﴿أجل﴾ مدت مقررہ۔ ﴿ردّة﴾ ارتداد، مرتد ہونا۔

طلاق اور وفات کی عدت جمع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیا یا تین طلاق دیا لیکن بیوی کی عدت کے دوران ہی اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اب یہ عورت مطلقہ بھی ہوئی اور متوفی عنہا زوجہا بھی ہوگئی اور چوں کہ مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدتیں الگ الگ ہیں اور یہ عورت دونوں کی حامل ہے، اس لیے اس پر کون سی عدت واجب ہوگی؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں، چنانچہ حضرات طرفینؒ کے یہاں وہ عورت عدت طلاق اور عدت وفات میں سے جو لمبی عدت ہوگی اسے پورا کرے گی، مثلاً اگر طلاق کے بعد اسے ایک حیض آیا اور زمانۂ طہر اتنا دراز ہو گیا کہ اس کے بعد چار ماہ دس دن گذر گئے تو اب بھی اس کی عدت برقرار ہے اور اس پر مزید دو حیض تک عدت میں رہنا ضروری ہے خواہ یہ دو حیض کتنے دنوں بعد ہی کیوں نہ آئیں، ایسے ہی اگر تیسرے حیض میں شوہر کا انتقال ہوا اور اس میں سے صرف تین یوم باقی تھے تو چوں کہ ابھی چار ماہ دس دن کی تکمیل نہیں ہوئی ہے، اس لیے اب وہ عورت چار ماہ دس دن تک عدت میں رہے گی۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کی عدت صرف تین حیض ہے خواہ اس میں چار ماہ دس دن گذرے ہوں یا نہ گذرے ہوں۔

ومعناه الخ: فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات طرفینؒ کا مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جب شوہر نے بیوی کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی ہو، لیکن اگر اس نے طلاق رجعی دی ہو تو پھر سب کے یہاں اس کی عدت عدتِ وفات ہوگی۔

پہلے مسئلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب موت سے پہلے ہی اس عورت کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو طلاق کی وجہ سے اس کا نکاح ختم ہو گیا اور اس پر عدت طلاق یعنی تین حیض واجب ہو گئے اور چوں کہ طلاق کا معاملہ وفات سے مقدم ہے اس لیے عدت طلاق ہی کا اعتبار ہوگا اور اس پر طلاق کی عدت یعنی تین حیض ہی واجب ہوں گے، کیوں کہ عدت وفات تو اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب موت کی وجہ سے نکاح منقطع ہوا ہو۔

إلّا أنه بقي الخ: سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب طلاق کی وجہ سے نکاح منقطع ہوا ہے تو عدت میں شوہر کے مرنے سے اس کی بیوی کو وراثت بھی نہیں ملنی چاہیے حالاں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے وراثت دینے کے حق میں ہیں۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا سوال بجا ہے اور ہونا تو یہی چاہیے تھا لیکن ہم مجبور ہیں اور اس سلسلے میں حضرات صحابہ بہت پہلے اجماع کر کے یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ امرأۃ فار مستحق وراثت ہے اور بیوی کی عدت میں شوہر کا انتقال ہونے سے یہ بات واضح ہوئی کہ وہ عورت امرأۃ فار ہے لہٰذا اسے وراثت ملے گی۔

اس کے برخلاف اگر شوہر نے طلاق رجعی دی تھی تو اس صورت میں بالاتفاق اس کی بیوی (شوہر کے مرنے پر) مستحق وراثت ہوگی، کیوں کہ طلاق رجعی میں ہر اعتبار سے نکاح باقی اور برقرار رہتا ہے۔

ولهما الخ: حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ جب وراثت کے حق میں نکاح کو باقی رکھا گیا ہے تو احتیاطاً عدت کے حق میں بھی اسے باقی رکھا جائے گا اور دونوں عدتوں کو جمع کر کے أبعد الأجلین کو عدت قرار دیا جائے گا اس لیے کہ جس طرح وہ مطلقہ ہے اسی طرح متوفی عنہا زوجہا بھی ہے۔

ولو قتل علی ردته الخ: یہاں سے ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ارتداد کی وجہ سے اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح منقطع ہو جائے گا لیکن پھر بحالت ارتداد ہی اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی مسلمان بیوی اس کے مال کی وارث ہوگی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح مرتد مقتول کی بیوی اس کی وارث ہوتی ہے اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوتی، اسی طرح صورت مسئلہ میں مطلقہ بیوی اپنے متوفی شوہر کی وارث ہوگی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوگی، بلکہ اس کی عدت صرف تین حیض ہوں گے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ بھی حضرات طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مختلف فیہ ہے، لہٰذا جب فریق مخالف کو یہ تسلیم ہی نہیں ہے تو پھر اس کو لیکر ان کے خلاف استدلال کرنا کیسے درست ہے۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ مرتد کی بیوی کے متعلق بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ طرفین کے یہاں بھی اس کی عدت حیض ہی سے ہوگی اور ان کے نکاح کو وراثت کے حق میں شوہر کی موت کے وقت معتبر نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ بوقت موت شوہر مرتد اور کافر ہے اور اس کی بیوی مسلمان ہے اور ایک مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ أُعْتِقَتِ الْأَمَةُ فِيْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا إِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ بِقِيَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَ إِنْ أُعْتِقَتْ وَ هِيَ مَبْتُوْتَةٌ أَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا إِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيْنُوْنَةِ أَوِ الْمَوْتِ.

ترجمہ: پھر اگر باندی اپنی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی گئی تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، کیوں کہ ہر طرح سے نکاح باقی ہے۔ اور اگر یہ باندی اس حال میں آزاد کی گئی کہ وہ معتدہ بائنہ ہے یا متوفی عنہا زوجہا ہے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی، اس لیے کہ نکاح بینونت کی وجہ سے یا موت کی وجہ سے زائل ہو گیا ہے۔

اللغات:

﴿اعتقت﴾ آزاد کر دی گئی۔ ﴿امة﴾ باندی۔ ﴿حرائر﴾ واحد حرّہ؛ آزاد عورتیں۔ ﴿مبتوته﴾ بائنہ۔

دوران عدت باندی کا آزاد ہو جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی کے نکاح میں ہو اور اس نے اسے طلاق رجعی دیدی تو پھر عدت کے دوران اس باندی کے مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ تین حیض عدت گذارے گی، کیوں کہ

اس کو دی گئی طلاق طلاق رجعی ہے اور طلاق رجعی میں ہر طرح سے نکاح باقی رہتا ہے، لہٰذا یہ ایسا ہے گویا کہ وہ باندی منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کی گئی ہے اور منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد ہونے کے بعد مطلقہ ہونے پر اسے تین حیض کے ساتھ عدت گذارنی پڑتی، اس لیے اس صورت میں بھی اسے تین حیض کے ساتھ عدت گذارنی ہوگی۔

و إن أعتقت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ منکوحہ باندی اس حال میں آزاد کی گئی کہ وہ مطلقہ بائنہ تھی اور عدت میں تھی اس کا شوہر مرچکا تھا اور وہ اس کی عدت گذار رہی تھی تو ان دونوں صورتوں میں اس کی عدت، عدت حرائر کی طرف منتقل نہیں ہوگی، کیوں کہ طلاق بائن اور موت کی وجہ سے کلی طور پر بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور عدت میں بھی نکاح کا کوئی اثر نہیں رہتا، اس لیے اس کی آزادی کا نکاح اور عدت پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور وہ صرف دو حیض ہی عدت شمار کرے گی۔

وَ إِنْ كَانَتْ اٰئِيسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَأَتِ الدَّمَ انْتَقَضَ عَلٰى مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا، وَ عَلَيْهَا أَنْ تَسْتَأْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ، وَ مَعْنَاهُ إِذَا رَأَتِ الدَّمَ عَلَى الْعَادَةِ لِأَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْإِيَاسَ وَهُوَ الصَّحِيْحُ فَظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْفًا، وَ هٰذَا لِأَنَّ شَرْطَ الْخَلِيْفَةِ تَحَقُّقُ الْيَأْسِ وَ ذٰلِكَ بِاسْتِدَامَةِ الْعِجْزِ إِلَى الْمَمَاتِ كَالْفِدْيَةِ فِيْ حَقِّ الشَّيْخِ الْفَانِيْ.

ترجمہ: اور اگر مطلقہ (حیض سے) ناامید ہوگئی اور مہینوں سے عدت گذارنے لگی پھر اس نے خون دیکھا تو اس کی عدت پر جتنی مدت گذری ہے وہ ٹوٹ جائے گی اور اس پر از سرنو حیض سے عدت پوری کرنا لازم ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے عادت کے مطابق خون دیکھا، کیوں کہ خون کا دوبارہ آنا ناامیدی کو ختم کر دیتا ہے یہی صحیح ہے چنانچہ یہ واضح ہو گیا عدت بالشھور خلیفہ نہیں تھی اور یہ اس لیے ہے کہ خلیفہ کی شرط ناامیدی کا متحقق ہونا ہے اور یہ تحقق موت تک برابر عجز کے ہونے سے ہوگا جیسے شیخ فانی کے حق میں فدیہ ہے۔

اللغات:

﴿آئیسة﴾ حیض سے مایوس ہونے والی عورت۔ ﴿اعتدت﴾ عدت گزارنے لگی۔ ﴿انتقض﴾ ٹوٹ گئی۔ ﴿مضی﴾ گزر چکی۔ ﴿تستانف﴾ نئے سرے سے شروع کرے۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رہنا۔

آئیسہ کو حیض آجانے کا عدت پر اثر:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے کہ اگر کوئی عورت حیض سے ناامید ہوگئی اور لگاتار کئی ماہ تک اسے حیض کا خون نہیں آیا پھر وہ مطلقہ ہوئی اور اس نے مہینوں کے حساب سے اپنی عدت گذارنا شروع کر دیا، لیکن عدت کے دوران ہی ایک مرتبہ اسے خون آگیا اور یہ خون اس کی سابقہ عادت کے مطابق ہے یعنی دم سائل ہے اور دم حیض ہی کی طرح کثیر اور بدبودار ہے (بنایہ) تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق میں عدت بالشھور باطل ہوگئی اور اس پر از سرنو عدت بالحیض لازم اور ضروری ہے، کیوں کہ عادت کے مطابق خون کے عود کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عدت بالشھور عدت بالحیض کا بدل نہیں تھی، کیوں کہ بدل کے لیے شرط یہ ہے کہ

انسان تاحیات اصل پر قادر نہ ہواس لیے کہ اصل پر قادر ہونے کی صورت میں بدل اور نائب کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ وہ عورت بدل یعنی عدت بالشہور کے ذریعے مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہوگئی ہے اس لیے اس کے حکم میں حکم شرعی اصل یعنی عدت بالحیض کی طرف عود کر آئے گا اور اب اس کے لیے حیض ہی سے عدت گذارنا لازم ہوگا۔

کالفدیة الخ: جیسے اگر کوئی بوڑھا ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ فدیہ دیدے، لیکن اگر فدیہ دینے کے بعد وہ شخص تندرست ہوگیا اور روزہ رکھنے پر قادر ہوگیا تو اب اسے از سرِنو روزے رکھنے ہوں گے اور فدیہ کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح حیض کے آجانے سے صورت مسئلہ میں بھی عدت بالشہور کا حکم باطل ہو جائے گا اور عدت بالحیض لازم اور ضروری ہوگی۔

وَ لَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ أَيِسَتْ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ تَحَرُّزًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ.

ترجمه: اور اگر عورت کو دو حیض آئے پھر وہ حیض سے ناامید ہوگئی تو اب مہینوں سے عدت گذارے تاکہ بدل اور مبدل دونوں کے اجتماع سے بچا جا سکے۔

اللغات:

﴿أیست﴾ آئیسہ ہوگئی۔ ﴿تعتد﴾ عدت گزارے گی۔ ﴿تحرّز﴾ بچنا۔

حائضہ کے آئیسہ بننے کا عدت پر اثر:

یعنی اگر مطلقہ ابتداء حائضہ تھی اور عدت کے دو حیض کی تکمیل کے بعد وہ آئسہ ہوگئی تو اب اس کو چاہیے کہ نئے سرے سے تین ماہ کی عدت پوری کرے، اس لیے کہ اتمام عدت کے یہی دو راستے ہیں (۱) عدت بالحیض (۲) عدت بالشہور اور چوں کہ وہ عورت عدت بالحیض پر قادر نہیں ہے، اس لیے اب اس کے حق میں عدت بالشہور متعین ہے اور یہ عدت از سرِنو پوری کی جائے گی اور اسے عدت بالحیض میں جوڑا نہیں جائے گا ورنہ اصل اور بدل دونوں کا اجتماع لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔

وَ الْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْءَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ، لِأَنَّهَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحْمِ لَالِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَالْحَيْضُ هُوَ الْمُعَرِّفُ.

ترجمه: اور جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا ہو اور جس سے وطی بالشبہہ کی گئی ہو ان دونوں کو عدت فرقت اور موت دونوں حالتوں میں حیض ہے، کیوں کہ عدت براءت رحم کو معلوم کرنے کے لیے ہے نہ کہ حقِ نکاح کی ادائیگی کے لیے۔ اور حیض ہی معرف ہے۔

منکوحہ فاسدہ اور موطوءۃ بالشبہۃ کی عدت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گواہوں کے بغیر کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح فاسد ہے، اسی طرح اگر کسی نے رات کے اندھیرے میں دوسری عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کر لی تو یہ وطی بالشبہہ ہے۔ اب منکوحہ فاسدہ اور موطوءۃ بالشبہہ میں خواہ مرد

اور عورت کے درمیان تفریق کی جائے اور خواہ مرد مر جائے دونوں صورتوں میں ان دونوں عورتوں پر عدت واجب ہوگی اور وہ عدت بالحیض ہوگی، اس لیے کہ ان دونوں عورتوں کا کوئی نکاحی اور ازدواجی حق نہیں ہوتا، اس لیے ان میں عدت کا جواز صرف براءت رحم کی شناخت کے لیے ہوتا ہے اور یہ کام صرف اور صرف حیض کر سکتا ہے کیوں کہ اگر حیض آیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو پھر رحم کے مشغول ہونے کا علم ہوگا، اس لیے ان کی عدت حیض مقرر کی گئی ہے۔ ہاں اگر یہ عورتیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ اور آئسہ ہوں اور ان کے حق میں حیض سے ناامیدی ہو تو پھر مہینہ حیض کے قائم مقام ہوگا اور عدت بالشہور سے کام چلایا جائے گا۔

وَ إِذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ أَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحمۃ اللہ علیہ حَيْضَةٌ وَاحِدَةٌ، لِأَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِيْنِ فَشَابَهَتِ الْإِسْتِبْرَاءِ، وَ لَنَا أَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ فَأَشْبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ، ثُمَّ إِمَامُنَا فِيْهِ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَإِنَّهُ قَالَ عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَ لَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ كَمَا فِي النِّكَاحِ.

ترجمه: اور اگر ام ولد کا مولیٰ اسے چھوڑ کر مر گیا یا مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حیض ہے، کیوں کہ (اس کی عدت) ملک یمین کے زائل ہونے سے واجب ہوتی ہے تو یہ استبراء کے مشابہ ہوگئی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت فراش زائل ہونے سے واجب ہوتی ہے، لہٰذا یہ عدت نکاح کے مشابہ ہے۔ پھر اس حکم میں ہمارے امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہیں۔ اور اگر ام ولد ایسی عورت ہو جس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں جیسا کہ نکاح میں ہے۔

اللغات:

﴿أعتق﴾ آزاد کر دیا۔ ﴿شابهت﴾ مشابہہ ہوگئی۔ ﴿استبراء﴾ رحم کی غیر مشغولیت کا پتہ چلانا۔

اُمّ ولد کی عدت وفات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ام ولد کے مولیٰ کا انتقال ہوگیا یا مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت ایک حیض ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد پر عدت کا وجوب ملکِ یمین کے زائل ہونے سے ہے اور یہ استبراء کے مشابہ ہے اور استبراء چوں کہ ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ام ولد کی عدت صرف ایک حیض ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت زوالِ فراش کی وجہ سے واجب ہوتی ہے لہٰذا اس حوالے سے یہ نکاح کے مشابہ ہے اور منکوحہ عورت کی عدت تین حیض ہیں، اس لیے اس ام ولد کی عدت بھی تین حیض ہوں گے اور پھر چوں کہ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں اور انہوں نے ام ولد کی عدت تین حیض قرار دیا ہے، اس لیے اس کی عدت تین حیض ہوں گے۔ اور اگر ام ولد صغیرہ یا آئسہ ہو اور اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ منکوحہ غیر حائضہ کی یہی عدت ہے۔

وَ إِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنِ امْرَأَتِهِ وَ بِهَا حَبْلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَ عَشْرٍ وَ هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لِأَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ فَصَارَ كَالْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، لَهُمَا إِطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَ أُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق: ٤)، وَ لِأَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ وَضْعِ الْحَمْلِ فِيْ أُوْلَاتِ الْأَحْمَالِ قَصُرَتِ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ لَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحْمِ لِشَرْعِهَا بِالْأَشْهُرِ مَعَ وُجُوْدِ الْأَقْرَاءِ، لٰكِنَّ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَ هٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْحَمْلُ مِنْهُ، بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِأَنَّهُ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالشُّهُوْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِحُدُوْثِ الْحَمْلِ، وَ فِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ كَمَا وَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةً بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا، وَ لَا يَلْزَمُ امْرَأَةَ الْكَبِيْرِ إِذَا حَدَثَ لَهَا الْحَبْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا وَ لَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يَتَصَوَّرُ مِنْهُ الْعُلُوْقُ، وَالنِّكَاحُ يُقَامُ مَقَامَهُ فِيْ مَوْضِعِ التَّصَوُّرِ.

ترجمہ: اور اگر بچہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرا اور اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور یہ حکم حضرات طرفین کے یہاں ہے، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ حمل شوہر سے ثابت النسب نہیں ہے، لہٰذا یہ صغیر کی موت کے بعد پیدا ہونے والے حمل کی طرح ہوگیا۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل فرمان باری کا اطلاق ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن دیں۔ اور اس لیے کہ حاملہ عورتوں میں عدت (وفات) وضع حمل متعین کی گئی ہے خواہ مدت وضع کم ہو یا زیادہ، اور یہ عدت فراغ رحم کی شناخت کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ عدت وفات حیض کے ہوتے ہوئے بھی مہینوں کے ساتھ مشروع ہے، لیکن چوں کہ یہ عدت حق نکاح کی ادائیگی کے لیے ہے اور یہ معنی بچے میں بھی متحقق ہوتے ہیں اگر چہ حمل اس کے نطفے سے نہ ہو۔

برخلاف اس حمل کے جو وفات شوہر کے بعد پیدا ہوا ہو، کیوں کہ جب عدت بالشہور واجب ہو چکی تو حمل پیدا ہونے سے وہ متغیر نہیں ہوگی۔ اور ہمارے مسئلے میں جیسے ہی عدت واجب ہوئی اسی وقت سے وہ حمل کی مدت کے ساتھ واجب ہوئی ہے، اس لیے فرق ظاہر ہوگیا۔ اور بڑے شخص کی بیوی سے اعتراض نہیں وارد ہوتا جب بالغ کی موت کے بعد اس کی بیوی کو حمل ظاہر ہوا ہو، کیوں کہ نسب اس شخص سے ثابت ہوگیا ہے لہٰذا حکماً یہ حمل بوقت موت موجود رہنے کی طرح ہوگیا۔ اور دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ بچے کا نطفہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے علوق متصور نہیں ہوگا اور موضع تصور میں نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

اللغات:

﴿حبل﴾ پیٹ، حمل۔ ﴿حادث﴾ بعد میں واقع ہونے والا۔ ﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔

نابالغ کی حاملہ بیوی کی عدت وفات:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ لڑکا مرا اور اس کی کوئی حاملہ بیوی تھی تو حضرات طرفینؒ کے یہاں اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی (حضرات ائمہ ثلاثہؒ کا بھی یہی قول ہے) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ عورت کا حمل صغیر سے ثابت نہیں ہے کیوں کہ نابالغ اور صغیر سے وطی متصور نہیں ہے، لہٰذا یہ ایسا ہوگیا جیسے صغیر کی موت کے بعد وہ حمل ظاہر ہوا ہو اور موت کے بعد ظہور حمل کی صورت میں بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئلہ میں بھی مذکورہ عورت کی عدت چار ماہ دس یوم ہوگی۔

حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن کے اعلان سے علی الاطلاق حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دیا ہے اور اس امر سے کوئی بحث نہیں کی ہے کہ وہ عورت طلاق کی وجہ سے عدت میں ہو یا وفات زوج کی وجہ سے اور وہ حمل خواہ شوہر کا ہو یا کسی اور کا، اس لیے آیت کریمہ کے اطلاق کی وجہ سے اس کا حکم ہر حاملہ عورت کو شامل ہوگا اور چوں کہ صورت مسئلہ میں صغیر شخص کی بیوی بھی حاملہ ہے، اس لیے اس کی عدت بھی وضع حمل ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورتوں کے حق میں ''وضع حمل'' سے عدت کا اندازہ لگایا گیا ہے خواہ یہ مدت دراز ہو یا مختصر ہو اور پھر حائضہ حاملہ عورت کی بھی یہی مدت ہے، اس لیے حیض کے ہوتے ہوئے وضع حمل کو عدت وفات قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ اس عدت کے وجوب کا مقصد نکاح کے حق کو ادا کرنا ہے نہ کہ براءت رحم کو طلب کرنا کیوں کہ رحم کی براءت کا علم صرف حیض سے ہوسکتا ہے، بہر حال جب اس عدت کا مقصد حق نکاح کی ادائیگی ہے اور یہ مقصد چوں کہ صبی میں بھی موجود ہے اس لیے اس کی بیوی کے حق میں بھی یہی عدت (وضع حمل) ہوگی خواہ مذکورہ حمل اس کا ہو یا نہ ہو۔

بخلاف الحمل الخ: یہاں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حمل جو بوقت وفات موجود ہو اسے اس حمل پر قیاس کرنا درست نہیں ہے جو موت کے بعد پیدا ہوا ہو، کیوں کہ بوقت وفات حمل نہ ہونے کی صورت میں حقوق نکاح کی ادائیگی کے لیے عدت بالشہور واجب کی گئی ہے اس لیے یہ عدت برقرار رہے گی اور موت کے بعد ظہور حمل کی وجہ سے یہ عدت متغیر نہیں ہوگی۔

وفیما نحن فیه الخ: اور صورت مسئلہ میں چوں کہ وفات زوج کے وقت حمل موجود ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اس لیے وہ عدت برقرار رہے گی خواہ اس حاملہ کا حمل صغیر کا ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا اس اعتبار سے دونوں مسئلے ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولایلزم الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جس طرح آپ صغیر کی بیوی کے حق میں تبدیلی عدت کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح بالغ اور کبیر کی بیوی کے حق میں بھی تغیر عدت کا حکم لگانا مناسب نہیں ہے حالاں کہ اگر بالغ مرد کے انتقال کے وقت اس کی بیوی کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر موت کے بعد حمل ظاہر ہوجائے تو پھر یہ عدت وضع حمل والی عدت سے بدل جاتی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ بالغ مرد سے چوں کہ وطی متصور ہے اور نطفہ متحقق ہے اس لیے موت کے بعد پیدا ہونے والے حمل کو بھی شوہر ہی کا حمل قرار دیں گے اور اس حمل کو بوقت

وفات بھی کسی نہ کسی درجے میں موجود مانیں گے لہٰذا اس کی بیوی کے حق میں عدت کی تبدیلی ہوگی۔ اس کے برخلاف صغیر سے چوں کہ وطی ہی متصور نہیں ہے، لہٰذا اس کی بیوی کے حمل کو بوقت وفات نہ تو موجو مانا جائے گا اور نہ ہی صغیر سے وہ نسب ثابت کیا جائے گا۔

ولایثبت الخ: فرماتے ہیں کہ خواہ حمل بوقت وفات موجود ہو اور خواہ وفات کے بعد ظاہر ہوا ہو دونوں صورتوں میں صغیر سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ ثبوت نسب کے لیے وطی اور نطفے کی ضرورت پڑتی ہے اور صغیر سے وطی متصور نہیں ہے، اسی لیے صغیر کے حق میں نکاح کو وطی کے قائم مقام بھی نہیں مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ جب اس سے وطی کا امکان ہی نہیں ہے تو پھر بلا وجہ اسے گھما پھرا کر واطی ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فِي حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ بِثَلَاثِ حِيَضٍ كَوَامِلَ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا.

ترجمه: اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو جس حیض میں طلاق واقع ہوئی ہے بیوی اس حیض کو عدت میں شمار نہ کرے، اس لیے کہ عدت پورے تین حیض کے ساتھ مقدر کی گئی ہے، لہٰذا اس سے کمی نہیں کی جائے گی۔

اللغات:

﴿کوامل﴾ واحد کاملة؛ پورے پورے۔

حالت حیض کی مطلقہ کی عدت:

صورت مسئلہ بالکل واضح ہے اور تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

وَ إِنْ وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَ تَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ، وَ يَكُوْنُ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيْعًا، وَ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُوْلَى وَ لَمْ تَكْمِلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا إِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ، وَ هٰذَا عِنْدَنَا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحَمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لَا تَتَدَاخَلَانِ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ الْعِبَادَةُ، فَإِنَّهَا عِبَادَةُ كَفٍّ عَنِ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوْجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، وَ لَنَا أَنَّ الْمَقْصُوْدَ التَّعَرُّفُ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ وَ قَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَتَدَاخَلَانِ، وَ مَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَنْقَضِيْ بِدُوْنِ عِلْمِهَا وَ مَعَ تَرْكِهَا الْكَفَّ.

ترجمه: اور اگر معتدہ عورت سے وطی بالشبہہ کی گئی تو اس پر دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور یہ عورت جو حیض دیکھے گی وہ دونوں عدت سے شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوئی اور دوسری مکمل نہ ہوئی ہو تو اس عورت پر دوسری عدت کو پورا کرنا واجب ہے اور یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی، اس لیے کہ مقصود تو عبادت ہے کیوں کہ یہ (عدت) نکاح کرنے اور باہر نکلنے سے رو کنے کی عبادت ہے، لہٰذا

دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی جیسے ایک دن میں دو روزے داخل نہیں ہوتے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (عدت کا) مقصود فراغتِ رحم کی شناخت ہے اور یہ مقصد ایک عدت سے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی۔ اور عبادت کے معنی تابع ہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ عدت عورت کے علم کے اور اس کے خود کو روکے بغیر بھی گذر جاتی ہے۔

اللغات:

﴿وطئت﴾ جماع کیا گیا۔ ﴿تداخلت﴾ ایک دوسرے میں داخل ہوں گے۔ ﴿محتسبا﴾ محسوب شمار۔ ﴿کفّ﴾ رکنا۔ ﴿تزوّج﴾ شادی کرنا۔ ﴿تعرّف﴾ پہچاننا۔

معتدہ وطی بالشبہۃ کا شکار ہوئی تو دونوں عدتوں کے تداخل کی بحث:

عبارت کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ متن میں المعتدۃ سے مراد وہ عورت ہے جو طلاق بائن کی عدت میں ہو۔ اور مسئلے کی وضع اس صورت میں ہے جب دونوں عدتیں دو مردوں سے ہوں البتہ دونوں کی جنس ایک ہو۔ مسئلے کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور اس عورت نے عدت کے دوران دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا بعد میں جب یہ بات مشہور ہوئی تو قاضی نے دفع فساد کے پیش نظر ان دونوں میں تفریق کر دی تو ظاہر ہے کہ اس پر دو عدتیں واجب ہوں گی، ایک پہلے شوہر کی اور دوسری دوسرے شوہر کی لیکن ہمارے یہاں ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور یہ عورت جو بھی حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر دوسری وطی عورت کے ایک حیض آنے کے بعد کی گئی ہو تو اس کے بعد اس پر تین حیض مزید واجب ہوں گے جس میں سے دو حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے اور انہیں چار سمجھا جائے گا اور چوں کہ پہلی عدت میں ایک حیض (پہلا والا) شمار ہو چکا ہے اس لیے اس کی تعداد پوری ہوگئی، لہٰذا اب تیسرا حیض صرف دوسری عدت میں محسوب ہوگا، تاکہ اس میں تین حیض کی تعداد پوری ہو جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تداخل نہیں ہوگا اور ہر عدت کے لیے علیحدہ علیحدہ تین تین حیض شمار کرنا ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ وجوبِ عدت کا مقصود عبادت ہے، اس لیے کہ عدت کے دوران نہ تو معتدہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی بلاضرورت شرعی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور عبادات میں تداخل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک دن میں اگر کوئی شخص دو روزے رکھے تو درست نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی روزہ صحیح ہے اسی طرح ایک حیض بھی دو عدت میں محسوب نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصود رحم کی براءت اور فراغت کو معلوم کرنا ہے اور چوں کہ یہ مقصود ایک عدت سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے بلاوجہ دو عدت واجب کر کے عورت کے انتظار میں اضافہ نہیں کیا جائے گا اور دونوں عدتوں میں تداخل مانا جائے گا۔

ومعنی العبادۃ الخ: یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم بھی عدت کو عبادت مانتے ہیں مگر اسے تابع قرار دیتے ہیں، کیوں کہ عدت کا مقصود اصلی تو فراغت رحم کی طلب ہی ہے اور اگر معتدہ عورت اپنے آپ کو کف سے باز رکھ لے اور کف پر عمل نہ کرے یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نکل جائے یا عدت کے دوران شادی کر لے تو بھی عدت باطل نہیں ہوتی۔ اگر عدت سے عبادت ہی کے معنی مقصود ہوتے اور عبادت ہی اصل ہوتی تو پھر خلاف عدت امور سے وہ باطل ہو جاتی، لیکن اس

کا عدم بطلان اس بات کی دلیل ہے کہ عدت میں عبادت کے معنیٰ تابع ہیں اور جب تابع ہیں تو اس میں تداخل ہوجائے گا۔

وَالْمُعْتَدَّةُ عَنْ وَفَاتٍ إِذَا وُطِئَتْ بِالشُّبْهَةِ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ وَ تَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيْهَا تَحْقِيْقًا لِلتَّدَاخُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ: اور اگر معتدۂ وفات سے وطی بالشبہہ کی گئی تو وہ مہینوں سے عدت شمار کرے گی اور جو حیض دیکھے گی اسے بھی عدت میں شمار کرے گی، تاکہ حتی الامکان تداخل ثابت ہوجائے۔

معتدہ وطی بالشبہۃ کا شکار ہوئی تو دونوں عدتوں کے تداخل کی بحث:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماقبل والا مسئلہ معتدہ بائنہ کے بجائے معتدہ بالوفات کے ساتھ پیش آئے اور اس سے وطی بالشبہہ کرلی جائے تو وہ عورت مہینوں کے ذریعے اپنی عدت پوری کرے اور چار ماہ دس دن میں اسے جو حیض آئے اس کو پہلی عدت میں شمار کرتی ہے، کیوں کہ یہاں عدت کی جنس مختلف ہے، اس لیے ہمارے اور شوافع دونوں کے یہاں تداخل ہوگا۔

وَ ابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَ فِي الْوَفَاتِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ، فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوْبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوِ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِ السَّبَبِ، وَ مَشَائِخُنَا يُفْتُوْنَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

ترجمہ: اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق سے ہوگی اور وفات میں وفات کے بعد سے ہوگی، پھر اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ عدت کی مدت گذر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی، اس لیے کہ وجوب عدت کا سبب طلاق ہے یا وفات ہے، لہٰذا عدت کی ابتداء بھی وجوب سبب کے وقت سے معتبر ہوگی۔ اور ہمارے مشائخ طلاق کی صورت میں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ (اس میں) عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی تاکہ آپسی اتفاق کی تہمت دور ہوجائے۔

اللغات:

﴿عقیب﴾ فوراً بعد۔ ﴿مضت﴾ گزر گئی۔ ﴿یفتون﴾ فتویٰ دیتے ہیں۔ ﴿مواضعۃ﴾ آپس میں طے کرلینا۔

عدت کی ابتداء کا وقت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عدت طلاق میں ''طلاق'' اور عدت وفات میں ''وفات'' وجوب عدت کا سبب ہے اس لیے طلاق اور وفات کے بعد ہی عدت کا آغاز ہوگا خواہ عورت کو وفات اور طلاق کا علم بعد میں ہوا ہو، اسی لیے اگر عدت کی مدت گذر گئی اور عورت کو وجوب عدت کے سبب کا علم نہیں تھا تو بھی اتمام عدت کا حکم لگایا جائے گا اور عورت کے سبب وجوب کو نہ جاننے کی وجہ سے جاننے کے بعد سے عدت کا آغاز نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلاق کی صورت میں مشائخ بخارا اور سمرقند کا یہ فتویٰ تھا کہ عدت کی ابتداء شوہر کے اقرار

سے ہوگی یعنی اگر میاں بیوی دونوں الگ الگ رہتے تھے اور پھر جب دونوں ملے تو شوہر کہنے لگا کہ میں تین ماہ پہلے تجھے طلاق دے چکا ہوں اور بیوی نے اسے مان لیا تو اس وقت سے عدت کا آغاز ہوگا اور تین ماہ پہلے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، تاکہ میاں بیوی پر الزام عائد نہ ہو کہ انہوں نے آپس میں اتفاق رائے سے طلاق اور انقضائے عدت پر رضامندی کر لی ہو، اس لیے اُن سے تہمت دور کرنے کے لیے اقرار کے وقت سے اس کی ابتداء مانی جائے گی۔

وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ أَوْ عَزْمُ الْوَاطِي عَلَى تَرْكِ وَطْيِهَا، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ مِنْ اٰخِرِ الْوَطْيَاتِ، لِأَنَّ الْوَطْيَ هُوَ السَّبَبُ الْمُوْجِبُ، وَلَنَا اَنَّ كُلَّ وَطْيٍ وُجِدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْرِيْ مَجْرَى الْوَطْئِيَةِ الْوَاحِدَةِ لِاِسْتِنَادِ الْكُلِّ إِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَ لِهٰذَا يَكْتَفِيْ فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ، فَقَبْلَ الْمُتَارَكَةِ أَوِالْعَزْمِ لَا تَثْبُتُ الْعِدَّةُ مَعَ جَوَازِ وُجُوْدِ غَيْرِهٖ، وَلِأَنَّ التَّمَكُّنَ عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ أُقِيْمَ مَقَامَ حَقِيْقَةِ الْوَطْيِ لِخِفَائِهٖ، وَ مَسَاسُ الْحَاجَةِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهٖ.

ترجمہ: اور نکاح فاسد میں عورت، تفریق یا واطی کے ترک وطی کا عزم کرنے کے بعد شروع ہوگی۔ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری وطی سے شروع ہوگی، اس لیے کہ وطی ہی وجوب عدت کا سبب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں پائی جانے والی ہر وطی ایک وطی کے قائم مقام ہوتی ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی طرف ہوتی ہے، اسی لیے ایک ہی مہر کافی ہوتا ہے لہٰذا متارکت یا عزم سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس کے علاوہ کے وجود کا امکان ہے۔ اور اس لیے کہ بطور شبہہ وطی پر قدرت حقیقتِ وطی کے قائم مقام ہے، اس لیے کہ وطی ایک مخفی امر ہے۔ اور واطی کے علاوہ کے حق میں حکم معلوم ہونے کی ضرورت بھی درکار ہے۔

اللغات:

﴿عزم﴾ پختہ ارادہ۔ ﴿خفاء﴾ مخفی ہونا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت حاصل ہونا۔

نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء کا وقت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد اور عورت کے درمیان نکاح فاسد ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ واجب الرد ہے لیکن اس میں عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب حاکم زوجین کے درمیان تفریق کرے گا یا اس وقت سے ہوگی جب واطی ترکِ وطی کا عزم مصمم کر لے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء آخری وطی سے ہوگی، اس لیے کہ وطی ہی وجوب عدت کا سبب ہے، کیوں کہ اگر یہ شخص وطی نہ کرتا تو اس عورت پر عدت نہ واجب ہوتی معلوم ہوا کہ وجوبِ عدت کا محرک اور سبب وطی ہے، اس لیے عدت کی ابتداء آخری وطی سے ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں جتنی وطی کی جاتی ہیں وہ سب ایک ہی وطی کے درجے میں ہیں، اس لیے کہ وہ تمام ایک ہی عقد کی طرف منسوب ہیں اور ان سب کی وجہ سے ایک ہی مہر بھی واجب ہوتا ہے، لہٰذا تفریق سے پہلے یا ترکِ وطی کا عزم مصمم کرنے

سے پہلے تفریق ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ ان چیزوں کے بغیر دوبارہ وطی کرنے کا امکان ہے، لہٰذا جب تک تفریق نہیں ہوگی یا ترک وطی کا عزم مصمم نہیں ہوگا اس وقت تک عدت کی ابتداء نہیں ہوگی۔

و لأن التمکن الخ: یہاں سے دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی وطی ایک امر مخفی ہے اور وطی بالشبہہ اس کے قائم مقام ہے۔ اور ہر وہ چیز جو مخفی ہو اور اس کا سبب ظاہر موجود ہو اس میں سبب ظاہر اس کے قائم مقام ہوتا ہے، اس لیے قدرت علیٰ وجہ الشبہ وطی کے قائم مقام ہوگی اور ظاہر ہے کہ تفریق یا عزم ترک سے پہلے قدرت علی الوطی کا امکان رہتا ہے، اس لیے جب تک تفریق نہیں ہوگی یا عزم علی الترک نہیں ہوگا اس وقت تک عدت کا آغاز نہیں ہوگا۔

و مساس الحاجة الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حقیقت وطی کا امر مخفی ہونا ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیوں کہ معرفتِ عدت کی حاجت زوجین کو ہے اور زوجین کے نزدیک حقیقت وطی امر معلوم ہے نہ کہ امر مخفی، لہٰذا وطی کو امر مخفی قرار دینا درست نہیں ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی زوجین کے علاوہ کو بھی عدت معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ اگر مذکورہ عورت سے کوئی شخص نکاح صحیح کرنا چاہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ وہ عدت کی ابتداء اور انتہاء کے متعلق معلومات حاصل کرے، اس لیے اگر چہ زوجین کے حق میں وطی امر مخفی نہیں ہے، مگر ان کے علاوہ کے حق میں یہ امر مخفی ہے اس لیے اسے مخفی مانا جائے گا۔

وَ إِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَّةُ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَ كَذَّبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِيْنِ، لِأَنَّهَا أَمِيْنَةٌ فِيْ ذٰلِكَ وَ قَدِ اتُّهِمَتْ بِالْكَذِبِ فَتَحْلِفُ كَالْمُوْدَعِ.

ترجمہ: اور جب معتدہ عورت نے کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی لیکن شوہر نے اس کی تکذیب کر دی تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں امین ہے مگر چوں کہ اسے جھوٹ کے ساتھ متہم کیا گیا ہے، لہٰذا مودَع کی طرح وہ قسم کھائے گی۔

عدت پوری ہو جانے میں اختلاف کے وقت قول معتبر:

صورت مسئلہ تو آسان ہے کہ اگر معتدہ عدت گذرنے کی خبر دے اور شوہر اس کی تکذیب کرے تو یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ انقضائے عدت کی خبر دینے میں وہ امین ہے اور امین کا قول معتبر ہوتا ہے، مگر چوں کہ شوہر کی تکذیب سے اس کی خبر میں جھوٹ کا شائبہ ہو گیا ہے، اس لیے وہ اپنی خبر کو سچی ثابت کرنے کے لیے قسم کھائے گی تاکہ قسم سے اس کی بات پختہ ہو جائے اور شوہر کی تکذیب بے حیثیت ہو کر رہ جائے، جیسے اگر کسی نے کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھی اور مودَع نے کہا کہ وہ ہلاک ہو گئی یا یوں کہا کہ میں نے اسے واپس کر دیا، لیکن مودِع نے اس کا انکار کر دیا تو اگر مودِع کے پاس بینہ نہ ہو تو یمین کے ساتھ مودع کا قول معتبر ہوگا۔ لأنه أمين و ما على الأمين إلا اليمين۔ (عنایہ)

وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَ عَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقِلَّةٌ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ نِصْفُ

الْمَهْرِ، وَ عَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْأُوْلٰى، لِأَنَّ هٰذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسِيْسِ فَلَا يُوْجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَ لَا اسْتِيْنَافَ الْعِدَّةِ، وَ إِكْمَالُ الْعِدَّةِ الْأُوْلٰى إِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْأَوَّلِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ حَالَ التَّزَوُّجِ الثَّانِيْ فَإِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِيْ ظَهَرَ حُكْمُهُ كَمَا لَوِ اشْتَرٰى أُمَّ وَلَدٍ ثُمَّ أَعْتَقَهَا، وَ لَهُمَا أَنَّهَا مَقْبُوْضَةٌ فِيْ يَدِهٖ حَقِيْقَةً بِالْوَطْيَةِ الْأُوْلٰى وَ بَقِيَ أَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ فَإِذَا جُدِّدَ النِّكَاحُ وَهِيَ مَقْبُوْضَةٌ نَابَ ذٰلِكَ الْقَبْضُ الْمُسْتَحَقُّ فِيْ هٰذَا النِّكَاحِ كَالْغَاصِبِ يَشْتَرِي الْمَغْصُوْبَ الَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ يَصِيْرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ فَوَضَحَ بِهٰذَا أَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُوْلِ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا أَصْلًا، لِأَنَّ الْأُوْلٰى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزَوُّجِ فَلَا تَعُوْدُ، وَالثَّانِيَةَ لَمْ تَجِبْ وَ جَوَابُهُ مَا قُلْنَا.

ترجمہ: اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی پھر اس کی عدت میں اس سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دے دیا تو اس پر کامل مہر واجب ہوگا اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوگی۔ اور یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر نصف مہر واجب ہے اور اس کی بیوی پر پہلی عدت کا اتمام لازم ہے، اس لیے کہ یہ طلاق قبل الدخول ہے لہٰذا نہ تو پورا مہر واجب کرے گا اور نہ ہی از سرنو عدت واجب کرے گا۔ رہا پہلی عدت کا اتمام تو وہ طلاق اول سے واجب ہے، لیکن دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہوا مگر جب نکاح ثانی طلاق ثانی سے دور ہوگیا تو طلاق اول کا حکم ظاہر ہوگیا۔ جیسے اگر کسی نے اپنی ام ولد کو خرید کر آزاد کردیا۔ اور حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت پہلی وطی سے حقیقتاً اپنے شوہر کے قبضے میں مقید ہے اور وطی اول کا اثر یعنی عدت ابھی بھی باقی ہے، لہٰذا جب عورت کے مقید ہونے کی حالت میں نکاح کی تجدید ہوئی تو یہ قبضہ اس نکاح (ثانی) کے قبضۂ واجبہ کے قائم مقام ہوگیا، جیسے غاصب اگر اس غصب کردہ چیز کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ ہو تو نفسِ عقد ہی سے وہ قابض ہوجائے گا، لہٰذا اس سے یہ واضح ہوگیا کہ طلاق بعد الدخول ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عورت پر عدت ہی نہیں واجب ہے، کیوں کہ نکاح ثانی سے پہلی عدت ساقط ہوگئی لہٰذا اب وہ عود نہیں کرے گی۔ اور دوسری عدت واجب ہی نہیں ہوئی۔ اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿إتمام﴾ پورا کرنا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿استیناف﴾ نئے سرے سے شروع کرنا۔ ﴿تزوّج﴾ شادی کرنا۔ ﴿ارتفع﴾ اٹھ گیا۔ ﴿جدّد﴾ نیا کیا گیا۔

عدت طلاق میں نکاح ہوکر دوبارہ طلاق ملنے والی عورت کی عدت کی بحث:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی، لیکن عدت کے دوران دوبارہ اس سے نکاح کرلیا مگر وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے پھر اسے طلاق دے دیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ حضرات شیخینؒ کے یہاں اس شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور اس کی بیوی پر مستقل دوسری عدت واجب ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور بیوی پر پہلی عدت کا اتمام

واجب ہوگا۔

صاحب نے ذخیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ایک فقہی ضابطے پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات شیخینؒ کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی کا دخول شمار ہوگا، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی میں دخول نہیں شمار ہوگا۔ اس ضابطے کے پیش نظر چوں کہ اس شخص نے نکاح ثانی میں دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دی ہے اور طلاق قبل الدخول کی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پر عدت نہیں واجب ہوتی، اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور اس طلاق کی عدت بھی نہیں واجب ہوگی، ہاں پہلی طلاق کی عدت کو پورا کرنا بیوی پر لازم ہوگا۔ کیوں کہ یہ عدت طلاق اول کی وجہ سے واجب ہوئی تھی مگر نکاح ثانی نے اسے دبا دیا تھا، لیکن شوہر نے نکاح ثانی میں دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دیدی تو اس کا حکم معدوم ہوگیا اور اب طلاق اول کا اثر لوٹ آیا اور چوں کہ طلاق اول خلوت اور وطی کے بعد دی گئی ہے اس لیے وہ موجب عدت ہوگی اور عورت پر پہلی عدت کا اتمام لازم ہوگا۔

صاحب کتاب ایک مثال کے ذریعے اسے مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے کسی نے دوسرے آدمی کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد اس نے اس باندی کو اس کے مولیٰ سے خرید کر آزاد کردیا تو اس کا نکاح فاسد ہوگیا اور اس باندی پر تین حیض واجب ہوں گے، دو حیض تو زوال نکاح کی وجہ سے اور ایک حیض آزاد ہونے کی وجہ سے، کیوں کہ دو حیض فسادِ نکاح کی وجہ سے بطور عدت واجب ہوئے تھے مگر ابھی اس کے حق میں عدت کا حکم ظاہر نہیں ہوا ہے کیوں کہ ملک یمین موجود ہے اور ملک یمین مانع عدت ہے، لیکن جب شوہر نے اس کو آزاد کردیا تو مانع عدت زائل ہوگیا اور باندی کے حق میں بھی عدت کا حکم ظاہر ہوگیا اور اس پر مزید ایک حیض واجب ہوگیا۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی نکاح ثانی سے طلاق اول کا حکم معدوم تھا، لیکن جب بدون وطی نکاح ثانی میں طلاق دی گئی تو طلاق اول کا حکم عود کر آیا اور اس پر عدت اولیٰ کا اتمام لازم کیا گیا۔

ولهما الخ: حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ عورت پہلی وطی کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضے میں مقید ہے اور ابھی تک اس پہلی وطی کا اثر بشکل عدت باقی ہے، لہٰذا جب شوہر نے بحالت عدت اس سے دوبارہ نکاح کیا تو نکاح اول نکاح ثانی کے قبضۂ واجبہ کے قائم مقام ہوگیا اور چوں کہ ان حضرات کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی میں دخول شمار کیا جاتا ہے، اس لیے نکاح ثانی میں اگر چہ قبل الوطی طلاق دی گئی ہے مگر وہ طلاق بعد الدخول ہے اور طلاق بعد الدخول کی صورت میں شوہر پر پورا مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوتی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر پر کامل مہر واجب ہوگا اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوگی۔ مثلاً زید نے بکر کی بکری غصب کر کے اپنے قبضے میں لے لی پھر غاصب یعنی زید نے بکر سے وہ بکری خرید لی تو صرف خریدنے سے ہی زید اس بکری پر قبضہ کرنے والا ہوجائے گا اور قبضۂ جدیدہ کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ قبضۂ اولیٰ اشتراء والے قبضے کے قائم مقام ہوجائے گا۔ اسی طرح نکاح والے مسئلے میں بھی نکاح اول کا دخول نکاح ثانی کے دخول کے قائم مقام ہوجائے گا اور نکاح ثانی والی طلاق کو بعد الدخول مانا جائے گا۔

وقال زفر الخ: فرماتے ہیں کہ جب سب کی اپنی اپنی رائے ہے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کیوں خاموش رہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں عورت پر عدت ہی واجب نہیں ہے نہ تو پہلی عدت کا اتمام واجب ہے اور نہ ہی مستقل دوسری عدت، کیوں کہ

نکاح ثانی کی وجہ سے عدت اولیٰ ساقط ہو چکی ہے، اس لیے اب وہ لوٹ کر آنے سے رہی اور نکاح ثانی چوں کہ وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دی گئی ہے، اس لیے اس کے بعد بھی عدت نہیں واجب ہوگی۔

وَ إِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَ كَذَا إِذَا خَرَجَتِ الْحَرْبِيَّةُ إِلَيْنَا مُسْلِمَةً فَإِنْ تَزَوَّجَتْ جَازَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا، وَ هٰذَا كُلُّهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا عَلَيْهَا وَ عَلَى الذِّمِّيَّةِ الْعِدَّةُ، أَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَالْاِخْتِلَافُ فِيْهَا نَظِيْرُ الْاِخْتِلَافِ فِيْ نِكَاحِهِمْ مَحَارِمَهُمْ وَ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ، وَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْمَا إِذَا كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ إِنَّهُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا، وَ أَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَ تَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْلِيْغِ، وَ لَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (سورة الممتحنة : ۱۰)، وَ لِأَنَّ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيْهَا حَقُّ بَنِيْ اٰدَمَ وَالْحَرْبِيُّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتّٰى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا، لِأَنَّ فِيْ بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ، وَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَجُوْزُ نِكَاحُهَا وَلَا يَطَأُهَا كَالْحُبْلٰى مِنَ الزِّنَاءِ، وَ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمه: اور اگر ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو اس پر عدت نہیں واجب ہے اور ایسے ہی اگر حربیہ عورت مسلمان ہو کر ہماری طرف نکل آئی (تو اس پر بھی عدت نہیں واجب ہے) چنانچہ اگر اس نے نکاح کر لیا تو جائز ہے الّا یہ کہ وہ حاملہ ہو (تو ممنوع ہے) اور یہ سب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربیہ اور ذمیہ پر عدت واجب ہے۔ رہی ذمیہ تو اس کے متعلق یہ اختلاف اُس اختلاف کی نظیر ہے جو ذمیوں کا اپنی محارم سے نکاح کرنے کے سلسلے میں ہے اور ہم کتاب النکاح میں اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس صورت میں ہے جب ذمیوں کا یہ عقیدہ ہو کہ ان کی مطلقہ پر عدت نہیں ہے، رہی مہاجرہ تو اس کے متعلق حضرات صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر دوسرے سبب سے فرقت ہوتی تو عدت واجب ہوتی، لہٰذا تباین دارین کو وجہ سے بھی عدت واجب ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب مرد نے ہجرت کی اور بیوی کو دار الحرب میں چھوڑ دیا، اس لیے کہ اسے شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یہ ہے کہ لا جناح علیکم أن تنکحوهن ''یعنی تمہارے لیے ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے'' اور اس لیے جہاں عدت واجب ہوتی ہے وہاں آدمی کا حق ہوتا ہے جب کہ حربی جماد کا مستحق ہے اسی لیے وہ ملکیت کا محل (بھی) ہو سکتا ہے، الا یہ کہ اس کی بیوی حاملہ ہو، اس لیے کہ اس کے پیٹ میں ثابت النسب بچہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس حاملہ سے نکاح جائز ہے البتہ اس سے (شوہر) وطی نہ کرے جیسے حاملہ من الزنا اور پہلا قول اصح ہے۔

ذمیہ اور حربیہ کی عدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی شخص نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دی یا کوئی حربیہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے

دارالکفر چلی آئی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان دونوں عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے اور یہ عورتیں اگر چاہیں تو بلا عدت وانتظار اپنا نکاح کرسکتی ہیں، ہاں اگر حربیہ عورت حاملہ ہوتو پھر دارالاسلام آنے کے بعد بھی وضع حمل سے پہلے وہ نکاح نہیں کرسکتی۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں دونوں عورتوں پر عدت واجب ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ذمی عورت کے سلسلے میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عدم وجوب عدت کا قول اسی صورت میں ہے جب ذمیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ ان کی مطلقہ پر عدت واجب نہیں ہے۔

رہی دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آنے والی عورت کا مسئلہ تو اس کے متعلق حضرات صاحبینؒ جو وجوب عدت کے قائل ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تباین دارین کے علاوہ کسی دوسری وجہ مثلاً موت یا طلاق سے فرقت ہوتی تو عدت واجب ہوتی لہٰذا تباین دارین کی وجہ سے واقع ہونے والی فرقت سے بھی عدت واجب ہوگی، ہاں اگر عورت کے بجائے مرد ہجرت کر کے دارالاسلام آیا تو پھر اس کی بیوی پر عدت نہیں واجب ہوگی، کیوں کہ دارالحرب میں اس عورت کو شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے اور جب شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے تو پھر وجوب عدت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

ولأبي حنیفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **یا أیها الذین امنو إذا جاء کم المؤمنات مهاجرات الخ** اور آگے فرمایا کہ **ولا جناح علیکم أن تنکحوهن الخ** اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حربیہ عورتیں مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام چلی آئیں تو ان کا ایمانی امتحان لے لو اور پھر ان سے نکاح کرلو، اس میں حرج نہیں ہے، صاحب بنایہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق **لاجناح علیکم أن تنکحوهن** فرمایا ہے اور اس میں انقضائے عدت وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا وجوبِ عدت کا حکم لگانے سے نص قرآنی پر زیادتی ہوگی جو درست نہیں ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ عدت جہاں بھی واجب ہوتی ہے وہاں شوہر کا حق ہوتا ہے، تاکہ اس کے پانی کی حفاظت کی جائے اور اس کی محنت ومشقت میں دوسرے کی محنت کا انضمام نہ ہو، اور یہ بات بھی طے ہے کہ اسی آدمی کے پانی کی حفاظت کی جاتی ہے جو معزز ومکرم ہو، اور حربی ملعون ومنحوس ہوتا ہے اور انسانوں کی فہرست سے خارج جمادات کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اسے آلو، ٹماٹر اور مٹر کی طرح بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے پانی کی کوئی حفاظت نہیں ہوگی اور اس کی بیوی پر عدت بھی نہیں واجب ہوگی۔ البتہ اگر حربیہ عورت حاملہ ہوتو وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حربی مرد سے اس کا حمل ثابت النسب ہے اور فراش ثابت ہے، لہٰذا حدیث **من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الأخر فلایسقین ماء ہ زرع غیرہ** کے پیش نظر وضع حمل سے پہلے حربیہ عورت سے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

وعن أبي حنیفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حربیہ مہاجرہ عورت سے نکاح جائز ہے خواہ وہ حاملہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ وضع حمل سے پہلے اس سے وطی نہ کی جائے، جیسے حاملہ من الزناء سے نکاح جائز ہے مگر وضع حمل سے پہلے وطی ممنوع ہے، لیکن پہلا قول یعنی عدم جواز نکاح والا قول زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ جب اس کا حمل ثابت النسب ہے تو پھر اس میں ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

فَصْلٌ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن کا کرنا یا نہ کرنا معتدہ عورتوں کے لیے ضروری ہے

قَالَ وَ عَلَى الْمَبْتُوْتَةِ وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً عَلَيْهَا الْحِدَادُ، أَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِقَوْلِهِ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا))، وَ أَمَّا الْمَبْتُوْتَةُ فَمَذْهَبُنَا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا حِدَادَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ وَجَبَ إِظْهَارًا لِلتَّأَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ زَوْجٍ وَفٰى بِعَهْدِهَا إِلٰى مَمَاتِهِ، وَ قَدْ أَوْحَشَهَا بِالْإِبَانَةِ فَلَا تَأَسُّفَ بِفَوْتِهِ، وَ لَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ[2] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((نَهَى الْمُعْتَدَّةَ أَنْ تَخْتَضِبَ بِالْحِنَاءِ)) وَ قَالَ ((الْحِنَاءُ طِيْبٌ))، وَ لِأَنَّهُ يَجِبُ إِظْهَارًا لِلتَّأَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ الَّذِيْ هُوَ سَبَبٌ لِصَوْنِهَا وَ كِفَايَةُ مُؤْنِهَا، وَ الْإِبَانَةُ اَقْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتّٰى كَانَ لَهَا أَنْ تَغْسِلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مبتوتہ اور متوفی عنہا زوجہا اگر بالغ اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب ہے، رہی متوفی عنہا زوجہا تو وہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرنا حلال نہیں ہے لیکن اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔ رہی مبتوتہ (اور اس کا مسئلہ) تو وہ ہمارا مذہب ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر سوگ نہیں ہے، کیوں کہ سوگ ایسے شوہر کے انتقال پر اظہار افسوس کے لیے واجب ہوا ہے جس نے اپنی موت تک اس عورت کا معاہدہ پورا کیا ہو حالاں کہ اس شخص نے جدا کر کے اس کو وحشت میں ڈال دیا ہے، لہٰذا اس کی جدائی پر افسوس نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتدہ کو حناء کا خضاب لگانے سے منع کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ حنا خوشبو ہے۔ اور اس لیے کہ سوگ نکاح کی اس نعمت کے فوت ہونے پر اظہار افسوس کے لیے ہوتا ہے جو عورت کی حفاظت اور اس کی ضروریات کی

کفایت کا سبب ہے۔ اور ابانتِ عورت کے لیے موتِ زوج سے بھی زیادہ بھیانک ہے یہاں تک کہ ابانت سے پہلے عورت کے لیے اپنے مردہ شوہر کو غسل دینا جائز ہے، لیکن ابانت کے بعد جائز نہیں ہے۔

اللغات:

﴿حداد﴾ سوگ کرنا، زیب و زینت اور باہر نکلنے کو ترک کرنا۔ ﴿تأسّف﴾ افسوس، حسرت۔ ﴿إبانة﴾ بائن کرنا۔ ﴿معتدّة﴾ عدت گزارنے والی۔ ﴿تختضب﴾ بال رنگے، خضاب لگائے۔ ﴿حناء﴾ مہندی۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿صون﴾ حفاظت، بچاؤ۔ ﴿مؤن﴾ خرچے۔

تخریج:

❶ اخرجہ البخاری فی کتاب الجنائز باب احداد المرأة علی غیر زوجها، حدیث: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱.

❷ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدة فی عدتها، حدیث: ۲۳۰۵، ۲۳۰۲.

عدت میں سوگ اور ترک زینت:

اس عبارت میں سوگ کا بیان ہے جس کی تفصیل وتشریح آئندہ عبارت میں خود ہی آرہی ہے، سوگ کے متعلق یہاں یہ حکم ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کے میاں سے جدائی ہوگئی ہو خواہ طلاق بائن سے ہو یا طلاق مغلظہ سے یا خلع سے اس پر اور وہ عورت جسے چھوڑ کر اس کا شوہر مرگیا ہو اس پر ہمارے یہاں سوگ کرنا واجب ہے، متوفی عنہا زوجہا پر وجوبِ سوگ کے سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان دلیل ہے کہ **لاتحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاثة أيام إلّا على زوجها أربعة شهر وعشرا**، یعنی جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے اپنے شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے۔

متوفی عنہا کے لیے سوگ کرنا تو متفق علیہ طور پر واجب ہے، لیکن مبتوتہ پر وجوبِ سوگ کا حکم صرف ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مبتوتہ پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ سوگ صرف اس شوہر کے انتقال پر واجب ہوتا ہے جس نے موت تک بیوی کی رفاقت اداء کی ہو اور تادم حیات اس کے دکھ درد میں شریک رہا ہو۔ اور بائنہ کرنے والا مرد چوں کہ اپنی زندگی ہی میں عورت کو وحشت میں مبتلا کردیتا ہے، اس لیے وہ ایک نہیں بلکہ ایک ہزار مرتبہ مرے تو بھی اس بدبخت پر سوگ نہیں کیا جائے گا۔

ولنا الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مبتوتہ پر وجوب سوگ کے سلسلے میں ہماری دلیل یہ حدیث ہے **أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى المعتدة أن تختضب بالحناء وقال الحناء طيب** یعنی آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو رنگِ حناء کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور حناء کو آپ نے خوشبو قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہے کہ حدیث میں مطلقاً معتدہ کو حناء کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور معتدۂ طلاق یا معتدۂ وفات میں کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے، اس لیے ہر معتدہ پر سوگ واجب ہوگا خواہ وہ معتدۂ وفات ہو یا معتدۂ نکاح۔

معتدۂ طلاق اور مبتوتہ پر وجوب سوگ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس کا وجوب نکاح کی اس نعمت عظمیٰ کی زوال پر ہوتا ہے جو عورت کی حفاظت اور اس کی ضروریات کی کفالت وکفایت کا سبب ہے۔

اور یہ نعمت جس طرح وفات زوج سے زائل ہوتی ہے اسی طرح ابانتِ زوج سے بھی زائل ہوتی ہے، بلکہ ابانت عورت کے حق میں موت سے بھی زیادہ بھیانک ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ عورت ابانت سے پہلے تو اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے، لیکن ابانت کے بعد نہیں دے سکتی، اس لیے اس حوالے سے بھی مبتوتہ پر سوگ واجب کرنا مفید اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مبتوتہ پر عدم وجوبِ سوگ ہی کا قول بہتر اور مناسب ہے اور آج کے زمانے میں چوں کہ معمولی سی تکرار پر بھی ابانت ہوجاتی ہے اس لیے عورت بیچاری کتنے شوہروں کے لیے سوگ کرے گی لہٰذا مبتوتہ پر سوگ کے عدم وجوب کا قول ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ عبدالحلیم قاسمی بستوی

وَالْحِدَادُ وَ يُقَالُ الْإِحْدَادُ وَهُمَا لُغَتَانِ أَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ، وَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ إِلَّا مِنْ وَجْعٍ، وَالْمَعْنَى فِيْهِ وَجْهَانِ أَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ إِظْهَارِ التَّأَسُّفِ، وَالثَّانِيْ أَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ دَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَهِيَ مَمْنُوْعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْلَا تَصِيْرَ ذَرِيْعَةً إِلَى الْوُقُوْعِ فِي الْمُحَرَّمِ، وَ قَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ❶ ((لَمْ يَأْذَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْإِكْتِحَالِ)) وَالدُّهْنُ لَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ طِيْبٍ وَفِيْهِ زِيْنَةُ الشَّعْرِ وَ لِهٰذَا يُمْنَعُ الْمُحْرِمُ عَنْهُ، قَالَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ، لِأَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً، وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ لَا الزِّيْنَةُ، وَ لَوِاعْتَادَتِ الدُّهْنَ فَخَافَتْ وَجْعًا فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا أُبِيْحَ لَهَا، لِأَنَّ الْغَالِبَ كَالْوَاقِعِ وَ كَذَا لُبْسُ الْحَرِيْرِ إِذَا احْتَاجَتْ إِلَيْهِ لِعُذْرٍ لَا بَأْسَ، وَ لَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَاءِ لِمَا رَوَيْنَاهُ وَ لَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَ لَا بِزَعْفَرَانَ لِأَنَّهُ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطِّيْبِ.

ترجمہ: حداد اور کہا جاتا ہے اِحداد یہ دونوں دولغتیں ہیں جن کے معنی ہیں کہ عورت خوشبو لگانا، زینت اختیار کرنا، سرمہ لگانا اور تیل لگانا سب ترک کردے (خواہ وہ تیل خوشبودار ہو یا بغیر خوشبو والا ہو) مگر عذر کی وجہ سے۔ اور جامع صغیر میں إلاّ من وجع (درد سے) ہے اور اس میں دوطرح سے دلیل مذکور ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جو ہم بیان کرچکے یعنی افسوس ظاہر کرنا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں اس عورت میں اسباب رغبت ہیں حالاں کہ اسے نکاح سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا وہ ان چیزوں سے احتراز کرے، تاکہ یہ چیزیں حرام میں واقع ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں اور یہ بات صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور تیل لگانا ایک طرح کی خوشبو سے خالی نہیں ہوتا ہے اور اس میں بالوں کی زینت ہے، اسی لیے محرم کو اس سے روکا جاتا ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ إلا من عذر، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے اور مراد دواء ہے نہ کہ زینت۔ اور اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہو اور اسے درد کا اندیشہ ہو اور یہ امر ظاہر ہو تو اس کے لیے تیل لگانا مباح ہوگا، اس لیے کہ غالب واقع کی طرح ہے۔ اور ایسے ہی

اگر عذر کی وجہ سے عورت، کو ریشم پہننے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور معتدہ رنگ حناء نہ استعمال کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے اور ایسا کپڑا بھی نہ پہنے جو کسم اور زعفران کے رنگ سے رنگا ہو، اس لیے کہ اس سے خوشبو پھوٹتی رہتی ہے۔

اللغات:

﴿حداد﴾ سوگ کرنا۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿کحل﴾ سرمہ۔ ﴿دھن﴾ تیل۔ ﴿مطیب﴾ خوشبودار۔ ﴿وجع﴾ درد۔ ﴿تجتنب﴾ پرہیز کرے۔ ﴿اکتحال﴾ سرمہ لگانا۔ ﴿حریر﴾ ریشم۔ ﴿حناء﴾ مہندی۔ ﴿العصفر﴾ ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے۔

تخریج:

❶ اخرجہ البخاری فی کتاب الطلاق باب الکحل للحادۃ، حدیث ۵۳۳۸، بمعناہٗ.

سوگ کی وضاحت:

سوگ کی وضاحت اور اس کی حقیقت بیان کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس عبارت میں اسی کا بیان ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حداد اور اِحداد دونوں کے معنی ہیں سوگ کرنا جس کی تفصیل یہ ہے کہ عورت عدت کے دوران نہ تو خوشبو لگائے، نہ سرمہ لگائے نہ تو زینت اختیار کرے یعنی نہ تو لالی پوڈر اور کریم لگائے اور نہ ہی تیل لگائے، ہاں اگر ان میں سے کسی چیز کے استعمال کرنے میں اسے ضرورت ہو اور اس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو یا جامع صغیر کی صراحت کے مطابق عورت کو تیل وغیرہ نہ استعمال کرنے پر سر میں درد کا خوف اور خدشہ ہو تو پھر ان چیزوں کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ معتدہ کے حق میں ترکِ زینت پر دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہی ہے جو گذر چکی یعنی نکاح کی نعمت کے زوال پر اظہار افسوس ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے لوگ اس عورت میں دل چسپی لیں گے اور اس سے نکاح کی رغبت ظاہر کریں گے، حالاں کہ دورانِ عدت معتدہ کو نکاح سے باز رکھا گیا ہے، اس لیے وہ عورت احتیاطاً ان چیزوں کے استعمال سے گریز کرے تاکہ ان کی وجہ سے وہ حرام کاری میں واقع نہ ہو۔

اسی لیے تو آپ ﷺ سے ایک معتدہ نے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، لیکن انہی خرابیوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے اسے اجازت نہیں دی تھی۔ اور معتدہ کے لیے تیل کا استعمال بھی ممنوع ہے، کیوں کہ تیل میں بھی ایک طرح کی خوشبو ہوتی ہے اور بالوں کی زینت ہوتی ہے اسی لیے تو محرم کو تیل کے استعمال سے روکا گیا ہے، کیوں کہ احرام میں بھی زیب و زینت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

قال إلّا من عذر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بر بنائے دواء معتدہ کو ان چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اسے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن آرائش کے طور پر ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہو اور اس کے ترک پر سر وغیرہ میں درد کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ قوی ہو تو بھی تیل لگانے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ جو چیز غالب ہوتی ہے وہ واقع کی طرح ہوتی ہے، لہٰذا غالب کو واقع کا درجہ دے دیا جائے گا۔

وکذا لبس الحریر الخ: فرماتے ہیں کہ عذر اور ضرورت کی وجہ سے معتدہ کے لیے ریشم بھی پہننے کی اجازت ہے۔

و لا تختضب الخ : معتدہ کے لیے رنگ حنا کے استعمال کی بھی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حناء کو خوشبو قرار دیا ہے، اسی طرح کسم اور زعفران کے رنگ سے رنگ ہوئے کپڑے بھی پہننا معتدہ کے لیے ممنوع ہے، کیوں کہ اس سے بھی خوشبو پھوٹتی ہے اور خوشبو کا استعمال معتدہ کے لیے ممنوع ہے۔

قَالَ وَ لَا حِدَادَ عَلٰى كَافِرَةٍ ، لِأَنَّهَا غَيْرُ مُخَاطَبَةٍ بِحُقُوْقِ الشَّرْعِ، وَ لَا عَلٰى صَغِيْرَةٍ، لِأَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوْعٌ عَنْهَا، وَ عَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ، لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ بِحُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْمَا لَيْسَ فِيْهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلٰى، بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوْجِ، لِأَنَّ فِيْهِ إِبْطَالَ حَقِّهٖ، وَ حَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهٖ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ کافرہ عورت پر سوگ نہیں ہے، کیوں کہ وہ حقوق شرع کی مخاصب نہیں ہے، اور صغیرہ پر بھی سوگ نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے اللہ کا خطاب اٹھالیا گیا ہے، اور باندی پر سوگ کرنا واجب ہے کیوں کہ وہ ان امور میں حقوق اللہ کی مخاطب ہے جن میں مولیٰ کا حق باطل نہیں ہوتا۔ برخلاف باہر جانے کی ممانعت کے، اس لیے کہ اس میں مولیٰ کا حق باطل ہو جاتا ہے اور بندے کا حق اس کی ضرورت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

اللغات:

﴿حداد﴾ سوگ۔ ﴿امة﴾ باندی۔

کافر عورت کے لیے سوگ کا حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کافرہ عورت کا شوہر مر جائے تو اس کافر عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ سوگ اللہ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور کافرہ حقوق شرع کی مخاطب نہیں ہے، ایسے ہی صغیرہ پر بھی سوگ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ صغیرہ سے بھی خطاب الٰہی کو اٹھالیا گیا ہے اور بدون خطاب وجوب نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر کسی باندی کا شوہر مر جائے تو اس پر سوگ کرنا واجب ہے، کیوں کہ وہ امور جن میں مولیٰ کے حقوق کا ابطال لازم نہیں آتا ان میں باندی حقوق اللہ کی مخاطب ہے اور سوگ میں چوں کہ مولیٰ کے حق کا ابطال نہیں ہے اس لیے باندی پر سوگ کرنا واجب ہے، البتہ اس سوگ میں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت شامل نہیں ہوگی، کیوں کہ اس ممانعت میں مولیٰ کے حق کا ابطال ہے اور حق العبد حق اللہ سے مقدم ہے، اس لیے زیب وزینت کے ترک میں تو باندی پر سوگ ہے لیکن خروج کے حق میں سوگ نہیں ہے۔

قَالَ وَ لَيْسَ فِيْ عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ وَ لَا فِيْ عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ إِحْدَادٌ، لِأَنَّهَا مَا فَاتَهَا نِعْمَةُ النِّكَاحِ لِتُظْهِرَ التَّأَسُّفَ، وَالْإِبَاحَةُ أَصْلٌ.

ترجمه: اور ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں ہے، کیوں کہ نعمتِ نکاح زائل نہیں ہوئی ہے تاکہ افسوس کرنا ظاہر ہو اور اباحت اصل ہے۔

ام ولد اور منکوحہ فاسدہ کے لیے عدم حداد کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ام ولد کے مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا یا وہ مولیٰ مرگیا یا کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا تو ان دونوں عورتوں پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ سوگ کا وجوب نعمت نکاح کے زوال پر ہوتا ہے۔ اور ام ولد اور نکاح فاسد والی عورت کے حق میں نعمت نکاح زائل نہیں ہوئی، اس لیے اظہار افسوس کے لیے سوگ وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ زیب وزینت کی اباحت اصل ہے، لہٰذا یہ حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

وَ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ، وَ لَا بَأْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ (سورة البقره : ٢٣٥) إِلٰى أَنْ قَالَ ﴿وَ لٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَعْرُوْفًا﴾ (سورة البقرة : ٢٣٥)، قَالَ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((السِّرُّ النِّكَاحُ))، وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا التَّعْرِيْضُ أَنْ يَقُوْلَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أَتَزَوَّجَ، وَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوْفِ إِنِّيْ فِيْكِ لَرَاغِبٌ وَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ نَجْتَمِعَ.

ترجمہ: معتدہ کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں ہے تاہم منگی کی تعریض کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اس تعریض میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جو عورتوں کو نکاح کا پیغام دینے کے سلسلے میں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لیکن تم پوشیدہ طور پر بھی ان سے کوئی وعدہ نہ کرو، مگر یہ کہ قاعدے کے مطابق کوئی بات کہو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر کے معنی ہیں نکاح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تعریض یہ ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اور قول معروف کے سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تمہارے متعلق مجھے دلچسپی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک ساتھ ہو جائیں۔

اللغات:

﴿تخطب﴾ پیغام نکاح دیا جائے۔ ﴿تعریض﴾ اشارہ کرنا۔ ﴿عرضتم﴾ اشارۃً کہو۔ ﴿خطبة﴾ منگنی، پیغام نکاح۔
﴿لا تواعد وهن﴾ ان سے وعدہ مت لو۔

تخریج:

[1] لم اجدہ قال الزیلعی ھٰذا الحدیث غریب جدًا.

معتدہ کو پیغام نکاح دینا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ معتدہ عورت کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینا ممنوع اور غیر مناسب ہے اور قرآن نے اسے منع کیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله یعنی زمانۂ عدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کا ارادہ بھی مت کرو، البتہ اشارتاً اور کنایتاً نکاح کی تعریض کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ خود قرآن کریم سے اس کی اجازت ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ولاجناح عليكم فيما عرّضتم به من خطبة النساء۔ تعریض کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اگر کوئی مرد یوں کہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں یا میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل

جائے وغیرہ وغیرہ، تو اس طرح کی تعریض کی اجازت ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ تعریض میں کہیں بھی نکاح کا وعدہ نہیں ہونا چاہیے، نہ تو صراحتاً اور نہ ہی کنایتاً، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کنایۃ وعدۂ نکاح سے بھی منع فرمایا ہے، چنانچہ قرآن نے کہا کہ **ولکن لاتواعد وهن سرا إلّا أن تقولوا قولا معروفا**۔ اور سر کے متعلق فرمان نبوی یہ ہے کہ وہ نکاح ہے۔ لہٰذا اس سے وعدۂ نکاح کی ممانعت ثابت ہوئی۔ اور قول معروف کے متعلق حضرت سعید بن جبیرؒ کا فرمان یہ ہے کہ اس سے مراد مرد کا یہ قول ہے **إلي لراغب فيكِ و إني أريد أن نجتمع**۔

وَ لَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَ لَا نَهَارًا وَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَ بَعْضَ اللَّيْلِ وَ لَا تَبِيْتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا، أَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ (سورة الطلاق : ١)، قِيْلَ الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوْجِ، وَ قِيْلَ الزِّنَاءُ، وَ يَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ، وَ أَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِأَنَّهٗ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَتَحْتَاجُ إِلَى الْخُرُوْجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ وَ قَدْ يَمْتَدُّ اِلٰى اَنْ يَهْجُمَ اللَّيْلَ وَ لَا كَذٰلِكَ الْمُطَلَّقَةُ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ دَارَةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَالِ زَوْجِهَا حَتّٰى لَوِ اخْتَلَعَتْ عَلٰى نَفَقَةِ عِدَّتِهَا قِيْلَ إِنَّهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَ قِيْلَ لَا تَخْرُجُ، لِأَنَّهَا أَسْقَطَتْ حَقَّهَا فَلَا يَبْطُلُ بِهٖ حَقٌّ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ کے لیے رات اور دن میں اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اور متوفّٰی عنہا زوجہا دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر نکل سکتی ہے، لیکن اپنے گھر کے علاوہ (کسی دوسری جگہ) رات نہ گذارے۔ رہی مطلقہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ''کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں الا یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کریں۔ کہا گیا کہ فاحشہ نفس خروج ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ زناء ہے۔ اور یہ عورتیں اقامتِ حد کے لیے نکلیں گی۔ رہی متوفّٰی عنہا زوجہا تو چوں کہ اس کا نفقہ نہیں ہوتا، لہٰذا طلب معاش کے لیے وہ دن میں نکلنے کی محتاج ہے۔ اور کبھی کبھی تلاش معاش رات آنے تک دراز ہوجاتا ہے۔

اور مطلقہ ایسی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا نفقہ اس کے شوہر کے مال سے جاری رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی عدت کے نفقہ پر خلع کیا تو ایک قول یہ ہے کہ دن میں نکلے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں نکلے گی، اس لیے کہ اس نے اپنا حق ساقط کردیا، لہٰذا اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہوگا۔ جو اس پر لازم ہے۔

اللغات:

﴿مبتوتة﴾ بائنہ۔ ﴿لا تبیت﴾ رات نہ گزارے گی۔ ﴿فاحشة﴾ کھلی برائی۔ ﴿یهجم﴾ طاری ہوجائے۔ ﴿دارة﴾ بہنے والا، جاری۔

معتدة کے لیے گھر سے نکلنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو اس عورت کے لیے بلاضرورت شرعی یا

انسانی رات اور دن کے کسی بھی حصے میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ ضرورت شرعی مثلاً اقامتِ حدود وغیرہ کے لیے یا ضرورت انسانی مثلاً قضاء حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ اس کے برخلاف متوفی عنہا زوجہا دن میں بھی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور رات کے کچھ حصے میں بھی نکل سکتی ہے، البتہ وہ رات اسی مکان میں گذارے جہاں اپنے شوہر کیساتھ رہتی تھی، اور رات کو ہر حال میں گھر چلی آئے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''لاتخرجوهن من بيوتهن الخ إلاّ أن يأتين بفاحشة مبينة'' یعنی اگر مطلقہ عورتیں کھلی ہوئی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا چوری کریں تو انہیں گھر سے نکالا جاسکتا ہے، اسی طرح فاحشہ کے متعلق بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے نفس خروج ہے یعنی اگر یہ عورتیں بلاضرورت گھر سے باہر نکلیں تو پھر ہمیشہ کے لیے انہیں نکال دو، یا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا بلاضرورت نکل جانا ہی فحش اور بے حیائی ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ فاحشہ سے زناء مراد ہے اور زناء کرنے کی وجہ سے اقامتِ حدود کے لیے انہیں نکالا جائے گا۔ اس میں سے پہلا قول ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور اسے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (بنایہ ۵/۴۴۵)

متوفی عنہا زوجہا کو پورے دن اور رات کے کچھ حصے میں نکلنے کی اجازت ہے، کیوں کہ موتِ زوج کی وجہ سے شوہر کی طرف سے ملنے والا اس کا نفقہ موقوف ہوجاتا ہے، اس لیے طلب معاش کے لیے اسے گھر سے باہر نکلنا ہی ہوگا اور ظاہر ہے کہ کاروبار میں دن کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار رات بھی ہوجاتی ہے، اسی لیے ہم اسے رات کے کچھ حصے میں بھی نکلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف مطلقہ کا یہ حال نہیں ہے کیوں کہ عدت کے زمانے میں مطلقہ کو اس کے شوہر کے مال سے نفقہ اور خرچہ ملتا رہتا ہے، اس لیے اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عورت نے عدت کے زمانے میں اپنے شوہر سے نفقۂ عورت کے بدلے خلع کرلیا تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں اس کے لیے طلبِ معاش کی خاطر نکلنے کی اجازت ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں اسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ اس نے خود ہی خلع کرکے اپنا حق ساقط کردیا ہے، لہٰذا اس کے اپنے فعل سے شریعت کا حق باطل نہیں ہوگا۔

وَ عَلَى الْمُعْتَدَّةِ أَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِيْ يُضَافُ إِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ (سورة الطلاق: ١)، وَالْبَيْتُ الْمُضَافُ إِلَيْهَا هُوَ الْبَيْتُ الَّذِيْ تَسْكُنُهٗ، وَ لِهٰذَا لَوْ زَارَتْ أَهْلَهَا وَ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا كَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَعُوْدَ إِلٰى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدُّ فِيْهِ، وَ قَالَ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّتِيْ قُتِلَ زَوْجُهَا ((أُسْكُنِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهٗ)).

ترجمہ: اور معتدہ پر واجب ہے کہ اسی مکان میں عدت گذارے جو فرقت اور موت کے وقوع کے وقت سکنی اور رہائش کے حوالے سے عورت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''ولاتخرجوهن من بيوتهن'' اور عورت کی طرف جو گھر منسوب ہوتا ہے وہ وہی گھر ہوتا ہے جس میں عورت رہتی ہے، اسی لیے اگر بیوی اپنے اہل خانہ کی زیارت کے لیے گئی اور اس کے شوہر

نے اسے طلاق دے دی تو اس عورت پر اپنے گھر واپس لوٹ کر اس میں عدت گذارنا لازم ہے اس عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کا شوہر شہید ہوگیا تھا تم اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ مدت عدت پوری ہو جائے۔

اللغات:

﴿یضاف﴾ منسوب کیا جاتا ہے۔ ﴿تسکن﴾ رہائش رکھتی ہے۔

تخریج:

❶ اخرجہ الترمذی فی کتاب الطلاق باب ان تعتد المتوفی عنها زوجها، حدیث: ۱۲۰٤.
والبیهقی فی السنن الکبری، حدیث: ۱۵۲۷۷.

عدت کس گھر میں گزاری جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کی وفات یا وقوع طلاق کے وقت معتدہ عورت جس مکان میں رہتی تھی اس پر لازم ہے کہ اسی مکان میں عدت گذارے، کیوں کہ فرمان خداوندی و لاتخرجو ھن من بیوتھن اس پر دلیل ہے اور عورت کا گھر وہی ہے جس میں وہ رہتی ہے، اسی لیے اگر بیوی اپنے ماں باپ سے ملنے اپنے میکہ گئی اور وہاں اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو بھی اس عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ وہاں سے اپنے گھر آئے اور وہیں آکر عدت گذارے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک عورت کا شوہر شہید ہوگیا تھا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ اپنے گھر میں رہو اور دستور شرعی کے مطابق جب تک تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلو، اس سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کے لیے رہائشی مکان ہی مین عدت گذارنا واجب ہے۔

وَ إِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيْهَا فَأَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ انْتَقَلَتْ، لِأَنَّ هٰذَا انْتِقَالٌ بِعُذْرٍ، وَالْعِبَادَاتُ تُؤَثِّرُ فِيْهَا الْأَعْذَارُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا خَافَتْ عَلٰى مَتَاعِهَا، أَوْ خَافَتْ سُقُوْطَ الْمَنْزِلِ أَوْ كَانَتْ فِيْهَا بِأَجْرٍ وَ لَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيْهِ.

ترجمہ: اور اگر انتقال کردہ شوہر کے گھر میں بیوی کا حصہ اس کے لیے ناکافی ہو اور ورثہ نے اسے اپنے حصے سے نکال دیا تو یہ عورت منتقل ہو جائے، کیوں کہ یہ منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہوگیا جیسے عورت کو اپنے سامان کا خوف ہو یا گھر گرنے کا اندیشہ ہو یا وہ عورت اس گھر میں کرائے پر رہتی تھی اور اب کرایہ اداء کرنے کے لیے روپیہ وغیرہ نہ پائے۔

اللغات:

﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿سقوط﴾ گرنا۔ ﴿أجر﴾ اجرت، کرایہ۔

خاوند کے گھر میں رہنا ممکن نہ ہونے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتدۂ وفات عورت کا حصہ اس کے شوہر کے مکان سے بہت کم ہو اور رہنے کے لیے ناکافی ہو اور دوسرے

ورثاء بھی رہائش کے لیے اپنا حصہ دینے کو تیار نہ ہوں تو اس صورت میں اس عورت کے لیے مکان میت سے منتقل ہوکر کسی دوسرے محفوظ اور پردہ دار مقام پر عدت گذارنا درست ہے، کیوں کہ یہ انتقال عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہیں، لہٰذا یہاں بھی یہ عذر کف عن الخروج والی عبادت میں موثر ہوگا۔

وصار کما الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر ایسی ہے جیسے بیوی کو اپنے مال کے چوری ہونے کا خدشہ ہو یا مکان گرنے کا اندیشہ ہو یا وہ کرایہ کے مکان میں مقیم ہو، اب کرایہ اداء کرنا اس کے بس میں نہ ہو تو ان صورتوں میں نقل مکانی کے حق میں عذر موجود ہے، اس لیے نقل مکانی کی گنجائش ہے، اسی طرح گھر کے رہائش کے لیے ناکافی ہونے کی صورت میں بھی نقل مکانی کی اجازت اور گنجائش ہوگی۔

ثُمَّ إِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِطَلَاقٍ بَائِنٍ أَوْ ثَلَاثٍ لَا بُدَّ مِنْ سُتْرَةٍ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ لَا بَأْسَ لِأَنَّهُ مُعْتَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فَاسِقًا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَحِيْنَئِذٍ تَخْرُجُ، لِأَنَّهُ عُذْرٌ، وَ لَا تَخْرُجُ عَمَّا انْتَقَلَتْ إِلَيْهِ، وَالْأَوْلٰى أَنْ يَخْرُجَ هُوَ وَ يَتْرُكَهَا.

ترجمه: پھر اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ کی وجہ سے فرقت واقع ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان پردہ کا ہونا ضروری ہے، پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شوہر اس کے حرام ہونے کا معترف ہے لیکن اگر شوہر فاسق ہو اور اس سے عورت کو خدشہ ہو تو اس وقت عورت (شوہر کے گھر سے) باہر نکل جائے، اس لیے کہ یہ عذر ہے اور جہاں منتقل ہوکر جائے وہاں سے نہ نکلے۔ اور بہتر یہ ہے کہ خود شوہر نکل جائے اور عورت کو چھوڑ دے۔

اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿سترة﴾ پردہ۔

عدت میں شوہر کے ساتھ رکھا جانے والا رویّہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی گئی اور وہ شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گذارنے لگی تو اس طرح عدت گذارے کہ میاں بیوی کے درمیان پردہ حائل رہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے اختلاط اور انضمام سے بچتے رہیں اور پردہ ڈالنے کے بعد ایک ساتھ رہیں کیوں کہ طلاق کے بعد شوہر بیوی کی حرمت کا معترف ہے، اس لیے قوی امید ہے یہی ہے کہ وہ اب گڑبڑ نہیں کرے گا، لہٰذا اب دونوں کے ایک مکان میں رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر شوہر فاسق ہو اور اس کی جانب سے عورت پر دست درازی کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کو چاہیے کہ شوہر کا مکان چھوڑ کر کسی دوسرے رشتہ دار وغیرہ کے یہاں چلی جائے اور وہیں رہ کر عدت گذار لے، کیوں کہ شوہر کا فاسق ہونا عذر ہے اور عذر کی وجہ سے نقل مکانی کی اجازت ہے۔ البتہ اگر کسی وجہ سے نقل مکانی کی ضرورت پیش آجائے تو بہتر یہ ہے کہ عورت کے بجائے خود شوہر ہی گھر چھوڑ کر کسی جگہ چلا جائے اور اس عورت کو اپنے مکان میں عدت پوری کر لینے دے، کیوں کہ عورت کا شوہر کے مکان میں عدت گذارنا واجب ہے اور شوہر کا اس مکان میں رہنا مباح ہے

اور ظاہر ہے کہ واجب کی رعایت کرنا اولیٰ ہے۔ (عنایہ)

وَ إِنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا اِمْرَأَةً ثِقَةً تَقْدِرُ عَلَى الْحَيْلُوْلَةِ فَحَسَنٌ، وَ إِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْتَخْرُجْ، وَالْأَوْلَى خُرُوْجُهُ، وَ إِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا إِلَى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فِي غَيْرِ مِصْرٍ، فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا وَ بَيْنَ مِصْرِهَا أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ رَجَعَتْ إِلَى مِصْرِهَا، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِابْتِدَاءِ الْخُرُوْجِ مَعْنًى، بَلْ هُوَ بِنَاءٌ.

ترجمہ: اور اگر زوجین نے اپنے درمیان کسی ثقہ عورت کو حائل کر دیا جو درمیانی روک پر قدرت رکھتی ہو تو یہ اچھا ہے۔ اور اگر مکان ان دونوں پر تنگ ہو تو عورت کو گھر سے نکل جانا چاہیے اور مرد کا نکلنا بہتر ہے۔ اور جب عورت اپنے شوہر کے ساتھ نکل کر مکہ گئی اور شوہر نے اسے تین طلاق دے دیا، یا غیر مصر میں اسے چھوڑ کر مر گیا تو اگر عورت اور اس کے شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہو تو وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے، کیوں کہ یہ خروج معناً ابتدائی خروج نہیں ہے، بلکہ بناء ہے۔

اللغات:

﴿ثقة﴾ قابل اعتماد۔ ﴿حیلولة﴾ حائل ہونا، بیچ میں آ جانا۔ ﴿ضاق﴾ تنگ ہو گیا۔

شوہر کے گھر میں عدت نہ گزارنے کا ایک عذر:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر اتفاق رائے سے میاں بیوی اپنے درمیان کسی قابل اعتماد اور بھروسہ مند عورت کو بطور پردہ رکھ لیں اور وہ عورت ان دونوں کے درمیان سد سکندری اور دیوار آہنی کا کام کرے تو یہ بہتر ہے۔ اور اگر شوہر کا مکان تنگ ہو اور دونوں کی رہائش کے لیے ناکافی ہو تو پھر بیوی کے لیے اس مکان سے علیحدہ ہو کر کسی دوسری جگہ عدت گذارنا درست ہے، تاہم زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورت کے بجائے شوہر ہی کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے وقد مرّ وجهه۔

و إذا خرجت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لیے گھر سے باہر نکلی اور راستے میں ہی شوہر نے اسے طلاق دیدی یا شوہر کا انتقال ہو گیا تو جس مقام پر یہ معاملہ پیش آیا ہے اگر وہاں سے عورت کا شہر و وطن تین دن سے کم کی مسافت پر ہو تو حکم یہ ہے کہ وہ عورت اپنے شہر واپس آ کر اپنے رہائشی مکان میں ہی عدت گذارے۔ اس لیے کہ یہ واپس ہونا معنی کے اعتبار سے ابتداء خروج نہیں ہے۔ بلکہ جو پہلا خروج تھا اسی پر مبنی ہے اور ابتداء خروج اس لیے نہیں ہے کہ مادون مدت السفر نکلنا معتدہ عورت کے لیے جائز اور مباح ہے اس لیے گھر واپس لوٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَ إِنْ كَانَتْ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءٌ كَانَ مَعَهَا وَلِيٌّ أَوْ لَمْ يَكُنْ، مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ إِلَى الْمَقْصَدِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَيْضًا، لِأَنَّ الْمُكْثَ فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ أَخْوَفُ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوْجِ، إِلَّا أَنَّ الرُّجُوْعَ أَوْلَى لِيَكُوْنَ الْاِعْتِدَادُ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ.

ترجمہ: اور اگر تین دن کی مسافت ہو تو اگر چاہے تو لوٹ آئے اور اگر چاہے تو چلی جائے خواہ اس کے ساتھ کوئی ولی ہو یا نہ ہو،

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مقصد کی طرف بھی تین دن کی مسافت ہو، کیوں کہ اس مکان میں ٹھہرنا اس عورت کے حق میں نکل جانے سے زیادہ خطرناک ہے، لیکن واپس آنا زیادہ بہتر ہے تاکہ عدت پوری کرنا شوہر کے گھر میں ہو۔

اللغات:

﴿مسیرة﴾ مسافت۔ ﴿مضت﴾ چلتی رہے۔

حالت سفر میں بیوہ ہوجانے والی کی عدت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہوا یا اس نے بیوی کو ایسے مقام پر طلاق دی جہاں سے مکہ بھی تین دن کی مسافت پر ہو اور اس کا وطن بھی تین دن کی مسافت پر ہو تو اس حالت میں عورت کو اختیار ہے اگر اس کا دل کہے تو لوٹ کر اپنے وطن چلی جائے اور اگر چاہے تو جائے قصد یعنی مکہ چلی جائے اور اس دوران اس کے ساتھ ولی کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، کیوں کہ جائے حادثہ پر ٹھہرنا اور وہاں ٹھہر کر اجنبیت کی حالت میں عدت گذارنا اس عورت کے حق میں وہاں سے کوچ کرنے سے زیادہ خطرناک ہے، اس لیے اس جگہ سے منتقل ہونا اور پھر اپنے وطن کی طرف منتقل ہونا زیادہ بہتر ہے، تاکہ وہ گھر پہنچ کر اپنوں سے مل لے اور شوہر کی موت کے صدمے کو کچھ دیر کے لیے بھلا دے اور شوہر کے مکان میں عدت گذار لے۔

قَالَ إِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ طَلَّقَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِيْ مِصْرٍ فَإِنَّهَا لَا تَخْرُجُ حَتّٰى تَعْتَدَّ ثُمَّ تَخْرُجَ إِنْ كَانَ بِهَا مَحْرَمٌ وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ وَ مُحَمَّدٌ رَحمۃ اللہ علیہ إِنْ كَانَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ أَنْ تَعْتَدَّ، لَهُمَا أَنَّ نَفْسَ الْخُرُوْجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِأَذَى الْغُرْبَةِ وَ وَحْشَةِ الْوَحْدَةِ، وَ هٰذَا عُذْرٌ، وَ إِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلسَّفَرِ وَ قَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمَحْرَمِ، وَ لَهُ أَنَّ الْعِدَّةَ أَمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ مِنْ عَدَمِ الْمَحْرَمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلٰى مَا دُوْنَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ، وَ لَيْسَ لِلْمُعْتَدَّةِ ذٰلِكَ، فَلَمَّا حَرُمَ عَلَيْهَا الْخُرُوْجُ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمَحْرَمِ فَفِي الْعِدَّةِ أَوْلٰى.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے بیوی کو کسی شہر میں تین طلاقیں دیں یا اسے چھوڑ کر مرگیا تو بیوی عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے باہر نہ نکلے، پھر اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو نکلے۔ اور یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے ساتھ کوئی محرم ہو تو عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے نکلنے میں اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اجنبیت کی تکلیف اور تنہائی کی وحشت کو دور کرنے کے لیے نفس خروج مباح ہے اور یہ عذر (بھی) ہے۔ تاہم سفر کرنا حرام تھا لیکن محرم کی وجہ سے وہ بھی دور ہوگیا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت میں نکلنا بدون محرم سفر کرنے سے زیادہ ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کے لیے محرم کے بغیر مادون السفر کی مقدار میں نکلنا جائز ہے جب کہ معتدہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے، لہٰذا جب بدون محرم عورت کے لیے

سفر میں جانا حرام ٹھہرا تو عدت میں نکلنا تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿تعتد﴾ عدت گزارے۔ ﴿غربة﴾ اجنبیت۔ ﴿وحدة﴾ تنہائی۔

حالت سفر میں بیوہ ہو جانے والی کی عدت:

اس سے پہلے جو فرقت اور موت کے وقوع سے عورت کے وطن جانے یا نہ جانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ جنگل اور غیر مصر سے متعلق تھا، اب یہاں سے مصر اور شہر میں وقوع فرقت کے مسئلے کو جامع صغیر کے حوالے سے بیان کیا جارہا ہے اسی لیے متن میں قال کا فاعل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں (بنایہ) مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے سفر کے دوران کسی شہر میں عورت کو طلاق دی، یا کسی شہر میں اس کا انتقال ہوا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ عورت وہیں عدت پوری کرے اور عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے قدم نہ نکالے، پھر جب عدت پوری ہو جائے تو بھی محرم کے بغیر وہاں سے نہ نکلے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو عدت پوری ہونے سے پہلے وہاں سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور محرم کے ہوتے ہوئے اسی شہر میں عدت پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ مسافرت اور اجنبیت کی تکلیف دور کرنے اور تنہائی کی وحشت کو بھگانے کے لیے نفس خروج مباح اور جائز ہے اور مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کا خوف ایک طرح کا عذر بھی ہے اور آپ پڑھ آئے ہیں کہ عذر کی وجہ سے نقل مکانی کی گنجائش ہے، اس لیے اس معتدہ کے لیے بھی مذکورہ شہر سے نکلنے کی اجازت ہے۔ اور پھر عورت کے حق میں سفر کی حرمت کا سبب محرم کا نہ ہونا ہے اور چوں کہ اس کے ساتھ محرم موجود ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اسے نکلنے کی اجازت مرحمت کی جائے گی۔

وله أن العدة الخ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بدون محرم سفر کرنے کے مقابلے میں عورت کا عدت میں نکلنا زیادہ خطرناک ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر معتدہ عورت محرم کے بغیر مقدار سفر سے کم مسافت کے لیے نکل سکتی ہے، لیکن معتدہ اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتی اور اس کے حق میں یہ بھی ممنوع ہے، لہٰذا جب معتدہ کے حق میں اتنی سخت پابندیاں ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے سفر کرنا زیادہ سنگین ہے، کیوں کہ جب غیر معتدہ کے لیے مقدار سفر کی مسافت کے لیے بدون محرم نکلنا ممنوع اور حرام ہے تو معتدہ کے حق میں سفر کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

یہ باب ثبوت نسب کے احکام کے بیان میں ہے

صاحب کتاب جب معتدہ کی تینوں قسموں یعنی ذوات الحیض، ذوات الأ شہراور ذوات الأحمال کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب ذوات الأحمال کے لازم یعنی ثبوت نسب کا باب ذکر فرما رہے ہیں تاکہ ملزوم اور لازم کے مابین مناسبت ومطابقت برقرار رہے۔

وَ مَنْ قَالَ إِنْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمٍ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَ عَلَيْهِ الْمَهْرُ، أَمَّا النَّسَبُ فَلِأَنَّهَا فِرَاشُهُ، لِأَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِي حَالَةِ النِّكَاحِ، وَالتَّصَوُّرُ ثَابِتٌ بِأَنْ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْإِنْزَالُ النِّكَاحَ، وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِي إِثْبَاتِهِ، وَ أَمَّا الْمَهْرُ فَلِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِيًا حُكْمًا فَتَأَكَّدَ الْمَهْرُ بِهِ.

ترجمه: اس شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ مطلقہ ہے پھر اس نے اس عورت سے نکاح کیا اور اس عورت نے یوم نکاح سے چھ ماہ پر بچہ جنا تو یہ بچہ اسی مرد کا ہے اور اس پر پورا مہر واجب ہے، رہا نسب کا ثبوت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ مذکورہ عورت اس کی فراش ہے، اس لیے جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا تو وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا ہے، لہٰذا طلاق سے پہلے بحالت نکاح ہی علوق ہوا اور اس کا امکان بھی ہے بایں طور کہ اس شخص نے اس عورت سے وطی کرتے وقت نکاح کیا ہو اور انزال نکاح کے موافق ہوا ہو۔ اور نسب کے اثبات میں احتیاط برتا جاتا ہے، رہا مسئلہ مہر کا تو جب اس شخص سے (بچے کا) نسب ثابت ہو گیا تو اس کو حکماً واطی قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے مہر مؤکد ہو گیا۔

اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔ ﴿یخالط﴾ جماع کر رہا تھا۔

اثبات نسب کی ایک مثال:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، لیکن پھر اس نے

اس عورت سے نکاح کیا اور عورت نے وقت نکاح سے ٹھیک چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا تو وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا اور اس آدمی پر پورا مہر واجب ہوگا، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ کا نسب اس شخص سے اس لیے ثابت ہوگا کہ وہ عورت اس کی فراش ہے اور حدیث میں صاحب فراش کے لیے نسب کو ثابت مانا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الولد للفراش ، وللعاهر الحجر ''یعنی صاحب فراش کو بچہ ملتا ہے اور زانی کو پتھر'' اس لیے وہ بچہ تو اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا۔

اور پھر جب عورت نے وقت نکاح سے چھ ماہ پر بچہ جنا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ بچہ وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہوا ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ طلاق سے پہلے بحالت نکاح عورت کے پیٹ میں علوق تھا اور اس علوق کے ثبوت کا امکان بھی ہے، وہ اس طرح کہ مرد نے عورت سے مخالطت کرتے ہوئے اس کے پیٹ پر لیٹ کر نکاح کیا ہو اور ایجاب وقبول ہوتے ہوئے ادخال اور انزال ہو کر نطفہ قرار پایا گیا ہو اور طلاق واقع ہوتے ہوئے شوہر اپنے کام سے فارغ ہو چکا ہو، لہٰذا اس امکان کے ہوتے ہوئے وہ بچہ اسی شخص کا ہوگا، کیوں کہ اثبات نسب کے معاملے میں احتیاط برتا جاتا ہے اور حتی الامکان نومولود بچے کو ثابت النسب قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور پھر فقہ کا یہ ضابطہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ **الأصل عندنا أن العبرة في ثبوت النسب بصحة الفراش و كون الزوج من أهله ، لا بالتمكن من الوطي** یعنی ثبوت کے متعلق ہمارے یہاں صحت فراش اور شوہر کے قابل وطی ہونے کا اعتبار ہے، اور قدرت علی الوطی شرط نہیں ہے۔ اور یہاں دونوں چیزیں موجود ہیں۔

و أما المهر الخ: فرماتے ہیں کہ جب اس شخص سے بچہ ثابت النسب ہوجائے گا تو اسے حکماً واطی قرار دیں گے اور عورت کی طلاق کو طلاق بعد الدخول مانیں گے اور طلاق بعد الدخول کی صورت میں شوہر پر پورا مہر واجب ہوتا ہے، لہٰذا یہاں بھی اس پر پورا مہر واجب ہوگا۔

قَالَ وَ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا لِاحْتِمَالِ الْعُلُوْقِ فِيْ حَالَةِ الْعِدَّةِ لِجَوَازِ أَنَّهَا تَكُوْنُ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ، وَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَثَبَتَ نَسَبُهُ لِوُجُوْدِ الْعُلُوْقِ فِي النِّكَاحِ أَوْ فِي الْعِدَّةِ، وَ لَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوْقَ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَ يَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ، وَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً، لِأَنَّ الْعُلُوْقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ لِانْتِفَاءِ الزِّنَاءِ مِنْهَا فَيَصِيْرُ بِالْوَطْيِ مُرَاجِعًا.

ترجمه: اور مطلقہ رجعیہ کے لڑکے کا نسب ثابت ہوگا بشرطیکہ اس نے دوسال یا اس سے زیادہ میں بچہ جنا ہو اور اپنی عدت کے پوری ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ بحالت عدت علوق کا احتمال ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ عورت ممتدۃ الطہر ہو۔ اور اگر اس عورت نے دوسال سے کم مدت میں بچہ جنا ہو تو انقضائے عدت کی وجہ سے وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوجائے گی اور بچے کا نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ نکاح میں یا عدت میں علوق موجود ہے۔ اور شوہر رجعت کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ طلاق سے پہلے بھی علوق کا احتمال ہے اور طلاق کے بعد بھی، اس لیے شک کی وجہ سے وہ مراجعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے دوسال سے زائد میں بچہ جنا تو

رجعت ہو جائے گی کیوں کہ علوق طلاق کے بعد ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ اسی سے ہو، کیوں کہ عورت سے زنا منفی ہے، لہٰذا وطی کرنے سے وہ مراجعت کرنے والا ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿علوق﴾ استقرار حمل۔ ﴿بانت﴾ بائنہ ہو جائے گی۔

مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ احناف کے یہاں امکانی اور خیالی نسب بھی ثابت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس عورت نے طلاق کے وقت سے دو سال یا اس سے زائد مدت میں بچہ جنا تو وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا بشرطیکہ اس دوران عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ انقضائے عدت کا اقرار نہ کرنے کی صورت میں ہم اس عورت کو ممتدۃ الطہر مان سکتے ہیں اور اس کی عدت دراز ہونے سے کی وجہ سے یہ امکان ہے کہ زمانہ عدت میں شوہر نے اس سے وطی کرلی ہو، اس لیے کہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے، لہٰذا اس وطی سے ایک طرف تو بچے کا نسب ثابت ہوگا اور دوسری طرف رجعت ثابت ہوگی۔

اور اگر اس عورت نے دو سال سے کم مدت میں بچہ جنا تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی، اس لیے کہ حاملہ ہونے کی وجہ سے اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور وضع حمل سے وہ بائنہ ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں بھی بچہ کا نسب اسی شخص سے ثابت ہوگا، کیوں کہ یا تو یہ وطی حالتِ نکاح میں ہوئی ہے یا پھر عدت میں۔ اور چوں کہ یہ عورت معتدہ رجعیہ تھی، اس لیے بحالت عدت اس سے وطی کرنا شرعاً درست تھا، لہٰذا مذکورہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا، مگر اس وطی سے شوہر رجعت کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ ہمیں اس وطی کے قبل الطلاق اور بعد الطلاق ہونے میں شک ہے لہٰذا اس حوالے سے رجعت میں شبہہ ہے اور شک وشبہے کی وجہ سے رجعت کا ثبوت نہیں ہوتا۔

و إن جاء ت به لأكثر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر طلاق کے وقت سے دو سال سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا تو اس صورت میں ثبوتِ نسب کے ساتھ ساتھ رجعت بھی ثابت ہوگی، کیوں کہ دو سال سے زائد مدت میں بچے کا پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ علوق طلاق کے بعد بحالتِ عدت ہوا ہے، کیوں کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور یہ بچہ دو سال سے زائد مدت میں آیا ہے اور عورت کی طرف سے زناء منفی ہونے کی وجہ سے ظاہر حال بھی یہی ہے کہ وہ علوق شوہر ہی کا ہوگا اور چوں کہ یہ علوق عدت کے دوران ہوا ہے اس لیے موجب رجعت ہوگا۔

وَالْمَبْتُوْتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقْتَ الطَّلَاقِ، فَلَا يُتَيَقَّنُ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوْقِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ اِحْتِيَاطًا، وَ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ، لِأَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَا يَكُوْنُ مِنْهُ، لِأَنَّ وَطْيَهَا حَرَامٌ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ، لِأَنَّهُ

اِلْتَزَمَهُ، وَلَهُ وَجْهٌ بِأَنْ وَطِيَهَا بِشُبْهَةٍ فِي الْعِدَّةِ.

ترجمہ: اور وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لڑکے کا نسب ثابت ہوگا جب اس نے دوسال سے کم میں بچہ جنا ہو، کیوں کہ بوقت طلاق بچے کے موجود ہونے کا احتمال ہے لہٰذا علوق سے پہلے زوال فراش کا یقین نہیں ہے، اس لیے احتیاطاً نسب ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر عورت نے فرقت کے وقت سے پورے دوسال میں بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ حمل طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے لہٰذا اس شخص سے نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے، مگر یہ کہ شوہر بچہ کا مدعی ہو، اس لیے کہ اس نے اس کا التزام کرلیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر نے عدت میں اس عورت سے وطی بالشبہہ کرلیا ہو۔

اللغات:

﴿مبتوتة﴾ بائنہ۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے لیا ہے۔

بائنہ کے بچے کا ثبوت نسب:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن دی گئی یا تین طلاق دے کر وہ مغلظہ کی گئی اور پھر طلاق کے وقت سے دوسال سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو وہ بچہ اس کے شوہر سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ دوسال سے کم میں بچہ پیدا ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بوقت طلاق عورت کے پیٹ میں بچہ تھا، لہٰذا علوق سے پہلے عورت کے فراش زائل ہونے کا یقین نہیں رہ گیا، اس لیے احتیاطاً اس بچے کا نسب ثابت مانا جائے گا، کیوں کہ ثبوت نسب میں احتیاط برتا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فرقت کے وقت سے پورے دوسال پر بچہ پیدا ہوا تو شوہر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں یہ یقین ہے کہ یہ حمل طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے، اس لیے کہ اسے طلاق سے پہلے کا قرار دینے میں اکثر مدت حمل کو دوسال سے زائد ماننا پڑے گا جو درست نہیں ہے، لہٰذا یہ حمل بعد الطلاق ہوگا، اس لیے وہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، اور کھینچ تان کر اسے ثابت بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ مطلقاً بائنہ سے وطی کرنا شوہر کے لیے حلال نہیں ہے، ہاں اگر شوہر اس نسب کا دعویٰ کرے اور اسے اپنانے کے لیے تیار ہو تو پھر اس کی ذات سے وہ ثابت ہوجائے گا، کیوں کہ اس نے خود ہی اس بچے کے نسب کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، لہٰذا اسے منع کرنے اور روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور پھر اس کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ شوہر نے معتدہ بائنہ کی عدت میں اس سے وطی بالشبہہ کرلی ہو، لہٰذا اس امکان کے پیش نظر بھی احتیاطاً نسب کو ثابت ہی مانیں گے۔

فَإِنْ كَانَتِ الْمَبْتُوْتَةُ صَغِيْرَةً يُجَامَعُ مِثْلُهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتّٰى تَأْتِيَ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِلٰى سَنَتَيْنِ، لِأَنَّهَا مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا وَ لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَأَشْبَهَتِ الْكَبِيْرَةَ، وَلَهُمَا أَنَّ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُعَيَّنَةً وَهُوَ الْأَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِالْإِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ إِقْرَارِهَا، لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ

الْخِلَافَ، وَالْإِقْرَارَ يَحْتَمِلُهُ، وَ إِنْ كَانَتْ مُطَلَّقَةً طَلَاقًا رَجْعِيًا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُمَا، وَ عِنْدَهُ يَثْبُتُ إِلٰى سَبْعَةٍ وَ عِشْرِيْنَ شَهْرًا، لِأَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِيًا فِيْ اٰخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلٰثَةُ الْأَشْهُرُ ثُمَّ تَأْتِيْ بِهٖ لِأَكْثَرِ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ، وَ إِنْ كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ ادَّعَتِ الْحَبَلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيْهَا وَ فِي الْكَبِيْرَةِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ بِإِقْرَارِهَا يُحْكَمُ بِبُلُوْغِهَا.

ترجمه: پھر اگر مطلقہ بائنہ اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے جماع ممکن ہو اور اس نے (طلاق کے وقت سے) نو ماہ پر بچہ جنا تو وہ نسب مرد کے ذمے لازم نہیں ہوگا یہاں تک کہ حضرات طرفینؒ کے یہاں نو ماہ سے کم میں وہ بچہ جنے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو سال تک اس سے نسب ثابت ہوگا، (ان کی دلیل یہ ہے) کہ وہ عورت معتدہ ہے اور اس کے حاملہ ہونے کا احتمال ہے اور اس نے عدت گذرنے کا اقرار بھی نہیں کیا ہے، لہٰذا وہ بالغہ عورت کے مشابہ ہوگئی۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کی عدت گذرنے کا ایک متعین وقت ہے اور وہ عدت کے مہینے ہیں تو ان کے گذرنے پر شریعت نے انقضائے عدت کا حکم لگا دیا ہے۔ اور یہ چیز دلالت میں عورت کے اقرار سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ حکم شرعی خلاف کا احتمال نہیں رکھتا جب کہ اقرار خلاف واقع کا احتمال رکھتا ہے۔

اور اگر وہ صغیرہ طلاق رجعی سے مطلقہ ہو تو بھی حضرات طرفینؒ کے یہاں یہی حکم ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوگا، اس لیے کہ آخر عدت میں شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور وہ تین ماہ ہیں پھر اس عورت نے اکثر مدت حمل میں بچہ جنا اور وہ دو سال ہیں۔ اور اگر صغیرہ نے عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کیا تو اس کا اور کبیرہ کا حکم یکساں ہے، اس لیے کہ صغیرہ کے اقرار (حمل) سے اس کے بالغہ ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اللغات:

﴿لم تقر﴾ اقرار نہیں کیا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿مضی﴾ گزرنا۔ ﴿حبل﴾ حاملہ ہونا۔

مطلقہ صغیرہ کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت جس کو ایک طلاق بائن دی گئی یا اسے تین طلاق دی گئیں وہ صغیرہ ہے لیکن پھر بھی اس کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہے، بہر حال اسے طلاق دی گئی اور اس نے طلاق کے وقت سے نو ماہ پر بچہ جنا اور عدت گذرنے کا اقرار نہیں کیا تو حضرات طرفینؒ کے یہاں اس کے شوہر پر اس بچے کے نسب کو اپنانا لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ صغیرہ نو ماہ سے کم مدت میں بچہ جنتی ہے تو ان حضرات کے یہاں وہ نسب شوہر کے ذمہ لازم ہوگا اور شوہر سے اس کا ثبوت ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ دو سال تک وہ نسب شوہر کے ذمے لازم ہوگا اور طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر ہونے والا بچہ شوہر ہی سے ثابت النسب ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ صغیرہ معتدہ ہے اور اس سے امکان جماع کے پیش نظر اس کے حاملہ ہونے کا احتمال ہے اور یہ احتمال دو طرح سے ہے (۱) وہ صغیرہ بوقت طلاق حاملہ ہو (۲) تین ماہ کے بعد عدت گذرنے کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو۔ ان

میں سے پہلی صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور دوسری صورت میں وہ بالغہ کے مشابہ ہوگی اور چوں کہ اس نے انقضائے عدت کا اقرار نہیں کیا ہے، اس لیے بالغہ اور کبیرہ عورت کی طرح دو سال تک اس کے بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔ (عنایہ)

ولهما الخ: حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صغیرہ کی عدت گذرنے کا ایک وقت متعین ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان و اللائي لم يحضن فعدتهن ثلاثة أشهر سے تین ماہ ہیں، لہٰذا ان تین ماہ کے گذرنے پر شریعت اس عورت کی انقضائے عدت کا حکم دیدے گی خواہ اس نے عدت گذرنے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور شریعت کا فیصلہ بیوی کے اقرار سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگا، کیوں کہ وہ خلاف واقع کا احتمال نہیں رکھتا جب کہ بیوی کا اقرار اس کا احتمال رکھتا ہے، اس لیے فیصلۂ شریعت کے سامنے اس عورت کے اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

و إن كانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر وہ صغیرہ مطلقہ رجعیہ ہو تو بھی حضرات طرفینؒ کے یہاں یہی حکم ہے یعنی اگر طلاق کے وقت سے نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں ستائیس ماہ تک اس کا نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ طلاق رجعی ہونے کی وجہ سے عدت کے دوران اس سے وطی کرنا درست ہے، لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ شوہر نے عدت کے آخری ایام میں اس سے وطی کی ہوگی اور یہ بچہ اکثر مدت حمل میں پیدا ہوا ہے، اس لیے ۲۴ ماہ تو اکثر مدت حمل کے ہوں گے اور تین ماہ عدت کے، کل ملا کر ستائیس ماہ ہو جائیں گے۔

و إن كانت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر صغیرہ نے اپنی عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کیا اور اپنے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو اس کا حکم اور کبیرہ عورت کا حکم یکساں ہوگا، کیوں کہ دعویٰ حمل کی وجہ سے وہ کبیرہ عورت کے ساتھ لاحق کر دی جائے گی اور کبیرہ کو اگر طلاق بائن دی جائے تو دو سال سے کم مدت میں بچہ آنے پر نسب ثابت ہوگا اور اگر طلاق رجعی دی جائے تو ستائیس ماہ تک بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ (عنایہ)

وَ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَ بَيْنَ السَّنَتَيْنِ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحمۃ اللہ علیہ إِذَا جَاءَتْ بِهِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاتِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ، لِأَنَّ الشَّرْعَ حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُوْرِ لِتَعَيُّنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّتْ بِالْإِنْقِضَاءِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الصَّغِيْرَةِ، إِلَّا أَنَّا نَقُوْلُ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةٌ أُخْرٰى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ، بِخِلَافِ الصَّغِيْرَةِ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيْهَا عَدَمُ الْحَمْلِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوْغِ، وَ فِيْهِ شَكٌّ.

ترجمہ: اور متوفیٰ عنہا زوجہا کے بچے کا نسب شوہر کی وفات سے لے کر دو سال کے اندر اندر ثابت ہوگا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عدت وفات پوری ہونے کے چھے ماہ بعد اس عورت نے بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ شریعت نے جہت عدت متعین ہونے کی وجہ سے مہینوں کے ذریعے اس کی عدت پوری ہونے کا حکم دے دیا ہے، لہٰذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے خود انقضائے عدت کا اقرار کیا جیسا کہ صغیرہ کے مسئلے میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں اس کی عدت پوری ہونے کی دوسری راہ بھی ہے اور وہ وضع حمل ہے۔ برخلاف صغیرہ کے، اس لیے کہ اس میں حمل کا نہ ہونا اصل ہے، کیوں کہ بلوغ سے پہلے صغیرہ محل حمل نہیں ہے

اور اس میں شک ہے۔

اللغات:

﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا، مکمل ہونا۔ ﴿أقرّت﴾ اقرار کیا ہے۔

معتدۂ وفات کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مرجائے اور وہ عورت کبیرہ بالغہ ہو تو ہمارے یہاں اس کے شوہر کی وفات سے لے کر دو سال کے اندر اندر اگر وہ بچہ جنتی ہے تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن کی تکمیل کے بعد سے چھ ماہ پر اسے بچے پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ جب عدت کے دوران اس عورت کا حمل ظاہر نہیں ہوا اور اس نے حمل کا دعویٰ بھی نہیں کیا تو شریعت کی جانب سے مقرر کردہ ایام عدت یعنی چار ماہ دس دن پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور یہ خود اس عورت کے انقضائے عدت کے اقرار کی طرح ہو جائے گا اور انقضائے عدت کے بعد چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئلہ میں بھی چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ جیسا کہ صغیرہ کے مسئلے میں اس کی وضاحت آ چکی ہے۔

إذا أنا نقول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا کبیرہ کو صغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ کبیرہ بالغہ ہوتی ہے اور اس کے حاملہ ہونے کا قوی یقین ہوتا ہے اور پھر انقضائے عدت سے پہلے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہوگی، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف صغیرہ کا مسئلہ ہے تو چوں کہ بلوغت سے پہلے صغیرہ محل حمل نہیں ہوتی، اس لیے اس میں حمل کا نہ ہونا ہی اصل ہے اور یہ متیقن ہے جب کہ اس کے بالغہ ہونے کا مسئلہ مشکوک ہے اور شک کے مقابلے میں چوں کہ یقین کا درجہ بڑھا ہوتا ہے اس لیے صغیرہ کے حق میں یقین یعنی عدم بلوغ پر عمل کیا جائے گا اور شک یعنی بلوغ اور حمل پر عمل نہیں ہوگا اس لیے اسے قیاس بھی نہیں جا سکتا ہے۔

وَ إِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَثْبُتُ نَسَبُهُ، لِأَنَّهُ ظَهَرَ كِذْبُهَا بِيَقِيْنٍ فَبَطَلَ الْإِقْرَارُ، وَ إِنْ جَاءَتْ بِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ، لِأَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِبُطْلَانِ الْإِقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوْثِ بَعْدَهُ، وَ هٰذَا اللَّفْظُ بِإِطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ كُلَّ مُعْتَدَّةٍ.

ترجمه: اور جب معتدہ نے اپنی عدت گذرنے کا اقرار کیا پھر چھے ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ یقینی طور پر اس کا جھوٹ واضح ہو گیا، لہٰذا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اور اگر چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہمیں بطلان اقرار کا علم نہیں ہے، کیوں کہ حمل کے اقرار کے بعد پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اور اپنے اطلاق کی وجہ سے یہ لفظ ہر معتدہ کو شامل ہے۔

اللغات:

﴿انقضاء﴾ پورا ہونا، مکمل ہونا۔

معتدہ کے اپنی عدت کے گزر جانے کا اقرار کرنے کے بعد بچہ جننا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک معتدہ نے اپنی عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اس کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس نے بچہ جنا تو وہ بچہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کا پیدا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ انقضائے عدت کے اقرار کے وقت یہ عورت حاملہ تھی اس لیے اس کی عدت وضع حمل تھی نہ کہ متعینہ جہت، لہٰذا وہ عورت انقضائے عدت کے اقرار میں جھوٹی ثابت ہوئی، اس لیے اس کا اقرار باطل ہوجائے گا اور نسب ثابت ہوجائے گا۔ البتہ اگر اقرار کے بعد چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں اس نے بچہ جنا تو پھر اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ انقضائے عدت کے اقرار کے بعد وہ عورت حاملہ ہوئی ہو، لہٰذا اس صورت میں چوں کہ بطلان اقرار کا یقین نہیں ہے، لہٰذا اس کا اقرار باطل نہیں ہوگا اور نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

وھذ اللفظ الخ: فرماتے ہیں کہ متن میں لفظ المعتدۃ چوں کہ مطلق ہے، اس لیے وہ ہر معتدہ کو شامل ہوگا خواہ وہ معتدہ رجعیہ ہو یا بائنہ ہو یا معتدۂ وفات ہو سب کا یہی حکم ہے۔

وَ إِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ إِلَّا أَنْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ حَبْلٌ ظَاهِرًا وَاعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ إِلَى تَعْيِيْنِ الْوَلَدِ أَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ، وَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقَضِيْ بِإِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ وَالْمُنْقَضِيْ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى إِثْبَاتِ النَّسَبِ ابْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبْلُ أَوْ صَدَرَ الْاِعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ، لِأَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعْيِيْنُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا.

ترجمه: اور اگر معتدہ نے بچہ جنا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا یہاں تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی ولادت کی شہادت دیں، مگر یہ کہ وہاں حمل ظاہر ہو، یا شوہر کی جانب سے اقرار پایا جائے تو بغیر شہادت کے نسب ثابت ہوجائے گا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہوجائے گا، کیوں کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش ثابت ہے اور فراش نسب کو ثابت کرنے والا ہے اور تعیین ولد کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ بچہ اسی عورت کا ہے لہٰذا ایک آدمی کی شہادت سے بچہ متعین ہوجائے گا جیسا کہ نکاح موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے وضع حمل کا اقرار کرنے سے عدت پوری ہوگئی اور پوری ہوئی چیز حجت

نہیں ہوتی، اس لیے نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور اس میں مکمل حجت شرط ہوگی۔

برخلاف اس صورت کے جب حمل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار حمل صادر ہو، اس لیے کہ نسب تو ولادت سے پہلے ثابت ہے اور ایک عورت کی شہادت سے تعیین ثابت ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿حبل﴾ حمل۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿تنقضی﴾ ختم ہوگئی، پوری ہوگئی۔

معتدہ عن طلاق کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی معتدہ نے بچہ جنا اور شوہر نے اس کا انکار کردیا تو امام اعظم رالٹیلیہ کے یہاں جب تک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی ولادت کی گواہی نہ دیدیں اس وقت تک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، ہاں اگر حمل ظاہر و باہر ہو یا شوہر اسے ماننے کے لیے تیار ہو تو بدون شہادت نسب ثابت ہو جائے گا، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ خواہ پہلے سے حمل ظاہر ہو یا نہ ہو اور خواہ شوہر نے حمل کا اقرار کیا ہو یا انکار بہر صورت ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے عورت کا اپنے شوہر کی فراش ہونا ثابت اور متیقن ہے اور فراش ہونا ہی ثبوت نسب کے لیے کافی ووافی ہے، اس لیے اثباتِ نسب کے لیے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ صرف اس بچے کے عورت کا بچہ ہونے کے لیے نشان دہی کی ضرورت ہے اور یہ کام ایک عورت کی گواہی سے چل جائے گا، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ جیسے اگر نکاح باقی ہوتے ہوئے عورت بچہ جنے تو پھر ایک عورت کی شہادت سے اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

ولأبي حنيفة رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ الخ: حضرت امام اعظم رالٹیلیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس عورت نے وضع حمل کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار کی وجہ سے اس کی عدت پوری ہوگئی اور جو چیز گذر جاتی ہے وہ حجت نہیں بن سکتی اس لیے شوہر کے انکار کرنے کی صورت میں نئے سرے سے اثبات نسب کی ضرورت ہوگی اور نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کے لیے شہادت کاملہ اور حجت تامہ کی ضرورت ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ انکار زوج کی صورت میں نصابِ شہادت یعنی دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت شرط ہے، اس کے برخلاف اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اس کا اقرار ہو تو پھر اثبات نسب کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس کے لیے کمال شہادت بھی شرط نہیں ہوگا، اس لیے اس صورت میں ایک عورت کی شہادت سے کام چل جائے گا۔ اور مزید شہادت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فَإِنْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً عَنْ وَفَاةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرَثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَ لَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ أَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا، وَ هٰذَا فِيْ حَقِّ الْإِرْثِ ظَاهِرٌ، لِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِمْ فَيُقْبَلُ فِيْهِ تَصْدِيْقُهُمْ، أَمَّا فِيْ حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِ؟ قَالُوْا إِنْ كَانُوْا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ، وَ لِهٰذَا قِيْلَ تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ، وَ

قِيلَ لَا تُشْتَرَطُ، لِأَنَّ الثُّبُوْتَ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِلثُّبُوْتِ فِيْ حَقِّهِمْ بِإِقْرَارِهِمْ، وَ مَا ثَبَتَ تَبَعًا لَا يُرَاعٰى فِيْهِ الشَّرَائِطُ.

ترجمه: پھر اگر عورت معتدۂ وفات ہو (اور اس نے ولادت کا دعویٰ کیا) اور ورثاء نے ولادت کے سلسلے میں اس کی تصدیق کر دی لیکن ولادت پر کسی نے گواہی نہیں دی تو سب کے یہاں وہ لڑکا اس شوہر کا بیٹا ہے۔ اور یہ حکم وراثت کے حق میں تو ظاہر ہے کیوں کہ میراث ان کا خالص حق ہے، لہٰذا اس میں ورثاء کی تصدیق قبول کی جائے گی۔ رہا نسب کے حق میں؟ تو کیا ان کے علاوہ کے حق میں نسب ثابت ہوگا؟ مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء شہادت کے اہل ہوں گے تو قیام حجت کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا، اسی لیے ایک قول یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط نہیں ہے، کیوں کہ ورثاء کے علاوہ دوسروں کے حق میں نسب کا ثبوت ان کے اقرار کی وجہ سے ان کے حق میں ثبوت کے تابع ہے، اور جو چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط کی رعایت نہیں کی جاتی۔

اللغات:

﴿صدق﴾ تصدیق کی۔ ﴿لا یراعی﴾ نہیں رعایت رکھی جاتی۔

معتدۂ وفات کے بچے کا ثبوت نسب کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوا اور اس عورت نے دو سال مکمل ہونے سے پہلے بچہ پیدا کرنے کا دعویٰ کیا اور شوہر کے ورثاء میں کچھ لوگوں نے دعویٰ ولادت کی تصدیق بھی کر دی لیکن ان لوگوں نے ولادت پر شہادت نہیں دی تو ان کی تصدیق ہی ثبوت ولادت کے لیے کافی ہوگی اور بچہ اپنے مرے ہوئے باپ سے ثابت النسب ہوگا۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وراثت کے حق میں اس بچے کا نسب ثابت ہونا تو ظاہر ہے یعنی بچہ دیگر ورثاء کے ساتھ باپ کی جائداد کا وارث ہوگا، اس لیے کہ میراث خالص ورثاء کا حق ہے، لہٰذا ان کے حقوق میں ان کی تصدیق کو بلاچوں چرا قبول کیا جائے گا اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہونے دی جائے گی۔

أما في حق النسب الخ: رہا یہ مسئلہ کہ عوام الناس میں اس بچے کا نسب مرنے والے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مشائخ کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر تصدیق کرنے والے ورثاء شہادت کے اہل ہوں یعنی سب مرد ہوں یا کچھ مرد اور کچھ عورتیں ہوں اور وہ سب عادل ہوں تو تمام لوگوں کے حق میں اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور عوامی سطح پر وہ مرنے والے کا بیٹا شمار ہوگا، کیوں کہ مصدقین کے اہل شہادت ہونے سے حجت کاملہ اور شہادت تامہ پائی گئی اور شہادت تامہ ہر چہار جانب سے نسب کو ثابت کر دیتی ہے۔

ولهذا قيل الخ: صاحب کتاب نے مصدقین ورثاء کے لیے اہل شہادت ہونا شرط قرار دیا ہے، اسی لیے بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ تصدیق میں لفظ شہادت کا استعمال کرنا شرط ہے، لیکن بعض دوسرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط نہیں ہے، اس لیے کہ اُن وارثوں کی تصدیق کی وجہ سے اصلاً نسب ان کے حق میں ثابت ہوگا اور پھر ان کے واسطے سے تابع ہو کر دوسروں

کے حق میں ثابت ہوگا اور جو چیز تابع ہوکر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط وغیرہ کی رعایت نہیں کی جاتی اور بدون شرائط بھی وہ چیز ثابت ہوجاتی ہے۔

وَ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ، لِأَنَّ الْعُلُوْقَ سَابِقٌ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُوْنُ مِنْهُ، وَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ، اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ سَكَتَ، لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَّةٌ، فَإِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتّٰى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يُلَاعِنُ، لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَاللِّعَانُ إِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَذْفِ، وَ لَيْسَ مِنْ ضَرُوْرَتِهِ وُجُوْدُ الْوَلَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ بِدُوْنِهِ.

ترجمہ: اور جب مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یوم نکاح سے چھے ماہ پہلے[1] اس عورت نے ایک بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ علوق نکاح پر مقدم ہے، لہٰذا وہ شوہر کا نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ جنا تو شوہر سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا، خواہ شوہر اس کا اقرار کرے، یا سکوت اختیار کیے رہے۔ کیوں کہ فراش بھی موجود ہے اور مدت (ولادت) بھی مکمل ہے۔ پھر اگر شوہر ولادت کا انکار کردے تو وہ ایک ایسی عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا جو ولادت کی شہادت دے، یہاں تک کہ اگر شوہر نے بچہ کی نفی کردیا تو وہ لعان کرے گا، اس لیے کہ فراش موجود ہونے سے نسب ثابت ہوجاتا ہے اور لعان صرف تہمت لگانے سے واجب ہوتا ہے۔ اور لعان کے لیے بچے کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ بچہ کے بغیر بھی لعان صحیح ہوجاتا ہے۔

اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار حمل۔ ﴿فصاعدًا﴾ اس سے بڑھ کر۔ ﴿جحد﴾ انکار کیا۔ ﴿نفا﴾ نفی کردی۔ ﴿قذف﴾ تہمت زنا۔

منکوحہ کے بچے کے ثبوت نسب کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یوم نکاح کے بعد سے لے کر چھ ماہ سے کم مدت میں اس عورت نے ایک بچہ کو جنم دیا تو وہ بچہ مذکورہ شخص سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے کہ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے اور یہ بچہ چوں کہ چھے ماہ سے پہلے پیدا ہوا ہے اس لیے وہ شوہر کی وطی اور اس کی منی سے نہیں ہوگا، اس لیے شوہر سے اس کا نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ اگر وقت نکاح سے پورے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوتو پھر وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا خواہ شوہر اس کی ولادت اور نسب کا اقرار کرے یا خاموش رہے، بہر دو صورت وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ اس کی ماں اس آدمی کی فراش ہے اور ولادت کی مدت (یعنی چھ ماہ) بھی پوری ہے۔

ہاں اگر چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر نے اس کی ولادت کا انکار کردیا تو ایک ایسی عورت جو بوقت ولادت موجود ہو اس کی شہادت سے ولادت کا ثبوت ہوجائے گا اور مزید کسی شاہد اور شہادت کی ضرورت نہیں پڑے گی، لیکن

اگر اب بھی شوہر سے اپنی اولاد ماننے کے لیے تیار نہ ہو اور اس بچے کی نفی کردے تو اس پر لعان واجب ہے، کیوں کہ جب فراش صحیح موجود ہے تو پھر نسب کے ثابت ہونے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے لیکن پھر بھی شوہر کا انکار اس کی بدمعاشی کا غماز ہے اس لیے اس پر لعان واجب ہوگا۔

اور لعان اس لیے واجب ہوگا کہ شوہر بچے کا انکار اور اس کی نفی کر کے اس عورت پر زناء کی تہمت لگا رہا ہے اور تہمتِ زنا ہی کی وجہ سے لعان واجب ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں شوہر پر لعان واجب ہوگا اور اس کے لیے لڑکے کا وجود ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ وجود ولد کے بغیر بھی لعان ثابت اور صحیح ہوتا ہے۔

فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ تَزَوَّجْتُكِ مُنْذُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَ قَالَتْ هِيَ مُنْذُ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَهُوَ ابْنُهُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا، فَإِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سَفَاحٍ، وَ لَمْ يَذْكُرِ الْإِسْتِحْلَافَ وَهُوَ عَلَى الْإِخْتِلَافِ.

ترجمہ: پھر اگر عورت نے بچہ جنا اس کے بعد زوجین میں اختلاف ہوگیا چنانچہ شوہر نے کہا میں نے تجھ سے چار ماہ سے نکاح کیا ہے اور بیوی نے کہا کہ چھ ماہ سے نکاح کیا ہے تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ شوہر کا بیٹا ہوگا، اس لیے کہ ظاہر حال عورت کے لیے شاہد ہے، کیوں کہ ظاہر تو یہی ہے کہ وہ نکاح سے بچے جنے گی، نہ کہ زناء سے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قسم لینے کو بیان نہیں کیا ہے، حالاں کہ وہ مختلف فیہ ہے۔

اللغات:

﴿تلد﴾ بچہ جنتی ہے۔ ﴿سفاح﴾ بدکاری، زنا۔ ﴿استحلاف﴾ قسم لینا۔

مدت نکاح میں اختلاف کے وقت قول معتبر کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک جوڑے میں نکاح ہوا اور نکاح کے بعد ان کے آنگن میں ایک پھول کھلا جسے لے کر میاں بیوی میں اختلاف ہوگیا چنانچہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے صرف چار ماہ پہلے تجھ سے نکاح کیا ہے، اس لیے یہ لڑکا میرا نہیں ہے، بیوی کہتی ہے کہ موج و مستی کے ایام بھول گئے میاں جی میں چھے ماہ سے آپ کے نکاح میں ہوں تو اس اختلاف میں بیوی کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اسی کے شوہر کا ہوگا، کیوں کہ ظاہر حال میں اسے زناء سے سمجھنا بعید از فہم ہے، اس لیے فقہی ضابطہ **الأصل أن من ساعده الظاهر فالقول قوله** کے پیش نظر بیوی ہی کی بات معتبر ہوگی اور وہ بچہ اس شخص سے ثابت النسب ہوگا۔

ولم یذکر الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے استحلاف یعنی قسم لینے اور نہ لینے کا تذکرہ نہیں کیا ہے حالاں کہ مسئلہ استحلاف مختلف فیہ ہے، چنانچہ صاحبینؒ کی استحلاف کے قائل ہیں جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عدم استحلاف کے۔ (بنایہ ۵/۴۶۴)

وَ إِنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتِ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تُطَلَّقْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُطَلَّقُ لِأَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِي ذٰلِكَ، قَالَ ❶ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ، وَلِأَنَّهَا لَمَّا قُبِلَتْ فِي الْوِلَادَةِ تُقْبَلُ فِيمَا يَبْتَنِي عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهَا ادَّعَتِ الْحِنْثَ فَلَا يَثْبُتُ إِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ، وَ هٰذَا، لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ ضَرُوْرِيَّةٌ فِي حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهَا.

ترجمه: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا جب تو بچہ جنے تجھے طلاق ہے پھر ایک عورت نے بچہ جننے پر گواہی دی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ مطلقہ نہیں ہوگی، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر طلاق واقع ہوجائے گی، اس لیے کہ ولادت کے سلسلے میں ایک عورت کی شہادت حجت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''وہ امور جن میں مرد دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے، ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ اور اس لیے کہ جب ولادت میں ایک عورت کی شہادت مقبول ہے تو جو چیز ولادت پر مبنی ہو یعنی طلاق اس میں بدرجۂ اولیٰ مقبول ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا حجت تامہ کے بغیر اس کا ثبوت نہیں ہوگا۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ ولادت کے سلسلے میں عورتوں کی شہادت (کا جواز) بربنائے ضرورت ہے، لہٰذا طلاق کے حق میں وہ شہادت ظاہر نہیں ہوگی، اس لیے کہ طلاق ولادت سے جدا ہوسکتی ہے۔

اللغات:

﴿ادّعت﴾ دعویٰ کیا ہے۔ ﴿حنث﴾ قسم ٹوٹنا۔ ﴿انشاء﴾ مشروط کی شرط کا پایا جانا۔ ﴿ینفك﴾ جدا ہوتی ہے۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه باب ما تجوز فیه شهادة النساء، حدیث رقم: ۲۰۷۰۸ بمعناه.

طلاق کے معلق بالولادۃ ہونے کی صورت میں ایک عورت کی ولادت کی گواہی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی صاحبہ سے کہا کہ جب تم بچہ جنوگی تو تمہیں طلاق ہے، اب کچھ مہینوں کے بعد ایک عورت نے یہ خبر دی کہ فلاں کی بیوی نے بچہ کو جنم دیا ہے، لیکن شوہر نے اسے ماننے سے صاف انکار کردیا اور پھر یہ مسئلہ اس صورت میں وضع ہے جب بیوی کا حمل بھی ظاہر نہیں تھا اور نہ ہی شوہر نے اس حمل کا اقرار کیا تھا تو اس سلسلے میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ ہے کہ وہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی جب کہ آپ کے دونوں شاگردوں کا کہنا ہے کہ اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ولادت کا مسئلہ اور مرحلہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے، اور ثبوت ولادت کے لیے ایک عورت کی شہادت بھی کافی ووافی ہے چنانچہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، ارشاد نبوی ہے **شهادة النساء جائزة فیما لا یستطیع الرجال النظر الیه** یعنی عورتوں سے متعلق جن امور میں مردوں کو دیکھنے کی قدرت نہیں ہے ان میں صرف عورتوں کا ہی سکہ چلتا ہے اور جو وہ کہتی ہیں وہی ہوتا ہے، لہٰذا ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہوجائے گی، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ طلاق کو ولادت ہی پر معلق اور

مبنی کیا گیا تھا، اس لیے جب ولادت ثابت ہوگی تو لازماً طلاق بھی واقع اور ثابت ہوگی اور وہ عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں بیوی نے ولادت کا دعویٰ کرکے دراصل اپنے شوہر پر حانث ہونے اور اس کی معلق کردہ طلاق کے واقع ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور چوں کہ شوہر اس کا منکر ہے، اس لیے اس کا اثبات حجتِ کاملہ اور شہادت تامہ سے ہوگا اور ایک عورت کی شہادت حجت ناقصہ ہے، اس لیے اس سے وقوع طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا، ہاں اس شہادت سے ولادت اور نسب کا ثبوت ہوگا، کیوں کہ ولادت کے باب میں بر بنائے ضرورت عورتوں کی شہادت کو معتبر مانا گیا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ الضرورة تتقدر بقدرها یعنی ضرورت کا ثبوت بقدر ضرورت ہی ہوتا ہے، اس لیے ایک عورت کی شہادت صرف ثبوت ولادت میں موثر ہوگی اور وقوع طلاق میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، کیوں کہ طلاق ولادت سے الگ ہے اور اس کے لیے لازم اور اسے مستلزم نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو کر بھی پائے جاسکتے ہیں۔

وَ إِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ أَقَرَّ بِالْحَبَلِ طُلِّقَتْ بِغَيْرِ شَهَادَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ عِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لِدَعْوَاهَا الْحِنْثَ وَ شَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيْهِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا، وَلَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْحَبَلِ إِقْرَارٌ بِمَا يُفْضِيْ إِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ، وَ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِكَوْنِهَا مُؤْتَمَنَةً فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا فِيْ رَدِّ الْأَمَانَةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کرلیا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بدون شہادت وہ مطلقہ ہو جائے گی اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں دایہ کی شہادت شرط ہوگی، اس لیے کہ بیوی کے دعوائے حنث کے لیے حجت ضروری ہے اور دایہ کی شہادت اس سلسلے میں حجت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ ہونے کا اقرار اس چیز کا اقرار ہے جس کی طرف یہ حمل پہنچے گا اور وہ ولادت ہے۔ اور اس لیے بھی کہ شوہر نے بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کیا ہے، لہٰذا امانت واپس کرنے میں بھی اس کا قول مقبول ہوگا۔

اللغات:

﴿أقر﴾ اقرار کیا ہے۔ ﴿حبل﴾ حاملہ ہونا۔ ﴿قابلة﴾ دائی، بچہ جنوانے والی۔ ﴿یفضی﴾ پہنچاتا ہے۔ ﴿مؤتمنة﴾ امانت دار۔

مذکورہ بالا صورت میں شوہر کے اقرار حمل کا اثر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنے قول إذا ولدتِ ولدا فانت طالق کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کے حاملہ ہونے کا اقرار کرلیا اور جب بیوی نے ولادت کا دعویٰ کیا تو اس سے انکار نہیں کیا تو وہ عورت بغیر شہادت کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مطلقہ ہو جائے گی، لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی وقوع طلاق کے لیے حسب سابق ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت شرط ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت نے ولادت کا دعویٰ کرکے اپنے شوہر کے حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا اس کے لیے حجت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کام دایہ کی شہادت سے چل سکتا ہے۔ اس لیے وقوع طلاق کے لیے دایہ کی شہادت شرط

ہوگی، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں حجت ہے۔

حضرت امام عالی مقام علیہ الرحمۃ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار کرلیا تو یہ اقرار ثبوت ولادت کی سب سے بڑی دلیل بن گیا اور اس اقرار میں حمل کے نتیجے میں ولادت کا اقرار بھی شامل ہے یعنی حمل کا اقرار کر کے گویا شوہر نے ولادت کا اقرار کرلیا، اس لیے اب کسی شہادت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو اس کے ضمن میں بیوی کے امانت دار ہونے اور اس کے بطن میں شوہر کے نطفے کے پرورش پانے کا بھی اقرار ہوا، اور جب بیوی کا امانت دار ہونا ثابت ہو چکا ہے تو رد امانت اور وضع امانت یعنی ولادت کے سلسلے میں اسی قول معتبر ہوگا اور بلا دلیل ثابت ہوگا۔

قَالَ وَ أَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا الْوَلَدُ لَا يَبْقٰى فِي الْبَطْنِ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَ لَوْ بِظِلِّ مَغْزَلٍ، وَ أَقَلُّهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَ حَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا﴾ (سورة الاحقاف: ١٥)، **ثُمَّ قَالَ ﴿وَ فِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ﴾** (سورة لقمان: ١٤) **فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ يُقَدِّرُ الْأَكْثَرَ بِأَرْبَعِ سِنِيْنَ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا قَالَتْهُ سَمَاعًا، إِذِ الْعَقْلُ لَا يَهْتَدِيْ إِلَيْهِ.**

ترجمه: فرماتے ہیں کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے بچہ دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا اگر چہ وہ تکلے کے سایہ کہ برابر ہو۔ اور اس کی اقل مدت چھ ماہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ کا حمل اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اس کا دودھ چھوڑنا دو سال میں ہوتا ہے لہٰذا حمل کے لیے چھے ماہ باقی رہ گئے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مدت حمل کا چار سال سے اندازہ لگایا ہے، لیکن ہماری روایت کردہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی اسے بیان کیا ہوگا۔ اس لیے کہ عقل اس اندازے کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔

اللغات:

﴿ظل﴾ سایہ۔ ﴿معزل﴾ چرخے کی سوئی، تکلا۔ ﴿فصال﴾ دودھ چھڑانا۔

اکثر مدت حمل:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان دلیل ہے کہ **الولد لایبقیٰ في البطن أکثر من سنتین الخ** یعنی بچہ دو سال سے زیادہ ماں کے پیٹ میں نہیں رہتا خواہ وہ تکلے کے سایہ برابر ہو، صاحب ہدایہ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں اور ان کی ذات سے امت کو بیشتر مسائل معلوم ہوئے ہیں اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ مدت بیان کی ہوگی، کیوں کہ عقل اس طرح کی مدت کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔

وأقله ستة أشهر الخ: فرماتے ہیں کہ حمل اقل مدت چھے ماہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حمل اور فصال دونوں کی

ایک ساتھ مدت بیان فرمائی، اس کے بعد وفصاله في عامين کے فرمان سے دودھ چھوڑنے کے لیے ۲۴؍ ماہ متعین کردیا، لہٰذا بدیہی طور پر حمل کی اقل مدت ۶ چھے ماہ متعین ہے۔

والشافعي رحمۃ اللہ علیہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حمل کی اکثر مدت چار سال قرار دیتے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بعض حضرات اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے بھی زائد دنوں تک رہے ہیں مثلاً محمد بن عجلانؒ چار سال تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہے اور ضحاک بن مزاحم پانچ سال تک رہے (عنایہ) اس لیے اکثر مدت حمل کو دو سال میں محصور کرنا درست نہیں ہے، لیکن ہماری بیان کردہ روایت عائشہ ان کے خلاف حجت اور دلیل ہے۔

وَ مَنْ تَزَوَّجَ أَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ، وَ إِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ، لِأَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَلَدُ الْمُعْتَدَّةِ، فَإِنَّ الْعُلُوْقَ سَابِقٌ عَلَى الشِّرَاءِ، وَ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَدُ الْمَمْلُوْكَةِ، لِأَنَّهُ يُضَافُ الْحَادِثُ إِلَى أَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ، وَ هٰذَا إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَائِنًا أَوْ خُلْعًا أَوْ رَجْعِيًّا، أَمَّا إِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَثْبُتُ النَّسَبُ إِلَى سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيْظَةً فَلَا يُضَافُ الْعُلُوْقُ إِلَّا إِلَى مَا قَبْلَهُ، لِأَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالشِّرَاءِ.

ترجمه: جس نے کسی باندی سے نکاح کیا پھر (وطی کے بعد) اس کو طلاق دے دی اور پھر اسے خرید لیا تو اگر یوم خرید سے چھ ماہ سے کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا تو شوہر کو نسب لازم ہوگا، ورنہ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی صورت میں وہ معتدہ کا بچہ ہے، کیوں کہ علوق شراء پر مقدم ہے۔ اور دوسری صورت میں وہ مملوکہ عورت کا بچہ ہے۔ اس لیے کہ حادث کو اس کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لہٰذا نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب ایک طلاق بائن ہو یا خلع ہو یا طلاق رجعی ہو، لیکن اگر دو طلاق ہو تو وقت طلاق سے دو سال پر نسب ثابت ہوجائے گا (اس لیے کہ) (دو طلاق سے) باندی اپنے شوہر پر حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہوگئی، لہٰذا علوق کو طلاق سے پہلے کی حالت کی طرف منسوب کیا جائے گا، اس لیے کہ شراء کی وجہ سے یہ باندی حلال نہیں ہوسکتی۔

اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار رحم۔ ﴿یضاف﴾ منسوب کیا جاتا ہے۔

باندی بیوی کو طلاق دینے کے بعد خریدنے کی صورت میں ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر وطی کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دی اور اس کے بعد اس کے مالک سے اس باندی کو خرید لیا تو اگر خریدنے کے دن سے چھ ماہ کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا تو مشتری کے ذمے اسے اپنانا اور اس سے اپنا نسب متعلق کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر چھے ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا تو پھر مشتری پر (جو اس کا شوہر بھی ہے) اس بچے کو اپنانا اور اپنا نسب اس سے متعلق کرنا لازم نہیں ہوگا۔ یہ دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت کی

دلیل یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں بچہ کی ولادت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نطفہ خریدنے سے پہلے ہی قرار پایا ہے اور خریدنے سے پہلے چوں کہ وہ عورت معتدہ تھی اس لیے وہ معتدہ کا بچہ ہوا اور معتدہ کے بچے کا نسب بدون دعویٰ ثابت ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اس صورت میں اس بچے کا نسب شوہر پر لازم ہوگا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جب چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ کی پیدائش ہوئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اشتراء کے بعد ملک یمین کی حالت میں نطفہ قرار پایا ہے اور وہ مملوکہ کا بچہ ہے اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ حادث اور نو پیدا شدہ چیز کو اس کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور مملوکہ باندی کے بچے کا نسب دعویٰ نسب کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے۔

وهذا إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں بیان کردہ تفصیلات اس وقت ہیں جب اس باندی کو ایک طلاق بائن دی گئی ہو یا ایک طلاق رجعی دی گئی ہو یا اس نے خلع کیا ہو، لیکن اگر شوہر نے اسے دو طلاق دیا ہو تو وقتِ طلاق سے دو سال تک نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ باندی کے حق میں دو طلاق اکثر تعداد طلاق ہے، لہٰذا دو طلاق سے وہ باندی حرمت غلیظہ کے ساتھ بائنہ ہو کر شوہر کے لیے حرام ہوگئی اور اب شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا ممکن نہیں رہا نہ تو نکاح کے طور پر اور نہ ہی ملکِ یمین کے طور پر لہٰذا اب مابعد الطلاق کی طرف علوق کو منسوب نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے قبل الطلاق کی حالت پر محمول کریں گے اور طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر اندر اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

وَ مَنْ قَالَ لِأَمَتِهٖ إِنْ كَانَ فِيْ بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّيْ فَشَهِدَتْ عَلَى الْوِلَادَةِ امْرَأَةٌ فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهٖ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلٰى تَعَيُّنِ الْوَلَدِ، وَ يَثْبُتُ ذٰلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْإِجْمَاعِ.

ترجمه: جس شخص نے اپنی باندی سے کہا اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو میرے نطفے سے ہے، پھر ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو وہ اس کی ام ولد ہوگی، اس لیے کہ صرف تعینِ ولد کی ضرورت ہے اور یہ بالاتفاق دایہ کی شہادت سے ثابت ہوجائے گی۔

اللغات:

﴿قابلة﴾ دایہ۔

ام ولد بننے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہے تو میرے نطفے سے ہے اس کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا اور ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو اس بچے کا نسب مولیٰ سے ثابت ہوجائے گا اور وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی، کیوں کہ یہاں صرف بچہ تعیین کی ضرورت ہے اور دایہ کی شہادت سے یہ ضرورت پوری ہوجاتی ہے، اس لیے اس شہادت سے نسب ثابت ہوجائے گا۔

وَ مَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ ابْنِيْ ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ أُمُّ الْغُلَامِ وَ قَالَتْ أَنَا امْرَأَتُهٗ هُوَ ابْنُهٗ فَهِيَ امْرَأَتُهٗ وَهُوَ ابْنُهٗ تَرِثَانِهٖ، وَ فِي النَّوَادِرِ جَعَلَ هٰذَا جَوَابَ الْإِسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُوْنَ لَهَا الْمِيْرَاثُ، لِأَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَثْبُتُ

بِالنِّكَاحِ الصَّحِيْحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَ بِالْوَطْيِ عَنْ شُبْهَةٍ وَ بِمِلْكِ الْيَمِيْنِ فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ. وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَسْئَلَةَ فِيْمَا إِذَا كَانَتْ مَعْرُوْفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَ بِكَوْنِهَا أُمَّ الْغُلَامِ، وَالنِّكَاحُ الصَّحِيْحُ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ لِذٰلِكَ وَضْعًا وَ عَادَةً.

ترجمہ: جس شخص نے کسی بچے کو کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے پھر وہ مرگیا اس لڑکے کی ماں آئی اور اس نے کہا کہ میں میت کی بیوی ہوں اور یہ اس کا بچہ ہے تو وہ اس کی بیوی ہوگی اور وہ غلام میت کا لڑکا ہوگا اور دونوں میت کے وارث ہوں گے۔ اور نوادر میں اسے حکم استحسانی قرار دیا گیا ہے جب کہ قیاس یہ ہے کہ عورت کو میراث نہ ملے، کیوں کہ جس طرح نسب نکاح صحیح سے ثابت ہوتا ہے نکاح فاسد اور وطی بالشبہہ سے بھی ثابت ہوتا ہے اور ملکِ یمین سے بھی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا میت کا قول نکاح کا اقرار نہیں ہوا۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے جب عورت کا آزاد ہونا اور لڑکے کی ماں ہونا معروف ہو۔ اور نکاح صحیح ثبوت نسب کے لیے وضع اور عادت کے طور پر متعین ہے۔

اللغات:

﴿ترثان﴾ وہ دونوں وارث ہوں گے۔ ﴿حرّیة﴾ آزاد ہونا۔

بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک معتدی ہوگا یا نہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک بچے کو دیکھا اور کہا ھو ابنی یہ میرا بیٹا ہے، اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا پھر اس لڑکے کی ماں آئی اور اس نے کہا کہ میں میت کی بیوی ہوں اور یہ لڑکا میت کا بیٹا ہے تو استحساناً ماں اور بیٹے دونوں میت کے وارث ہوں گے، لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف بیٹا وارث ہو اور ماں وارث نہ ہو، کیوں کہ باپ نے صرف بیٹے کو اپنانے کا اقرار کیا ہے، ماں کو نہیں، اور بیٹے کا اقرار ماں کے اقرار کو مستلزم نہیں ہے، اس لیے نکاح صحیح کے علاوہ نکاح فاسد، وطی بالشبہہ اور ملک یمین کے طور پر بھی وطی کرنے سے بھی بیٹا معرض اور وجود میں آسکتا ہے، لہٰذا میت کا ھذا ابني کہنا صرف بیٹے کے حق میں مفید ہوگا اور اس سے نکاح کا اقرار نہیں ہوگا، اس لیے صرف بیٹا اس کا وارث ہوگا نہ کہ وہ عورت۔

استحسان کی دلیل کہ صورت مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے جب عورت کی حریت معروف ہو تا کہ ملکِ یمین کے طور پر وطی کا احتمال ختم ہوجائے اور اس عورت کا مذکورہ بچے کی ماں ہونا بھی لوگوں میں مشہور ہو، تا کہ نکاح فاسد اور وطی بالشبہہ کا احتمال ختم ہوجائے اور صرف نکاح صحیح باقی رہ جائے اور چوں کہ نکاح صحیح ثبوت نسب کے لیے متعین ہے، اس لیے وہ لڑکا اسی عورت کا ہوگا اور ماں بیٹے دونوں کو میراث ملے گی۔

وَ لَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتِ الْوَرَثَةُ أَنْتِ أُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا، لِأَنَّ ظُهُوْرَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِي دَفْعِ الرِّقِ، لَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عورت آزاد ہے اور ورثاء نے کہا کہ تم امّ ولد ہو تو اسے میراث نہیں ملے گی، اس لیے کہ حریت کا ظہور دارالاسلام کے اعتبار سے دفع رقیت کے لیے حجت ہے۔ نہ استحقاق میراث کے لیے ہے۔

اللغات:

﴿حرّۃ﴾ آزاد عورت۔ ﴿رق﴾ غلامی۔

بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک متعدی ہوگا یا نہیں:

فرماتے ہیں کہ اگر ماسبق میں مذکورہ عورت کا آزاد ہونا معلوم نہ ہو اور میت کے ورثاء اسے میت کی ام ولد قرار دیں تو نہ تو وہ ام ولد ہوگی اور نہ ہی اسے میراث ملے گی، میراث تو اس لیے نہیں ملے گی کہ اس کا آزاد ہونا متعین نہیں ہے اور اگرچہ دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے اس کی رقیت معدوم سمجھی جا رہی ہے لیکن دارالاسلام صرف دفع رقیت میں مؤثر ہے، استحقاق وراثت میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے، اس لیے اسے میراث نہیں ملے گی، مگر وہ مملوک اور ام ولد بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ دارالاسلام اس سے رقیت کو دفع کر رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

بَابُ حَضَانَةِ الْوَلَدِ وَمَنْ اَحَقُّ بِهٖ

یہ باب بچے کی پرورش اور پرورش کے سب سے زیادہ مستحق افراد کے بیان میں ہے

صاحب کتاب جب ثبوت نسب کے مسائل ودلائل کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب حضانت اور پرورش کے احکام ومسائل کو بیان کرر ہے ہیں، کیوں کہ ولادت اور ثبوت نسب کے بعد سب سے پہلا مرحلہ حضانت ہی کا ہے۔ صاحب بنایہ علامہ محمود عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ شریعت میں ولایت کا حق اس شخص کو ہے جو متفق علیہ ہو اور پھر ولایت کے بھی کئی درجے ہیں، اسی لیے شریعت نے تصرف کی ولایت کا حق باپ کو دیا ہے، کیوں کہ وہ قوی الرائے ہوتا ہے اور نفقہ بھی اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ اور حضانت اور پرورش کی ولایت ماں سے متعلق کی گئی ہے، کیوں کہ ماں بچے پر زیادہ شفیق ہوتی ہے اور گھر میں رہ کر ہمہ وقت اس کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ (۴۷۱/۵)

وَ إِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ لِمَا رُوِيَ ((أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ❶ إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَ حِجْرِيْ لَهٗ حِوًى وَ ثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَ زَعَمَ أَبُوْهُ أَنَّهٗ يَنْزِعُهٗ مِنِّيْ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْتِ أَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَتَزَوَّجِيْ))، وَلِأَنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَ أَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ وَ إِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيْقُ رضی اللہ عنہ رِيْقُهَا خَيْرٌ لَهٗ مِنْ شَهْدٍ وَ عَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ، قَالَ حِيْنَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ امْرَأَتِهٖ، وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ.

ترجمہ: اور جب میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے تو ماں بچے کے زیادہ حقدار ہے اس روایت کی وجہ سے کہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول یہ میرا بیٹا ہے جس کے لیے میرا پیٹ ظرف رہا اور میری گود اس کے لیے خیمہ رہی اور میرے پستان اس کے لیے ڈول رہے اور اس کا باپ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے، اور اس لیے کہ ماں زیادہ مشفق ہوتی ہے اور حضانت پر اسے زیادہ قدرت ہوتی ہے لہٰذا بچے کو اس کے سپرد کرنے میں زیادہ شفقت ہوگی۔ اور اسی طرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ اے عمر اس بچے کے لیے عورت کا تھوک تمہارے شہد مصفّٰی سے بھی زیادہ بہتر ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ جب ان کے اور ان کی

بیوی کے درمیان فرقت ہوئی تھی اور اس وقت صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔

اللغات:

﴿بطنی﴾ میرا پیٹ۔ ﴿وعاء﴾ برتن۔ ﴿حجر﴾ گود۔ ﴿حوی﴾ پناہ گاہ، خیمہ۔ ﴿ثدی﴾ چھاتی، پستان۔ ﴿سقاء﴾ مشکیزہ، ڈول، پینے کا برتن۔ ﴿ینزع﴾ چھین لے گا، کھینچ لے گا۔ ﴿أشفق﴾ زیادہ مہربان۔ ﴿ریق﴾ تھوک، لعاب دھن۔ ﴿عسل﴾ شہد۔ ﴿شهد﴾ شہد جو موم سے نچوڑا نہ گیا ہو۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب من احق بالولد، حدیث: ٢٢٧٦.

زوجین میں سے پرورش کا زیادہ حقدار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جائے تو ان کا بچہ ماں کے حوالے کیا جائے گا اور ماں ہی اس بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہوگی بشرطیکہ وہ کسی اجنبی شخص سے دوسرا عقد نہ کرے، اس حکم کی پہلی دلیل اس عورت کا واقعہ ہے جس نے دربارِ رسالت میں اپنے بچے کی نشوونما اور دیکھ ریکھ کی حالتوں کو بیان کر کے اپنے شوہر کے متعلق بچہ چھیننے کا الزام لگایا تھا اور آپ ﷺ نے أنت أحق به مالم تتزوجي کے فرمان سے اس بچہ کی حق دار اس کی ماں یعنی اسی عورت کو قرار دیا تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں بچہ پر زیادہ مہربان ہوتی ہے اور ہمہ وقت اس کے ناز ونخرے برداشت کرتی رہتی ہے اس لیے پرورش کے حوالے سے بچہ ماں کے حوالے کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام عاصم رضی اللہ عنہا کے مابین فرقت طلاق واقع ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے تو اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا کہ اے عمر بچہ کی ماں کا تھوک اس کے لیے تمہارے شہد مصفّٰی کھلانے سے بھی زیادہ بہتر ہے، گویا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان سے یہ اشارہ دیدیا تھا کہ بچے کی پرورش کا زیادہ حق اس کی ماں کو ہے اور یہ فرمان کبار صحابہ کی موجودگی میں صادر ہوا تھا، لیکن کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تھی جس سے یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا تھا۔

وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْأَبِ عَلَى مَا نَذْكُرُ وَ لَا تُجْبَرُ الْأُمُّ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَضَانَةِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمٌّ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ وَ إِنْ بَعُدَتْ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْأُمَّهَاتِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلَى مِنَ الْأَخَوَاتِ لِأَنَّهَا مِنَ الْأُمَّهَاتِ وَ لِهٰذَا تُحْرِزُ مِيْرَاثُهُنَّ السُّدُسُ وَ لِأَنَّهَا أَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ، لِأَنَّهُنَّ بَنَاتُ الْأَبَوَيْنِ وَ لِهٰذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيْرَاثِ، وَ فِي رِوَايَةٍ الْخَالَةُ أَوْلَى مِنَ الْأُخْتِ لِأَبٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((اَلْخَالَةُ وَالِدَةٌ))، وَ قِيْلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ رَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى

الْعَرْشِ﴾ (سورة يوسف : ١٠٠) أَنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهُ.

ترجمه: اور (بچے کا) نفقہ اس کے باپ پر لازم ہوگا جیسا کہ (آگے چل کر) ہم اسے بیان کریں گے اور ماں کو حضانت پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو۔ پھر اگر بچے کی ماں نہ ہو تو اس کی نانی دادی سے زیادہ پرورش کی حق دار ہے اگر چہ وہ دور کے درجے کی ہو، اس لیے کہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے آتی ہے، پھر اگر نانی نہ ہو تو دادی بہنوں سے زیادہ حقدار ہوگی، اس لیے کہ وہ بھی ماؤں میں سے ہے، اسی لیے دادی کو بھی ماؤں کی میراث یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ دادی کی شفقت پیدائشی قرابت سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ پھر اگر بچے کی دادی بھی نہ ہو تو بہنیں، پھوپھیوں اور خالاؤں سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ وہ (بچہ کے) ماں باپ کی لڑکیاں ہیں، اسی لیے انہیں میراث میں مقدم کیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خالہ باپ شریک بہن سے زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''خالہ ماں ہوتی ہے'' اور ارشاد خداوندی **ورفع أبويه على العرش** کی تفسیر میں کہا گیا کہ ابوین میں سے ایک حضرت یوسف کی خالہ تھیں۔

اللغات:

﴿نفقة﴾ اخراجات، خرچ۔ ﴿لا تجبر﴾ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿عست﴾ ہوسکتا ہے کہ۔ ﴿حضانة﴾ پرورش کرنا۔ ﴿تستفاد﴾ حاصل کی جاتی ہے۔ ﴿عمة﴾ پھوپھی۔ ﴿قدمن﴾ مقدم کی گئی ہے۔

تخریج:

❶ اخرجه بخاري في كتاب الصلح باب كيف يكتب، حديث رقم: ٣٦٩٩.

ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بچے کی پرورش اور اس کی حضانت وغیرہ کا پورا نفقہ اس کے باپ پر لازم ہوگا اور کتاب النفقہ میں اس کی پوری تفصیل آئے گی۔ اور بچہ کی پرورش کی زیادہ حق دار اس کی ماں ہی ہے لیکن اگر ماں کسی وجہ سے پرورش نہ کرسکے تو اسے پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر ماں کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو پھر ماں کو منایا جائے گا اور اسی منت سماجت کی جائے گی۔

فإن لم تكن الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی ماں نہ ہو یا وہ دوسری شادی کرلے تو پھر ماں کی ماں یعنی بچے کی نانی اس کی دادی سے پرورش کی زیادہ حق دار ہوگی خواہ وہ اوپر کے درجے کی ہو یعنی پرنانی اور سکڑنانی ہو، کیوں کہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے مستفاد ہوتی ہے، اس لیے ماں کی ماں باپ کی ماں سے زیادہ حق دار ہوگی۔ پھر اگر بچے کی نانی بھی نہ ہو تو دادی بہنوں سے زیادہ حق دار ہوگی، اس لیے کہ نانی امہات میں سے ہے، اسی لیے دادی کو بھی میت کی میراث سے ماں کے برابر یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اور پھر قرابت نسبی کی وجہ سے دادی کی شفقت بہنوں سے زیادہ بڑی ہوئی ہے۔

فإن لم تكن الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی دادی بھی نہ ہو تو پھر بہنوں کا نمبر ہے اور بہنیں بچے کی پھوپھیوں اور خالاؤں سے زیادہ حق دار ہوں گی۔ اس لیے کہ بہنیں بچے کے باپ اور ماں کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور وہ قرابت کے اعتبار سے بچے سے زیادہ

قریب ہوتی ہیں، اسی لیے میراث میں بہنوں کا حصہ عمات اور خالات سے مقدم ہے۔

وفي رواية الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ماں اور باپ دونوں شریک یعنی حقیقی بہن خالہ اور پھوپھی سے مقدم ہے۔ اگر صرف باپ شریک بہنیں ہوتو مبسوط کی کتاب الطلاق کی وضاحت کے مطابق وہ بہن خالہ سے مقدم نہیں ہوگی، کیوں کہ پرورش کے درجات ماں کی طرف سے چلتے ہیں اور خالہ ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہے، اس لیے حقیقی بہن نہ ہونے کی صورت میں خالہ کا حق مقدم ہوگا اور پھر حدیث پاک میں الخالة والدة کا فرمان جاری کر کے خالہ کی قرابت اور اس کی شفقت کو مزید اجاگر کر دیا گیا ہے اور پھر قرآن کریم کی آیت ورفع أبويه على العرش الخ: میں بھی ایک تفسیر کے مطابق اُبوین میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں نہیں بلکہ ان کی خالہ داخل ہیں، کیوں کہ واقعات یہ بتاتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔

وَ تَقَدَّمُ الْأُخْتُ لِأَبٍ وَ أُمٍّ لِأَنَّهَا أَشْفَقُ، ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ، لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُنَّ مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ، ثُمَّ الْخَالَاتُ أَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ تَرْجِيْحًا لِقَرَابَةِ الْأُمِّ، وَ يَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلْنَ الْأَخَوَاتُ، مَعْنَاهُ تَرْجِيْحُ ذَاتِ قَرَابَتَيْنِ، ثُمَّ قَرَابَةِ الْأُمِّ ثُمَّ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذٰلِكَ.

ترجمہ: اور حقیقی بہن (دیگر بہنوں سے) مقدم ہوگی، کیوں کہ وہ زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پھر ماں شریک بہن کا نمبر ہے اور سب سے اخیر میں باپ شریک بہن کا نمبر ہے، کیوں کہ ان کا حق ماں کی جانب سے ثابت ہے۔ پھر خالائیں پھوپھیوں سے زیادہ حق دار ہیں ماں کی قرابت کو ترجیح دیتے ہوئے پھر وہ بھی بہنوں کی طرح اتریں گی یعنی دو قرابت والی کو ترجیح ہوگی پھر ماں کی قرابت والی کو۔ پھر پھوپھیاں بھی اسی طرح اتریں گی۔

ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حقِ حضانت کے استحقاق کا دارومدار قربت اور زیادتی شفقت پر ہے اسی لیے ماں نانی اور دادی کے نہ ہونے کی صورت میں بچے کی حقیقی بہنیں اس کی علاتی اور اخیافی بہنوں سے مقدم ہوں گی، کیوں کہ وہ ذو قرابتین ہے اور اس کی شفقت دیگر بہنوں سے بڑھی ہوئی ہے، پھر اگر یہ بہن نہ ہو تو بچے کی اخیافی بہن اس کی علاتی بہن سے مقدم ہوگی اور سب سے اخیر میں علاتی بہن کا نمبر ہوگا، اس لیے کہ عورتوں کے لیے حق حضانت ماں ہی کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا جو عورت ماں سے جتنا زیادہ قریب ہوگی اسی حساب سے اس کا حصہ اور نمبر بھی ہوگا۔

ثم الخالات الخ: فرماتے ہیں کہ خالائیں ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہیں، اس لیے حقیقی، اخیافی اور علاتی کے اعتبار سے درجہ بدرجہ خالاؤں کو حق حضانت ملے گا اور خالاؤں کے بعد یعنی ان کی عدم موجودگی میں حسب مراتب یہ حق پھوپھیوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

وَ كُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَسْقُطُ حَقُّهَا لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ زَوْجَ الْأُمِّ إِذَا كَانَ أَجْنَبِيًّا يُعْطِيْهِ نَزْرًا وَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ

شَزْرًا فَلَا نَظَرَ، قَالَ إِلَّا الْجَدَّةُ إِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَ أَبِيْهِ فَيَنْظُرُ لَهُ، وَ كَذٰلِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُوْرَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لِقِيَامِ الشَّفَقَةِ نَظْرًا إِلَى الْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ، وَ مَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزَوُّجِ يَعُوْدُ إِذَا ارْتَفَعَتِ الزَّوْجِيَّةُ، لِأَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ.

ترجمه: اور ان عورتوں میں سے جس عورت نے بھی اپنا نکاح کرلیا اس کا حق ساقط ہوجائے گا اس حدیث کی وجہ سے جسے ہم روایت کر چکے۔ اور اس لیے جب ماں کا شوہر اجنبی ہوگا تو وہ بچہ کو حقیر چیز دے گا اور اسے تیز نگاہ سے دیکھے گا لہٰذا شفقت معدوم ہوجائے گی۔ فرماتے ہیں کہ سوائے نانی کے جب اس کا شوہر بچے کا دادا ہو، کیوں کہ دادا اس کے باپ کے قائم مقام ہے اس لیے وہ اس بچے پر نظر عنایت کرے گا۔ اور ایسے ہی ہر وہ شوہر جو اس بچے کا ذورحم محرم ہو، اس لیے کہ قرابت قریبہ کی طرف نظر کرتے ہوئے شفقت موجود ہے۔ اور جس عورت کا حقِ حضانت ساقط ہوگیا تو زوجیت ختم ہوتے ہی وہ حق لوٹ آئے گا، کیوں کہ مانع زائل ہوگیا۔

اللغات:

﴿تزوجت﴾ شادی کرلی۔ ﴿نزر﴾ بے قیمت چیز، گھٹیا سامان۔ ﴿شزر﴾ غصہ، عیب چینی۔ ﴿جدّة﴾ دادی، نانی۔ ﴿یعود﴾ لوٹ آئے گا۔

شادی کرنے سے حق حضانت کا سقوط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بہن، خالہ، دادی، نانی اور پھوپھی میں سے انہی عورتوں کو حق حضانت ملتا ہے جن کی شادی نہ ہوئی ہو یعنی خالہ اور پھوپھی وغیرہ جب تک غیر شادی شدہ ہوں گی اس وقت انہیں یہ حق ملے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کی شادی ہوگئی تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا، کیوں کہ حدیث پاک میں ماں کو یہ حق دیتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا أنتِ أحق به مالم تتزوجي کہ جب تک تم دوسرا نکاح نہیں کرتی ہو اس وقت بچے کی پرورش کی سب سے زیادہ حق دار تم ہی ہو، چوں کہ آپ ﷺ نے ماں کے حق میں مالم تتزوجي کی شرط لگائی ہے لہٰذا یہ شرط ماں کی قائم مقام دیگر عورتوں کے حق میں بھی جاری اور لاگو ہوگی، کیوں کہ ماں ہی کے ذریعے اور واسطے سے انہیں یہ حق ملتا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت کے نکاح کر لینے کے بعد اس کی اور اس کے شوہر کی تمام توجہات اپنے بچے پر ہوگی اور اجنبی ہونے کی وجہ سے وہ شوہر اس بچے کو معمولی سی چیز کھانے پینے کے لیے دے گا اور اس کی طرف نظر حقارت سے دیکھے گا اور یہ بچہ بے توجہی اور عدم التفات کا شکار ہوجائے گا۔

و إلا الجدة الخ: و کل من تزوج سے استثناء کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی نانی اس کے دادا سے نکاح کرتی ہے تو اس صورت میں نانی کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ نانی اور دادا دونوں مل کر اچھی طرح سے اس کی دیکھ ریکھ کا انتظام کریں گے اور دادا چوں کہ بچے کے باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اس لیے وہ اس بچے پر نظر کرم کرے گا اور اس کے حق میں بے توجہی کا خدشہ ختم ہوجائے گا فلاحرج في تزوج الجدة جدالولد۔

وکذلك الخ: فرماتے ہیں کہ نانی اور دادا کی طرح ہر اس شخص کے ساتھ کی جوڑی صحیح ہوگی جو بچے کا قریبی رشتے دار ہو، کیوں کہ قربت قرابت کی وجہ سے شفقت موجود ہے اس لیے ماں خالہ، پھوپھی اور بہن وغیرہ کا بچے کے ذورحم محرم کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ومن سقط الخ: فرماتے ہیں کہ نکاح کرنے کی وجہ سے جس عورت کا حق حضانت ختم ہوگیا ہو وہ حق زوجیت ختم ہونے سے دوبارہ لوٹ آئے گا، کیوں کہ زوجیت ہی مانع تھی، لہٰذا إذا زال المانع عاد الممنوع والے فقہی ضابطے کے پیش نظر مانع کے ختم ہونے سے ممنوع بھی ختم ہوجائے گا اور حق حضانت بحال ہوجائے گا۔

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصَمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعْصِيبًا، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَ قَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مَحْرَمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَ ابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ.

ترجمہ: پھر اگر بچے کے اہل خانہ میں سے کوئی عورت نہ ہو اور اس کی پرورش کے متعلق مردوں نے جھگڑا کیا ہو تو ان میں سب سے زیادہ مقدم وہ ہوگا جو عصبہ ہونے میں سب سے زیادہ قریب ہو، کیوں کہ ولایت اقرب کے لیے ہے اور ان کی ترتیب اپنی جگہ معلوم ہو چکی ہے، لیکن صغیرہ بچی غیر محرم عصبہ کو نہیں دی جائے گی جیسے مولی عتاقہ اور چچا کا بیٹا۔ فتنہ سے بچنے کے لیے۔

اللغات:

﴿اختصم﴾ جھگڑا کریں۔ ﴿لا تدفع﴾ نہیں دی جائے گی۔ ﴿عتاقة﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿تحرّز﴾ بچاؤ۔

حضانت کے حقدار مردوں کا بیان:

فرماتے ہیں اگر بچے کے اہل خانہ میں کوئی عورت نہ ہو جو اس کی حضانت کے امور کو نبھا سکے اور مردوں نے اس کی پرورش کے متعلق اختلاف کرلیا ہو تو علی الترتیب ان مردوں کو یہ حق ملے گا جو عصبہ ہونے میں بچے سے زیادہ قریب ہوں گے، کیوں کہ یہ ولایت اقرب کے لیے ہے لہٰذا جو جتنا قریبی عصبہ ہوگا اس کا حق اتنا ہی مقدم ہوگا یعنی باپ، دادا پر دادا، لکڑ اور سکڑ دادا، پھر بھائیوں میں سے حقیقی علاتی اور اس کے بعد چچا وغیرہ کا نمبر ہوگا اور سب سے اخیر میں مولی عتاقہ کا نمبر ہے، لیکن واضح رہے کہ مولی عتاقہ کا نمبر صرف لڑکے میں آئے گا، اسی لیے فرمایا ہے کہ اگر بچی ہو اور مردوں اور عورتوں میں سے کوئی ولی نہ ہو تو لڑکی مولی عتاقہ کے سپرد نہیں کی جائے گی اور نہ ہی چچا زاد بھائی کے سپرد کی جائے گی، کیوں کہ بچی کو ان کے حوالے کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور بچے کی حق میں شفقت بھی معدوم ہے۔

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَ يَشْرَبَ وَحْدَهُ وَ يَلْبَسَ وَحْدَهُ، وَ يَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ، وَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَسْتَغْنِيَ فَيَأْكُلُ وَحْدَهُ وَ يَشْرَبُ وَحْدَهُ وَيَلْبَسُ وَحْدَهُ، وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ، لِأَنَّ تَمَامَ

الْإِسْتِغْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْإِسْتِنْجَاءِ، وَ وَجْهُهُ أَنَّهُ إِذَا اسْتَغْنٰى يُحْتَاجُ إِلَى التَّأَدُّبِ وَالتَّخَلُّقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَ أَخْلَاقِهِمْ، وَالْأَبُ أَقْدَرُ عَلَى التَّأْدِيبِ وَالتَّثْقِيفِ، وَالْخَصَّافُ رحمہ اللہ علیہ قَدَّرَ الْإِسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِينَ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ.

ترجمہ: اور ماں اور نانی لڑکے کی (پرورش کی) زیادہ حق دار ہیں یہاں تک کہ وہ تنہا کھانے لگے، تنہا پینے لگے، اکیلے لباس پہننے لگے اور اکیلے استنجاء کرنے لگے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ یہاں تک لڑکا بے پروا ہوجائے اور وہ تنہا کھانے پینے اور لباس پہننے لگے اور (دونوں کا) معنی ایک ہی ہے، اس لیے کہ استغناء کی تکمیل استنجاء پر قدرت کے ذریعے حاصل ہوگی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بچہ مستغنی ہوگیا تو اس کو مردوں کے اخلاق وآداب سیکھنے کی ضرورت ہوگی اور باپ ادب اور تہذیب سکھانے پر زیادہ قادر ہے۔ اور امام خصافؒ نے غالب پر قیاس کرتے ہوئے سات سال سے مستغنی ہونے کا اندازہ کیا ہے۔

اللغات:

﴿وحدہ﴾ اکیلا۔ ﴿یلبس﴾ کپڑے پہنے۔ ﴿تأدب﴾ ادب سیکھنا۔ ﴿تخلّق﴾ اخلاق وعادات اختیار کرنا۔
﴿تثقیف﴾ تہذیب سکھانا۔

لڑکے کی مدت حضانت کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر بچے کے اکیلے کھانے، پینے، لباس پہننے اور تنہا استنجاء کرسکنے تک اس کی دیکھ ریکھ کا معاملہ اس کی ماں اور نانی کے سپرد ہوگا اور یہی دونوں اس کی زیادہ حقدار ہوں گی۔ صاحب کتابؒ فرماتے ہیں کہ قدوری میں قدرت علی الاستنجاء کا تذکرہ ہے جب کہ جامع صغیر میں مطلق استغناء کا تذکرہ ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، کیوں کہ بچے کو اسی وقت استغناء حاصل ہوگا جب وہ استنجاء کرنے پر قادر ہوجائے اور بقول صاحب بنایہ قدرت علی الاستنجاء یہ ہے کہ وہ بچہ خود سے ازار کھول لے اور استنجاء کرکے اسے باندھ بھی لے، بہر حال جب وہ بچہ اکیلے ان امور کی انجام دہی پر قادر ہوجائے گا تو اب ماں اور نانی کا حق حضانت ختم ہوجائے گا اور اب اس کی نگہداشت وپرداخت کی ذمے داری اس کے باپ پر عائد ہوگی، کیوں کہ اب اسے مردوں کے اخلاق وآداب اور ان کے طور طریقے سیکھنے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں باپ کے زیر سایہ ہم دست ہوں گی، کیوں کہ باپ کو ان اشیاء پر زیادہ قدرت حاصل ہے۔

والخصاف رحمہ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ امام ابوبکر خصاف علیہ الرحمہ نے بچے کے کھانے، پینے اور پہننے وغیرہ پر قادر ہونے کا اندازہ سات سال سے کیا ہے، لہٰذا سات سال کی عمر تک تو بچہ ماں اور نانی کے پاس رہے گا اور اس کے بعد باپ کی طرف منتقل ہوجائے گا، صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ وعلیه الفتویٰ وكذا في الكافي وغیرہ۔ (۴۷۹/۵)

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيضَ لِأَنَّ بَعْدَ الْإِسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةِ آدَابِ النِّسَاءِ، وَالْمَرْأَةُ عَلٰى ذٰلِكَ أَقْدَرُ، وَ بَعْدَ الْبُلُوْغِ تَحْتَاجُ إِلَى التَّحْصِينِ وَالْحِفْظِ، وَالْأَبُ فِيهِ أَقْوٰى وَ أَهْدٰى، وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ علیہ

أَنَّهَا تُدْفَعُ إِلَى الْأَبِ إِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الصِّيَانَةِ.

ترجمہ: ماں اور نانی لڑکی کے حائضہ ہونے تک اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہیں، کیوں کہ استغناء کے بعد اسے عورتوں کے آداب سیکھنے کی ضرورت ہے اور عورت اس پر زیادہ قادر ہے، جب کہ بالغ ہونے کے بعد اسے محصنہ کرنے اور بچانے کی ضرورت ہوتی ہے اور باپ کو اس میں زیادہ قوت اور رہنمائی حاصل ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب لڑکی حدِ شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کو دیدی جائے، اس لیے کہ اسے حفاظت کی ضرورت ہے۔

اللغات:

﴿جارية﴾ بچی، لڑکی۔ ﴿أقدر﴾ زیادہ قادر ہے۔ ﴿تحصين﴾ پاک دامنی برقرار رکھنا۔ ﴿أهدى﴾ زیادہ راہ یافتہ۔ ﴿صيانة﴾ حفاظت۔

لڑکی کی مدت حضانت:

اس عبارت میں لڑکی اور بچی کی مدت حفاظت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک لڑکی بالغ نہ ہو جائے اس وقت وہ اپنی ماں یا اس کی عدم موجودگی میں نانی کے پاس رہے گی اور انہی دونوں کو اس بچی کی پرورش کا سب سے زیادہ حق حاصل ہوگا، کیوں کہ پرورش سے مستغنی ہونے اور از خود کھانے، پینے اور بال وغیرہ درست کرنے پر قدرت کے بعد اسے عورت کے آداب واخلاق اور ان کے گن سیکھنے کی ضرورت درکار ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کے گن اور ہنر مثلاً کھانا بنانا، کپڑے دھونا اور سینا پرونا عورتوں کے پاس رہ کر ہی وہ سیکھ سکتی ہے اس لیے بلوغت تک وہ بچی اپنی ماں اور نانی ہی کے پاس رہے گی۔ ہاں بالغ ہونے کے بعد اب نکاح کر کے اسے محصنہ کرنے اور غلط راہوں سے اسے بچانے کی ضرورت ہے اور یہ امور باپ سے متعلق ہوتے ہیں کیوں کہ وہ ان پر اچھی طرح قادر ہوتا ہے، اس لیے بلوغت کے بعد بچی باپ کے حوالے کر دی جائے گی۔ اور اب وہی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔

وعن محمد رحمۃ اللہ علیہ **الخ**: فرماتے ہیں کہ حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ لڑکی جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو اس کی تربیت کا حق دار باپ ہو جاتا ہے، اس لیے اس وقت اسے باپ کے حوالے کر دینا چاہیے، کیوں کہ اس عمر میں اسے حفاظت اور گھنے سایہ کی ضرورت درکار ہوتی ہے اور یہ چیز باپ کے پاس ہی مل سکتی ہے۔

وَ مَنْ سِوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهٰى، وَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ حَتّٰى تَسْتَغْنِيَ، لِأَنَّهَا لَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِخْدَامِهَا، وَ لِهٰذَا لَا تُوَاجِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُوْدُ، بِخِلَافِ الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا.

ترجمہ: اور ماں اور نانی کے علاوہ دیگر عورتیں بچی کے حد شہوت کو پہنچنے تک اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ اور جامع صغیر میں اس کے مستغنی ہونے تک کا قول مذکور ہے، اس لیے کہ ام اور جدۃ کے علاوہ کوئی اور اس سے خدمت لینے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے اس بچی کو خدمت کے لیے کرایہ پر نہیں دے سکتی، لہٰذا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ برخلاف ام اور جدۃ کے، اس لیے کہ یہ دونوں شرعاً خدمت لینے پر

قادر ہیں۔

اللغاتُ:

﴿سوی﴾ علاوہ۔ ﴿استخدام﴾ خدمت لینا۔ ﴿لا تواجو﴾ اجرت پر نہیں معاملہ کر سکتی۔

لڑکی کی مدت حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر صغیرہ کی ماں اور نانی نہ ہوں، تو اسے دیگر عورتوں مثلاً دادی اور خالہ وغیرہ کے پاس صرف حد شہوت کو پہنچے تک چھوڑا جا سکتا ہے اور جامع صغیر میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ صرف مستغنی ہونے یعنی اکیلے کھانے، پینے اور پہننے پر قدرت حاصل ہونے تک چھوڑا جا سکتا ہے، کیوں کہ حدِ شہوت کو پہنچنے یا مستغنی ہونے کے بعد وہ بچی اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ گھر کے معمولی کام کاج کر سکے اور بڑوں اور بوڑھوں کی تھوڑی بہت خدمت کر سکے اور ماں اور نانی کے علاوہ کسی تیسری عورت کو بچی سے خدمت لینے کا شرعاً حق نہیں ہے، اسی لیے تو ان کے علاوہ کوئی اسے خدمت کے لیے کرایہ پر بھی نہیں دے سکتا ہے، کیوں کہ ام اور جدہ کے علاوہ دیگر عورتیں جب اس بچی سے اپنی خدمت نہیں لے سکتیں تو دوسرے کی کیا خاک خدمت کرائیں گی، اس لیے بہتر یہی ہے کہ حد شہوت کو پہنچتے ہی اس بچی کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ تعلیم آداب واخلاق کا مقصد حاصل ہو جائے، ورنہ تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

قَالَ وَ الْأَمَةُ إِذَا أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَ أُمُّ الْوَلَدِ إِذَا أُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِيْ حَقِّ الْوَلَدِ لِأَنَّهُمَا حُرَّتَانِ أَوَانَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ، وَ لَيْسَ لَهُمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعِجْزِهِمَا عَنِ الْحَضَانَةِ بِالْإِشْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جب باندی کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور ام ولد جب آزاد کر دی گئی تو بچے کے حق میں یہ دونوں آزاد عورت کی طرح ہیں، کیوں کہ ثبوت حق کے وقت ہی یہ دونوں آزاد ہیں، جب کہ آزاد ہونے سے پہلے حضانتِ ولد کے سلسلے میں ان کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ (اس وقت) مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ دونوں حضانت سے عاجز ہیں۔

اللغاتُ:

﴿أوان﴾ وقت، موسم۔ ﴿اشتغال﴾ دوسری طرف سے ہٹ کر کسی کام میں لگنا۔

باندی کے لیے حق حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا کسی مرد سے نکاح کیا اور اس باندی نے بچہ جنا تو آزاد ہونے سے پہلے وہ باندی اور ام ولد اس بچے کی پرورش کی حق دار نہیں ہوں گی کیوں کہ حریت سے پہلے یہ دونوں مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نہ تو وہ بچے کی دیکھ بھال کر سکیں گی اور نہ ہی اس کی پرورش اور ترتیب کے امور انجام دے سکیں گی، اس لیے حریت سے پہلے ان کے حقوق میں حق حضانت ثابت نہیں ہوگا، ہاں جب یہ آزاد کر دی گئیں تو اب ان کا یہ حق عود کر آئے گا اور ایک ماں کی طرح باندی اور ام ولد بھی اپنے بچے کی حضانت کی سب سے زیادہ حق دار اور سب سے بڑی علمبردار ہوگی۔

وَالذِّمِّيَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْأَدْيَانَ أَوْ يُخَافُ أَنْ يَأْلَفَ الْكُفْرَ لِلنَّظْرِ قَبْلَ ذٰلِكَ وَاحْتِمَالُ الضَّرَرِ بَعْدَهُ.

ترجمہ: اور ذمیہ عورت اپنے مسلمان بچے کی زیادہ حق دار ہے جب تک کہ وہ ادیان کو نہ سمجھتا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا، اس لیے کہ اس سے پہلے اس کے حق میں شفقت ہے اور اس کے بعد ضرر کا احتمال ہے۔

اللغات:

﴿لم یعقل﴾ سمجھ نہ لے۔ ﴿یألف﴾ مانوس ہو جائے گا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔

ذمیہ کے لیے حق حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مردِ مؤمن نے ذمیہ عورت سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو بچے کی حضانت اور تربیت ماں ہی کے سپرد ہوگی اور جب تک وہ دین و مذہب کی شناخت اور فہم کے قابل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ ماں ہی کے پاس رہے گا، کیوں کہ بچپن میں اسے ماں کے پاس رکھنے میں اس کے ساتھ شفقت ہے، لیکن جب بچہ ادیان کو سمجھنے لگے یا اس کے کفر سے متاثر ہونے اور اسے اختیار کرنے کا خدشہ ہو تو پھر اسے باپ کے حوالے کر دیا جائے، کیوں کہ اب اگر اسے ماں کے پاس روکا گیا تو ضرر لاحق ہوگا، لہٰذا الولد یتبع خیر الأبوین دیناً پر عمل کرتے ہوئے اسے باپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

وَ لَا خِيَارَ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهُمَا الْخِيَارُ، لِأَنَّ النَّبِيَّ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ خَيَّرَ، وَ لَنَا أَنَّهُ لِقُصُوْرِ عَقْلِهِ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَةَ لِتَخْلِيَتِهِ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللَّعْبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظْرُ، وَ قَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيِّرُوْا، وَ أَمَّا الْحَدِيْثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ [2] عَلَيْهِ السَّلَامُ "اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ" فَوُفِّقَ لِاخْتِيَارِهِ الْأَنْظَرَ بِدُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ يُحْمَلُ عَلٰى مَا إِذَا كَانَ بَالِغًا.

ترجمہ: اور از خود لڑکے اور لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں اختیار حاصل ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اسی کو اختیار کرے گا جس کے پاس اسے آرام ملے گا بچہ اور کھیل کے درمیان تخلیہ کر دینے کی وجہ سے لہٰذا نظر شفقت متحقق نہیں ہوگی اور یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ نے بچوں کو اختیار نہیں دیا ہے۔ اور رہی حدیث تو ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اے اللہ اس کو ہدایت دے'' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس بچے کو زیادہ شفقت والی چیز اختیار کرنے کی توفیق مل گئی، یا یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ بچہ بالغ ہو۔

اللغات:

﴿دعة﴾ چھوٹ۔ ﴿تخلیة﴾ چھوڑ دینا۔

تخریج:

1. اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب من احق بالولد، حدیث رقم: ۲۲۷۷.
2. اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب اذا اسلم احد الابوین، حدیث رقم: ۲۲٤٤.

حضانت میں بچے کے اختیار کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکا اور لڑکی خود مختار نہیں ہیں اور انہیں ماں باپ میں سے کسی کے اختیار کا حق نہیں حاصل ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر لڑکا اور لڑکی سنِ تمیز کو پہنچ جائیں تو ماں باپ میں سے حسبِ منشأ پسندیدگی کا اختیار ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع بن سنان کی صاحب زادی کو ان کے درمیان بیٹھا کر اسے ماں باپ میں سے ایک کا اختیار دیا تھا اور اس لڑکی نے اپنے باپ کو اختیار کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ غلام اور جاریہ کے لیے اختیار شریعت سے ثابت ہے اور یہ ان کا حق ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے کم عقل ہوتے ہیں، اس لیے وہ ماں اور باپ میں سے اسی کو اختیار کریں گے جس کے پاس انھیں آرام زیادہ ملے گا اور جو کھیلنے کودنے کے مواقع زیادہ فراہم کرے گا اور ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے میں اُن کی پرورش غلط طریقے پر ہوگی اور اُن کے حق میں شفقت معدوم ہو جائے گی، اس لیے بچوں کو یہ اختیار نہیں دیا جائے گا۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بچے کو یہ اختیار نہیں دیا ہے۔ رہی وہ حدیث جو شوافع کی مستدل ہے تو صاحب ہدایہؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **اللھم اھدہ** کہہ کر اس بچے کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی تھی اور آپ کی دعاء ہی سے اسے وہ چیز ملی تھی جو اس کے حق میں زیادہ شفقت والی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کسی کو یہ حق ہوگا اور نہ ہی کسی کی دعاء میں ایسا اثر ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اختیار دینے کا معاملہ اس صورت پر محمول ہے جب بچہ بالغ ہو اور بالغ بچے ہوں تو ہم بھی اختیار دینے کے قائل ہیں۔ لیکن ہدایہ کے عربی شارحین یعنی صاحب بنایہ وعنایہ کی نظروں میں صاحب ہدایہ کا دوسرا جواب درست نہیں ہے، کیوں کہ رافع بن سنان کے واقعہ میں **وھي فطیم** کا جملہ موجود ہے اور فطیم دودھ پیتے بچے کو کہتے ہیں، لہٰذا اسے بچہ کے بالغ ہونے پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ (عنایہ وبنایہ ۵/۴۸۴) فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

فَصْلٌ

یہ فصل بچے کو شہر سے باہر گاؤں وغیرہ لیجانے کے بیان میں ہے

وَ إِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ أَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْإِضْرَارِ بِالْأَبِ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ بِهٖ إِلٰى وَطْنِهَا وَ قَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ الْمَقَامَ فِيْهِ عُرْفًا وَ شَرْعًا، قَالَ ﷺ ((مَنْ تَأَهَّلَ ❶ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))، وَ لِهٰذَا يَصِيْرُ الْحَرْبِيُّ بِهٖ ذِمِّيًّا، وَ إِنْ أَرَادَتِ الْخُرُوْجَ إِلٰى مِصْرٍ غَيْرِ وَطْنِهَا وَ قَدْ كَانَ التَّزَوُّجُ فِيْهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ إِلٰى أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ، وَ هٰذِهٖ رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ وَ ذُكِرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ أَنَّ لَهَا ذٰلِكَ، لِأَنَّ الْعَقْدَ مَتٰى وُجِدَ فِيْ مَكَانٍ يُوْجِبُ أَحْكَامَهُ فِيْهِ كَمَا يُوْجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيْمَ فِيْ مَكَانِهٖ، وَ مِنْ جُمْلَةِ ذٰلِكَ حَقُّ إِمْسَاكِ الْأَوْلَادِ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّزَوُّجَ فِيْ دَارِ الْغُرْبَةِ لَيْسَ الْتِزَامًا لِلْمُكْثِ فِيْهِ عُرْفًا، وَ هٰذَا أَصَحُّ، وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ جَمِيْعًا الْوَطْنِ وَ وُجُوْدِ النِّكَاحِ، وَ هٰذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ تَفَاوُتٌ، أَمَّا إِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمْكِنُ لِلْوَالِدِ اَنْ يُطَالِعَ وَلَدَهُ وَ يَبِيْتَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَا بَأْسَ بِهٖ، وَ كَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرْيَتَيْنِ، وَ لَوِ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْيَةِ الْمِصْرِ إِلَى الْمِصْرِ لَا بَأْسَ بِهٖ، لِأَنَّ فِيْهِ نَظْرًا لِلصَّغِيْرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِأَخْلَاقِ أَهْلِ الْمِصْرِ وَ لَيْسَ فِيْهِ ضَرَرٌ بِالْأَبِ وَ فِيْ عَكْسِهٖ ضَرَرٌ بِالصَّغِيْرِ لِتَخَلُّقِهٖ بِأَخْلَاقِ أَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذَالِكَ.

ترجمه: اگر مطلقہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لیجانا چاہے تو اسے یہ اختیار نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں باپ کو ضرر پہنچانا ہے تاہم مطلقہ بچے کو اپنے وطن لے جاسکتی ہے جب کہ شوہر نے اس عورت سے اسی وطن میں نکاح کیا ہو، اس لیے کہ شوہر نے عرف اور شرع دونوں اعتبار سے وہیں قیام کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے کسی شہر میں شادی کی تو وہ بھی اہل شہر میں سے ہے، اسی لیے نکاح کرنے سے حربی ذمی ہوجاتا ہے اور اگر مطلقہ نے اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بچے کو لیجانا چاہا اور اسی جگہ نکاح بھی ہوا ہو تو کتاب میں یہ اشارہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہ کتاب الطلاق کی روایت ہے اور جامع صغیر میں یہ مذکور ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے، اس لیے جب عقد کسی جگہ واقع ہوتا ہے تو اس کے احکام بھی اسی جگہ واجب ہوتے ہیں،

جیسے مکان بیع ہی میں مبیع کی سپردگی واجب ہوتی ہے اور منجملۂ احکام کے بچوں کے امساک کا بھی حق ہے۔

پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ پردیس میں نکاح کرنے سے ازروئے عرف اس میں ٹھہرنا لازم نہیں ہوتا اور یہ زیادہ صحیح ہے، حاصل یہ ہے کہ (اخراج ولد کے لیے) دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے وطن اور نکاح کا انعقاد۔ اور یہ تفصیل اس وقت ہے جب دونوں شہروں میں تفاوت ہو۔ لیکن اگر دونوں شہر قریب ہوں بایں معنی کہ باپ اپنے بچے کو دیکھ کر اپنے گھر رات گذار سکے، تو نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور دو گاؤں کا بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر بیوی گاؤں سے شہر کی طرف منتقل ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بچے کے لیے شفقت ہے چنانچہ وہ اہلِ شہر کے اخلاق سے آراستہ ہوگا اور اس میں باپ کا کوئی ضرر نہیں ہے جب کہ اس کے برعکس میں صغیر کو ضرر لاحق ہے، کیوں کہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق سیکھے گا لہٰذا عورت کو یہ حق نہیں ملے گا۔

اللغاتُ:

﴿تأهل﴾ اہل خانہ بنائے، شادی کی۔ ﴿امساك﴾ روکنا۔ ﴿دار الغربة﴾ پردیس، بدیش۔ ﴿التزام﴾ اپنے اوپر لازم کرنا۔ ﴿مكث﴾ ٹھہرنا۔ ﴿يطالع﴾ دیکھے، مشاہدہ کرے۔ ﴿يبيت﴾ رات گزارے۔ ﴿اهل السواد﴾ دیہاتی۔

تخریج:

❶ اخرجه مجمع الزوائد للهيثمي (١٥٦/٢) والمسند (٦٢/١).

مدت حضانت بچے کو اس کے باپ کے شہر سے منتقل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاق کے بعد اس عورت نے یہ چاہا کہ اپنے بچے کو شہر سے باہر کسی اور مقام پر لیجائے تو شرعاً اسے یہ حق نہیں ملے گا، کیوں کہ ایسا کرنے سے باپ اور بیٹے میں جدائی ہوگی اور اس سے باپ کو ضرر لاحق ہوگا، لہٰذا باپ سے دفعِ ضرر کے پیش نظر بچے کو باہر لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ البتہ اگر وہ مطلقہ عورت اس بچے کو اپنے وطن لیجانا چاہے اور شوہر نے اسی وطن میں مذکورہ مطلقہ سے نکاح کر کے عرف اور شرع دونوں اعتبار وہیں سے قیام کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، عرفاً تو اس طور پر کہ عموماً شوہر اسی شہر میں قیام کرتا ہے جس میں نکاح کرتا ہے اور شرعاً اس طرح کہ حدیث پاک میں ہے ''من تأهل ببلدة فهو منهم'' یعنی جس شخص نے کسی شہر میں نکاح کیا وہ اسی شہر کے باشندوں میں سے شمار ہوگا، اسی لیے تو آدمی جس شہر میں نکاح کرتا ہے وہاں جا کر وہ مقیم والی نماز پڑھتا ہے چنانچہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں ''سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تأهل في بلدة فيصلي بصلاة المقيم'' یعنی جس شخص نے کسی شہر میں نکاح کیا تو وہ مقیم شخص کی نماز پڑھے گا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ بچے کو اپنے وطن لے جاسکتی ہے۔

ولهذا يصير الحربي الخ: ہدایہ کے عربی شارحین نے لکھا ہے کہ یہ ٹکڑا کاتب کی غلطی ہے، اسی لیے ہدایہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں اس طرح کی عبارت ہے ''أن المستأمن إذا تزوج ذمية لايصير ذميا، لأنه يمكنه أن يطلقها ويرجع'' یعنی اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امن لیکر آیا اور وہاں اس نے کسی ذمیہ سے نکاح کیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ذمیہ کو

طلاق دے کر دار الحرب واپس چلا جائے، مگر راقم کو ایسی تصحیح سے اطمینان نہیں ہے، کیوں کہ **ولھذا یصیر کا تعلق التزم المقام فیه عرفا وشرعاً** سے ہے، اس لیے بہتر توجیہ وہ ہے جو عبارت کو درست مان کر کی جائے اور **ولہذا یصیر الحربی به ذمیا الخ** کا حاصل یہ نکالا جائے کہ اگر کوئی حربی دار الاسلام میں آیا اور امن لے کر رہنے لگا پھر اس نے کسی ذمیہ عورت سے نکاح کر لیا تو اس پر بھی ذمیہ عورت کے احکام جاری ہوں گے اور وہ بھی ذمی ہی شمار ہوگا اور **من تأهل ببلدة فهو منهم** سے اس کی تائید بھی ہوری ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقة الحال۔**

و إن أردت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بچے کو لیجانے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) مبسوط یا قدوری کے کتاب الطلاق کی روایت یہ ہے کہ غیر وطن لیجانے کا اختیار نہیں ہوگا (۲) جامع صغیر کی روایت یہ ہے کہ اسے یہ اختیار ملے گا، کیوں کہ جس جگہ عقد واقع ہوتا ہے اسی جگہ اس عقد کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں، جیسے اگر کسی جگہ عقد بیع واقع ہو تو اسی جگہ بیع کے احکام یعنی مبیع اور ثمن کی ادائیگی بھی لازم ہوتی ہے اور چوں کہ عقد کے احکام میں سے اولاد کو روکنے کا بھی حق ہے اس لیے عورت کو یہ اختیار ملے گا، لیکن صاحب ہدایہؒ کے یہاں پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس روایت کے مطابق اخراج ولد کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے (۱) وطن ہو اور اس وطن میں شوہر کا نکاح بھی ہوا ہو۔ مگر یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب ایک شہر اور دوسرے شہر یا وطن کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ باپ کے لیے دن میں بچے کو دیکھ کر رات اپنے گھر میں گذارنا ممکن نہ ہو، لیکن اگر دونوں شہر اتنے قریب ہوں کہ باپ بچے کو دیکھ کر رات میں اپنے گھر واپس آسکتا ہو تو پھر اخراج ولد یعنی بچے کو شوہر کے شہر سے باہر نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بچے کے لیے بہتری ہے اور وہ شہری ماحول اور اہل شہر کے اخلاق سیکھ کر خود بھی شہری تہذیب وتمدن سے آراستہ ہو جائے گا اور اس کے باپ کو بھی ضرر لاحق نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر عورت بچے کو کسی ایسے گاؤں لیجانا چاہے جہاں نکاح نہ ہوا ہو تو اسے اختیار نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں وہ دیہاتیوں اور گنواروں کے اخلاق سیکھے گا اور اس کی زندگی تباہ وبرباد ہو جائے گی۔ **فقط واللہ اعلم وعلمه اتم.**

بَابُ النَّفَقَةِ

یہ باب احکام نفقہ کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے حضانت اور تربیت کا باب بیان کیا ہے اور اب یہاں سے حضانت اور تربیت کے لازم یعنی نفقہ کے باب کو بیان کر رہے ہیں، اس لیے کہ نفقہ اور خرچہ کے بغیر حضانت اور تربیت کا معاملہ ناقص اور ادھورا ہے۔

قَالَ النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا إِلٰى مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَ كِسْوَتُهَا وَ سُكْنَاهَا، وَالْأَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ﴾ (سورة الطلاق: ۷)، وَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِلَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۳)، وَقَوْلُهُ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ((وَ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ))، وَلِأَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ الْإِحْتِبَاسِ، وَ كُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوْسًا بِحَقٍّ مَقْصُوْدٍ لِغَيْرِهٖ كَانَتْ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ أَصْلُهُ الْقَاضِيْ وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ، وَ هٰذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَصْلَ فِيْهَا فَتَسْتَوِيْ فِيْهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر ہو جب وہ اپنی ذات شوہر کے گھر سپرد کردے تو شوہر پر اس کا نفقہ، لباس اور سکنیٰ واجب ہے۔ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قول " **لینفق ذوسعة من سعته** " اصل ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے بقدر نفقہ دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نومولود کے باپ پر ان کی ماؤں کا کھانا اور ان کا کپڑا قاعدے کے مطابق واجب ہے۔ اور حجۃ الوداع والی حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے (اے لوگو) تم پر تمہاری بیویوں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے مطابق واجب ہے۔ اور اس لیے کہ نفقہ روکنے کا عوض ہے اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے حق مقصود کی وجہ سے محبوس ہو تو اس کا نفقہ اسی پر ہوگا، اس کی اصل قاضی ہے اور عامل في الصدقات ہے۔ اور ان دلائل میں کوئی تفصیل نہیں ہے، لہٰذا حق نفقہ میں مسلمہ اور کافرہ عورت برابر ہوں گی۔

اللغات:

﴿نفقه﴾ خرچ، اخراجات۔ ﴿سلّمت﴾ حوالے کر دیا، سپرد کر دیا۔ ﴿کسوہ﴾ کپڑے۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔

﴿ذو سعة﴾ مالدار، گنجائش والا۔ ﴿مولود له﴾ والد۔ ﴿احتباس﴾ روکنا، گھر وغیرہ میں بند کرنا۔ ﴿تستوی﴾ برابر ہوگی۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد فی کتاب المناسک باب صفة حجة النبی ﷺ، حدیث رقم: ۱۹۰۵.

بیوی کے حق نفقہ کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی خواہ کافرہ ہو یا مسلمہ ہو یا کتابیہ ہو اگر وہ اپنی ذات شوہر کے اور اس کے گھر کے حوالے کردیتی ہے تو اس کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے اور نفقے میں کپڑا، کھانا اور رہائش کا انتظام داخل ہے اور وجوبِ نفقہ کی دلیل یہ آیتیں ہیں (۱) لینفق ذوسعة من سعته (۲) وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف۔ نیز آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں مردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف۔ ان آیات اور حدیث پاک سے وجہ استدلال بایں معنی کہ ہے کہ ان سب میں مسلمہ اور کافرہ کی تمیز اور تفصیل کے بغیر مطلقاً عورتوں کا نفقہ مردوں پر واجب کیا گیا ہے، اس لیے ہر وہ عورت جو اپنی ذات شوہر کے حوالے کرے گی اسے نفقہ ملے گا خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

ولأن النفقة الخ: وجوبِ نفقہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نفقہ محبوس ہونے کی جزاء ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو دوسرے کے کام کاج کے لیے محبوس کرے گا اس کا نفقہ اسی پر واجب ہوگا جس کے لیے وہ محبوس ہوا ہے اور چوں کہ بیوی بھی اپنے آپ کو شوہر کے مقصد اور اس کی منفعت کے لیے محبوس کرتی ہے، اس لیے اس کا نفقہ بھی شوہر ہی پر واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وجوب نفقہ کی اصل قاضی اور زکوۃ وصول کرنے پر عامل کی ذات ہے کیوں کہ یہ دونوں مسلمانوں کے امور ومعاملات میں اپنے آپ کو محبوس ومقید کیے رہتے ہیں اور ان کے نفقے اور خرچے کی کفالت عام مسلمانوں کے بینک یعنی بیت المال سے ہوتی ہے، لہٰذا یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو دوسرے کے لیے اپنے آپ کو محبوس کرے گا اس کا نفقہ اسی پر واجب ہوگا۔

وَ تُعْتَبَرُ فِيْ ذٰلِكَ حَالُهُمَا جَمِيْعًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ وَ هٰذَا اخْتِيَارُ الْخَصَّافِ وَ عَلَيْهِ الْفَتْوٰى، وَ تَفْسِيْرُهُ أَنَّهُمَا إِذَا كَانَا مُوْسِرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْيَسَارِ وَ إِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ فَنَفَقَةُ الْإِعْسَارِ، وَ إِنْ كَانَتْ مُعْسِرَةً وَالزَّوْجُ مُوْسِرًا فَنَفَقَتُهَا دُوْنَ نَفَقَةِ الْمُوْسِرَاتِ وَ فَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَاتِ، وَ قَالَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾ (سورة الطلاق : ۷)، وَجْهُ الْأَوَّلِ قَوْلُهُ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِهِنْدَ امْرَأَةِ أَبِيْ سُفْيَانَ ((خُذِيْ مِنْ مَالِ زَوْجِكِ مَا يَكْفِيْكِ وَ وَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ))، اعْتَبَرَ حَالَهَا وَهُوَ الْفِقْهُ فَإِنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِطَرِيْقِ الْكِفَايَةِ، وَالْفَقِيْرَةُ لَا تَفْتَقِرُ إِلٰى كِفَايَةِ الْمُوْسِرَاتِ فَلَا مَعْنٰى لِلزِّيَادَةِ، وَ أَمَّا النَّصُّ فَنَحْنُ نَقُوْلُ بِمُوْجَبِهِ أَنَّهُ يُخَاطَبُ بِقَدْرِ وُسْعِهِ وَالْبَاقِيْ دَيْنٌ فِيْ ذِمَّتِهِ، وَ مَعْنٰى قَوْلِهِ بِالْمَعْرُوْفِ الْوَسْطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ، وَ بِهِ يَتَبَيَّنُ أَنَّهُ لَا مَعْنٰى لِتَقْدِيْرٍ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ عَلَى الْمُوْسِرِ مُدَّانِ وَعَلَى

الْمُعْسِرِ مُدٌّ وَ عَلَى الْمُتَوَسِّطِ مُدٌّ وَ نِصْفُ مُدٍّ، لِأَنَّ مَا وَجَبَ كِفَايَةً لَا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِي نَفْسِهِ.

ترجمه: اور نفقے کے سلسلے میں میاں بیوی دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ یہ امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کیا ہوا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی خوش حال ہوں تو خوشحالی والا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں تنگ دست ہوں تو تنگی کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر بیوی تنگ دست ہو اور شوہر خوشحال ہو تو اس عورت کا نفقہ خوشحال عورتوں سے کم اور تنگ دست عورتوں سے زیادہ ہوگا۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لینفق ذو سعة من سعته فرمایا ہے۔ قول اول کی دلیل زوجۂ ابوسفیان ہند سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے "تم اپنے شوہر کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہارے بچے کے لیے اعتدال سے کافی ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے اور سمجھ داری کی بات بھی یہی ہے، اس لیے کہ نفقہ تو بطریق کفایت ہی واجب ہوتا ہے۔ اور فقیر عورت کو خوشحال عورتوں کی کفایت درکار نہیں ہوتی اس لیے (اس کے حق میں) زیادتی کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ جہاں تک نص قرآنی کا معاملہ ہے تو ہم اس کے موجب کے قائل ہیں یعنی شوہر اپنی وسعت کے بقدر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور جو باقی رہے گا وہ اس کے ذمے دین رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان بالمعروف کا معنی درمیانی درجے کا ہے اور یہی واجب ہے۔ اور اسی سے یہ واضح ہوگیا کہ اندازہ مقرر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی میلان ہے کہ خوشحال کے ذمہ دُو مد، تنگ دست کے ذمے ایک مُد اور متوسط کے ذمے ڈیڑھ مد واجب ہے، اس لیے کہ جو چیز بطور کفایت واجب ہوتی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے شرعاً مقدر نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار، کشادہ دست۔ ﴿یسار﴾ مالداری، کشادگی وسہولت۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست۔ ﴿اعسار﴾ تنگی، غربت۔ ﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿یکفیك﴾ تجھے کافی ہو جائے۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب البیوع باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ، حدیث رقم: ۳۵۳۲.
و ابن ماجہ فی کتاب التجارات باب ما للرجل من مال ولدہ، حدیث رقم: ۲۲۹۳.

نفقہ کی تعیین کا معیار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نفقہ کی حقیقت اور اس کی حیثیت ومقدار کے سلسلے میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کی حالت اور پوزیشن کو دیکھ کر ہی نفقے کی تعیین کی جائے گی، یہی امام خصاف علیہ الرحمہ کا اختیار کیا ہوا قول ہے۔ اور اس قول کی تفسیر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو شوہر پر نفقۂ یسار واجب ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں تنگ دست ہوں تو شوہر پر تنگ دستی والا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر بیوی یا شوہر میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگ دست ہو تو اس صورت میں اوسط درجے کا نفقہ واجب ہوگا یعنی خوشحال عورتوں کے نفقے سے کم اور تنگ دست عورتوں کے نفقے سے کچھ زیادہ نفقہ واجب ہوگا۔ یہ معتمد

اور مستند قول ہے۔ اس کے برخلاف امام کرخیؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگ دست ہو تو اس صورت میں شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ اگر وہ موسر ہوگا تو نفقۂ یسار واجب ہوگا اور اگر مُعسر ہوگا تو نفقۂ اعسار واجب ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اتاہ اللّٰہ** ہے، یعنی وسعت والا شخص اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور تنگدست شخص (اللہ کے دیئے ہوئے میں سے نفقہ دے، اس آیت سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یُسر اور عُسر دونوں حالتوں میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے لہٰذا ہم بھی اسی کا اعتبار کرتے ہیں۔

وجه الأول الخ: پہلے اور مفتی بہ قول کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ان کی شکایت کی اور کہا یا رسول اللہ **إن أبا سفیان رجل شحیح لایعطي مایکفیني وولدی إلا ما أخذت منه وهو لایعلم**، یعنی اے اللہ کے نبی ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے کفایت کر جائے، الا یہ کہ میں اس کی چوری کچھ لے لوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **خذي من مال زوجك مایکفیكِ وولدك بالمعروف** یعنی اپنے شوہر کے مال سے اتنا لے لو جو تمہارے لیے اور تمہارے بچے کے لیے اعتدال سے کافی ہو جائے، اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوں کہ عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا ہم بھی عورت کے حال کا اعتبار کریں گے اور سمجھ داری کی بات بھی یہی ہے کہ عورت ہی کا حال کا اعتبار کیا جائے، اس لیے کہ نفقہ بطور کفایت واجب ہوتا ہے اور غریب عورت کو مالدار عورتوں کی کفایت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، اس لیے اس کی حالت اور کفایت کا اعتبار کر کے اسے نفقہ دیا جائے گا اور زائد از ضرورت نہیں دیا جائے گا۔

واما النص الخ: فرماتے ہیں کہ نص قرآنی میں جو **لینفق ذو سعة الخ** کا حکم مذکور ہے ہم لوگ بھی اس کے موجب پر عمل کرتے ہیں، لیکن غریب مرد کے حق میں اس کی مالدار بیوی کا نفقہ واجب ہے اگر وہ اسے پورا نہیں اداء کر پا رہا ہے تو باقی اس کے ذمے دین ہوگا جسے وہ وسعت کے بعد اداء کرے گا۔

ومعنی قوله الخ: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان بالمعروف سے بالوسط مراد ہے اور اوسط درجے کا نفقہ ہی واجب ہے۔ **وبه الخ:** فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجۂ ابوسفیان سے جو **خذي من مال زوجك الخ**: فرمایا تھا اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ کسی بھی حالت میں نفقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہوگی جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ موسر مرد پر یومیہ دو مد متوسط پر ڈیڑھ مد اور مُعسر پر ایک مد واجب کرتے ہیں، کیوں کہ نفقہ بقدر کفایت واجب ہوتا ہے اور جو چیز بقدر کفایت واجب ہوتی ہے وہ کسی خاص اور متعین اندازے کے ساتھ متعین نہیں ہوتی، اور پھر غذاء موسم، عمر اور صحت کے بدلنے سے یہ مسئلہ بہت پیچیدہ اور دشوار گذار ہو جائے گا۔ اس لیے حوالوں سے بھی تعیین مناسب نہیں ہے۔

وَ إِنِ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِیْمِ نَفْسِهَا حَتّٰی یُعْطِیَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ لِأَنَّهُ مَنْعٌ بِحَقٍّ فَكَانَ فَوْتُ الْإِحْتِبَاسِ بِمَعْنًی مِنْ قِبَلِهٖ فَیُجْعَلُ كَلَا فَائِتٍ.

ترجمہ: اور اگر عورت اپنی ذات کو سپرد کرنے سے رُک گئی حتی کہ اس کا شوہر اسے اس کا مہر دیدے تو اس کو نفقہ ملے گا، اس لیے کہ منع ایک حق کی وجہ سے ہے، لہٰذا احتباس کا فوت ہونا ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہوگا جو شوہر کی طرف سے پایا جائے گا اس لیے اسے ایسا قرار دیا جائے گا گویا کہ محبوس کرنا فوت نہیں ہوا۔

اللغات:

﴿احتباس﴾ روکنا، قید کرنا۔

مہر کی وصولی سے پہلے تسلیم نفس نہ کرنے والی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط لگادی کہ جب تک شوہر اسے اس کا مہر نہیں دے دیتا اس وقت تک وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہیں کرے گی تو وہ عورت اپنے امتناع میں حق بجانب ہوگی اور مدت امتناع میں وہ نفقہ کی حق دار ہوگی، کیوں کہ یہاں ایک ایسے سبب کی وجہ سے امتناع فوت ہوا ہے جو شوہر کی طرف سے پیش آیا ہے لہٰذا اسے ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا احتباس ہی فوت نہیں ہوا ہے اور احتباس فوت نہ ہونے کی صورت میں بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں بھی وہ نفقہ کی حق دار ہوگی۔

وَ إِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ إِلٰى مَنْزِلِه، لِأَنَّهٗ فَوْتُ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا، وَ إِذَا عَادَتْ جَاءَ الْإِحْتِبَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا امْتَنَعَتْ مِنَ التَّمْكِيْنِ فِيْ بَيْتِ الزَّوْجِ، لِأَنَّ الْإِحْتِبَاسَ قَائِمٌ وَالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْيِ كُرْهًا.

ترجمہ: اور اگر عورت نے نافرمانی کی تو اسے نفقہ نہیں ملے گا یہاں تک کہ اپنے شوہر کے گھر واپس چلی جائے، اس لیے کہ احتباس کا فوت ہونا اسی عورت کی طرف سے ہے۔ اور جب وہ عورت اپنے شوہر کے گھر واپس چلی جائے تو احتباس عود کر آئے گا اور نفقہ واجب ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب شوہر کے گھر میں عورت قدرت دینے سے انکار کر دے، اس لیے کہ احتباس موجود ہے اور شوہر زبردستی وطی کرنے پر قادر ہے۔

اللغات:

﴿نشزت﴾ نافرمانی کی۔ ﴿تعود﴾ لوٹ آئے۔ ﴿تمکین﴾ قدرت دینا۔ ﴿کرھًا﴾ زبردستی۔

ناشزہ اور غیر ممکنہ کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت سرکشی کر کے شوہر کا گھر چھوڑ دے تو جب تک وہ دوبارہ شوہر کے گھر واپس نہیں آجاتی اس وقت تک اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ مذکورہ احتباس کا فوت ہونا خود عورت کی طرف سے ہے لہٰذا اس کا نفقہ بند ہوجائے گا، لیکن دوبارہ جب وہ خود کو محبوس کر دے گی تو نفقے کی حق دار ہوگی اور نفقہ شروع ہوجائے گا۔

بخلاف ما إذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کے گھر میں محبوس ہو، لیکن وہ شوہر کو وطی کرنے اور اپنے آپ پر قدرت دینے

سے روک دے تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ شوہر کے گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے احتباس موجود ہے، لہٰذا اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ نفقہ تو احتباس ہی کی جزاء ہے اور شوہر زبردستی وطی کرنے پر قادر بھی ہے۔

وَ إِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لَا يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا، لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْإِسْتِمْتَاعِ لِمَعْنًى فِيْهَا وَالْإِحْتِبَاسُ الْمُوْجِبُ مَا يَكُوْنُ وَسِيْلَةً إِلٰى مَقْصُوْدٍ مُسْتَحَقٍّ بِالنِّكَاحِ وَ لَمْ يُوْجَدْ، بِخِلَافِ الْمَرِيْضَةِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحمۃ اللہ علیہ لَهَا النَّفَقَةُ، لِأَنَّهَا عِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ عِنْدَهُ كَمَا فِي الْمَمْلُوْكَةِ بِمِلْكِ الْيَمِيْنِ، وَ لَنَا أَنَّ الْمَهْرَ عِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَ لَا يَجْتَمِعُ الْعِوَضَانِ عَنْ مُعَوَّضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُوْنَ النَّفَقَةِ، وَ إِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْيِ وَهِيَ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ، لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ تَحَقَّقَ مِنْهَا، وَ إِنَّمَا الْعَجْزُ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَالْمَجْبُوْبِ وَالْعِنِّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر بیوی اتنی چھوٹی ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ استمتاع کی ممانعت ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو بیوی میں موجود ہے جب کہ نفقہ کو واجب کرنے والا ہی وہ احتباس ہوتا ہے جو نکاح کے ذریعے ثابت شدہ مقصود کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہو اور وہ احتباس نہیں پایا گیا۔ برخلاف مریضہ عورت کے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے نفقہ ملے گا، اس لیے کہ ان کے یہاں نفقہ ملک کا عوض ہے جیسا کہ ملک یمین کے طور پر مملوکہ عورت کا نفقہ۔ ہماری دلیل یہ ہے مہر ملک کا عوض ہے اور ایک معوض کے دو عوض نہیں جمع ہو سکتے، لہٰذا صغیرہ کو مہر ملے گا اور نفقہ نہیں ملے گا۔ اور اگر شوہر اتنا چھوٹا ہو کہ جماع پر قادر نہ ہو اور بیوی بالغہ ہو تو اسے شوہر کے مال سے نفقہ ملے گا، اس لیے کہ بیوی کی طرف سے سپرد کرنا متحقق ہوگیا اور عجز صرف شوہر کی طرف سے ہے، لہٰذا شوہر مقطوع الذکر اور عنین کی طرح ہوگیا۔

اللغات:

﴿لا يستمتع﴾ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا۔ ﴿مجبوب﴾ مقطوع الذکر۔ ﴿عنين﴾ نامرد۔

صغیرہ غیر موطوءہ کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر بڑا اور بالغ ہو اور بیوی چھوٹی اور نابالغ ہو اور اس سے جماع کرنا ممکن نہ ہو تو ہمارے یہاں اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ صورت مسئلہ میں جماع پر عدم قدرت ایک ایسے سبب سے ہے جو خود بیوی میں موجود ہے یعنی اس کا بالغہ نہ ہونا، اس لیے اگرچہ احتباس موجود ہے، مگر وہ ناقص ہے، لہٰذا یہ سبب اسے مستحق نفقہ ہونے سے روک دے گا، کیوں کہ نفقہ اس احتباس سے واجب ہوتا ہے جو کامل ہو اور جس میں کما حقہ مقصود نکاح یعنی وطی اور استمتاع پر قدرت ہو اور یہاں ایسا کامل احتباس نہیں ہے، اس لیے وہ موجب نفقہ نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف مریضہ عورت کا مسئلہ ہے تو آئندہ چل کر اسے بیان کیا جائے گا، لہٰذا اس موقع پر مریضہ کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں صغیرہ کو نفقہ ملے گا، کیوں کہ ان کے یہاں نفقہ ملک کا عوض ہے اور شوہر بیوی کا مالک ہے، اس لیے اس پر نفقہ واجب ہوگا جیسا کہ اگر ملکِ یمین کے طور پر کوئی آدمی کسی عورت کا مالک ہو تو اس پر بھی اس عورت کا نفقہ واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ ملک کا عوض نہیں ہے، بلکہ ملک کا عوض تو مہر ہے، کیوں کہ مہر ہی عقد کے تحت داخل ہو کر مذکور ہوتا ہے، اس لیے وہی عوض بنے گا اور بیوی مہر کی حقدار ہوگی لیکن نفقہ عوض نہیں بن سکتا، کیوں کہ شئ واحد کے دو دو عوض نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نفقہ کو عوض قرار دینا درست نہیں ہے۔

و إن كان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مسئلے کی صورت مذکورہ صورت کے برعکس ہو یعنی بیوی تو بالغہ ہو لیکن اس کا شوہر چھوٹا ہو اور جماع پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق ہوگی اور اسے شوہر کے مال سے نفقہ دیا جائے گا، کیوں کہ عورت کی طرف سے تن، من، دھن ہر طرح سے تسلیم کرنا پایا گیا ہے اور ہر احتباس کامل ہے، اس لیے موجب نفقہ ہوگا۔ رہا مسئلہ شوہر کی صغرسنی کا تو چوں کہ یہ عجز خود شوہر کی طرف سے ہے اور اس میں بیوی کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا یہ چیز اس کے نفقے میں خلل کا باعث نہیں ہوگی۔ اور جس طرح مقطوع الذکر اور نامرد کی بیویوں کو نفقہ ملتا ہے ہکذا صغیر کی بیوی کو بھی نفقہ ملے گا۔

وَ إِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِأَنَّ فَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا بِالْمُمَاطَلَةِ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بِأَنْ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ وَ كَذَا إِذَا غَصَبَهَا رَجُلٌ كُرْهًا فَذَهَبَ بِهَا، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، وَالْفَتْوٰى عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّ فَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيْرًا وَ كَذَا إِذَا حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ لِأَنَّ فَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، لِأَنَّ إِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ وَ لٰكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ، لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحَقَّةُ عَلَيْهِ، وَ لَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النَّفَقَةُ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّ الْإِحْتِبَاسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَ تَجِبُ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ وَ لَا تَجِبُ الْكِرَاءُ لِمَا قُلْنَا.

ترجمہ: اور اگر قرض کی وجہ سے عورت کو محبوس کیا گیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ احتباس کا فوت ہونا عورت کی جانب سے ٹال مٹول کی وجہ سے ہے۔ اور اگر عورت کی طرف سے احتباس نہ ہو بایں طور کہ وہ ادائے قرض سے عاجز ہو تو بھی یہ احتباس شوہر کی طرف سے نہیں ہوگا اور ایسے ہی اگر عورت کو کوئی شخص زبردستی غصب کر لے گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مغصوبہ عورت کو نفقہ ملے گا لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے، کیوں کہ احتباس کا فوت ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے تا کہ احتباس کو حکما باقی قرار دیا جائے۔ اور ایسے ہی اگر عورت نے اپنے محرم کے ساتھ حج کیا، کیوں کہ احتباس اسی کی طرف سے فوت ہوا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس عورت کو نفقہ ملے گا، اس لیے کہ فرض اداء کرنا ایک عذر ہے، لیکن شوہر پر حضر کا نفقہ واجب ہوگا نہ کہ سفر کا، اس لیے کہ نفقۂ حضر ہی شوہر پر واجب ہے، لیکن اگر عورت کیساتھ شوہر نے بھی سفر کر لیا تو بالاتفاق

نفقۂ سفر واجب ہوگا، اس لیے کہ احتباس موجود ہے، کیوں کہ شوہر بیوی کے ساتھ موجود ہے، مگر (اس صورت میں بھی) نفقۂ حضر واجب ہوگا نہ کہ نفقۂ سفر اور کرایہ نہیں واجب ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿حبست﴾ قید کیا گیا۔ ﴿مماطلة﴾ ٹال مٹول کرنا، قدرت ہوتے ہوئے بھی قرض واپس نہ کرنا۔ ﴿غصب﴾ ناجائز قبضہ کرلیا۔ ﴿کراء﴾ کرایہ۔

قیدی بیوی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی کو دین اور قرض کی وجہ سے قید کرلیا گیا اور اس کی وجہ سے احتباس فوت ہوگیا تو اس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں احتباس کا زوال عورت کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ اگر وہ قرضہ اداء کرنے میں ٹال مٹول نہ کرتی تو اسے قید نہ کیا جاتا، لہٰذا اس کا ٹال مٹول کرنا زوال احتباس کی دلیل ہے، اس لیے اس کا نفقۂ واجبہ ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر قرض کی عدم ادائیگی مماطلت کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ عورت کی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے ہو اور وہ ادائیگی قرض پر قادر نہ ہو تو بھی اسے شوہر سے مطالبۂ نفقہ کا حق نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں استقراض یعنی قرضہ لینا زوال احتباس کا سبب ہے اور اس سبب کی وجہ سے وہ عورت نفقۂ واجبہ سے محروم ہو جائے گی۔

و کذا إذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو دوسرا کوئی شخص غصب کرلے اور احتباس فوت ہو جائے تو بھی بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، یہی مفتیٰ بہ اور معتمد قول ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نوادر کی روایت یہ ہے کہ اس مغصوبہ عورت کو نفقہ ملے گا، کیوں کہ وہ بیچاری اس سلسلے میں مجبور ہے اور اس نے برضاء ورغبت اپنے آپ کو قید میں نہیں ڈالا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے منع عن الاحتباس نہیں پایا گیا۔ قول اول کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی بھی درجے میں احتباس کا زوال شوہر کی طرف سے نہیں پایا گیا تو اسے حکماً بھی باقی نہیں قرار دے سکتے، اور بدون احتباس عورت مستحق نفقہ نہیں ہوتی، اس لیے مغصوبہ کو نفقہ نہیں ملے گا، اسی طرح اگر شوہر کو چھوڑ کر کسی محرم کے ساتھ عورت سفر حج پر گئی تو بھی اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ اس صورت میں بھی احتباس کا زوال عورت کی طرف سے ہے جو وجوبِ نفقہ کے منافی ہے۔

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس صورت میں بھی عورت کے لیے وجوب نفقہ کے قائل ہیں اور فریضہ حج کی ادائیگی کو عذر قرار دیتے ہیں، مگر وہ بھی شوہر پر نفقۂ حضر کے قائل ہیں نہ کہ نفقۂ سفر کے، کیوں کہ بالمعروف کے تحت نفقۂ حضر ہی داخل ہے اس لیے کہ نفقۂ سفر بہت زیادہ گراں قیمت ہوتا ہے اور یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ سفر میں ہر چیز بہت مہنگی ملتی ہے اور اسٹیشن کی چائے عام جگہ کی چائے سے زیادہ مہنگی اور برباد ہوتی ہے۔

ولو سافر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے ساتھ اس کا شوہر بھی سفر میں موجود ہو تو بالاتفاق عورت کے لیے نفقہ واجب ہوگا تاہم اس صورت میں بھی اسے نفقہ حضر ہی دیا جائے گا، لیکن اگر شوہر اپنی طرف سے بترع اور احسان کرکے بیوی کے دامن مراد کو بھر دے تو یہ اچھی بات ہے۔ تاہم شوہر پر کرایہ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ جب شوہر پر نفقۂ سفر واجب نہیں ہے تو پھر کرایے کی کیا اوقات ہے۔

وَ إِنْ مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا نَفَقَةَ لَهَا إِنْ كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجِمَاعِ لِفَوَاتِ الْاِحْتِبَاسِ لِلْاِسْتِمْتَاعِ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِسُ بِهَا وَ يَمَسُّهَا وَ تَحْفَظُ الْبَيْتَ، وَالْمَانِعُ بِعَارِضٍ فَأَشْبَهَ الْحَيْضَ، وَ عَنْ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّهَا إِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النَّفَقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيْمِ، وَ لَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلَّمَتْ لَا تَجِبُ، لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ لَمْ يَصِحَّ، قَالُوْا هٰذَا حَسَنٌ وَ فِي لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيْرُ إِلَيْهِ.

ترجمه: اور اگر شوہر کے گھر بیوی بیمار ہوئی تو اسے نفقہ ملے گا۔ اور قیاس یہ ہے کہ اگر ایسا مرض ہو جو مانع جماع ہو تو بیوی کو نفقہ نہ ملے، کیوں کہ جماع کے لیے احتباس فوت ہو گیا ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ احتباس موجود ہے اس لیے کہ شوہر بیوی سے مانوس ہوگا اور اسے چھوئے گا اور وہ (بیوی) گھر کی حفاظت کرے گی۔ اور مانع ایک عارض کی وجہ سے ہے، لہٰذا یہ حیض کے مشابہ ہو گیا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب عورت نے اپنی ذات کو سپرد کر دیا پھر وہ بیمار ہوئی تو نفقہ واجب ہوگا، اس لیے کہ سپرد کرنا پایا گیا اور اگر بیمار ہونے کے بعد اس نے سپردگی کی تو نفقہ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ سپردگی صحیح نہیں ہوئی، حضرات مشائخ نے فرمایا کہ یہ عمدہ قول ہے اور کتاب کا لفظ اسی کی طرف مشیر بھی ہے۔

اللغات:

﴿یستأنس﴾ انس حاصل کرتا ہے۔ ﴿یمس﴾ چھوتا ہے۔

مریضہ کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے پیا کے گھر جا کر بیمار ہوئی تو وہ ایام مرض کے نفقے کی استحساناً حق دار ہوگی خواہ وہ مرض مانع جماع ہو یا نہ ہو۔ جب کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیوی کو ایسا مرض لاحق ہوا جو مانع جماع ہو تو پھر وہ ایام مرض کے نفقے کی حق دار نہیں ہوگی، کیوں کہ جماع کے حق میں اس کی طرف سے احتباس فوت ہو چکا ہے، اس لیے اس کا احتباس کامل نہیں ہوا اور عورت احتباس کامل کے بغیر مستحق نفقہ نہیں ہوتی۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ہر دن جماع کرنا زوجین کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے اور رہا بیوی کے مرض کا معاملہ تو اگرچہ وہ مرض مانع جماع ہے مگر پھر بھی بیوی کی طرف سے احتباس موجود ہے، کیوں کہ شوہر اسے دیکھ کر اس سے انسیت حاصل کرتا ہے اور چوم چاٹ کر مزے لیتا ہے اور پھر بیوی گھر رہ کر اس کی حفاظت کرتی ہے، اس لیے جماع کو چھوڑ کر باقی تمام چیزوں کے حق میں احتباس موجود ہے اور جماع کے حق میں اس کا زوال ایک عارض یعنی مرض کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ حیض کے مشابہ ہو گیا اور جس طرح ایام حیض میں جماع کے علاوہ ہر چیز کے حق میں احتباس موجود رہتا ہے اور بیوی ایام حیض میں نفقہ کی مستحق ہوتی ہے، اسی طرح ایام مرض میں بھی وہ نفقہ کی مستحق ہوگی۔

وعن أبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی فیصلہ کن بات کہی ہے اور مشائخ نے

اسے نظر استحسان دیکھا اور سراہا بھی ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے کے بعد بیمار ہوئی تو تحقق تسلیم کی وجہ سے وہ مستحق نفقہ ہوگی۔ اور اگر تسلیم نفس سے پہلے وہ بیمار ہوئی اور پھر اس نے سپردگی کی تو مستحق نفقہ نہیں ہوگی۔ کیوں کہ تسلیم ہی صحیح نہیں ہوئی اور چوں کہ بدون تسلیم نفقہ نہیں ملتا، اس لیے اس صورت میں اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ نے اس فیصلہ کن قول کو سراہا ہے اور قدوری کی عبارت میں اس کا اشارہ بھی ہے۔

قَالَ وَ تُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النَّفَقَةُ إِذَا كَانَ مُوْسِرًا وَ نَفَقَةُ خَادِمِهَا، وَالْمُرَادُ بِهٰذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَ لِهٰذَا ذُكِرَ فِيْ بَعْضِ النُّسَخِ وَ تُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوْسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا، وَ وَجْهُهُ أَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَ هٰذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کا اور اس کے خادم کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ اور اس سے خادم کے نفقے کو بیان کرنا مقصود ہے، اسی لیے بعض نسخوں میں یہ مذکور ہے وتفرض علی الزوج إذا کان موسرا نفقة خادمها۔ اور اس کی دلیل یہ کہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب ہے اور نفقۂ خادم کفایتِ زوجہ کے اتمام میں سے ہے، کیوں کہ عورت کے لیے خادم کا ہونا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔

مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کے نفقے کے ساتھ ساتھ اس کے خادم کا بھی نفقہ واجب ہوگا خواہ وہ خادم مرد ہو یا عورت، اور اس عبارت سے خادم کے نفقہ کو بیان کرنا مقصود ہے، اسی لیے قدوری کے بعض نسخوں میں **وتفرض علی الزوج إذا کان موسرا نفقة خادمها** کی عبارت موجود ہے اور اس میں خادم کے نفقے کی وضاحت اور صراحت موجود ہے۔ نفقۂ خادم کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کی کفایت کرنا واجب ہے اور چوں کہ بیوی کے لیے ایک خادم کا ہونا ناگریز ہے، اس لیے خادم کا نفقہ بیوی کی کفایت کے اتمام سے ہوگا اور بیوی کے ساتھ ساتھ خادم کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

وَ لَا تُفْرَضُ لِأَكْثَرَ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ تُفْرَضُ نَفَقَةُ الْخَادِمَيْنِ، لِأَنَّهَا تَحْتَاجُ إِلٰى أَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّاخِلِ وَ إِلَى الْآخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ يَقُوْمُ بِالْأَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُوْرَةَ إِلَى اثْنَيْنِ، لِأَنَّهُ لَوْ تَوَلّٰى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهِ كَانَ كَافِيًا فَكَذَا إِذَا أَقَامَ الْوَاحِدَ مَقَامَ نَفْسِهِ، وَ قَالُوْا إِنَّ الزَّوْجَ الْمُوْسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرَ مِنْ نَفَقَةِ امْرَأَتِهِ وَهُوَ أَدْنَى الْكِفَايَةِ وَ قَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ إِذَا كَانَ مُوْسِرًا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ إِعْسَارِهِ وَهُوَ رِوَايَةُ

الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ، خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ أَدْنَى الْكِفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِي بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا.

ترجمہ: اور ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ نہیں فرض کیا جائے گا اور یہ حکم حضرات طرفینؒ کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو خادموں کا نفقہ فرض کیا جائے گا، اس لیے کہ بیوی ایک خادم سے داخلی مصالح کو پورا کرانے کی محتاج ہے اور دوسرے سے خارجی مصالح کی تکمیل میں محتاج ہے۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی خادم دونوں کاموں کو پورا کرسکتا ہے، اس لیے دو خادموں کی ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے اگر از خود شوہر بیوی کی کفایت کرے تو یہ کافی ہے تو ایسے ہی جب اس نے ایک شخص کو اپنے قائم مقام کر دیا تو بھی کافی ہے۔

حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مالدار شوہر پر خادم کے نفقے کے وہ مقدار لازم ہوگی جو تنگ دست آدمی پر اپنی بیوی کے نفقے سے لازم ہوتی ہے۔ اور وہ ادنیٰ درجے کی کفایت ہے۔ اور قدوری میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان إذا کان موسرا اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے اور یہی اصح ہے۔ برخلاف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے، اس لیے کہ تنگدست پر ادنیٰ درجے کی کفایت واجب ہے اور کبھی کبھی بیوی خود ہی اپنی کفایت کر لیتی ہے۔

مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفینؒ اور جمہور علماء کے یہاں شوہر پر بیوی کے ایک ہی خادم کا نفقہ واجب ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی کے دو خادموں کا نفقہ شوہر پر واجب کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ گھر اور باہر کی ضروریات کے حساب سے عورت کو دو خادموں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دو خادم مقرر کیے جائیں گے اور شوہر پر ان دونوں کا نفقہ واجب ہوگا۔ حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک خادم بہت سی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے لہٰذا اندر اور باہر کی ضروریات کے لیے الگ الگ خادم متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ اگر تنِ تنہا بذات خود شوہر بیوی کی ضروریات کو پورا کرے تو یہ کافی ہے، لہٰذا جب شوہر اپنی جگہ کسی ایک آدمی کو بیوی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے متعین کر دے تو بھی کافی ہوگا۔

قالو الخ: فرماتے ہیں کہ نفقۂ خادم کی مقدار کے سلسلے میں حضرات مشائخ کا فرمان یہ ہے کہ ایک مفلس اور معسر شوہر پر جتنی مقدار میں اس کی بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے موسر اور مالدار پر وہی مقدار بیوی کے خادم کے نفقہ کی واجب ہوگی۔

وقوله في الكتاب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ قدوری میں جو إذا کان موسرا کی قید اور شرط لگائی ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خادم کا نفقہ اسی صورت میں شوہر پر واجب ہے جب وہ مالدار ہو لیکن اگر شوہر معسر اور تنگ دست ہو تو پھر اس پر بیوی کے خادم کا نفقہ واجب نہیں ہے، حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت بیان کی ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر بیوی کے پاس خادم ہو تو شوہر پر اس خادم کا نفقہ واجب ہے، خواہ

شوہر معسر ہو یا موسر لیکن روایت صحیحہ کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہے۔ اور روایت صحیحہ کی دلیل یہ ہے کہ معسر شوہر پر بیوی کی ادنی درجے کی کفایت واجب ہے اور ظاہر ہے ادنیٰ درجہ کی کفایت اگر بیوی ہی کے لیے کافی ہو جائے تو بڑی بات ہے، غلام تو اس میں کسی بھی طرح داخل نہیں ہو سکتا۔

وَ مَنْ أَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَ يُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِيْ عَلَيْهِ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحَمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ يُفَرَّقُ، لِأَنَّهٗ عَجَزَ مِنَ الْإِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّفْرِيْقِ كَمَا فِي الْجُبِّ وَالْعُنَّةِ، بَلْ أَوْلٰى، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى النَّفَقَةِ أَقْوٰى، وَ لَنَا أَنَّ حَقَّهٗ يَبْطُلُ وَ حَقَّهَا يَتَأَخَّرُ، وَالْأَوَّلُ أَقْوٰى فِي الضَّرَرِ وَ هٰذَا لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيْرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِيْ فَتُسْتَوْفٰى فِي الزَّمَانِ الثَّانِيْ، وَ فَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ وَ فَائِدَةُ الْأَمْرِ بِالْاِسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ أَنْ يُمْكِنَهَا إِحَالَةُ الْغَرِيْمِ عَلَى الزَّوْجِ فَأَمَّا إِذَا كَانَتِ الْاِسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِيْ كَانَتِ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُوْنَ الزَّوْجِ.

ترجمہ: جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے بے بس ہو گیا تو ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور اس عورت سے کہا جائے گا کہ اپنے شوہر کے نام پر قرضہ لیلے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں تفریق کی جائے گی، کیوں کہ شوہر امساک بالمعروف سے عاجز ہو گیا، لہٰذا تفریق کرنے میں قاضی شوہر کے قائم مقام ہوگا جیسا کہ مجبوب اور عنین میں ہے، بلکہ یہ کام بدرجۂ اولیٰ ہوگا، اس لیے کہ نفقے کی حاجت اقویٰ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کا حق باطل ہو جاتا ہے اور عورت کا حق مؤخر ہو جاتا ہے اور پہلا ضرر میں زیادہ قوی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نفقہ قاضی کے مقرر کرنے سے شوہر کے ذمے دین ہو جاتا ہے، لہٰذا بیوی دوسرے زمانے میں شوہر سے نفقہ وصول کرلے گی۔ اور مال فوت ہونے کو (جب کہ وہ نکاح میں تابع ہے) اس چیز کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا جو مقصود ہے یعنی توالد و تناسل۔ اور فرضیت نفقہ کے ساتھ ساتھ قرض لینے کا حکم اس فائدے کی وجہ سے ہے تاکہ عورت کے لیے اپنے قرض خواہ کو شوہر پر حوالہ کرا سکے۔ لیکن اگر قرضہ لینا بدون حکم قاضی کے ہو تو قرض خواہ کا مطالبہ بیوی سے ہوگا نہ کہ شوہر سے۔

اللغات:

﴿لم یفرّق﴾ جدائی نہ کرائی جائے۔ ﴿استدینی﴾ تو قرض لے لے۔ ﴿ینوب﴾ نائب ہوگا۔ ﴿جبّ﴾ مقطوع الذکر ہونا۔ ﴿عنة﴾ نامردی۔ ﴿استدانة﴾ قرضہ لینا۔ ﴿غریم﴾ قرض خواہ۔

نفقہ نہ دے سکنے والے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز اور قاصر ہو گیا تو ہمارے یہاں اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کی بیوی سے کہا جائے گا کہ تم اپنے شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنا کام چلاتی رہو بعد میں وہ اسے اداء کر دے گا۔ اس کے برخلاف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دیگر دو برادران (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ) کا

فرمان یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق کردے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہوگیا تو وہ امساک بالمعروف سے رک گیا اور اس پر تسریح بالاحسان لازم ہوگیا، لیکن چوں کہ شوہر اس کی انجام دہی سے بھی باز رہا ہے، اس لیے قاضی اس کے قائم مقام ہو کر تسریح بالاحسان پر عمل کرتے ہوئے ان دونوں میں تفریق کردے گا، جیسے اگر مقطوع الذکر اور نامرد شخص اگر اپنی بیویوں کو الگ نہ کریں اور طلاق دے کر ان کا راستہ صاف نہ کریں تو بیوی سے دفع ضرر کے پیش نظر وہاں بھی قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر ان دونوں میں تفریق کردیتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر ان میں تفریق کرے گا۔ اور یہاں کی تفریق مجبوب اور عنین والی تفریق سے زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ جماع کہ بہ نسبت نفقہ کی حاجت زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے اگر بیوی سے مہینوں جماع نہ کیا جائے تو اس کی صحت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر ایک ہفتہ اسے نفقہ نہ دیا جائے تو وہ بستر مرگ پر جا پڑے گی۔ (بنایہ)

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں تفریق نہ کرنا میاں بیوی دونوں کے حق میں مفید ہے، کیوں کہ تفریق کرنے سے میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے اور ان کا ہر تعلق منقطع ہوجائے گا اور بہت ممکن ہے کہ تفریق کے بعد بیوی کو جلدی کوئی دوسرا ہم سفر نہ مل سکے اور وہ ادھر اُدھر دھکے کھاتی رہے، اس کے برخلاف اگر تفریق نہیں کی جائے گی تو بیوی کے حق نفقہ کو مؤخر کردیا جائے گا بعد میں پورا حساب کر کے اس کا نفقہ دیدیا جائے گا، اس لیے عدم تفریق کی یہ صورت تفریق کی صورت اولیٰ سے بہتر ہے، کیوں کہ صورت اولیٰ میں زیادہ ضرر ہے اور فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ **إذا اجتمع مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما** یعنی جب کسی مسئلے میں دو خرابیاں جمع ہوجائیں تو ان میں سے اخف کو اختیار کیا جاتا ہے۔

وفوت المال الخ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عاجز عن النفقة کو مجبوب اور عنین پر قیاس کیا ہے، یہاں سے اسی قیاس کی تردید کی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عاجز عن النفقة کو مجبوب اور عنین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ عاجز عن النفقہ کا تعلق مال سے ہے اور مال نکاح میں تابع ہوتا ہے جب کہ مجبوب اور عنین کا تعلق جماع سے ہے اور جماع نکاح میں مقصود اصلی ہوتا ہے ،لہٰذا جو چیز تابع ہے اسے مقصود اصلی پر قیاس کرنا اور دونوں پر ایک ہی حکم لگانا کہاں کی عقل مندی ہے، اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قیاس درست نہیں ہے۔

وفائدة الأمر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کی طرف سے عورت کا نفقہ مقرر کیے جانے کے بعد اس کے لیے قرضہ لینے کا حکم صادر کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ جب بیوی قاضی کے حکم سے قرضہ لے گی تو قرض خواہ کے مطالبے پر بیوی اسے اپنے شوہر کے حوالے کرسکتی ہے اور اپنا قرضہ وہ شوہر کی طرف ٹرانسفر کرسکتی ہے، لیکن اگر وہ قاضی کے حکم سے قرضہ نہیں لے گی تو اس صورت میں وہی قرضہ کی جواب دہ ہوگی اور اسے شوہر کی طرف منتقل نہیں کرسکے گی۔

وَ إِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسْبِ الْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ، وَ مَا قَضَي بِهِ تَقْدِيْرُ النَّفَقَةِ لَمْ تَجِبْ، فَإِذَا تَبَدَّلَ حَالُهُ لَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا.

ترجمہ: اور اگر قاضی نے عورت کے لیے نفقہ اعسار کا فیصلہ کردیا پھر شوہر مالدار ہوگیا اور بیوی نے اس سے مخاصمت کی تو قاضی

اس کے لیے مالدار کا نفقہ پورا کرے گا، کیوں کہ یُسر اور عُسر کے حساب سے نفقہ بدلتا رہتا ہے۔ اور قاضی نے جس نفقے کا فیصلہ کیا ہے وہ ابھی واجب نہیں ہوا ہے، پھر جب شوہر کا حال بدل گیا تو عورت کو اپنے پورے حق کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

اللغاث:

﴿اعسار﴾ غربت۔ ﴿خاصمت﴾ جھگڑا کیا۔

شوہر کی مالی حالت بدلنے پر نفقہ پر اثر:

صورت مسئلہ یہ کہ اگر کسی عورت کا شوہر مُعسر تھا اور قاضی نے اس عورت کے لیے نفقہ اعسار کا فیصلہ کر دیا پھر شوہر خوشحال ہوگیا اور عورت نے قاضی کے دربار میں جا کر استغاثہ کیا تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے اور اس عورت کے لیے نفقۂ یُسر متعین کرے، کیوں کہ شوہر کے معسر اور موسر ہونے کے حساب سے نفقہ میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے، لہٰذا جب شوہر کی حالت عُسر سے یُسر میں تبدیلی ہوگئی تو اس کی بیوی کا نفقہ بھی نفقۂ اعسار سے نفقۂ یسار میں بدل جائے گا۔

وماقضي الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ بیوی کا نفقہ مقرر ہوگیا تو پھر اس میں تغیر وتبدل نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ تغیر وتبدل میں قاضی کے قضائے اول کا فسخ اور نقض ہے۔ اور نقض مناسب نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں قضائے قاضی کا نقض اور بطلان نہیں ہے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ یکبارگی واجب نہیں ہوتا بلکہ ہر روز کا نفقہ الگ الگ واجب ہوتا ہے، لہٰذا قاضی نے جو پہلے نفقے کا فیصلہ کیا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا، بلکہ وہ ایسے نفقے کا اندازہ تھا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ اس کے وجوب سے پہلے سبب وجوب کے بدل جانے کا امکان اور احتمال ہے، اور اس احتمال کے ہوتے ہوئے قاضی کا فیصلہ حتمی اور شکل آخری نہیں ہوگا اور جب وہ حتمی نہیں ہوگا تو بعد میں اس میں تبدیلی ممکن ہوگی اور اس تبدیلی کو نقض یا فسخ کا نام نہیں دیا جائے گا۔ (عنایہ وبنایہ ۵/۵۱۰)

وَ إِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَ طَالَبَتْهُ بِذَالِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ أَوْصَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارِ نَفَقَتِهَا فَيُقْضٰى لَهَا بِنَفَقَةِ مَا مَضٰى، لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَ لَيْسَتْ بِعِوَضٍ عِنْدَنَا عَلٰى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يَسْتَحْكِمُ الْوُجُوْبُ فِيْهَا إِلَّا بِقَضَاءٍ كَالْهِبَةِ لَا تُوْجِبُ الْمِلْكَ إِلَّا بِمُؤَكِّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ، وَالصُّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ، لِأَنَّ وِلَايَتَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ أَقْوٰى مِنْ وِلَايَةِ الْقَاضِيْ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ، لِأَنَّهُ عِوَضٌ.

ترجمہ: اور جب ایک مدت گذر گئی اور شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر بیوی نے شوہر سے اس کا مطالبہ کیا تو اسے کچھ نہیں ملے گا الا یہ کہ قاضی نے اس کے لیے نفقہ مقرر کیا ہو یا خود بیوی نے شوہر سے نفقے کی کسی مقدار پر صلح کیا ہو تو اس کے لیے نفقۂ گذشتہ کا فیصلہ کیا جائے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں نفقہ عطیہ ہے، عوض نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے، لہٰذا قضائے قاضی کے بغیر اس میں وجوب مستحکم نہیں ہوگا جیسے ہبہ موکد قبضہ کے بغیر ملک کو واجب نہیں کرتا۔ اور مصالحت کرنا قضا کے درجے میں ہے، کیوں کہ اپنی ذات پر شوہر کی ولایت قاضی کی ولایت سے زیادہ قوی ہے۔ برخلاف مہر کے، اس لیے کہ وہ عوض ہے۔

اللغات:

﴿صالحت﴾ صلح کر چکی ہو، مصالحت ہوگئی ہو۔

کافی عرصہ کے بعد پچھلے نفقے کا مطالبہ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مدت یا بالفاظ دیگر کئی ماہ گذر گئے اور اس دوران شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا، اس کے بعد بیوی نے اس سے نفقہ کا مطالبہ کیا تو اسے کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ ایام گذشتہ کا نفقہ شوہر کے ذمے دین نہیں ہوتا کہ جب چاہا اس کا مطالبہ کرلیا، لہٰذا بعد میں مطالبے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر قاضی نے شوہر پر نفقہ کی کوئی مقدار متعین کی تھی یا خود بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر صلح کرلیا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کو ایام گذشتہ کے حساب سے نفقہ دینا پڑے گا، اس لیے کہ ہمارے یہاں نفقہ عوض نہیں ہے کہ ذمہ میں لازم رہے، بلکہ یہ تو عطیہ اور دان پون ہے، لہٰذا اس کے حتمی ثبوت اور استحکام کے لیے قضائے قاضی کی ضرورت پڑے گی اور بدون قضاء وہ مستحکم نہیں ہوگا، کیوں کہ عطیات میں زور وزبردستی نہیں چلتی۔ لہٰذا جس طرح ہبہ قبضہ کے بغیر مثبت ملک نہیں ہے، اسی طرح نفقہ بدون قضاء واجب نہیں ہوگا۔

والصلح الخ: فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کا آپس میں صلح کرنا قضائے قاضی کی طرح ہے، کیوں کہ شوہر کی ذات پر اس کی اپنی ولایت قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہے، اسی لیے تو شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ قاضی کی مقرر کردہ مقدار نفقہ میں اضافہ کرلے، لہٰذا اسے یہ بھی اختیار ہے کہ قاضی کے بغیر بھی بیوی سے کسی مقدار پر مصالحت کرلے۔

اس کے برخلاف مہر کا معاملہ ہے تو چوں کہ مہر عوض ہوتا ہے، اس لیے وہ قضائے قاضی کے بغیر بھی لازم ہوجائے گا اور مدتوں کے بعد مطالبہ کرنے پر بھی عورت کو وہ حق ملے گا۔

وَ إِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَا قُضِيَ عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَ مَضٰى شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ وَ كَذَا إِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ، وَالصِّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهِبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَيْهِ تَصِيْرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَ لَا تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ، لِأَنَّهُ عِوَضٌ عِنْدَهُ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُوْنِ، وَ جَوَابُهُ قَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمه: اور اگر قضائے نفقہ کے بعد شوہر مر گیا اور کئی ماہ گذر گئے تو نفقہ ساقط ہوجائے گا اور ایسے ہی جب بیوی کا انتقال ہوا تو بھی، اس لیے کہ نفقہ عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے عطیات ساقط ہوجاتے ہیں جیسے قبضہ سے پہلے کا ہبہ موت سے ساقط ہوجاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی سے پہلے بھی نفقہ (شوہر کے ذمے) دین ہوجاتا ہے اور موت سے ساقط نہیں ہوتا، اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نفقہ عوض ہے، لہٰذا یہ دیگر دیون کی طرح ہوگیا۔ اور اس کا جواب ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿قضی﴾ فیصلہ کیا گیا۔ ﴿مضی﴾ گزر گئے۔ ﴿شھور﴾ واحد شھر؛ مہینے۔ ﴿صلة﴾ بغیر عوض ادائیگی۔ ﴿دیون﴾ واحد دین؛ قرضے۔

نفقہ واجبہ کی ادائیگی سے پہلے خاوند کی موت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی عورت کے لیے نفقہ کا فیصلہ کیا اور پھر شوہر مرگیا اور کئی ماہ بلا نفقہ گذر گئے تو ہمارے یہاں اس عورت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، ایسے ہی اگر شوہر کے بجائے بیوی مرجائے تو بھی نفقہ ساقط ہوجائے گا، اس لیے کہ ہمارے یہاں نفقہ عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے تمام عطیات ساقط ہوجاتے ہیں اور ان کا قرضہ وغیرہ نہیں واجب ہوتا، جیسے اگر کسی نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے اس کا یا واہب کا انتقال ہوجائے تو دونوں صورتوں میں ہبہ ساقط ہوجاتا ہے۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نفقہ چوں کہ ملک بضعہ کا عوض ہے اور عوض ذمے میں دین ہوتا ہے، اس لیے قضاء قاضی کے بغیر بھی وہ نفقہ شوہر کے ذمے دین ہوجائے گا اور موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر شوہر مرتا ہے تو اس کے ترکے میں سے بیوی کو دیا جائے گا اور اگر بیوی مرتی ہے تو وہ نفقہ اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ نفقہ عطیہ ہے اور عوض نہیں ہے، کیوں کہ جب مہر ملکِ بضعہ کا عوض ہے ہی تو پھر نفقہ کو کس طرح اس کا عوض قرار دیا جاسکتا ہے۔

وَ إِنْ أَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ أَيْ عَجَّلَهَا ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا بِشَيْءٍ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضٰى وَ مَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْكِسْوَةُ، لِأَنَّهَا اسْتَعْجَلَتْ عِوَضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّهُ عَلَيْهِ بِالْإِحْتِبَاسِ وَ قَدْ بَطَلَ الْإِسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَبَطَلَ الْعِوَضُ بِقَدْرِهِ كَرِزْقِ الْقَاضِيْ وَ عَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ، وَ لَهُمَا أَنَّهُ صِلَةٌ وَ قَدِ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَ لَا رُجُوْعَ فِي الصِّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِهَا كَمَا فِي الْهِبَةِ، وَ لِهٰذَا لَوْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ اسْتِهْلَاكٍ لَا يُسْتَرَدُّ شَيْءٌ مِنْهَا بِالْإِجْمَاعِ، وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهَا إِذَا قَبَضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ أَوْ مَا دُوْنَهُ لَا يُسْتَرْجَعُ مِنْهَا بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ يَسِيْرٌ فَصَارَ فِيْ حُكْمِ الْحَالِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیدیا پھر شوہر مرگیا تو بیوی سے کچھ نہیں واپس لیا جائے گا۔ اور یہ حکم حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مدت گذری ہے اس مدت کے نفقہ کا حساب کر کے بیوی کو دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ شوہر کا ہوگا۔ اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ اور اسی اختلاف پر کپڑا دینا بھی ہے، اس لیے کہ بیوی نے اس چیز کو بطور عوض پیشگی لیا ہے جس کی مستحق وہ احتباس علی الزوج کے ذریعہ ہوتی اور شوہر کے مرنے سے وہ استحقاق باطل ہوگیا، لہٰذا اس کی مقدار میں عوض بھی باطل ہوجائے گا جیسے قاضی کا روزینہ اور مجاہدین کا عطیہ۔

حضرات شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عطیہ ہے اور اس سے قبضہ بھی متصل ہوگیا ہے اور عطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا، اس لیے کہ (موت سے) ان کا حکم پورا ہوجاتا ہے جیسے ہبہ میں ہے۔ اسی لیے اگر ہلاک کیے بغیر از خود نفقہ ہلاک

ہوگیا تو بالاتفاق اس میں سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جاسکتا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب بیوی نے ایک ماہ یا اس سے کم کے نفقہ پر قبضہ کرلیا تو اس سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جائے گا، اس لیے کہ وہ معمولی چیز ہے لہٰذا وہ فی الحال کے حکم میں ہوگا۔

اللغات:

﴿أسلف﴾ پیشگی ادا کردیا۔ ﴿عجّل﴾ جلدی دے دیا۔ ﴿لم یسترجع﴾ نہیں رجوع کیا جائے گا۔ ﴿مقاتلة﴾ فوج۔ ﴿لا یسترد﴾ واپس نہیں لیا جاتا۔

پیشگی نفقہ دینے والے کی موت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدیا اور پھر ایک سال گذرنے سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہوگیا یا خود بیوی مرگئی تو حضرات شیخینؒ کا مذہب یہ ہے کہ بیوی سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جائے گا، جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وفات سے قبل جتنا زمانہ گذرا ہے۔ اس کا حساب کرکے بیوی کو اتنے دنوں کا نفقہ دیدیا جائے اور جو باقی بچے وہ شوہر یا اس کے ورثاء کے حوالے کردیا جائے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں اور کپڑا دینا بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات شیخینؒ کے اسی اختلاف پر ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ اس احتباس کا حق ہے جو شوہر کے روکنے پر بیوی کو ملتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں بیوی نے اس نفقے کو بطور عوض پیشگی لے لیا ہے اور چوں کہ شوہر کی موت سے عورت کا یہ استحقاق باطل ہوگیا ہے، اس لیے جتنے دن استحقاق باقی تھا بیوی صرف اتنے ہی دن نفقہ کی مستحق ہوگی اور باقی شوہر یا اس کے ورثاء کو واپس کردیا جائے گا۔ جیسے اگر کسی قاضی نے بیت المال سے کئی ماہ کی تنخواہ پیشگی لے لی یا مجاہدوں نے پیشگی ایک مدت کا روزینہ لے لیا اور پھر اس مدت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا تو مابعد الانتقال کی مدت کا روزینہ انہیں واپس کرنا ہوگا کیوں کہ اس مدت میں ان کا استحقاق باطل ہوچکا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی بطلانِ استحقاق کی وجہ سے مابعد الموت کا نفقہ واجب الرد ہوگا۔

ولهما الخ: اس سلسلے میں حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے یہاں نفقہ صلہ اور عطیہ ہے اور عطیات قبضہ کرنے سے مکمل ہوجاتے ہیں اور عورت سے ان کا حکم منتہی ہوجاتا ہے اور ان میں کسی بھی طرح کی ترمیم نہیں ہوسکتی، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ قبضہ بھی موجود ہے اور موت بھی متحقق ہے، اس لیے شوہر کی جانب سے دیا گیا نفقہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مکمل اور منتہی ہوگیا اور اب اس میں نہ تو واپسی ہوسکتی ہے اور نہ ہی حساب کتاب ممکن ہے جیسے کہ ہبہ قبضہ اور موت سے مکمل ہوجاتا ہے اور پھر اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عورت کے دخل اور خلل کے بغیر نفقہ ہلاک ہوجائے تو بھی اس سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا۔

وعن محمد الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ سے محمد بن رستم کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر بیوی نے شوہر سے ایک ماہ یا اس سے کم مدت کا نفقہ لیا اور پھر ایک ماہ مکمل ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اب بیوی سے کچھ نہیں واپس لیا جائے گا، کیوں کہ یہ معمولی نفقہ ہے جو فی الحال والے نفقے کے مشابہ ہے اور جو نفقہ آج کل دیا گیا ہو اور پھر شوہر مرجائے تو بیوی سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا اسی طرح ایک ماہ والے نفقے میں بھی اس سے کچھ نہیں واپس لیا جاسکتا۔

وَ إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا وَ مَعْنَاهُ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ الْمَوْلٰى، لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِي ذِمَّتِهٖ لِوُجُوْدِ سَبَبِهٖ، وَ قَدْ ظَهَرَ وُجُوْبُهٗ فِي حَقِّ الْمَوْلٰى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهٖ كَدَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَ لَهٗ أَنْ يَفْتَدِيَ، لِأَنَّ حَقَّهَا فِي النَّفَقَةِ لَا فِي عَيْنِ الرَّقَبَةِ، وَ لَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَ كَذَا إِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيْحِ، لِأَنَّهٗ صِلَةٌ.

ترجمه: اور اگر غلام نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام کے ذمے قرض ہوگا اور اس میں غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا، کیوں کہ نفقہ ایک قرض ہے جو اپنے سبب (نکاح) کے پائے جانے سے غلام کے ذمہ واجب ہوا ہے۔ اور اس دین کا وجوب مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہو چکا ہے، لہٰذا وہ دین غلام کی گردن سے متعلق ہوگا جیسے عبد تاجر میں دینِ تجارت ہے۔ اور مولیٰ کو فدیہ دینے کا اختیار ہے، کیوں کہ عورت کا حق نفقہ میں ہے نہ کہ عینِ رقبہ میں۔ اور اگر غلام مر گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی صحیح قول کے مطابق اگر غلام قتل کر دیا جائے تو بھی (نفقہ ساقط ہو جائے گا) اس لیے کہ نفقہ عطیہ ہے۔

اللغات:

﴿یباع﴾ بیچا جائے گا۔ ﴿یفتدی﴾ فدیہ دے دے۔ ﴿صلة﴾ عطیہ، بغیر عوض ادائیگی۔

غلام خاوند کے ذمے آنے والا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غلام نے اپنے مولیٰ سے اجازت لے کر آزاد عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح درست اور جائز ہے البتہ عورت کا جو نفقہ ہوگا وہ غلام کے ذمے قرض رہے گا اور اس کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ نفقہ غلام کے ذمے واجب ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس کا سبب یعنی نکاح کرنا پایا گیا ہے اور چوں کہ مولیٰ نے غلام کو نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، اس لیے اس کے حق میں بھی نفقہ کا وجوب متعلق ہوگا اور غلام کی گردن میں جا پھنسے گا اور اس دین کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ جیسے اگر مولیٰ کسی غلام کو تجارت کی اجازت دے اور وہ غلام تجارت میں قرضہ لا دلے تو اسے بھی اس قرضے کی ادائیگی میں فروخت کیا جائیگا، اسی طرح صورت مسئلہ میں چوں کہ نکاح مولیٰ کی اجازت سے ہوا ہے، اس لیے دین نفقہ میں اسے فروخت کیا جائے گا، البتہ مولیٰ کو غلام کا فدیہ دینے کا اختیار ہے اور فدیہ دینے کے بعد غلام کی فروختگی کا معاملہ ختم ہو جائے گا، کیوں کہ بیوی کو نفقہ سے مطلب ہے نہ کہ غلام کے رقبہ سے، لہٰذا جب اسے نفقہ مل جائے تو پھر وہ غلام کا راستہ صاف کر دے۔

ولو مات الخ: فرماتے ہیں کہ اگر نکاح کے بعد غلام کا انتقال ہو جائے یا اسے قتل کر دیا جائے تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں نفقہ صلہ اور عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے عطیات ساقط ہو جاتے ہیں۔

وَ إِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ أَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ لِأَنَّهٗ تَحَقَّقَ الْإِحْتِبَاسُ، وَ إِنْ لَمْ يُبَوِّءْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِعَدَمِ الْإِحْتِبَاسِ، وَالتَّبْوِيَةُ أَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ فِي مَنْزِلِهٖ وَ لَا يَسْتَخْدِمُهَا، وَ لَوِ اسْتَخْدَمَهَا بَعْدَ التَّبْوِيَةِ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهٗ فَاتَ الْإِحْتِبَاسُ، وَالتَّبْوِيَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلٰى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَ لَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ أَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ أَنْ

يَسْتَخْدِمَهَا لَا يَسْقُطُ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَسْتَخْدِمْهَا لِيَكُوْنَ اسْتِرْدَادًا، وَالْمُدَبَّرَةُ وَ أُمُّ الْوَلَدِ فِيْ هٰذَا كَالْأَمَةِ.

ترجمہ: اور اگر آزاد مرد نے کسی باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی باندی کو اس کے شوہر کے ساتھ رات گذارنے کے لیے گھر دیدیا تو اس پر نفقہ واجب ہے، اس لیے کہ احتباس پایا گیا۔ اور اگر مولیٰ نے رات گذارنے کا انتظام نہیں کیا تو بیوی کو نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ احتباس معدوم ہے۔ اور رات گذارنے کے انتظام سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اپنے گھر میں باندی اور اس کے شوہر کو الگ اور تنہا چھوڑ دے اور باندی سے خدمت نہ لے۔ اور اگر تبویب کے بعد مولیٰ نے باندی سے خدمت لے لی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ احتباس فوت ہو گیا۔ اور (مولیٰ پر) رات گذروانا لازم نہیں ہے جیسا کہ کتاب النکاح میں گذر چکا ہے۔

اور اگر مولیٰ کے خدمت لیے بغیر از خود باندی نے اس کی خدمت کی تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ مولیٰ نے اس سے خدمت نہیں لی ہے تاکہ یہ واپس لینا ہو جائے۔ اور اس سلسلے میں مدبرہ اور ام ولد باندی کی طرح ہیں۔

اللغات:

﴿بوّأ﴾ ٹھکانہ دے دیا۔ ﴿احتباس﴾ قید کرنا، روکنا۔ ﴿تبوية﴾ ٹھکانہ دینا۔ ﴿یخلّی﴾ تنہا چھوڑ دے۔

باندی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آزاد شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور باندی کے مولیٰ نے میاں بیوی دونوں کے لیے علیحدہ ایک کمرے میں رات گذارنے کا انتظام کر دیا تو شوہر پر نفقہ واجب ہوگا، کیوں کہ ایک ساتھ رہنے اور رات گذارنے کی وجہ سے باندی کی طرف سے احتباس متحقق ہو گیا اور نفقہ چوں کہ احتباس ہی کی جزاء ہے، اس لیے تحقق احتباس سے نفقہ واجب ہوگا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تبویت اور رات گذروانے کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اپنی باندی اور اس کے شوہر کو علیحدہ ایک کمرہ میں چھوڑ دے اور باندی سے خدمت نہ لے، کیوں کہ اگر از خود مولیٰ باندی سے خدمت لے گا تو احتباس فوت ہو جائے گا اور نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ احتباس ہی نفقہ کی شرط ہے، لہٰذا إذا فات الشرط فات المشروط والے ضابطے کے تحت فوات احتباس سے نفقہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اور فوات احتباس ممکن بھی ہے، کیوں کہ باندی کی شادی کرنے سے مولیٰ پر تبویت اور رات گذارنے کا انتظام کرنا لازم نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب النکاح میں تفصیل کے ساتھ یہ بات آچکی ہے۔

ولو خدمته الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نکاح اور بتویت کے بعد مولیٰ نے از خود باندی سے خدمت کا مطالبہ نہیں کیا، لیکن وہ باندی کبھی کبھار اس کی ٹانگ وغیرہ دباتی رہی تو اس صورت میں نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور شوہر پر نفقہ کی ادائیگی لازم ہوگی، اس لیے کہ جب خود مولیٰ نے خدمت نہیں لی تو یہ نہ تو استرداد یعنی تبویت سے باندی کو واپس لینا ہوا اور نہ ہی اس سے احتباس فوت ہوا، لہٰذا تبویت بھی برقرار رہی اور احتباس بھی موجود رہا، اس لیے نفقہ بھی باقی رہے گا۔

والمدبرة الخ: فرماتے ہیں کہ نکاح، تبویت اور احتباس کا جو حکم باندی کا ہے وہی مدبرہ اور ام ولد کا بھی ہے۔ لہٰذا جن صورتوں میں باندی مستحق نفقہ ہوگی اُن میں انہیں نفقہ بھی ملے گا اور جہاں باندی محروم ہوگی وہاں یہ دونوں بھی منہ دیکھیں گی۔

فقط واللہ اعلم و علمہ اتم

فَصلٌ اَيْ هٰذَا فَصلٌ فِيْ بَيَانِ السُّكْنٰى

یہ فصل احکام سکنٰی کے بیان میں ہے

چوں کہ نفقہ اور سکنٰی عورت کی زندگی کے لیے لازم اور ضروری ہیں، اس لیے یکے بعد دیگرے دونوں کو بیان کیا گیا ہے، مگر نفقہ کی ضرورت سکنٰی کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے اسے سکنٰی سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

وَ عَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهٖ إِلاَّ أَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ، لِأَنَّ السُّكْنٰى مِنْ كِفَايَتِهَا فَيَجِبُ كَالنَّفَقَةِ وَ قَدْ أَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَقْرُوْنًا بِالنَّفَقَةِ. وَ إِذَا وَجَبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهٗ أَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيْهِ، لِأَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهٖ فَإِنَّهَا لَا تَأْمَنُ عَلٰى مَتَاعِهَا، وَ يَمْنَعُهَا عَنِ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَ مِنَ الْاِسْتِمْتَاعِ، إِلاَّ أَنْ تَخْتَارَ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِانْتِقَاصِ حَقِّهَا، وَ إِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهٗ أَنْ يُسْكِنَهٗ مَعَهَا لِمَا بَيَّنَّا، وَ لَوْ أَسْكَنَهَا فِيْ بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَ لَهٗ غَلْقٌ كَفَاهَا، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ قَدْ حَصَلَ.

ترجمہ: شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو علیحدہ ایک ایسے گھر میں رکھے جس میں اس کے اہل خانہ کا کوئی اور فرد نہ ہو الا یہ کہ بیوی اسے خود ہی پسند کرے، کیوں کہ رہائش عورت کی کفایت میں سے ہے، لہٰذا نفقہ کی طرح وہ بھی واجب ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ ملا کر اسے واجب کیا ہے۔ اور جب سکنٰی عورت کے لیے حق ٹھہرا تو شوہر کے لیے بیوی کے علاوہ کو اس میں شریک کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے بیوی کو ضرر ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے سامان پر مطمئن نہیں ہوسکتی۔ اور اشتراک بیوی کو اس کے شوہر کے ساتھ مل کر رہنے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکے گا۔ الا یہ کہ بیوی اسے پسند کرتی ہو، کیوں کہ وہ اپنے حق کی کمی پر راضی ہوگئی ہے۔

اور اگر اس کے علاوہ دوسری بیوی سے شوہر کا کوئی لڑکا ہو تو شوہر کو اسے بیوی کے ساتھ رکھنے کا حق نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اگر شوہر نے گھر کے کسی علیحدہ کمرے میں عورت کو ٹھہرایا اور اس کمرے کا بند دروازہ بھی ہو تو یہ اس کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

اللغات:

﴿مفردہ﴾ اکیلا، علیحدہ۔ ﴿یُسکن﴾ ٹھکانہ دے، رہائش دے۔ ﴿تتضرر﴾ نقصان اٹھاتی ہے۔ ﴿لا تأمن﴾ بے خوف

نہیں ہوتی ،مطمئن نہیں ہوتی ۔ ﴿انتقاص﴾ کمی کرنا۔ ﴿غلق﴾ بندش، تالہ۔

عورت کا حق سکنی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد کسی عورت کو بیاہ کرلائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کو علیحدہ ایک گھر میں رکھے جہاں اس کے اہل خانہ میں سے کوئی دوسرا فرد نہ ہو اور صرف میاں اور بیوی ہی کا راج ہو، اس لیے کہ رہائش بیوی کی ضرورت میں داخل ہے، لہٰذا نفقہ کی طرح رہائش کا نظم کرنا بھی شوہر پر واجب ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں أسکنوهن من حيث سكنتم وأنفقوا عليهن من وجدكم (یعنی تم لوگ اپنی وسعت کے مطابق اپنی بیویوں کو رہنے کا مکان دو اور انھیں نفقہ بھی دو) کے فرمان سے رہائش کو نفقہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور چوں کہ نفقہ واجب ہے اس لیے رہائش بھی واجب ہوگی۔ اور جب رہائش واجب ہوگی تو اس میں دوسرے کی شرکت مانع ہوگی، کیوں کہ شرکت غیر سے عورت کو نفسیاتی ضرر بھی ہوگا اور نہ تو اسے اپنے سامان پر اطمینان حاصل ہوگا اور نہ ہی ان لوگوں کے لیے آپس میں ازدواجی زندگی قائم کرنا اور ملنا جلنا ممکن ہو سکے گا، البتہ اگر عورت از خود شوہر کے اہل خانہ اور اس کی فیملی کے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو پھر اس کے لیے علیحدہ رہائش کا نظم کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جب وہ خود اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے تو کیا کرے اس میں قاضی۔

و إن كان له الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس بیوی کے علاوہ کسی دوسری بیوی سے شوہر کا کوئی لڑکا ہو تو اسے بھی مذکورہ بیوی کے ساتھ رکھنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے بھی بیوی کو ضرر لاحق ہوگا جو درست نہیں ہے۔ اور اگر بڑے گھر کے کسی ایک کمرے میں شوہر نے بیوی کی رہائش کا انتظام کیا اور اس کمرے کا بند دروازہ بھی ہو تو یہ بیوی کی رہائش کے لیے کافی ہے، کیوں کہ اس صورت میں میاں بیوی کا مقصود یعنی جماع اور استمتاع حاصل ہے۔

وَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَ وَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهِ وَ أَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا، لِأَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهُ فَلَهُ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُوْلِ مِلْكِهِ، وَ لَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظْرِ إِلَيْهَا وَ كَلَامِهَا فِيْ أَيِّ وَقْتٍ اخْتَارُوْا، لِمَا فِيْهِ مِنْ قَطِيْعَةِ الرَّحْمِ، وَ لَيْسَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ ضَرَرٌ، وَ قِيْلَ لَا يَمْنَعُ مِنَ الدُّخُوْلِ وَالْكَلَامِ وَ إِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ، لِأَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاثِ وَ تَطْوِيْلِ الْكَلَامِ، وَ قِيْلَ لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْوَالِدَيْنِ، وَ لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ، وَ فِيْ غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيْرُ بِسَنَةٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ.

ترجمہ: اور شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کے والدین کو، دوسرے شوہر سے اس کے لڑکے کو اور اس کے اہل خانہ کو بیوی کے پاس آنے سے روک دے، اس لیے کہ گھر شوہر کی ملک ہے، لہٰذا اسے اپنی ملک میں داخل ہونے سے روکنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر ان لوگوں کو بیوی کی طرف دیکھنے اور اس سے بات کرنے سے نہ روکے جس وقت بھی وہ چاہیں، کیوں کہ اس میں قطع رحم ہے اور اس میں شوہر کا کوئی ضرر نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ شوہر داخل ہونے اور بات کرنے سے نہ روکے، البتہ انہیں ٹھہرنے سے روک دے، اس لیے کہ فتنہ ٹھہرنے اور لمبی گفتگو کرنے ہی میں ہے۔ اور کہا گیا کہ شوہر ہر جمعہ کو والدین کے پاس جانے سے بیوی کو نہ روکے اور نہ ہی والدین

کو بیوی کے پاس آنے سے روکے۔ اور والدین کے علاوہ دوسرے محارم کے حق میں ایک سال سے اندازہ ہے یہی صحیح ہے۔

اللغات:

﴿قطیعة﴾ کاٹنا، بدسلوکی کرنا۔ ﴿لباث﴾ ٹھہرنا۔ ﴿تقدیر﴾ اندازہ کرنا، مدت مقرر کرنا۔

بیوی کے میکے والوں سے ملاقات کا حق:

مسئلہ یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو علیحدہ گھر دیدیا تو اب اسے اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس گھر میں نہ تو بیوی کے والدین کو آنے دے اور نہ ہی دیگر رشتہ داروں کو، کیوں کہ یہ گھر شوہر کی ملکیت ہے اور اسے اپنی ملکیت میں ہر طرح کا اختیار ہے، لہٰذا منع کا بھی اختیار ہوگا۔ ہاں شوہر بیوی کے والدین وغیرہ کو اس کی طرف دیکھنے اور اس باتیں کرنے سے نہیں روک سکتا خواہ یہ لوگ کسی بھی وقت چاہیں، کیوں کہ اس میں صلہ رحمی سے روکنا ہے اور صلہ رحمی سے روکنا حرام ہے، حدیث پاک میں ہے **لایدخل الجنة قاطع** یعنی قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ شوہر بیوی کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کو اس کے پاس آنے اور ان سے باتیں کرنے سے نہ روکے، ہاں اگر وہ لوگ زیادہ لمبی گفتگو کریں اور ٹھہرے رہیں تو پھر روک دے، اس لیے کہ لمبی گفتگو کرنا اور ٹھہرنا ہی فتنہ وفساد کا سبب ہے، اس لیے جو چیز موجب فساد ہو اس پر بند لگانا ضروری ہے۔

وقیل الخ: کچھ مشائخ کی رائے یہ ہے کہ ہفتے میں ایک دن (جمعہ کو) بیوی اپنے والدین سے مل سکتی ہے اور والدین بیوی سے مل سکتے ہیں اور اس دن شوہر کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور والدین کے علاوہ دیگر رشتے داروں کو سال میں ایک مرتبہ ملنے کی اجازت ہے یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

وَ إِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَ لَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَ بِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَ وَلَدِهِ الصِّغَارِ وَ وَالِدَيْهِ، وَ كَذَا إِذَا عَلِمَ الْقَاضِيْ ذٰلِكَ وَ لَمْ يَعْتَرِفْ بِهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ وَالْوَدِيْعَةِ فَقَدْ أَقَرَّ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهَا، لِأَنَّ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ وَ إِقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُوْلٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهِ لَا سِيَّمَا هٰهُنَا، فَإِنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ فِيْهِ، لِأَنَّ الْمُوْدَعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِيْ إِثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَ لَا الْمَرْأَةُ خَصْمٌ فِيْ إِثْبَاتِ حُقُوْقِ الْغَائِبِ، فَإِذَا ثَبَتَ فِيْ حَقِّهِ تَعَدَّى إِلَى الْغَائِبِ وَ كَذَا إِذَا كَانَ الْمَالُ فِيْ يَدِهِ مُضَارَبَةً وَ كَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ، وَ هٰذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيْرَ أَوْ طَعَامًا أَوْ كِسْوَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا أَمَّا إِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ لَا تُفْرَضُ النَّفَقَةُ فِيْهِ، لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْبَيْعِ وَ لَا يُبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِالْإِتِّفَاقِ، أَمَّا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلِأَنَّهُ لَا يُبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَ كَذَا عَلَى الْغَائِبِ، وَ أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ إِنْ كَانَ يَقْضِيْ عَلَى الْحَاضِرِ، لِأَنَّهُ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ لَا

يَقْضِيْ عَلَى الْغَائِبِ لِأَنَّهُ لَا يُعْرَفُ امْتِنَاعُهُ.

ترجمہ: اگر مرد غائب ہو جائے اور کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں اس کا مال ہو اور وہ آدمی اس کا اقرار کرتا ہو تو قاضی اس مال میں مرد غائب کی بیوی کا، اس کے چھوٹے بچوں کا اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کرے۔ اور ایسے ہی اگر قاضی کو اس کا علم ہو اور مودع نے اس کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ جب مودع نے زوجیت اور ودیعت کا اقرار کیا تو اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ بیوی کو اس مال سے لینے کا حق ہے، کیوں کہ بیوی کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ شوہر کے مال سے اس کی رضا مندی کے بغیر اپنا حق لے لے، اور صاحب قبضہ کا اقرار اپنے نفس کے حق میں مقبول ہے خصوصاً اس جگہ، اس لیے کہ اگر صاحب قبضہ دونوں باتوں میں سے کسی بات کا انکار کر دیتا تو اس سلسلے میں عورت کا بینہ قبول نہ ہوتا، کیوں کہ زوج غائب کے حق میں اثباتِ زوجیت کے متعلق مودع خصم نہیں ہے اور نہ ہی زوج غائب کے حقوق ثابت کرنے میں بیوی مدعی ہو سکتی ہے، لہٰذا جب صاحب قبضہ کے حق میں ثابت ہو گیا تو مرد غائب کی طرف متعدی کر جائے گا۔ اور ایسے ہی جب اس کے ہاتھ میں مال بطور مضاربت ہو۔ اور قرضہ میں بھی یہی حکم ہے۔

یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب مال عورت کے حق کی جنس سے ہو یعنی دراہم ہو یا دنانیر ہو یا طعام ہو یا اس کے لائق کپڑا ہو، لیکن اگر وہ مال خلاف جنس سے ہو تو اس میں نفقہ نہیں مقرر کیا جائے گا، کیوں کہ اسے بیچنے کی ضرورت ہے جب کہ غائب کا مال بالاتفاق نہیں بیچا جا سکتا۔ رہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس لیے کہ جب حاضر کا مال نہیں بیچا جاتا تو غائب کا بھی نہیں بیچا جائے گا۔ اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں اگر چہ قاضی حاضر کا مال بیچنے کا فیصلہ دیتا ہے، اس لیے کہ اس کا انکار معلوم ہو جاتا ہے لیکن وہ غائب کے مال بیچنے کا فیصلہ نہیں کرے گا، اس لیے کہ اس کا انکار نہیں معلوم ہو سکتا۔

اللغات:

﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿لا سیّما﴾ خاص طور پر۔ ﴿خصم﴾ فریق، مخالف۔ ﴿کسوة﴾ کپڑے۔ ﴿لا یباع﴾ نہیں بیچا جائے گا۔

زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو لیکن اس کے گھر میں کسی شخص کے پاس اس کا کچھ مال رکھا ہو اور اس شخص کو اس بات کا اقرار ہو کہ یہ مال فلاں آدمی کا ہے اور یہ بیوی بھی اسی کی ہے تو اس صورت میں قاضی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس مال میں سے مرد غائب کی بیوی کا، اس کے بچوں کا اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کر دے، اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب خود قاضی کو یہ معلوم ہو کہ مرد غائب کا کچھ مال فلاں شخص کے پاس ہے یعنی اس صورت میں بھی قاضی اس کی بیوی اور بچوں کا نفقہ مقرر کر سکتا ہے، خواہ مودع کو اس کا اقرار ہو یا نہ ہو۔

صورت اولیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب مودع اور صاحب قبضہ نے مرد غائب کے مال رکھنے اور ایک عورت کے اس کی بیوی ہونے کا اقرار کیا تو اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ وہ عورت اس مال سے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ لینے کی بھی حق دار ہے، کیوں کہ بیوی کو تو شریعت نے یہاں تک اختیار دیا ہے کہ وہ شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے مال سے اپنا خرچہ لے لے، لہٰذا جب

بیوی اپنا نفقہ لینے میں خودمختار ہے تو قاضی کے قضاء سے بدرجۂ اولیٰ وہ نفقہ لینے کی حق دار ہوگی۔

و إقرار صاحب الید الخ: یہاں سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ زوج غائب کے مال کے سلسلے میں مودَع کا اقرار صحیح نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ یہ اقرار علی الغائب ہے اور اقرار علی الغائب درست نہیں ہے، اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مودع کا اقرار مقبول ہے، اس لیے کہ وہ ودیعت اور زوجیت دونوں کا اقرار کر چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مودع ودیعت یا زوجیت میں سے کسی ایک کا انکار کر دیتا تو بیوی اپنے بینہ سے اسے ثابت نہ کر سکتی، اس لیے کہ اگر مودع زوجیت کا انکار کرتا تو عورت بینہ سے اس لیے اسے نہ ثابت کر سکتی کہ مودع مرد غائب پر زوجیت ثابت کرنے کے لیے مدعیٰ علیہ اور خصم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس سلسلے میں عورت کا بینہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر مودع نے ودیعت کا انکار کیا تو اس کے اثبات کی خاطر بھی عورت کا بینہ مقبول نہیں ہوگا، اس لیے کہ بیوی مرد غائب کے حقوق ثابت کرنے کی مدعی نہیں ہو سکتی، معلوم ہوا کہ مودع کا اقرار اس کے حق میں درست ہے اور اس کے واسطے سے غائب شوہر کے حق میں بھی متعدی ہوگا، اس لیے کہ مودَع کا اقرار غائب کی ملکیت ہے لہٰذا وہ دونوں کے حق میں مقبول ہوگا۔

و کذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مودَع کے پاس غائب کا مال بطور ودیعت نہ ہو بلکہ مضاربت کے طور پر ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اس میں سے نفقہ مقرر کیا جائے گا اور ایسے ہی اگر اس شخص کے پاس غائب کا کچھ قرضہ ہو اور اسے قرض اور زوجیت دونوں کا اقرار ہو تو بھی اس میں سے نفقہ مقرر کیا جائے گا۔

و هذا کله الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نفقہ وغیرہ مقرر کرنے کی مذکورہ بالا تفصیلات اس صورت میں ہیں جب مال ودیعت یا مالِ مضاربت یا قرضہ کا مال عورت کے حق کی جنس کا ہو یعنی وہ روپے پیسے ہوں یا غلہ ہو اور اس کے پہننے لائق کپڑا ہو، لیکن اگر وہ عورت کے حق کی جنس سے نہ ہو تو اس صورت میں اس مال سے نفقہ نہیں مقرر کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ مال حق زوجہ کی جنس سے نہیں ہے تو اسے فروخت کیے بغیر نفقہ کا تقرر ممکن نہیں ہے جب کہ حکم یہ ہے کہ مرد غائب کا مال بالاتفاق بیچا نہیں جاسکتا نہ تو امام صاحبؒ کے یہاں اور نہ ہی حضرات صاحبینؒ کے یہاں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس کے لیے نہیں بیچا جاسکتا کہ جب حاضر اور موجود شخص کا مال بیچنا قاضی کے لیے درست نہیں ہے تو غائب اور غیر موجود کا مال بیچنا کس طرح درست ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں غلام کے جواز بیع کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے لیے حاضر شخص کا مال بیچنا اس لیے جائز ہے کہ اسے اس شخص کے متعلق ادائے حق سے انکار معلوم ہے جب کہ غائب کے حق میں ادائے حق سے انکار چوں کہ قاضی کے علم میں نہیں ہے، اس لیے اسے غائب شخص کا مال بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ **والله اعلم وعلمه اتم۔**

قَالَ وَ يَأْخُذُ مِنْهَا كَفِيلًا نَظْرًا لِلْغَائِبِ، لِأَنَّهَا رُبَّمَا اسْتَوْفَتِ النَّفَقَةَ أَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَرَّقَ بَيْنَ هٰذَا وَ بَيْنَ الْمِيْرَاثِ إِذَا قَسَّمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُوْرٍ بِالْبَيِّنَةِ وَ لَمْ يَقُوْلُوْا لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا اٰخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْكَفِيْلُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُوْلَ لَهُ مَجْهُوْلٌ وَ هٰهُنَا مَعْلُوْمٌ وَهُوَ الزَّوْجُ وَ يُحَلِّفُهَا بِاللّٰهِ مَا أَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظْرًا لِلْغَائِبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ دونوں کے حق میں قاضی اس عورت سے ایک کفیل لے گا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے پیشگی اپنا نفقہ لے لیا ہو، یا شوہر نے اسے طلاق دی ہو اور اس کی عدت پوری ہوگئی ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اور میراث کے درمیان فرق کیا ہے بشرطیکہ بینہ کے ذریعہ وہ مال موجود ورثاء کے مابین تقسیم ہوا ہو اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم دوسرا کوئی وارث نہیں جانتے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ وہاں مکفول لہ مجہول ہے۔ اور یہاں معلوم ہے اور وہ شوہر ہے۔ اور قاضی اس عورت سے قسم لے گا کہ بخدا شوہر نے اسے نفقہ نہیں دیا ہے، تاکہ مرد غائب پر شفقت متحقق ہوسکے۔

اللغات:

﴿کفیل﴾ ضامن۔ ﴿استوفت﴾ وصول کرچکی تھی۔ ﴿یحلّف﴾ قسم دے۔

زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل کی صورت میں جب قاضی عورت کو مرد غائب کے مال سے نفقہ دلوائے تو اس غائب پر نظر شفقت کے پیش نظر اس سے ایک کفیل اور ذمہ دار ضامن لے لے اور کفیل اس بات کا عہد کرے کہ اگر کسی وجہ سے عورت نے بدون استحقاق نفقہ لیا تو میں اس کی واپسی کا ذمہ دار ہوں گا، کفیل لینے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہوسکتا ہے اس عورت نے غائب سے پیشگی اپنا نفقہ لے لیا ہو یا اس نے اسے طلاق دی ہو اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی ہو جس سے وہ مستحق نفقہ نہ رہ گئی ہو، اس لیے شوہر کے مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے قاضی عورت سے ایک ضامن ضرور بنوالے۔

فرّق الخ: اس کے فاعل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے نفقہ اور میراث میں فرق کیا ہے چنانچہ نفقہ کی صورت میں تو وہ عورت سے کفیل لینے کے حق میں ہیں، لیکن میراث کے حق میں کفیل لینے کے حق میں نہیں ہیں چنانچہ اگر کسی میت کے ورثاء نے اپنے وارث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس پر بینہ پیش کردیا اور یہ نہیں کہا ہم ان کے علاوہ دوسرا وارث نہیں جانتے تو قاضی ان میں میراث تقسیم کردے گا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ ان لوگوں سے کفیل نہیں لے گا، کیوں کہ میراث کی صورت میں چوں کہ مکفول لہ یعنی وارث آخر مجہول ہے اور نفقہ کی صورت میں مکفول لہ معلوم ہے اور وہ شوہر ہے، لہٰذا جہاں مکفول لہ معلوم ہے وہاں کفیل بھی لیا جائے گا اور قاضی بیوی سے قسم بھی لے گا کہ بخدا شوہر نے مجھے نفقہ نہیں دیا ہے، اور جہاں مکفول لہ مجہول ہے وہاں کفیل نہیں لیا جائے گا۔

قَالَ وَ لَا یَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ غَائِبٍ إِلَّا لِهٰؤُلَاءِ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِيْ وَ لِهٰذَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَأْخُذُوا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِيْ إِعَانَةً لَهُمْ، أَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَنَفَقَتُهُمْ إِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوْزُ، وَ لَوْ لَمْ يَعْلَمِ الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ وَ لَمْ يَكُنْ مُقِرًّا بِهٖ فَأَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ أَوْ لَمْ يَخْلُفْ مَالًا فَأَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ لِيَفْرِضَ الْقَاضِيْ نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَ يَأْمُرُهَا بِالْإِسْتِدَانَةِ لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ، لِأَنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقْضِيْ فِيْهِ

لِأَنَّ فِيْهِ نَظْرًا لَهَا، وَ لَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَى الْغَائِبِ فَإِنَّهُ لَوْ حَضَرَ وَ صَدَّقَهَا فَقَدْ أَخَذَتْ حَقَّهَا، وَ إِنْ جَحَدَ يُحَلَّفُ فَإِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَّقَ وَ إِنْ أَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَا، وَ إِنْ عَجِزَتْ يَضْمَنَ الْكَفِيْلُ أَوِ الْمَرْأَةُ، وَ عَمَلُ الْقُضَاةِ الْيَوْمَ عَلٰى هٰذَا أَنَّهُ يَقْضِيْ بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ، وَ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَقَاوِيْلُ مَرْجُوْعٌ عَنْهَا فَلَا نَذْكُرُهَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے علاوہ کسی اور کے لیے قاضی مالِ غائب میں نفقہ کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ قضائے قاضی سے پہلے ہی واجب تھا، اسی لیے قضاء سے پہلے بھی انہیں نفقہ لینے کا اختیار ہے، لہٰذا قاضی کا فیصلہ ان لوگوں کے لیے اعانت ہوگا۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے محارم تو ان کا نفقہ ہی قضائے قاضی سے واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔ اور اگر قاضی کو اس عورت کا بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور مودَع بھی اس کا اقرار نہ کرتا ہو اور بیوی نے زوجیت پر بینہ قائم کر دیا اور یا شوہر نے مال نہ چھوڑا ہو، لیکن عورت نے اس لیے بینہ قام کر دیا تا کہ غائب پر قاضی اس کا نفقہ مقرر کر دے اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دیدے، تو (اقامت بینہ کے بعد بھی) قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس میں قضاء علی الغائب ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی فیصلہ دیدے، اس لیے کہ اس میں عورت کے لیے شفقت ہے اور غائب پر کوئی ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ حاضر ہوا اور اس نے عورت کی تصدیق کر دی تو عورت نے اپنا حق لیا ہے۔ اور اگر اس نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا تو بھی عورت کے قول کی تصدیق ہو جائے گی اور اگر اس نے بینہ پیش کر دیا تو بھی اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر وہ بینہ پیش نہ کر سکی تو اس عورت یا کفیل کو اس مال کا ضمان دینا ہوگا۔ اور آج کل اسی قول پر قاضیوں کا عمل ہے کہ قاضی لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر مرد غائب پر نفقہ کا فیصلہ دے دیتا ہے اور یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے اور اس میں مرجوع عنہا اقوال بھی ہیں اس لیے ہم نے انہیں بیان نہیں کیا۔

اللغاث:

﴿إعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿لم یخلف﴾ نہیں چھوڑا۔ ﴿استدانة﴾ قرض لینا۔ ﴿صدق﴾ تصدیق کرنا۔ ﴿جحد﴾ انکار کرنا۔ ﴿أقاویل﴾ واحد قول؛ اقوال۔

زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی زوج غائب کے مال میں صرف والدین، بیوی اور چھوٹے بچوں کے نفقہ کا حکم دے سکتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے رشتے دار مثلاً چچا اور بھائی بھتیجے وغیرہ کے نفقے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے کہ بیوی وغیرہ کا نفقہ تو قضائے قاضی سے پہلے بھی ثابت ہے اور قضاء کے بغیر بھی ان لوگوں کو اپنا نفقہ اور خرچہ لینے کا اختیار ہے، لہٰذا ان لوگوں کے نفقے کے سلسلے میں قاضی

کا فیصلہ صرف اعانت اور مدد کا رول اداء کرئے گا اور نفقہ کے اور وجوب یا لزوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ رہا مسئلہ بیوی اور والدین وغیرہ کے علاوہ دیگر محارم کے نفقے کا تو چوں کہ ان لوگوں کے نفقے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور شوافع وغیرہ اس کے عدم ثبوت کے قائل ہیں، اس لیے ان کے نفقہ کا وجوب قضائے قاضی پر موقوف ہوگا مگر چوں کہ یہاں وہ شخص غائب ہے اور قضاء علی الغائب درست نہیں ہے، اس لیے غائب کے مال میں بیوی اور والدین واولاد صغار کے علاوہ دیگر لوگوں کے نفقہ کو مقرر اور متعین کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

ولو لم یعلم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ مرد غائب کی بیوی کون ہے اور مودع بھی کسی عورت کے متعلق اس کی بیوی ہونے کا اقرار نہ کرتا ہو، لیکن کوئی عورت زوجیت پر بینہ قائم کردے، یا شوہر غائب نے مال ہی نہ چھوڑا ہو لیکن پھر بھی عورت نے اس نیت سے اپنے کو بیوی ثابت کرنے کے لیے بینہ قائم کردیا تاکہ قاضی مرد غائب پر اس کا نفقہ مقرر کرکے اسے زوج غائب کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدے تو ان دونوں صورتوں میں بھی قاضی کے لیے عورت کے بینہ پر فیصلہ دینا اور زوج غائب پر نفقہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ بھی قضاء علی الغائب ہے جو ہمارے یہاں جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہیے وہ عورت کے بینہ میں غور کرکے اس سے ایک ضامن لے لے اور پھر شوہر غائب پر نفقہ مقرر کردے اور بیوی کو اس کے نام پر قرضہ لینے کی اجازت دیدے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں عورت کے حق میں شفقت ہے اور پھر اس سے شوہر کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ مرد غائب حاضر ہوگا تو ایک مرتبہ پھر عدالت لگے گی۔ اور اگر وہ بیوی کے قول کی تصدیق کردیتا ہے اور اسے اپنی بیوی مان لیتا ہے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ عورت اپنے دعوے میں حق بجانب تھی اور اس نے اپنا حق لے لیا ہے، اور اگر شوہر (مرد غائب) اس عورت کی تکذیب کرتا ہے تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کردیتا ہے یا عورت بینہ پیش کردیتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں بھی عورت کا حق اور اس کا سچ ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر شوہر نے قسم کھالیا اور اس عورت کے دعوے کی تکذیب کردی تو اس صورت میں اس کے مال میں سے جتنا مال عورت کو دیا گیا ہے وہ اس سے یا اس کے ضامن سے واپس لیا جائے گا۔

وعمل القضاۃ الخ: فرماتے ہیں کہ آج کل امام زفرؒ ہی کے قول پر قاضیوں کا عمل ہے اور اس کے پیش نظر قاضی غائب شخص کے مال میں نفقہ کا حکم دیتے ہیں، کیوں کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور پھر یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے جس میں بہت سے رجوع کردہ اقوال بھی ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے ہم انہیں ترک کررہے ہیں۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

فَصْلٌ

یہ فصل بھی نفقہ اور سکنی کے بیان میں ہے، لیکن اس میں اور اس سے پہلے والی فصل میں فرق یہ ہے کہ پہلی فصل میں بقائے نکاح کی حالت میں نفقہ اور سکنیٰ کا بیان تھا اور اس فصل میں اس نفقہ اور سکنیٰ کا بیان ہے جو نکاح ختم ہونے پر بیوی کو ملتا ہے

فَصْلٌ وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًا كَانَ أَوْ بَائِنًا، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رحمہ اللہ علیہ لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْتُوْتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلاً، أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلِأَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا سِيَّمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْيُ، وَ أَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رُوِيَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلٰثًا [1] فَلَمْ يَفْرِضْ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((سُكْنٰى وَ لَا نَفَقَةَ))، وَ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ وَهِيَ مُرَتَّبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَ لِهٰذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لِانْعِدَامِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَ اِنْ كُنَّ أُوْلَاتِ حَمْلٍ فَانْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ الْآيَةُ (سورة الطلاق : ٦)، وَ لَنَا أَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ احْتِبَاسٍ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَالْاِحْتِبَاسُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُوْدٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذَا الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، وَ لِهٰذَا كَانَ لَهَا السُّكْنٰى بِالْاِجْمَاعِ وَ صَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلاً، وَ حَدِيْثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَإِنَّهُ قَالَ لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَ سُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِيْ صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ حَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ، سَمِعْتُ [2] رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((يَقُوْلُ لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلٰثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ))، وَ رَدَّهُ أَيْضًا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَ جَابِرٌ وَ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عدت کے زمانے میں بیوی کو نفقہ اور سکنی ملے گا خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کے لیے نفقہ نہیں ہے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو، رہی طلاق رجعی تو اس وجہ سے کہ اس کے بعد نکاح باقی رہتا ہے خاص کر ہمارے یہاں چنانچہ شوہر کے لیے وطی کرنا حلال ہے اور رہی طلاق بائن تو (اس میں) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت کی گئی ہے، فاطمہ نے کہا مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

میرے لیے کوئی نفقہ اور سکنیٰ متعین نہیں فرمایا، اور اس لیے بھی کہ بائنہ میں شوہر کی ملکیت باقی نہیں رہتی اور نفقہ ملک ہی پر مرتب ہوتا ہے۔ اسی لیے متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ نہیں واجب ہوتا کیوں کہ ملک معدوم رہتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب وہ عورت حاملہ ہوگئی ہو، اس لیے کہ ہم نے اسے نص سے پہچانا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان و **إن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن الآيه** ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تو احتباس کی جزاء ہے اور احتباس ابھی بھی نکاح کے ذریعہ حکم مقصود یعنی ولد میں باقی ہے، کیوں کہ حفاظتِ ولد کے لیے عدت واجب ہے، لہٰذا نفقہ بھی واجب ہوگا، اسی لیے تو اس کے لیے بالاتفاق سکنیٰ واجب ہے تو ایسی ہوگئی جیسا کہ وہ حاملہ ہو۔ اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمرؓ نے رد کردیا اور یوں فرمایا کہ ایک عورت کی بات سے نہ تو ہم اپنے رب کی کتاب کو ترک کرسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی کی سنت کو، جس عورت کے متعلق ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی اور اسے یاد رہا یا وہ (فرمانِ نبوی کو) بھول گئی۔ میں نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے جب تک کہ وہ اپنی عدت میں رہے۔ اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ ابن زیدؓ حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے بھی رد کردیا ہے۔

اللغات:

﴿مبتوتة﴾ بائنہ۔ ﴿لم يفرض﴾ مقرر نہیں کیا۔ ﴿احتباس﴾ روکنا، قید کرنا۔ ﴿لا ندري﴾ ہم نہیں جانتے۔ ﴿ما دامت﴾ جب تک وہ رہے۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد فی كتاب الطلاق، باب فی نفقة المبتوتة، حديث: ۲۲۸۸. و ابن ماجه فی كتاب الطلاق باب ۱۰ حديث ۲۰۲۶. و مسلم فی كتاب الطلاق باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: ٤٦.

❷ اخرجه الترمذی فی كتاب الطلاق باب ماجاء فی المطلقة ثلاثا لا سكنى لها ولا نفقة، حديث: ۱۱۸۰.

مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کی بحث:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی جب تک وہ عورت عدت میں رہے گی اس وقت تک اسے نفقہ اور سکنیٰ ملے گا خواہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائنہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہمارے یہاں ہر مطلقہ کو عدت کے دوران نفقہ اور سکنیٰ دونوں ملیں گے۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو تو نفقہ اور سکنیٰ ملے گا، لیکن مطلقہ بائنہ اور ثلاثہ اگر حاملہ ہیں تو انہیں نفقہ وغیرہ ملے گا ورنہ نہیں۔ مطلقہ رجعیہ کا مسئلہ چوں کہ متفق علیہ ہے کیوں کہ طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے خاص کر ہمارے یہاں، اس لیے کہ ہمارے یہاں تو مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا بھی (عدت میں) حلال ہے، اس لیے اس پر دلیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

رہا مسئلہ مطلقہ بائنہ اور ثلاثہ کا تو ان کے متعلق (مستحق نفقہ نہ ہونے پر) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "**طلقني زوجي ثلاثا فلم يفرض لي رسول الله صلى الله عليه وسلم**

سکنٰی و لانفقة" کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اور آپ ﷺ نے میرے لیے نہ تو سکنی مقرر فرمایا اور نہ ہی نفقہ۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی نہیں ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ پر شوہر کی ملکیت نہیں رہتی اور شوافع کے یہاں نفقہ ملکِ بضعہ کا عوض ہے، اس لیے جب ملک نہیں ہے تو پھر نفقہ بھی نہیں ہوگا، اس لیے متوفی عنہا زوجہا کو نفقہ اور سکنی نہیں ملتا، کیوں کہ اس عورت سے شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔

ہاں اگر مطلقہ بائنہ یا مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو پھر اسے نفقہ ملے گا، کیوں کہ حاملہ عورتوں کا مستحق نفقہ ہونا ہمیں نص قرآنی سے معلوم ہوا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **و إن کن أولات حمل فأنفقوا علیهن الخ**: یعنی اگر مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک انہیں نفقہ دو، اسی لیے ہم شوافع مطلقہ بائنہ اور مطلقہ ثلاثہ میں مستحق نفقہ کے لیے حاملہ ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔

ولنا أن الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ احتباس کی جزاء ہے اور احتباس ہر مطلقہ کے حق میں موجود ہے خواہ وہ رجعیہ ہو یا بائنہ ہو یا ثلاثہ ہو، کیوں کہ ابھی بھی مقصود نکاح یعنی بچے کے حق میں احتباس باقی ہے اسی لیے تو عدت واجب ہوتی ہے تاکہ بچہ کی حفاظت ہو سکے، لہٰذا جب ہر مطلقہ کے حق میں احتباس موجود ہے تو ہر ایک کو نفقہ اور سکنی بھی ملے گا۔ اور پھر مطلقہ بائنہ کے لیے سکنی تو بالاتفاق واجب ہے اور سکنی سے زیادہ نفقہ کی ضرورت ہے، اس لیے نفقہ بھی ملے گا اور بائنہ کو حاملہ کا درجہ دیا جائے گا۔

رہی فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشتر صحابہ کے یہاں یہ حدیث مردود ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے رد کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ ایک عورت کی بات سے نہ تو ہم اپنے رب کی کتاب (**اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم**) کو ترک کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ سکتے ہیں جب کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس نے آپ ﷺ کے فرمان کو یاد رکھا یا بھول گئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ **سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول للمطلقة الثلاث النفقة والسُّکنٰی مادامت في العدة**، یعنی جب تک مطلقہ ثلاثہ عدت میں رہے گی اس وقت تک اسے نفقہ اور سکنی ملے گا۔ اس حدیث سے یہ بات اور بھی زیادہ موکد ہوگئی کہ مطلقہ بائنہ وثلاثہ کو بھی ایام عدت میں نفقہ وسکنی ملے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت، اسامہ بن زید بن عبداللہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے بھی حدیث فاطمہ بنت قیس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے جس سے وہ اور بھی ناقابلِ استدلال ہوگئی ہے۔

وَ لَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا، لِأَنَّ احْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَإِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا، أَلَا تَرٰی أَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَيْسَ بِمُرَاعٰى فِيْهِ حَتّٰى لَا يُشْتَرَطَ فِيْهِ الْحَيْضُ فَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ، وَ لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَ لَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمْكِنُ إِيْجَابُهَا فِيْ مِلْكِ الْوَرَثَةِ.

ترجمه: اور متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا احتباس حقِ زوج کے لیے نہیں ہے بلکہ حق شرع کے لیے ہے، کیوں کہ متوفی عنہا زوجہا کی طرف سے تربص عبادت ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ براءت رحم کی شناخت کا معنی اس کی عدت میں ملحوظ نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں حیض کی شرط نہیں ہے اس لیے میت پر اس عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا

واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا ورثاء کی ملکیت میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللغات:

﴿احتباس﴾ رکنا، قید ہونا۔ ﴿تربص﴾ انتظار کرنا۔ ﴿تعرّف﴾ پہچاننا۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

معتدۂ وفات کا نفقہ:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کو عدت کے دوران نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ نفقہ اس احتباس کی جزاء ہے جو شوہر کے لیے ہوتا ہے اور متوفی عنہا زوجہا کا احتباس حق شرع کے لیے ہوتا ہے نہ کہ حق زوج کی وجہ سے، کیوں کہ چار ماہ دس دن تک جو وہ اپنے آپ کو روکے رہتی ہے وہ اس کی طرف سے عبادت ہے، اسی لیے تو ان چار ماہ کے دوران نہ تو براءت رحم کی شناخت مقصود ہوتی ہے اور نہ ہی ان میں حیض کی آمد مشروط ہوتی ہے، گویا عدت میں بھی اس کا احتباس مقصودِ نکاح یعنی ولد کے لیے نہیں ہوتا اسی لیے اس کے لیے نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد چوں کہ شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور شوہر کا مال ورثاء سے متعلق ہو جاتا ہے اور ورثاء کے مال میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے، اسی لیے متوفی عنہا زوجہا کے لیے شریعت میں نفقہ نہیں ہے۔

وَ كُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلُ الرِّدَّةِ وَ تَقْبِيْلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِأَنَّهَا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ فَصَارَتْ كَمَا إِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً، بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُوْلِ، لِأَنَّهُ وُجِدَ التَّسْلِيْمُ فِيْ حَقِّ الْمَهْرِ وَ بِخِلَافِ مَا إِذَا جَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَخِيَارِ الْعِتْقِ وَ خِيَارِ الْبُلُوْغِ وَالتَّفْرِيْقِ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ، لِأَنَّهَا حَبِسَتْ نَفْسَهَا بِحَقٍّ، وَ ذٰلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَا إِذَا حَبِسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيْفَاءِ الْمَهْرِ.

ترجمہ: اور ہر وہ فرقت جو عورت کی جانب سے کسی معصیت کے سبب پیش آئے جیسے مرتد ہونا اور شوہر کے بیٹے کو بوسہ لینا تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ عورت بدون حق اپنے آپ کو روکنے والی ہوگئی، لہٰذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ وہ ناشزہ ہو۔ برخلاف دخول کے بعد مہر کے، کیوں کہ مہر کے حق میں سپرد کرنا پایا گیا ہے۔ اور خلاف اس صورت کے جب عورت کی طرف سے معصیت کے بغیر فرقت آئی ہو جیسے خیار عتق، خیار بلوغ اور کفوء نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کا معاملہ اس لیے کہ عورت نے اپنے آپ کو ایک حق کے ساتھ روکا ہے اور یہ احتباس نفقہ کو ساقط نہیں کرتا جیسا کہ اگر عورت نے مہر کی وصولیابی کے لیے اپنے آپ کو روکا ہو۔

اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿معصية﴾ نافرمانی، گناہ۔ ﴿تقبيل﴾ چومنا، بوسہ لینا۔ ﴿حابسة﴾ روکنے والی۔ ﴿ناشزہ﴾ شوہر کی نافرمان۔ ﴿استيفاء﴾ وصولی، حصول۔

ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی:

اس عبارت میں معتدہ کے مستحق نفقہ ہونے اور نہ ہونے کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہروہ فرقت جو عورت کی طرف سے کسی معصیت کے سبب واقع ہو اس کی عدت میں عورت کو نفقہ نہیں ملے گا چنانچہ اگر عورت مرتد ہوگئی یا اس نے شہوت کے ساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کو (جو دوسری عورت سے ہو) چوم لیا تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں زوجین کے درمیان تفریق ہوجائے گی اور بیوی کو ایام عدت کا نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ یہ تفریق اس کے ''کرتوت'' کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا وہ عورت ناشزہ عورت کی طرح ہوگئی اور چوں کہ ناشزہ کو نفقہ نہیں ملتا، اس لیے اسے بھی نفقہ نہیں ملے گا، البتہ وہ سکنی کی حق دار ہوگی۔ (بنایہ ۵/۵۳۲)

بخلاف المهر بعد الدخول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وطی اور دخول کے بعد عورت کی جانب سے معصیت کا ارتکاب ہوا اور اس کی وجہ سے زوجین میں تفریق ہوئی تو عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا یعنی فرقت بالمعصیۃ اسقاط نفقہ میں تو مؤثر ہے، لیکن اسقاط مہر میں موثر نہیں ہے، کیوں کہ وطی کر لینے کی وجہ سے عورت کی طرف سے تسلیم بضعہ ثابت ہوگیا اور مہر چوں کہ تسلیم بضعہ ہی کا بدل ہے، اس لیے وہ واجب ہوگا اور یہ تفریق اسے ساقط نہیں کر سکتی۔

اسی طرح اگر فرقت تو عورت کی طرف پیش آئے لیکن معصیت سے خالی ہو اور کسی حق شرعی کی بنا پر ہو جیسے عورت باندی تھی مگر پھر آزاد کردی گئی یا وہ نابالغہ تھی اور بالغہ ہوگئی یا ولی وغیرہ نے غیر کفو میں اس کا نکاح کیا تھا اور ان تمام صورتوں میں اس نے موجودہ شوہر کے ساتھ علیحدگی کو اختیار کیا تو اگر چہ ان صورتوں میں فرقت عورت کی طرف سے ہے مگر چوں کہ معصیت سے خالی ہے اور اس نے ایک حق کی وجہ سے اپنے آپ کو روک لیا ہے، اس لیے وہ مستحق نفقہ ہوگی اور یہ احتباس اس کے نفقہ کو ساقط نہیں کر سکتا جیسا کہ اگر مہر معجّل ہو اور عورت مہر کی وصول یابی کے لیے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے روک لے تو اس صورت میں بھی وہ ایام حبس کے نفقے کی حقدار ہوگی، کیوں کہ یہ احتباس ایک ایسے حق کی وجہ سے ہے جس کا شرعاً اسے اختیار دیا گیا ہے۔

وَ إِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا، وَ إِنْ مَكَّنَتْ ابْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ مَعْنَاهُ مَكَّنَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ، وَ لَا عَمَلَ فِيْهَا لِلرِّدَّةِ وَالتَّمْكِيْنِ إِلَّا أَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتّٰى تَتُوْبَ، وَ لَا نَفَقَةَ لِلْمَحْبُوْسَةِ، وَالْمُمَكِّنَةُ لَا تُحْبَسُ فَلِهٰذَا يَقَعُ الْفَرْقُ.

ترجمه: اور اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیں پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے نفس پر قدرت دے دی تو اسے نفقہ ملے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد اس نے قدرت دی ہو، اس لیے کہ فرقت تو تین طلاق کی وجہ سے ثابت ہوگئی اور مرتد ہونے اور قدرت دینے کا فرقت میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، لیکن مرتد کو محبوس کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے اور محبوسہ کو نفقہ نہیں ملتا۔ اور قدرت دینے والی عورت محبوس نہیں کی جائے گی، اس لیے فرق واقع ہوگیا۔

اللغاتْ:

﴿ارتدّت﴾ (معاذ اللہ) مرتد ہوگئی۔ ﴿مکّنت﴾ قدرت جماع دی۔ ﴿تتوب﴾ توبہ کرلے۔

ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور پھر نعوذ باللہ وہ عورت مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا اور ایام عدت میں اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ اور اگر تین طلاق کے بعد اس عورت نے بدمعاشی کی اور شوہر کے بیٹے کو اپنے آپ پر قدرت دیدی اور اس سے وطی کرالی تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگئی، ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ فرقت تو دونوں صورتوں میں تین طلاق سے واقع ہوئی ہے اور وقوع فرقت میں ردت اور تمکین کا کوئی دخل نہیں ہے، لیکن مرتدہ کو محبوس کیا جاتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلے اور جسے محبوس کیا جاتا ہے وہ نفقہ کا استحقاق نہیں رکھتا، اس لیے مرتدہ کے نفقہ کا سقوط حبس کی وجہ سے ہے، اس کے برخلاف ممکنہ یعنی ابن زوج کو قدرت دے کر وطی کرانے والی عورت کو محبوس نہیں کیا جاتا ہے، اس لیے وہ مستحق نفقہ بھی ہوگی۔ اس اعتبار سے دونوں میں فرق واضح ہوگیا۔

فَصلٌ أَيْ هٰذَا فَصلٌ فِيْ نَفَقَةِ الْأَوْلَادِ

یہ فصل بچوں کے نفقے کے بیان میں ہے

شوہر پر جس طرح بیوی کا نفقہ واجب ہے اسی طرح اولادِ صغار کا نفقہ بھی اس کے ذمے واجب ہے، اس لیے نفقۂ زوجات کے بیان سے فارغ ہو کر اب نفقۂ اولاد کو بیان کر رہے ہیں۔

وَ نَفَقَةُ الْأَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْأَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا أَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳)، وَالْمَوْلُوْدُ لَهٗ هُوَ الْأَبُ.

ترجمه: نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوگا، جیسا کہ بیوی کے نفقے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مولود لہ پر عورتوں کا نفقہ واجب ہے'' اور مولود لہ باپ ہے۔

چھوٹے بچوں کا خرچ:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ جس طرح بیویوں کا نفقہ صرف ان کے شوہروں پر واجب ہے اور اس میں دوسرا کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کا نفقہ بھی صرف اور صرف ان کے باپ پر واجب ہے اور اس وجوب میں کوئی دوسرا ان کا شریک اور پاٹنر نہیں ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وعلی المولود له رزقهن الخ اور بقول صاحب بنایہ اس آیت سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عورتوں کے نفقہ کو مردوں پر واجب کیا ہے اور اس وجوب کا سبب اولاد اور بچے ہیں، تو جب سبب کی وجہ سے امہات کا نفقہ واجب ہے تو مسبب کا نفقہ تو بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ (بنایہ ۵/۵۳۴)

وَ إِنْ كَانَ الصَّغِيْرُ رَضِيْعًا فَلَيْسَ عَلٰى أُمِّهٖ أَنْ تُرْضِعَهٗ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْكِفَايَةَ عَلَى الْأَبِ، وَ أُجْرَةُ الرَّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ، وَ لِأَنَّهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُذْرٍ فَلَا مَعْنَى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ، وَ قِيْلَ فِيْ تَاوِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) بِإِلْزَامِهَا الْإِرْضَاعَ مَعَ كَرَاهَتِهَا، وَ هٰذَا الَّذِيْ ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ وَ ذٰلِكَ إِذَا كَانَ يُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا يُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ تُجْبَرُ الْأُمُّ عَلَى الْإِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الضِّيَاعِ.

ترجمہ: اور اگر بچہ شیر خوار ہو تو اس کی ماں پر اسے دودھ پلانا واجب نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفایت باپ پر واجب ہے اور رضاعت کی اجرت نفقہ کی طرح ہے، اور اس لیے ہوسکتا ہے کسی عذر کی وجہ سے عورت دودھ پلانے پر قادر نہ ہو، لہٰذا اس پر جبر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لاتضار والدة بولدها کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اگر دودھ پلانا عورت کے لیے دشوار گذار ہو تو وہ اس پر لازم نہ کیا جائے۔ اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے حکم کا بیان ہے اور یہ اس وقت ہے جب بچہ کے لیے دایہ میسر ہو۔ لیکن اگر دایہ میسر نہ ہو تو بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ماں پر دودھ پلانے کے لیے جبر کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿رضیع﴾ دودھ پیتا بچہ۔ ﴿ترضعه﴾ دودھ پلائے۔ ﴿عسٰی﴾ ہوسکتا ہے۔ ﴿لا تضارّ﴾ نہ ضرر دیا جائے۔ ﴿تجبر﴾ مجبور کی جائے گی۔ ﴿إرضاع﴾ دودھ پلانا۔ ﴿صیانة﴾ بچاؤ، حفاظت۔

شیر خوار کا خرچ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ شیر خوار ہو اور اسے دودھ کی ضرورت ہو تو بھی اس کی ماں کو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ پلا دے تو اس کا احسان ہے، ورنہ اس سلسلے میں اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ یہ بات پہلے ہی آچکی ہے کہ بچہ کی کفایت اور کفالت باپ پر واجب ہے لہٰذا جس طرح باپ پر صغیر کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح رضاعت کا خرچہ اور اجرت بھی واجب ہے، لہٰذا اگر کسی مجبوری اور بیماری کی وجہ سے ماں دودھ نہ پلا سکے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ کسی دایہ کو اجرت پر لے کر بچے کی اس ضرورت کو پورا کیا جائے گا۔ اسی لیے بعض مفسرین نے ولا تضار والدة بولدها کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے بچے کو دودھ پلانا ماں پر گراں اور دشوار ہو تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے، کیوں کہ جبر میں اسے ضرر لاحق ہوگا اور لاتضار الخ کے فرمان سے ضرر پہنچانا ممنوع ہے۔

وهذا الذي الخ: فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ حکم اور قضاء ہے اور اس صورت پر مبنی ہے جب بچہ کے لیے دایہ میسر ہو، لیکن اگر بچہ کے لیے کوئی دایہ میسر نہ ہو یا وہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہو تو اس صورت میں ماں پر دودھ پلانا واجب ہے اور اس کے لیے اس پر جبر کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بچے کو ضرر لاحق ہوگا اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

قَالَ وَ يَسْتَأْجِرُ الْأَبُ مَنْ تُرْضِعُهُ عِنْدَهَا، أَمَّا اسْتِيْجَارُ الْأَبِ، فَلِأَنَّ الْأَجْرَ عَلَيْهِ، وَ قَوْلُهُ عِنْدَهَا مَعْنَاهُ إِذَا أَرَادَتْ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الْحَجْرَ لَهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ باپ ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو ماں کے پاس ہی اسے دودھ پلائے، رہا باپ کا اجرت پر لینا تو اس وجہ سے کہ اجرت باپ ہی پر واجب ہے۔ اور ماتن کے عندها کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ماں اسے چاہے، کیوں کہ گود کا حق ماں ہی کو ہے۔

اللغات:

﴿استیجار﴾ اجرت پر لینا۔

شیر خوار کا خرچ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب باپ کسی دایہ اور انا کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھے تو اسے چاہیے کہ ماں سے پوچھ لے اور اگر ماں تیار ہو تو وہ دایہ ماں کے پاس ہی رہ کر اسے دودھ پلائے، کیوں کہ حجر اور گود ماں ہی کا حق ہے، لہٰذا ماں کے پاس رہ کر دودھ پلانے میں اسے بھی تسکین وتسلی حاصل ہوگی۔ اور دودھ پلانے کی اجرت باپ ہی پر واجب ہوگی، کیوں کہ بچہ کے اور اس کی تربیت کے تمام مصارف باپ ہی پر واجب ہیں، لہٰذا اجرتِ رضاعت بھی اسی پر واجب ہوگی۔

وَ إِنِ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ تَجُزْ، لِأَنَّ الْإِرْضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) إِلَّا أَنَّهَا عُذِّرَتْ لِاحْتِمَالِ عِجْزِهَا فَإِذَا أَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْأَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوْزُ أَخْذُ الْأَجْرِ عَلَيْهِ، وَ هٰذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رِوَايَةً وَاحِدَةً، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ، وَ كَذَا فِي الْمَبْتُوْتَةِ فِيْ رِوَايَةٍ، وَ فِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى جَازَ اسْتِيْجَارُهَا، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ، وَجْهُ الْأُوْلٰى أَنَّهُ بَاقٍ فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْأَحْكَامِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے ایسی عورت کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا جو اس کی بیوی ہو یا اس کی معتدہ ہو تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس عورت پر دیانتاً دودھ پلانا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں'' لیکن اس کے عاجز ہونے کے احتمال کے پیش نظر اسے معذور قرار دیا گیا تھا، مگر اجرت لے کر اس نے دودھ پلانے پر اقدام کیا تو اس کی قدرت ارضاع ظاہر ہوگئی، اس لیے اس پر دودھ پلانا واجب ہوگیا، لہٰذا اس کے لیے ارضاع پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور یہ حکم معتدہ رجعیہ کے حق میں ایک روایت کے ساتھ ہے، اس لیے کہ نکاح باقی ہے اور ایسے ہی معتدہ بائنہ کے متعلق بھی ایک روایت میں ہے۔ اور دوسری روایت میں اس کو اجرت پر لینا جائز (کہا گیا) ہے، اس لیے کہ (اس کا نکاح) ختم ہو چکا ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہے۔

اللغات:

﴿استأجر﴾ اجرت پر لیا۔ ﴿لترضع﴾ تاکہ وہ دودھ پلائے۔ ﴿عذّرت﴾ معذور سمجھی گئی تھی۔ ﴿أقدمت﴾ اقدام کیا۔ ﴿مبتوتة﴾ بائنہ۔

اپنی بیوی یا معتدہ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اس کی ماں یعنی اپنی بیوی کو اجرت پر رکھا خواہ وہ بیوی نکاح میں ہو یا طلاق کے بعد عدت میں ہو یعنی معتدہ ہو تو اس کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ بچہ اسی عورت کا

بچہ ہے تو پھر اسے دودھ پلانا اس عورت پر دیانۃً واجب ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ''والوالدات یرضعن أولادھن'' کے فرمان سے ماؤں پر دودھ پلانے کو واجب قرار دیا ہے، اس لیے کہ یُرضعن یتربصن کی طرح خبر بمعنی امر ہے اور تربص واجب ہے، اس لیے ارضاع بھی واجب ہوگا۔ (بنایہ)

رہا مسئلہ ماؤں کے لیے قضاءً عدم ارضاع کا تو وہ اس لیے تھا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی عذر کی بنا پر دودھ پلانے سے قاصر ہوں مگر جب ایک ماں پیسہ لے کر دودھ پلانے پر راضی ہوگئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ماں دودھ پلانے پر قادر ہے، لہٰذا اب عدم ارضاع کی رخصت ختم ہوجائے گی اور دیانۃً اسے بچے کو دودھ پلانا ہی پڑے گا۔ اور اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

وھذا الخ: صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اجرت اور استیجار کے عدم جواز کا حکم مطلقہ رجعیہ معتدہ کے حق میں تو ظاہر و باہر ہے اور ایک ہی روایت کے ساتھ ہے یعنی متفق علیہ ہے کیوں کہ اس کا نکاح باقی رہتا ہے اور عدت کے دوران شوہر اس سے وطی بھی کرسکتا ہے۔ اور معتدہ بائنہ کے حق میں عدم جواز کے حکم میں دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت کے مطابق اس کے حق میں بھی استیجار اور اجرت جائز نہیں ہے (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ جائز ہے کیوں کہ بینونت کی وجہ سے نکاح کلی طور پر ختم ہوگیا ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد بھی نکاح بعض احکام مثلاً عدت، سکنیٰ اور نفقہ کے حق میں باقی رہتا ہے، اس لیے معتدہ بائنہ کو بھی اجرت پر لینا درست نہیں ہے۔

وَلَوِاسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ مَنْكُوْحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِإِرْضَاعِ ابْنٍ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازَ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا، وَ إِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا يَعْنِيْ لِإِرْضَاعِ وَلَدِهَا جَازَ، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَ صَارَتْ كَالْأَجْنَبِيَّةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی منکوحہ یا اپنی معتدہ کو اس کے علاوہ دوسری بیوی کے بیٹے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو جائز ہے، کیوں کہ یہ ارضاع اس پر واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس کی عدت گذر گئی پھر شوہر نے اسے اپنے بچے کے دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو جائز ہے، اس لیے کہ نکاح مکمل طور پر زائل ہوچکا ہے اور وہ عورت اجنبیہ کی طرح ہوچکی ہے۔

اللغاتُ:

﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔

اپنی بیوی یا معتدۃ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا:

اس عبارت میں ارضاع کے دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں جائز ہیں (۱) شوہر نے اپنی منکوحہ یا معتدہ بیوی مثلاً آمنہ کو فاطمہ کے بطن سے پیدا شدہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز ہے کیوں کہ بچہ آمنہ کے بطن سے نہیں ہے، اس لیے اس پر اس بچے کو دودھ پلانا واجب بھی نہیں ہے اور جب ارضاع واجب نہیں ہے نہ قضاء اور نہ ہی دیانۃً تو اس پر اجرت لینا بلاشک وشبہہ جائز ہے۔ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتدہ کی عدت ختم ہوگئی اور اس کے بعد شوہر نے اسی معتدہ کے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اُسی کو اجرت پر رکھا تو یہ شکل بھی جائز ہے، کیوں کہ عدت کے ختم ہونے سے نکاح بھی مکمل طور پر ختم ہوگیا اور وہ عورت اجنبیہ کی طرح ہوگئی۔ اور اجنبیہ کو دودھ پلانے کے لیے اجارہ پر لینا جائز ہے، لہٰذا اسے بھی اجارہ پر لینا جائز ہوگا۔

فَإِنْ قَالَ الْأَبُ لَا أَسْتَاجِرُهَا وَ جَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْأُمُّ بِمِثْلِ أَجْرِ الْأَجْنَبِيَّةِ أَوْ رَضِيَتْ بِغَيْرِ أَجْرٍ كَانَتْ هِيَ أَحَقُّ، لِأَنَّهَا أَشْفَقُ فَكَانَ نَظْرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ إِلَيْهَا. وَ إِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ، وَ إِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿وَ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَهُ بِوَلَدِهِ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) أَيْ بِإِلْزَامِهِ لَهَا أَكْثَرَ مِنْ أُجْرَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ.

ترجمه: پھر اگر باپ نے کہا کہ میں بچہ کی ماں کو اجرت پرنہیں لوں گا اور اس کے علاوہ دوسری دایہ لے آیا پھر ماں اجنبیہ دایہ کی اجرت پر یا بدون اجرت دودھ پلانے پر راضی ہوگئی تو وہی اس کی زیادہ حق دار ہوگی، کیوں کہ وہ (بچہ پر) زیادہ مہربان ہے، لہٰذا اس کے سپرد کرنے میں بچہ کے حق میں شفقت ہے۔ اور اگر ماں زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، تا کہ اس سے ضرر دور ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لاتضار الخ'' میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی شوہر پر اجنبیہ عورت کی اجرت سے زیادہ اجرت لازم کر کے اسے ضرر نہ پہنچایا جائے۔

اللغات:

﴿لا أستأجر﴾ میں اجرت پرنہیں لوں گا۔ ﴿أشفق﴾ زیادہ مہرباں۔ ﴿التمست﴾ تلاش کی، چاہی۔ ﴿لم یجبر﴾ نہیں مجبور کیا گیا۔ ﴿مولود له﴾ والد۔

بغیر اجرت دودھ پلانے والی ماں دایہ سے زیادہ حقدار ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کی ماں بدون اجرت بچہ کو دودھ پلانے پر راضی نہ ہو اور شوہر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے آئے پھر ماں کی ممتا جوش میں آئے، اور وہ لائی گئی عورت کی ہی اجرت پر یا بغیر اجرت کے دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں وہ ماں ہی اس بچے کو دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہوگی، کیوں کہ بچہ اس کا اپنا خون پانی ہے لہٰذا بچے کو اس کے حوالے کرنے میں شفقت زیادہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس چیز میں بچے کا زیادہ نفع ہو وہی اس کے لیے اختیار کی جائے گی۔ البتہ اگر ماں دودھ پلانے کے لیے اجنبیہ عورت کی اجرت سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو اس صورت میں اسے کنارے کر دیا جائے گا اور شوہر پر اس سے دودھ پلوانے کے لیے زور اور زبردستی نہیں کی جائے گی، کیوں کہ زیادہ اجرت دینے میں شوہر کا ضرر ہے حالاں کہ خود قرآن نے ''ولا مولود له بولده'' کے فرمان سے شوہر سے ضرر کو دور کر دیا ہے۔

وَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى أَبِيْهِ وَ إِنْ خَالَفَهُ فِي دِيْنِهِ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَ إِنْ خَالَفَتْهُ فِي دِيْنِهِ، أَمَّا الْوَلَدُ فَلِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا ﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ﴾ الاية (سورة البقرة : ۲۳۳)، وَ لِأَنَّهُ جُزْءُهُ فَيَكُوْنُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ، وَ أَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيْحُ فَإِنَّهُ بِإِزَاءِ الْإِحْتِبَاسِ الثَّابِتِ بِهِ، وَ قَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَ تَرَتَّبَ عَلَيْهِ الْإِحْتِبَاسُ فَوَجَبَتِ النَّفَقَةُ، وَ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا إِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ

عَلَى الْأَبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ، أَمَّا إِذَا كَانَ، فَالْأَصْلُ أَنَّ نَفَقَةَ الْإِنْسَانِ فِي مَالِ نَفْسِهٖ صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا.

ترجمہ: اور صغیر کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے، ہر چند کہ وہ دین میں اس کے مخالف ہو جیسا کہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے اگر چہ وہ دین میں شوہر کی مخالف ہو۔ رہا ولد تو وہ ہماری تلاوت کردہ آیت **وعلی المولود له رزقهن الخ** کے مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ بچہ باپ کا جزء ہے، لہٰذا اس کی ذات کے معنی میں ہوگا۔ رہی بیوی تو اس کے نفقہ کا سبب عقد صحیح ہے، کیوں کہ نفقہ اس احتباس کے بدلے میں واجب ہوتا ہے جو عقد صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔ اور مسلمان مرد اور کافرہ عورت کے درمیان عقد صحیح ہو جاتا ہے اور اسی عقد پر احتباس مرتب ہوتا ہے اس لیے نفقہ واجب ہوگا۔ اور ہماری بیان کردہ تمام صورتوں میں باپ پر اسی وقت صغیرہ کا نفقہ واجب ہوگا جب صغیر کے پاس مال نہ ہو، لیکن اگر اس کے پاس مال ہو تو اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ اس کے اپنے مال میں واجب ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

اللغات:

﴿خالفهٗ﴾ مخالفت کرے۔ ﴿بازاء﴾ بدلے میں، مقابلے میں۔

مختلف الدین بچے کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے اور نابالغ بچوں کا نفقہ ان کے باپ پر واجب ہے، خواہ باپ اور بچے ایک ہی دین کے متبع ہوں یا از روئے دین ان میں اختلاف ہو بہر صورت باپ پر ان کا نفقہ واجب ہے جیسے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ بیوی شوہر کے دین کی متبع ہو یا مخالف ہو۔

باپ پر بچے کا نفقہ قرآن کریم کی اس آیت سے واجب ہے "**وعلی المولود له رزقهن**" یعنی باپ پر بچوں کی ماؤں کا نفقہ واجب ہے اور چوں کہ یہ وجوب بچوں کے واسطے اور ذریعے سے ہے، اس لیے بچوں کا نفقہ تو بدرجۂ اولیٰ باپ پر واجب ہوگا۔

اور اس حکم کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بچہ باپ کا جزء ہے، لہٰذا باپ کے نفس کے معنی میں ہوگا اور چوں کہ باپ پر خود اپنا نفقہ واجب ہے، لہٰذا اس پر جزء یعنی بچے کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

وأما الزوجة الخ: یہاں سے بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی علت بیان کی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیوی پر نفقے کے وجوب کا سبب عقد صحیح ہے، اس لیے کہ نفقہ احتباس کی جزاء ہے اور احتباس عقد صحیح سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا جن دو مرد اور عورت میں عقد صحیح ہوگا ان میں شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا اور چوں کہ مسلم اور مسلمہ میں بھی عقد صحیح ہوتا ہے اور مسلم اور کتابیہ کافرہ میں بھی فرمان الٰہی **والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب** کی رو سے عقد صحیح ہوتا ہے، اور عقد صحیح پر احتباس مرتب ہوتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ دین میں اس کے تابع ہو یا نہ ہو۔

وفي جميع الخ: فرماتے ہیں کہ وجوب نفقہ کی مذکورہ تمام صورتوں میں باپ پر اسی وقت نفقہ واجب ہوگا جب صغیر کے پاس اپنا ذاتی مال نہ ہو، لیکن اگر صغیر کو میراث یا ہبہ وغیرہ میں مال ملا ہو اور وہ اس کا اپنا ذاتی ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ اسی کے مال میں واجب ہوگا، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ خود اس کے مال میں واجب ہو۔ خواہ وہ چھوٹا یا بڑا ہو۔ **فقط واللّٰه أعلم وعلمه أتم۔**

فَصْلٌ أَيْ هٰذَا فَصْلٌ فِيْ نَفَقَةِ الْاٰبَاءِ وَ الْأَجْدَادِ وَ الْخَادِمِ

یہ فصل باپ، دادا اور خادم کے نفقہ کے بیان میں ہے

وَ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُنْفِقَ عَلٰى أَبَوَيْهِ وَ أَجْدَادِهٖ وَ جِدَّاتِهٖ إِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَ إِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ، أَمَّا الْاَبَوَانِ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (سورة لقمان: ١٥) نَزَلَتِ الْاٰيَةُ فِي الْأَبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ، وَ لَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ يَعِيْشَ فِيْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ يَتْرُكَهُمَا يَمُوْتَانِ جُوْعًا، وَ أَمَّا الْأَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِأَنَّهُمْ مِنَ الْاٰبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ، وَ لِهٰذَا يَقُوْمُ الْجَدُّ مَقَامَ الْأَبِ عِنْدَ عَدْمِهٖ، وَ لِأَنَّهُمْ سَبَّبُوْا لِإِحْيَائِهٖ فَاسْتَوْجَبُوْا عَلَيْهِ الْاِحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْأَبَوَيْنِ، وَ شَرْطُ الْفَقْرِ، لِأَنَّهٗ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ فَإِيْجَابُ النَّفَقَةِ فِيْ مَالِهٖ أَوْلٰى مِنْ إِيْجَابِهَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ، وَ لَا يَمْنَعُ ذٰلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِمَا تَلَوْنَا.

ترجمہ: انسان پر اپنے والدین، اپنے اجداد اور اپنی جدات کو نفقہ دینا واجب ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہوں، اگر چہ دین میں اس کے مخالف ہوں۔ ہے والدین تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد وصاحبهما في الدنيا معروفا (یعنی دنیا میں والدین کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ) کی وجہ سے ہے۔ یہ آیت کافر ماں باپ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور معروف یہ نہیں ہے کہ انسان خود اللہ کی نعمتوں میں عیش کرے اور والدین کو بھوکا مرتا ہوا چھوڑ دے۔

رہا مسئلہ اجداد اور جدات کا تو (ان کا استحقاق) اس لیے ہے کہ وہ بھی آباء اور امہات میں سے ہیں، اسی لیے باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اجداد انسان کی زندگی کا سبب ہوتے ہیں لہذا والدین کی طرح وہ بھی انسان پر زندگی کا استحقاق رکھیں گے۔ اور امام قدوریؒ نے فقر کی شرط اس لیے لگائی ہے کیوں کہ اگر باپ دادا مال والے ہوں گے تو ان کا نفقہ ان کے مال میں واجب کرنا دوسرے کے مال میں واجب کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اختلاف دین سے یہ مانع نہیں ہے، اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے۔

اللغات:

﴿اجداد﴾ دادے۔ ﴿جدّات﴾ دادیاں۔ ﴿صاحب﴾ ان کے ساتھ رہ۔ ﴿جوع﴾ بھوک۔ ﴿سبب﴾ سبب بنے

ہیں۔ ﴿إحیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿استوجبو﴾ تقاضا کرتے ہیں۔ ﴿فقر﴾ غربت۔

بیوی بچوں کے علاوہ دیگر نفقات واجبہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح باپ پر اپنی بیوی اور اپنے چھوٹے بچوں کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح والدین اور دادا دادی وغیرہ کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے اور اس کے ذمے لازم ہے۔ اگر وہ محتاج ہوں اور نفقہ وخرچہ کے ضرورت مند ہوں تو بیٹے پوتے کو چاہیے کہ ان پر خرچ کرے خواہ وہ لوگ از روئے دین اس کے دین سے متحد ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان پر اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔

والدین پر وجوب نفقہ کی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہؒ نے قرآن کریم کے اس جزء سے استدلال کیا ہے **وصاحبهما في الدنيا معروفا** کہ دنیا میں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ ؤ، اس لیے کہ آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے، لیکن ان کی والدہ کافرتھیں اور سعد کے اسلام لانے سے کافی ناراض تھیں جس کی بنیاد پر انہوں نے کھانا پینا بھی ترک کردیا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ لے کر حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت **و إن جاهداك على أن تشرك بي ماليس لك به علم فلاتطعهما و صاحبهما في الدنيا معروفاً الخ** یعنی اللہ کی وحدانیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اعتقاد رسالت کے متعلق ماں باپ کی ایک نہ سنو، ہاں دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ معروف طریقہ اختیار کرو۔ یعنی اگر دنیاوی چیزوں میں سے انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پورا کرو اور اگر وہ نان ونفقے کے محتاج ہوں تو انہیں نان ونفقہ بھی دو، کیوں کہ معروف یہ نہیں ہے کہ انسان خود تو اللہ کی نعمتوں میں عیش ومستی کرے اور اپنے ماں باپ کو بھوکا مرتا ہوا چھوڑ دے یعنی جس طرح انسان اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرے اسے چاہیے کہ اسی طرح اپنے ماں باپ کی بھی فکر کرے، اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ماں باپ ضرورت مند ہوں تو بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ اس کے ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں۔

صاحب بنایہ علیہ الرحمہ نے شمس الأئمہ سرخسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن نے ایک موقعہ پر **ولاتقل لهما أف** کا فرمان جاری کرکے اولاد کو ماں باپ کے سامنے اف کہنے سے منع کیا ہے، کیوں کہ اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور چوں کہ ان کی ضرورت کے وقت انہیں نفقہ نہ دینا اُف کہنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے، اس لیے اس سے بھی والدین کے نفقے کا وجوب ہی مفہوم ہوتا ہے۔ (۴۴۱/۵)

وأما الأجداد الخ: فرماتے ہیں کہ والدین کے علاوہ دادا اور دادی وغیرہ کے لیے وجوب نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ دادا دادی بھی ماں باپ کے درجے میں ہیں، اسی لیے باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور چوں کہ ماں باپ مستحق نفقہ ہیں لہٰذا دادا دادی بھی بوقت ضرورت مستحق نفقہ ہوں گے۔ اس امر کی دوسری دلیل یہ ہے کہ دادا اور دادی بھی انسان کے زندہ ہونے اور اس دار فانی میں آنکھیں کھولنے کا سبب ہیں، کیوں کہ اگر دادا دادی نہ ہوتے تو اس کے ماں باپ کا وجود نہ ہوتا لہٰذا انسان کے وجود میں جب دادا، دادی کا دخل ہے تو اس کے مال میں ان کا بھی حصہ ہوگا اور فقر واحتیاج کے وقت انہیں بھی نفقہ ملے گا۔ اور اختلاف دین سے وجوب نفقہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وصاحبهما الخ** مطلق ہے اور پھر یہ حضرت سعد کی

کافرہ ماں جمیلہ کے واقعہ میں نازل ہوا ہے۔

وشرط الفقر الخ: فرماتے ہیں کہ ماں، باپ اور دادا، دادی وغیرہ کے مستحق نفقہ ہونے کے لیے امام قدوریؒ نے ان کی فقیر اور محتاج ہونے کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ فقر اور احتیاج کے بغیر انسان پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہے ہاں ازراہ تبرع اگر وہ کچھ دیدے تو یہ اس کی خوش خلقی اور مروّت ہے۔ اور پھر جہاں تک ہو سکے انسان کو اپنے اخراجات اپنے ذاتی مال سے پورے کرنے چاہئیں، کیوں کہ اپنی کمائی کھانا دوسرے کی کمائی کھانے سے بہتر ہے، حدیث پاک میں ہے "**کُلْ من کدّ یمنك وعرق جنبك** یعنی اپنے خون پسینہ کی کمائی کھاؤ۔ (بنایہ)

وَ لَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ إِلاَّ لِلزَّوْجَةِ وَالْأَبَوَيْنِ وَالْأَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَ وَلَدِ الْوَلَدِ، أَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعُقْدَةِ لِاحْتِبَاسِهَا لِحَقٍّ لَهُ مَقْصُوْدٍ، وَ هٰذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ، وَ أَمَّا غَيْرُهَا فَلِأَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَ جُزْءُ الْمَرْءِ فِيْ مَعْنَى نَفْسِهِ فَكَمَا لَا يَمْتَنِعُ نَفَقَةُ نَفْسِهِ بِكُفْرِهِ لَا يَمْتَنِعُ نَفَقَةُ جُزْئِهِ، إِلاَّ أَنَّهُمْ إِذَا كَانُوْ حَرْبِيِّيْنَ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَ إِنْ كَانُوْا مُسْتَأْمِنِيْنَ، لِأَنَّا نُهِيْنَا عَنِ الْبِرِّ فِيْ حَقِّ مَنْ يُقَاتِلُنَا فِي الدِّيْنِ.

ترجمه: اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بیوی، والدہ، دادا، دادی لڑکے اور پوتے کے علاوہ کسی اور کا نفقہ (انسان پر) واجب نہیں ہوتا۔ رہی بیوی تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ اس کے لیے عقد کی وجہ سے نفقہ واجب ہے، کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حق مقصود کی وجہ سے روک رکھا ہے اور یہ چیز اتحاد دین کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ رہا بیوی کے علاوہ کا مسئلہ تو اس لیے کہ جزئیت ثابت ہے اور انسان کا جزء اس کی ذات کے معنی میں ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح انسان اپنے کفر کی وجہ سے اپنا نفقہ نہیں روکتا اسی طرح وہ اپنے جزء کے نفقے کو بھی نہیں روک سکتا۔ لیکن اگر یہ لوگ حربی ہوں تو مسلمان پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ یہ حربی مستأمن ہوں، کیوں کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دین کے سلسلے میں ہم سے قتال کریں۔

اللغات:

﴿مستأمن﴾ وہ دشمن جو امان لے کر ہمارے ملک میں آیا ہو۔

اختلاف دین مانع وجوب نفقہ کب بنتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی، والدین، دادا، دادی اور بیٹے اور پوتے کے علاوہ انسان پر کسی اور کا نفقہ واجب نہیں ہے اگر وہ لوگ دین میں اس کے مخالف اور اس سے الگ ہوں، لیکن یہ لوگ (یعنی بیوی وغیرہ) ایسے ہیں کہ اختلاف دین کے باوجود بندۂ مسلم پر ان کا نفقہ واجب ہے، اس کی دلیل تو ماقبل میں بھی گذر چکی ہے مگر چوں کہ یہاں وجوب نفقہ کے ساتھ اختلاف دین کو بھی گھسا دیا گیا ہے، اس لیے مزید دلیل بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اختلاف دین کے باوجود بیوی کے لیے وجوب نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عقد صحیح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور مسلمان اور کافرہ کتابیہ کا عقد صحیح ہے نیز عورت شوہر کے حق مقصود یعنی وطی کی خاطر

اپنے آپ کو روکے بھی رہتی ہے اور نفقہ چوں کہ احتباس ہی کی جزاء ہے، اس لیے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا اور وجوبِ نفقہ کے سلسلے میں دین اور مذہب سے کوئی بحث نہیں کی جائے گی۔

و أما غیرها الخ: فرماتے ہیں کہ بیوی کے علاوہ والدین اور دادا وغیرہ کے حق میں استحقاق نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی درجے میں ان حضرات کا جزء ہے اور جزئیت وبعضیت وجوبِ نفقہ میں مؤثر ہے کیوں کہ انسان کا جزء اس کی ذات کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور کفر اس سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اگر خود بیٹا کافر ہو تو اس کا کفر اپنے نفس پر خرچ کرنے سے مانع نہیں ہے، لہٰذا جب نفس کا کفر مانع نہیں ہے تو جزء اور بعض کا کفر بھی مانع نفقہ نہیں ہوگا اور باپ دادا اور دادی وغیرہ اگر محتاج اور ضرورت مند ہیں تو بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہے۔ لیکن یہ وجوب اسی صورت میں ہے جب یہ لوگ صرف کافر ہوں اور مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے نہ ہوں، لیکن اگر یہ حربی ہوں اور مسلمانوں کو کسی بھی طرح کا جانی یا مالی نقصان پہنچاتے ہوں یا نقصان پہنچانے والوں کا تعاون کرتے ہوں تو پھر یہ مستحق نفقہ نہیں ہوں گے اور مسلمان بیٹے پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگر چہ یہ لوگ حربی مستأمن ہوں اور امان لے کر دارالاسلام میں رہتے ہوں۔ کیوں کہ اہل ایمان کو اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ بھلائی کرنے یا انہیں یار دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **لاینهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبرّوهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين، انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم أن تولوهم، ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون۔** اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے دین وایمان اور زمین ومکان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے ان کے ساتھ اچھے سلوک کا برتاؤ کرنا مسلمانوں کے لیے درست ہے، لیکن کافروں میں جو ظالم ہیں اور مسلمانوں کے مذہب اور مکان کے متعلق لڑتے ہیں یا شرپسندوں کی اعانت کرتے ہیں ایسے بدبختوں سے تعلق قائم کرنا مسلمانوں کے لیے درست نہیں ہے، کیوں کہ ان سے دوستی کرنے والوں کو قرآن نے ظالم کہا ہے۔

وَ لَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةُ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ وَ كَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ أَخِيْهِ النَّصْرَانِيِّ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْإِرْثِ بِالنَّصِّ، بِخِلَافِ الْعِتْقِ عِنْدَالْمِلْكِ، لِأَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيْثِ، وَ لِأَنَّ الْقَرَابَةَ مُوْجِبَةٌ لِلصِّلَةِ وَ مَعَ الْإِتِّفَاقِ فِي الدِّيْنِ آكَدُ، وَ دَوَامُ مِلْكِ الْيَمِيْنِ أَعْلٰى فِي الْقَطِيْعَةِ مِنْ حِرْمَانِ النَّفَقَةِ فَاعْتَبَرْنَا فِي الْأَعْلٰى أَصْلَ الْعِلَّةِ، وَ فِي الْأَدْنٰى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهٰذَا افْتَرَقَا.

ترجمه: اور نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کو نفقہ دینا واجب نہیں ہے اور ایسے ہی مسلمان پر اپنے نصرانی برادر کا نفقہ واجب نہیں ہے، کیوں کہ از روئے نص نفقہ میراث سے متعلق ہے برخلاف بوقت ملک آزاد ہونے کے، کیوں کہ بحکم حدیث آزادی قرابت اور محرمیت کے ساتھ متعلق ہے اور اس لیے کہ قرابت صلہ رحمی کو واجب کرتی ہے اور اتفاق فی الدین کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ مضبوط ہوتی ہے، اور ملکِ یمین پر مداومت قطع رحم میں حرمانِ نفقہ سے بڑھ کر ہے، لہٰذا ہم نے اعلیٰ میں اصل علت کا اعتبار کیا ہے اور ادنیٰ میں علتِ

مؤکدہ کا اعتبار کیا، لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہوگیا۔

اللغات:

﴿صلة﴾ حسن سلوک، عطیہ۔ ﴿اکد﴾ زیادہ پختہ۔

مختلف الدین بھائی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نہ تو نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کا نفقہ واجب ہے اور نہ ہی مسلمان پر اپنے نصرانی بھائی کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ آیت قرآنی وعلی الوارث مثل ذلك سے نفقہ کو میراث کے ساتھ متعلق کر کے یہ ارشارہ دیا گیا ہے کہ جن دو لوگوں میں میراث جاری ہوتی ہے انہی میں نفقہ بھی ایک دوسرے پر واجب ہوتا ہے اور چوں کہ مسلم اور ذمی بھائیوں میں میراث نہیں جاری ہوتی اس لیے ان میں سے ایک کا دوسرے پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کسی مسلمان نے اپنے نصرانی بھائی کو خریدا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا، اس لیے کہ حدیث کے حکم سے آزادی کا تعلق قرابت اور محرمیت کے ساتھ ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے من ملك ذارحم محرم منه عتق علیه یعنی جو شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ محرم اس پر آزاد ہوجائے گا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرابت صلہ رحمی اور رشتہ داری کی استواری کی موجب ہے خصوصاً اس وقت جب دو قریبی رشتے دار جمع ہوجائیں اور وہ دونوں مسلک ومذہب میں متحد ہوں تو اس صورت میں صلہ رحمی کرنا اور بھی زیادہ اہم اور مؤکد ہوجاتا ہے۔ اور یہ بات طے ہے کہ کسی قریبی رشتے دار کو ہمیشہ اپنی ملکیت میں رکھنا اسے نفقہ نہ دینے سے زیادہ بُرا اور نقصان دہ ہے اور اس میں زیادہ قطع رحمی ہے، اس لیے ہم نے اعلیٰ یعنی کسی قریبی شخص کو مملوک بنا کر رکھنے میں اصل علت یعنی محض ملک یمین کے طور پر اس کے مالک ہونے کا اعتبار کیا اور یہ حکم دیا کہ جو شخص اپنے کسی قریبی رشتے دار کا مالک ہوگا تو مالک ہوتے ہی وہ رشتہ دار آزاد ہوجائے گا خواہ وہ دونوں ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بالمقابل ادنی یعنی نفقے کے سلسلے میں قرابت کے ساتھ ساتھ علت موکدہ یعنی اتحاد فی المذہب کا بھی اعتبار کیا ہے اور اُسی قریبی رشتے دار کو مستحقِ نفقہ قرار دیا ہے جو دوسرے کا ہم مذہب اور ہم مشرب ہو۔ اور اسی اعلیٰ اور ادنیٰ کے اعتبار سے دونوں میں فرق بھی واضح ہوگیا۔

وَ لَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ أَبَوَيْهِ أَحَدٌ، لِأَنَّ لَهُمَا تَأْوِيْلًا فِيْ مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ، وَ لَا تَأْوِيْلَ لَهُمَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ، وَ لِأَنَّهٗ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِمَا فَكَانَ أَوْلٰى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ، وَ هِيَ عَلَى الذُّكُوْرِ وَالْإِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ هُوَ الصَّحِيْحُ، لِأَنَّ الْمَعْنَى يَشْمَلُهُمَا.

ترجمه: اور والدین کے نفقے میں بیٹے کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ والدین کے لیے از روئے نص اپنے لڑکے کے مال میں ایک تاویل ہے۔ اور لڑکے کے علاوہ دوسرے کے مال میں ان کے لیے کوئی تاویل نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ولد ہی لوگوں میں والدین کے سب سے زیادہ قریب ہے، لہٰذا والدین کے مستحق نفقہ ہونے کے حوالے سے لڑکا ہی سب سے اولیٰ ہوگا۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق والدین کے نفقے کا استحقاق لڑکوں اور لڑکیوں پر برابر ہے یہی صحیح ہے، کیوں کہ سبب نفقہ دونوں کو یکساں شامل ہے۔

اللغات:

﴿اناث﴾ مؤنث۔ ﴿سویة﴾ برابری۔

والدین کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر والدین ضرورت مند ہوں اور ان کا کوئی لڑکا یا کوئی لڑکی مالدار ہو تو اس پر بلاشرکتِ غیر والدین کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ حدیث أنت ومالك لأبيك کی وجہ سے والدین کے لیے بچہ کے مال میں تاویل اور حق جتانے کی گنجائش ہے جب کہ دوسرے کے مال میں ان کے لیے لب کشائی کی بھی مجال نہیں ہے، اس لیے والدین کا نفقہ ان کی اولاد پر واجب ہوگا اور اس میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہوگا۔ اس حکم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور تمام لوگوں میں والدین سے سب سے زیادہ قریب ان کا لڑکا ہوتا ہے اس لیے والدین کا نفقہ بھی اسی پر واجب ہوگا اور وہی انفاق کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔

وهي على الذكور الخ: فرماتے ہیں کہ وجوبِ انفاق کا سبب ولادت اور قرابت ہے اور چوں کہ اس حکم میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں، اس لیے جس طرح مالدار لڑکے پر والدین کا نفقہ واجب ہے اسی طرح مالدار لڑکی پر بھی ان کا نفقہ واجب ہے یہی ظاہر الروایہ کا حکم ہے اور یہی صحیح ہے، هو الصحيح کہہ کر شمس الائمہ سرخسیؒ کے اس قول سے احتراز کیا گیا ہے جس میں انہوں نے نفقہ کو میراث پر قیاس کیا ہے اور جس طرح للذكر مثل حظ الأنثيين کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں میں میراث تقسیم ہوتی ہے، اسی طرح ان پر نفقہ کا بھی وجوب ہوگا چنانچہ لڑکوں پر دو حصے اور لڑکیوں پر ایک ایک حصے واجب ہوں گے۔ (بنایہ ۵/۴۴۵)

وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا أَوْ كَانَتِ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيْرًا زَمِنًا أَوْ أَعْمٰى، لِأَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَاجِبَةٌ دُوْنَ الْبَعِيْدَةِ، وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُوْنَ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ، وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳)، وَ فِيْ قِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ وَ عَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحْمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذٰلِكَ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ، وَالصِّغْرُ وَالْأُنُوْثَةُ وَالزَّمَانَةُ وَالْعَمٰى أَمَارَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعِجْزِ، فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهٖ، بِخِلَافِ الْأَبَوَيْنِ لِأَنَّهٗ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ، وَالْوَلَدُ مَأْمُوْرٌ بِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ.

ترجمہ: اور ہر ذی رحم محرم کے لیے نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ صغیر ہو اور محتاج ہو، یا عورت بالغہ ہو اور محتاج ہو یا مرد بالغ ہو محتاج ہو اور لنجا یا اندھا ہو۔ اس لیے کہ قرابت قریبہ میں صلہ رحمی واجب ہے۔ نہ کہ بعیدہ میں اور فاصل ذی رحم محرم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وعلى والوارث مثل ذلك وفي قراء ة عبدالله بن مسعود وعلىٰ الوارث ذى الرحم المحرم مثل ذلك۔ پھر حاجت مند ہونا ضروری ہے اور نابالغ ہونا، عورت ہونا، لنجا اور اندھا ہونا محتاجی کی علامت ہے، اس لیے کہ عجز متحقق ہے، کیوں کہ کمائی پر

قادر شخص اپنی کمائی کے سبب مالدار ہوتا ہے۔ برخلاف والدین کے، کیوں کہ انہیں کمائی سے مشقت لاحق ہوگی اور لڑکے کو ان سے ضرر دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا والدین کے کمائی پر قادر ہونے کے باوجود ان کا نفقہ (ان کی اولاد پر) واجب ہوگا۔

اللغات:

﴿زمن﴾ معذور، اپاہج۔ ﴿أعمٰی﴾ نابینا۔ ﴿صغر﴾ کم سنی۔ ﴿زمانة﴾ اپاہج ہونا۔ ﴿عمی﴾ اندھاپن۔ ﴿أمارة﴾ نشانی۔ ﴿تعب﴾ تھکاوٹ۔

جمیع نفقات واجبہ، اور وجوب کی شرائط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مالدار انسان پر ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے شرط یہ ہے کہ وہ ذی رحم محرم نابالغ اور محتاج ہو اور اگر وہ عورت ہو تو اسے نفقہ کی ضرورت ہے خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو، اسی طرح اگر مرد بالغ ہو تو اس کے مستحق نفقہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ لنجا یا اندھا ہو اور کسب وکمائی پر قادر نہ ہو، اگر ذی رحم محرم مرد وعورت میں یہ شرطیں پائی جائیں تو وہ مستحق نفقہ ہوں گے اور مالدار شخص پر ان کا نفقہ واجب ہوگا، کیوں کہ قرابت قریبہ میں صلہ رحمی کرنا واجب ہے نہ کہ قرابت بعیدہ میں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **وعلی الوارث مثل ذلك** اور حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں ہے **وعلی الوارث ذي الرحم المحرم مثل ذلك** یعنی ہر ذی رحم محرم وارث کے لیے بیوی اور بچوں کے نفقہ کے مثل نفقہ واجب ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی ذی رحم محرم میں فقر وغیرہ کی شرط پائی جائے تو وہ مستحق نفقہ ہوگا۔

والفاصل الخ: فرماتے ہیں کہ قرابت قریبہ اور بعیدہ میں ذی رحم محرم ہونا حد فاصل ہے یعنی جو لوگ ذی رحم محرم ہیں وہ قرابت قریبہ میں داخل ہیں اور جو ذی رحم محرم نہیں ہیں وہ بعیدہ میں داخل ہیں۔

ثم لا بد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے مستحق نفقہ ہونے کے لیے اس کا محتاج ہونا شرط ہے اور نابالغ ہونا یا عورت ہونا یا لنجا اور اندھا ہونا یہ سب محتاج اور ضرورت مندی کی علامتیں ہیں، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں **عجز عن الکسب** متحقق ہے اور جب **عجز عن الکسب** متحقق ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاج اور ضرورت ثابت ہے، اس لیے کہ جو شخص کمائی پر قادر ہوتا ہے تو وہ اپنی کمائی کی وجہ سے غنی ہوتا ہے اور اسے دوسروں کے سہارے اور ٹکڑے کی ضرورت نہیں رہتی۔

البتہ ذی رحم محرم میں صرف والدین ایسے ہیں کہ **قدرت علی الکسب** کے باوجود ان کی اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ کمائی کرنے کے لیے محنت ومجاہدہ کی ضرورت ہے اور بوڑھے والدین اگر محنت ومشقت کریں گے تو انہیں ضرر لاحق ہوگا جب کہ اولاد کو والدین سے ضرر دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا والدین کے **قادر علی الکسب** ہونے کے باوجود اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہے۔

قَالَ وَ يَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰی مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ وَ يُجْبَرُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّنْصِيْصَ عَلَی الْوَارِثِ تَنْبِيْهٌ عَلٰی اعْتِبَارِ الْمِقْدَارِ، وَلِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ وَالْجَبْرُ لِإِيْفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحَقٍّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ نفقہ میراث کی مقدار پر واجب ہوگا اور انسان کو نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ وارث کی تنصیص کرنا

مقدار میراث پر تنبیہ ہے، کیوں کہ تاوان بقدر نفع واجب ہوتا ہے اور جبر حق واجب کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿یجبر﴾ مجبور کیا جائے گا۔ ﴿تنصیص﴾ لفظوں میں ذکر کرنا، بتانا۔ ﴿عزم﴾ تاوان۔ ﴿غنم﴾ منفعت۔ ﴿ایفاء﴾ ادائیگی۔

ذوی الارحام کے نفقات کی مقدار:

مسئلہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم کو اسی مقدار میں نفقہ ملے گا جس مقدار میں اسے میراث ملتی ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں وعلی الوارث مثل ذلك کے فرمان سے یہ تنبیہ دے دی گئی ہے کہ نفقہ بقدر میراث ہی ملے گا، اور اس لیے کہ تاوان اسی حساب سے واجب ہوتا ہے جس حساب سے آدمی نفع اٹھائے، لہٰذا مورث جو مقدار اسے میراث میں ملے گی اسی مقدار میں خرچ کرنا اور نفقہ دینا بھی مالدار پر واجب ہوگا۔ اور رہا مجبور کرنے کا معاملہ تو وہ اس وجہ سے ہے کہ جو حق اس مالدار پر واجب ہے اسے وہ اداء کردے۔

قَالَ وَ تَجِبُ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْإِبْنِ الزَّمِنِ عَلٰى أَبَوَيْهِ أَثْلَاثًا عَلَى الْأَبِ الثُّلُثَانِ وَ عَلَى الْأُمِّ الثُّلُثُ، لِأَنَّ الْمِيْرَاثَ لَهُمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰذَا الَّذِيْ ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَّافِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلُّ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَبِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيْرِ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْأُوْلٰى أَنَّهُ اجْتَمَعَتْ لِلْأَبِ فِي الصَّغِيْرِ وِلَايَةٌ مُؤْنَةٌ حَتّٰى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهِ فَاخْتَصَّ بِنَفَقَتِهِ وَ لَا كَذٰلِكَ الْكَبِيْرُ لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيْهِ فَتُشَارِكُهُ الْأُمُّ، وَ فِيْ غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيْرَاثِ حَتّٰى تَكُوْنَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلَى الْأُمِّ وَالْجَدِّ أَثْلَاثًا، وَ نَفَقَةُ الْأَخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْأَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوْسِرَاتِ أَخْمَاسًا عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ غَيْرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَهْلِيَّةُ الْإِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ، لَا إِحْرَازُهُ، فَإِنَّ الْمُعْسِرَ إِذَا كَانَ لَهُ خَالٌ وَابْنُ عَمٍّ تَكُوْنُ نَفَقَتُهُ عَلٰى خَالِهِ وَ مِيْرَاثُهُ يُحْرِزُهُ ابْنُ عَمِّهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ بالغ لڑکی اور لنجے لڑکے کا نفقہ والدین پر تین حصہ کرکے واجب ہے۔ دو تہائی باپ اور ایک تہائی ماں پر واجب ہے، کیوں کہ ان کے لیے میراث بھی اسی مقدار میں ہے، بندۂ ضعیف کہتا ہے یہ جو امام قدوریؒ نے بیان کیا ہے وہ خصاف اور حسن کی روایت ہے۔ اور ظاہر الروایۃ میں ہے کہ نفقہ باپ پر واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ باپ پر بچوں کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا واجب ہے۔ اور یہ ولد صغیر کی طرح ہوگیا۔ اور پہلی روایت پر وجہ فرق یہ ہے کہ باپ کے لیے صغیر میں ولایت اور مؤنت دونوں جمع ہیں یہاں تک کہ باپ ہی پر صغیر کا صدقۂ فطر بھی واجب ہے، لہٰذا باپ ہی اس کے نفقے کے ساتھ مختص بھی ہوگا۔ اور بالغ لڑکا ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اس کے حق میں باپ کی ولادیت معدوم ہے، لہٰذا ماں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی اور والد کے علاوہ میں میراث کی مقدار معتبر ہوگی یہاں تک کہ صغیر کا نفقہ ماں اور دادا پر تین تہائی کے حساب سے واجب ہوگا۔

اور معسر (تنگ دست) بھائی کا نفقہ متفرق مالدار بہنوں پر پانچ خمس کرکے بقدر میراث واجب ہوگا، لیکن تمام میں میراث کی

لیاقت معتبر ہے نہ کہ اس کو حاصل کرنا۔ اس لیے کہ معسر کا ماموں بھی (مالدار ہو) اور چچا زاد بھائی بھی (مالدار) ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہے جب کہ اس کی میراث چچا زاد بھائی سمیٹے گا۔

اللغات:

﴿زمن﴾ اپاہج۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، خرچ۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست، غریب۔ ﴿إحراز﴾ روکنا۔ ﴿خال﴾ ماموں۔

بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ بالغہ لڑکی اور بالغ لنجے (اپاہج) لڑکے کا نفقہ اس کے والدین پر تین تہائی کر کے واجب ہوگا جس میں سے دو تہائی باپ پر واجب ہوگا اور ایک تہائی ماں پر، یہ قدوری کے متن کا حاصل ہے اور امام خصاف اور حضرت حسن بن زیاد رحمہما اللہ سے مروی ہے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ ''عزم بقدر غنم'' والے ضابطے کے تحت چوں کہ مذکورہ لڑکی اور لڑکے کی میراث سے اسی بقدر ماں باپ کو حصہ ملتا ہے، لہٰذا ان پر نفقے کا وجوب بھی اسی مقدار اور اسی اعتبار سے ہوگا۔

اس کے برخلاف ظاہر الروایۃ میں ہے کہ مذکورہ لڑکی اور لڑکے کا پورا نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور ماں انفاق میں اس کی شریک وسہیم نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قرآن کریم نے **وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن** کے فرمان سے نفقہ کو باپ پر واجب کیا ہے اور چوں کہ آیت کریمہ میں لام کے واسطے سے باپ کی طرف ولد کی نسبت کی گئی ہے اور لام موجب اختصاص ہے، اس لیے ولد کی نسبت والد کے ساتھ خاص ہوگی اور چوں کہ نسبت ہی کی بنیاد پر ولد مستحق نفقہ ہوتا ہے، لہٰذا جس کے ساتھ اس کی نسبت خاص ہوگی اسی پر نفقہ کا وجوب بھی خاص کر ہوگا اور چوں کہ ولد (بچہ) باپ کے ساتھ مختص ہے لہٰذا اس کا نفقہ بھی باپ ہی کے ساتھ مختص ہوگا اور دوسرا کوئی اس میں شریک اور ساجھی نہیں ہوگا۔ اور جس طرح ولد صغیر کا پورا نفقہ باپ پر واجب ہے، اسی طرح بالغ لنجے اور معذور لڑکے کا نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہوگا۔

ووجه الفرق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام خصاف وغیرہ کی روایت میں ولد کبیر معذور کا نفقہ جو مشترکہ طور پر ماں باپ پر واجب کیا گیا ہے اس کی وجہ اور روایت خصاف اور ظاہر الروایۃ میں فرق یہ ہے کہ صغیر کے حق میں باپ کو دو طرح کا حق حاصل ہے اور ولایت ومؤنت دونوں اس کے لیے جمع ہیں، اسی لیے صغیر کا صدقۂ فطر باپ پر واجب ہے، لہٰذا اس کا پورا نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہوگا، اس کے برخلاف ولد کبیر میں چوں کہ باپ کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا نفقہ بھی صرف باپ پر نہیں واجب ہوگا اور ماں نفقہ میں اس کی شریک ہوگی۔ ہاں باپ کے علاوہ دیگر مالداروں کے حق میں بالاتفاق میراث کی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا اور مالدار شخص کو حصۂ میراث کے بقدر ہی غریب مورث پر انفاق کا حکم دیا جائے گا، چنانچہ اگر کسی بچے کا باپ نہ ہو اور ماں اور دادا موجود ہوں تو اس کے نفقے کا دو تہائی دادا پر واجب ہوگا اور ایک تہائی ماں پر، کیوں کہ اس صغیر کے حصے سے اسی مقدار میں ماں اور دادا کو میراث ملے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص معسر اور تنگدست ہو اور اس کی تین متفرق بہنیں ہوں یعنی ایک حقیقی ہو دوسری علاتی ہو اور تیسری اخیافی ہو اور تینوں مالدار ہوں تو اس معسر بھائی کا نفقہ ان تینوں پر حصۂ میراث کے بقدر ہی واجب ہوگا چنانچہ حقیقی بہن کو چوں کہ میراث کے تین حصے ملتے ہیں، اس لیے اس پر نفقہ کے تین حصے واجب ہوں گے اور علاتی واخیافی بہنوں پر ایک ایک حصہ واجب

ہوگا، کیوں کہ اس بھائی کی میراث سے انہیں بھی اسی طرح ہی حصہ ملے گا۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ والد کے علاوہ دیگر محرموں میں وجوبِ انفاق کے لیے میراث پانے کی لیاقت کا ہونا کافی ہے خواہ انہیں میراث مل سکے یا نہ مل سکے، مثلاً اگر ایک محتاج لڑکے کا ماموں بھی مالدار ہو اور اس کا چچا زاد بھائی بھی مالدار ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا لیکن ماموں کو میراث نہیں ملے گی، کیوں کہ چچا زاد بھائی کے ہوتے ہوئے ماموں میراث سے محروم رہتا ہے۔

وَ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَةِ الْإِرْثِ، وَ لَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِهٖ.

ترجمہ: اور ذو رحم محارم کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ (اختلاف دین کی صورت میں) وارث ہونے کی اہلیت باطل ہے جب کہ اہلیت کا اعتبار ضروری ہے۔

توضیح:

صورت مسئلہ واضح ہے۔

وَ لَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ لِأَنَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلٰى غَيْرِهٖ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَ وَلَدِهِ الصَّغِيْرِ، لِأَنَّهُ الْتَزَمَهَا بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ إِذِ الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُوْنَهَا وَ لَا يَعْمَلُ فِيْ مِثْلِهَا الْإِعْسَارُ، ثُمَّ الْيَسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيْمَا رُوِيَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَا يَفْضُلُ عَنْ نَفَقَةِ نَفْسِهٖ وَ عِيَالِهٖ شَهْرًا، أَوْ بِمَا يَفْضُلُ عَنْ ذٰلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلَّ يَوْمٍ، لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ إِنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُوْنَ النِّصَابِ فَإِنَّهُ لِلتَّيْسِيْرِ، وَالْفَتْوٰى عَلَى الْأَوَّلِ، لٰكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ الصَّدَقَةِ.

ترجمہ: اور فقیر پر نفقہ نہیں واجب ہوتا، اس لیے کہ نفقہ صلہ رحمی کے طور واجب ہوتا ہے اور فقیر اپنے علاوہ سے صلہ رحمی کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اس پر کیسے یہ استحقاق ہوسکتا ہے۔ برخلاف بیوی اور اپنے صغیر بچہ کے نفقہ کے، اس لیے کہ شوہر نے نکاح کر کے اپنے اوپر نفقہ کو لازم کرلیا ہے، کیوں کہ بدون نفقہ مصالح کا انتظام نہیں ہوسکتا اور اس جیسی حالت میں اعسار کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت کے مطابق یسر ملک نصاب کے ساتھ مقدر ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس مال سے یُسر کا اندازہ لگایا ہے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے ایک ماہ کے نفقے سے زائد ہو، یا جو انسان کی دائمی کمائی سے ہر دن اس مقدار میں بڑھے، کیوں کہ حقوق العباد میں قدرت کا اعتبار ہے نہ کہ نصاب کا، اس لیے کہ نصاب تو آسانی کے لیے ہوتا ہے۔ مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے، لیکن نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس سے زکوٰۃ حرام ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿صلة﴾ حسن سلوک، بغیر عوض ادا کر۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے لے لیا ہے۔ ﴿لا تنتظم﴾ نہیں سدھرتے، انتظام نہیں

ہوتا۔ ﴿إعسار﴾ غربت، تنگ دستی۔ ﴿یسار﴾ مالداری۔ ﴿تیسیر﴾ سہولت۔

تنگ دست آدمی پر واجب ہونے والے نفقات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص خود محتاج اور ضرورت مند ہو اس پر کسی دوسرے آدمی کا نفقہ نہیں واجب ہوتا، کیوں کہ بیوی اور بچوں کے علاوہ کا نفقہ تو احسان اور صلہ رحمی کے لیے واجب ہوتا ہے اور محتاج خود دوسرے کے احسان کا متمنی اور مستحق ہوتا ہے، لہٰذا وہ دوسروں پر کیسے احسان سکتا ہے۔ ہاں محتاج پر اپنی بیوی اور اپنے نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ خود اس نے نکاح کرکے بیوی کا نفقہ اپنے اوپر لازم کیا ہے اور ظاہر ہے کہ نفقہ کے بغیر دنیاوی ضرورتیں اور مصلحتیں حاصل نہیں کی جاسکتیں، اس لیے شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ موسر ہو یا معسر اور مفلس اور اس کا اعتبار وجوب نفقہ سے مانع نہیں ہے، اور چوں کہ نابالغ اولاد میاں بیوی کے لطف وکرم اور ان کو عیش وعشرت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے ان کا خرچہ اور نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہے۔

ثم یسار الخ: صاحب ہدایہؒ یہاں سے یُسر اور خوشحالی کی مقدار اور حد بیان فرمارہے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو اور وہ نصاب اس کی ذاتی ضروریات سے فارغ ہو وہ شخص موسر ہے اور اس پر دیگر لوگوں کا نفقہ واجب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں مروی ہیں (۱) پہلی روایت یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی اور اس کے اہل عیال کی ایک ماہ کی ضروریات کے نفقہ سے زیادہ مال ہو وہ موسر اور خوشحال ہے۔ (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ اگر انسان کی دائمی کمائی سے ہر دن اتنا مال بچتا ہو جو اس کی اور اس کے اہل خانہ کی ضروریات سے زائد ہو تو وہ موسر اور خوشحال ہے، لیکن صاحب ہدایہ کا فرمان ہے کہ یسار کے متعلق قول اول ہی معتبر ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، کیوں کہ بندوں کے حقوق میں صرف قدرت علی الشئی کا اعتبار ہے، نصاب پر قدرت کا اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ نصاب تو یُسر کی آسانی کے لیے ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس کے ہونے سے انسان کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتی ہے۔ اور صاحب کی صراحت کے مطابق حرمان زکوٰۃ نصاب کی مقدار دوسو درہم کی مالیت ہے یعنی جس شخص کے پاس دوسو درہم کی مالیت کا مال ہو اس پر اپنے قریبی رشتے داروں کو نفقہ دینا واجب ہے۔

وَ إِذَا كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيْهِ بِنَفَقَةِ أَبَوَيْهِ، وَ قَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ.

ترجمہ: اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہو تو اس مال میں اس کے والدین کے نفقہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

توضیح:

صورت مسئلہ بالکل واضح ہے۔

وَ إِذَا بَاعَ أَبُوْهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهِ جَازَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ هٰذَا اسْتِحْسَانٌ، وَ إِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ، وَ فِيْ قَوْلِهِمَا لَا يَجُوْزُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ لِانْقِطَاعِهَا بِالْبُلُوْغِ وَ لِهٰذَا لَا يَمْلِكُ حَالَ

حَضْرَتِهٖ وَ لَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِيْ دَيْنٍ لَهٗ سِوَى النَّفَقَةِ، وَ كَذَا لَا تَمْلِكُ الْأُمُّ فِي النَّفَقَةِ، وَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ لِلْأَبِ وِلَايَةَ الْحِفْظِ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ لِلْوَصِيِّ ذٰلِكَ فَالْأَبُ أَوْلٰى لِوُفُوْرِ شَفَقَتِهٖ، وَ بَيْعُ الْمَنْقُوْلِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَ لَا كَذٰلِكَ الْعَقَارُ، لِأَنَّهَا مُحْصَنَةٌ بِنَفْسِهَا، وَ بِخِلَافِ غَيْرِ الْأَبِ مِنَ الْأَقَارِبِ، لِأَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ أَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَ لَا فِي الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ، وَ إِذَا جَازَ بَيْعُ الْأَبِ وَالثَّمَنُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْإِسْتِيْفَاءُ مِنْهُ كَمَا لَوْ بَاعَ الْعَقَارَ وَالْمَنْقُوْلَ عَلَى الصَّغِيْرِ جَازَ لِكَمَالِ الْوِلَايَةِ، ثُمَّ لَهٗ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهٖ، لِأَنَّهٗ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ.

ترجمه: اور اگر باپ نے اپنے غائب بیٹے کا سامان اپنے نفقے میں بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے اور یہ استحسان ہے اور اگر باپ نے (اس بیٹے کی) زمین فروخت کی تو جائز نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے قول کے میں ان تمام میں بیع جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے، کیوں کہ باپ کو اس پر ولایت نہیں ہے، کیوں کہ بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے ولایت منقطع ہوگئی، اسی لیے اس بیٹے کی موجودگی میں باپ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ اور نفقہ کے علاوہ کسی دوسرے قرض میں فروخت نہیں کرسکتا، نیز ماں بھی نفقہ میں اسے بیچنے کی مالک نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غائب بیٹے کے مال میں باپ کو حفاظت کی ولایت حاصل ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ وصی کو یہ حق حاصل ہے لہٰذا باپ کو تو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگا، اس لیے کہ باپ کی شفقت بہت زیادہ ہے اور مال منقول کو بیچنا حفاظت میں سے ہے جب کہ زمین ایسی نہیں ہے، کیوں کہ زمین بذات خود محفوظ رہتی ہے۔

اور برخلاف باپ کے علاوہ دوسرے اقارب کے، اس لیے کہ انھیں کسی بھی طرح کی ولایت نہیں حاصل ہے، نہ تو بچپن میں تصرف کی ولایت حاصل ہے اور نہ ہی بلوغت کے بعد حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ اور جب باپ کے لیے بیٹے کے مال کو فروخت کرنا جائز ہے اور ثمن اس کے حق میں نفقہ کی جنس سے ہو تو باپ کے لیے مشتری سے ثمن وصول کرنا بھی جائز ہے، جیسے اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کی غیر منقولہ یا منقولہ جائداد فروخت کی تو یہ جائز ہے، کیوں کہ باپ کو بیٹے پر پوری ولایت حاصل ہے۔ پھر باپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ثمن میں سے اپنا نفقہ لے لے، کیوں کہ ثمن اس کے حق کی جنس کا ہے۔

اللغاتُ:

﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین۔ ﴿انقطاع﴾ ختم ہو جانا۔ ﴿حضرة﴾ موجودگی۔ ﴿وفور﴾ زیادہ ہونا۔ ﴿محصنة﴾ محفوظ۔ ﴿أقارب﴾ قریبی رشتہ دار۔

غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ماں باپ کا کوئی لڑکا غائب اور لاپتہ ہو لیکن وطن میں اس کا مال ومتاع اور زمین جائداد ہو تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باپ اپنے نفقے میں اس غائب لڑکے کی منقولہ املاک مثلاً سامان وغیرہ بیچ کر اپنا نفقہ اور خرچہ نکال سکتا ہے، لیکن وہ غیر منقولہ جائداد مثلاً زمین اور مکان وغیرہ نہیں فروخت کرسکتا۔ جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں باپ مطلقاً کچھ

نہیں بیچ سکتا، نہ تو املاک منقولہ کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہی املاک غیر منقولہ کو۔

حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ غائب لڑکا بالغ ہے اور بالغ پر باپ کو ولایت نہیں حاصل ہے، کیوں کہ بلوغت کے بعد باپ کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، لہٰذا جب اس لڑکے پر باپ کو ولایت ہی نہیں حاصل ہے تو وہ اس کے مال کو فروخت بھی نہیں کرسکتا، اسی لیے تو لڑکے کی موجودگی میں نفقہ کے علاوہ کسی اور دین یا حق کے لیے باپ اس کا مال نہیں فروخت کرسکتا اور نہ ہی اس کی ماں فروخت کرسکتی ہے، لہٰذا اس کی عدم موجودگی میں تو اس کے مال میں ہاتھ لگانا بھی جرم شمار ہوگا۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بلوغت کے بعد باپ مطلقاً ولایت سے نہیں محروم ہوتا بلکہ حفاظت اور حمایت کی ولایت بلوغت کے بعد بھی حاصل رہتی ہے، کیوں کہ جب وصی کو اس کے مال میں حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو باپ کو تو بدرجۂ اولیٰ یہ ولایت حاصل ہوگی، کیوں کہ باپ کی شفقت ہر فرد بشر کی شفقت سے بلند و بالا ہے، اس لیے بالغ اولاد کے مال میں باپ کو ولایت حفظ حاصل ہے اور چوں کہ مال متقوم کو فروخت کرنا از قبیلۂ حفظ ہے، اس لیے باپ کو اپنے بالغ لڑکے کا مال بھی فروخت کرنے کی اجازت ہوگی خاص کر اس موقع پر جب کہ اسے نفقہ کی حاجت ہے، لیکن واضح رہے کہ یہ اجازت صرف املاکِ منقولہ کے متعلق ہے، کیوں کہ املاکِ غیر منقولہ مثلاً زمین اور مکان وغیرہ تو از خود محفوظ ہوتے ہیں اور انہیں کسی کی حفاظت وصیانت درکار نہیں ہوتی۔

وبخلاف غير الخ: فرماتے ہیں کہ باپ کے علاوہ کسی دوسرے رشتے دار کو یہ حق نہیں ہے، کیوں کہ دیگر قرابت داروں کو نہ تو بچپن میں ولایت تصرف حاصل ہے اور نہ بلوغت کے بعد حفاظت ولایت، اس لیے جب ان کے حق میں ولایت کا ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر بیع جیسی اہم چیز کیسے ثابت ہوگی۔

و إذا جاز الخ: فرماتے ہیں کہ جب باپ کو بالغ بیٹے کی املاکِ منقولہ فروخت کرنے کی اجازت ہے تو اگر اس کا ثمن اس کے نفقہ کی جنس سے ہو یعنی طعام اور غلہ وغیرہ ہو تو باپ کو ثمن اور وصول کرنے اور اس میں سے اپنا حق لینے کی اجازت ہے جیسے اگر باپ نے اپنے صغیر کے بچے کی زمین جائداد فروخت کی تو اس کے لیے پوری قیمت اور پورا ثمن لینے کا اختیار ہے، کیوں کہ صغیر پر باپ کو پوری ولایت حاصل ہے۔

وَ إِنْ كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِيْ يَدِ أَبَوَيْهِ وَ أَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمِنَا، لِأَنَّهُمَا اسْتَوْفَيَا حَقَّهُمَا، لِأَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلٰى مَا مَرَّ، وَ قَدْ أَخَذَا جِنْسَ الْحَقِّ.

ترجمہ: اور اگر ابن غائب کا مال اس کے والدین کے قبضے میں ہو اور والدین نے اس میں سے خرچ کردیا تو وہ ضامن نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ان دونوں نے اپنا حق وصول کرلیا، کیوں کہ والدین کا نفقہ قضائے قاضی سے پہلے ہی واجب ہے جیسا کہ گذر چکا اور ان دونوں نے اپنے حق کی جنس لے لیا ہے۔

اللغات:

﴿استوفیا﴾ دونوں نے وصول کیا ہے۔

غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا سفر میں ہو، لیکن اس کے والدین کے پاس اس کا مال ہو اور وہ اس کے مال میں سے اپنے نفقے کے بقدر خرچ کرلیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ بیٹے کے مال میں نفقہ والدین کا حق ہے اور انہوں نے اپنا حق لے لیا ہے، اس لیے ان پر کوئی ضمان یا تاوان نہیں ہوگا۔

وَ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ أَجْنَبِيٍّ فَأَنْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْقَاضِيْ ضَمِنَ، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِيْ مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وِلَايَةٍ، لِأَنَّهُ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَا غَيْرُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَهُ الْقَاضِيْ، لِأَنَّ أَمْرَهُ مُلْزِمٌ لِعُمُوْمِ وِلَايَتِهِ، وَ إِذَا ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ، لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهِ.

ترجمہ: اور اگر ولد غائب کا مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر اس کے والدین پر خرچ کردیا ہو تو وہ اجنبی ضامن ہوگا، اس لیے کہ اس نے ولایت کے بغیر دوسرے کے مال میں تصرف کیا ہے، کیوں کہ وہ صرف حفاظت کا نائب ہے۔ برخلاف اس صورت سے جب اسے قاضی حکم دے، کیوں کہ قاضی کا حکم لازم کرنے والا ہے، اس لیے کہ اس کی ولایت عام ہے۔ اور جب اجنبی شخص ضامن ہوگیا تو وہ قابض سے رجوع نہیں کرے گا، اس لیے کہ ضمان کی وجہ سے اجنبی اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا یہ واضح ہوگیا کہ وہ مال کے ساتھ تبرع کرنے والا ہے۔

اللغات:

﴿انفق﴾ خرچ کیا۔ ﴿ضمن﴾ ضامن ہوگا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿متبرّع﴾ غیر واجب چیز کو ادا کرنے والا۔

غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا لڑکا غائب ہو اور اس کا کچھ مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور اس اجنبی نے قاضی کی اجازت کے بغیر اس کے والدین پر خرچ کردیا تو وہ اجنبی اس غائب شخص کے مال کا ضامن ہوگا، کیوں کہ اس نے دوسرے کے مال میں ولایت کے بغیر تصرف کیا ہے جب کہ اس کو یہ حق نہیں ہے، کیوں کہ اسے صرف ولایت حفظ حاصل ہے، اس لیے تصرف کرنے میں وہ متعدی ہوگا اور اس پر ضمان واجب ہوگا۔

برخلاف اس صورت کے جب قاضی کے حکم اور اس کی اجازت سے اس اجنبی نے مرد غائب کے والدین پر خرچہ کیا ہو تو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ قاضی کی ولایت عام اور تام ہے اور اس کے حکم اور آڈر کو بجالانا سب پر ضروری اور واجب ہے، اس لیے قاضی کی ولایت سے خرچ کرنا موجب ضمان نہیں ہوگا۔

و إذا ضمن الخ: فرماتے ہیں کہ حکم قاضی کے بغیر خرچ کرنے کی صورت میں جب اس اجنبی پر ضمان واجب ہوا اور اس نے تاوان دیدیا تو وہ اجنبی شخص مرد غائب کے والدین سے اسے وصول نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اجنبی تاوان دے کر اس مال کا مالک ہوچکا ہے لہٰذا اس کا مرد غائب کے والدین پر خرچ کرنا اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور تبرعات وعطیات میں رد اور واپسی نہیں ہوتی۔

وَ إِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَ ذَوِي الْمَحَارِمِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ، لِأَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتّٰى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَ قَدْ حَصَلَتْ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ إِذَا قَضٰى بِهَا الْقَاضِيْ، لِأَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُوْلِ الْإِسْتِغْنَاءِ فِيْمَا مَضٰى، قَالَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِيْ بِالْإِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْقَاضِيْ لَهٗ وِلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ إِذْنُهٗ كَأَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيْرُ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهٖ فَلَا يَسْقُطُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ.

ترجمه: اور جب قاضی نے لڑکے کے لیے، والدین کے لیے اور ذوی الارحام کے لیے نفقہ کا حکم دیا پھر ایک مدت گذر گئی تو اس (مدت) کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا نفقہ حاجت پوری کرنے کے لیے واجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ خوشحالی کے ہوتے ہوئے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اتنی مدت گذرنے سے کفایت حاصل ہوچکی ہے۔ برخلاف بیوی کے نفقے کے جب قاضی اس کا فیصلہ دے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ اس کے خوشحال ہونے کے باوجود واجب ہوتا ہے، لہٰذا ایام گذشتہ میں استغناء حاصل ہونے سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ الّا یہ کہ قاضی شوہر کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دے، اس لیے کہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، لہٰذا قاضی کا حکم دینا ایسا ہے جیسے غائب کا حکم دینا، لہٰذا یہ مرد غائب کے ذمے دین ہوجائے گا اور مدت گذرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿قضی﴾ فیصلہ کردیا۔ ﴿مضت﴾ گزرگئی۔ ﴿یسیر﴾ مالداری۔ ﴿استدانة﴾ قرض لینا۔

مدت خالیہ عن النفقہ کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی شخص پر اس کے لڑکے، اس کے والدین اور اس کے قرابت داروں کے نفقے کا فیصلہ کردیا، اس کے بعد ایک مدت مثلاً دو ماہ بلا نفقہ کے گذر گئے تو ان دو ماہ کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، اس لیے کہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کے لیے واجب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر یہ لوگ خوش حال اور مالدار ہوں تو پھر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، لہٰذا جب بدونِ نفقہ دو ماہ گذر گئے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دو ماہ میں انہیں نفقہ کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے ان دو ماہ کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور ساقط ہوجائے گا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی نے کسی شخص کی بیوی کا نفقہ مقرر کردیا اور بدون نفقہ کچھ مدت گذر گئی تو مدتِ ماضیہ کا نفقہ برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ بیوی کے خوشحال ہونے پر بھی شوہر کے ذمے اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا ایام ماضیہ کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اگر چہ اس مدت اور ان ایام میں بیوی مستغنی اور نفقے سے بے پرواہ ہو۔

قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر قاضی نے والدین اور بیوی بچوں کو مرد غائب کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدیا، لیکن کچھ مدت گذر گئی اور ان لوگوں نے قرضہ نہیں لیا تو بھی ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، لہٰذا باقی کا حکم دینا ایسا ہے جیسا خود مرد غائب نے قرضہ لینے کا حکم دیا ہو اور اگر مرد غائب اپنے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدے تو کچھ مدت تک اگر قرضہ نہیں لیا گیا تو بھی ان لوگوں کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

فَصْلٌ

یہ فصل غلام اور حیوانات وغیرہ کے نفقہ کے بیان میں ہے

وَ عَلَى الْمَوْلٰى أَنْ يُنْفِقَ عَلٰى أَمَتِهِ وَ عَبْدِهِ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْمَمَالِيْكِ انَّهُمْ ((اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ، اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاكُلُوْنَ وَ اَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبِسُوْنَ، وَ لَا تُعَذِّبُوْا عِبَادَ اللّٰهِ))، فَإِنِ امْتَنَعَ وَ كَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَ أَنْفَقَا، لِاَنَّ فِيْهِ نَظْرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتّٰى يَبْقَى الْمَمْلُوْكُ حَيًّا وَ يَبْقِي فِيْهِ مِلْكُ الْمَالِكِ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ بِاَنْ كَانَ عَبْدًا زَمِنًا اَوْ جَارِيَةً لَا يُوَاجَرُ مِثْلُهَا اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا لِاَنَّهُمَا مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ، وَ فِي الْبَيْعِ اِيْفَاءُ حَقِّهِمَا وَ إِبْقَاءُ حَقِّ الْمَوْلٰى بِالْخَلْفِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِاَنَّهَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ تَاخِيْرًا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَ نَفَقَةُ الْمَمْلُوْكِ لَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ إِبْطَالًا، وَ بِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيْوَانَاتِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلٰى نَفَقَتِهَا، إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِهِ فِيْمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ [2] نَهٰى عَنْ تَعْذِيْبِ الْحَيْوَانِ وَ فِيْهِ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ [3] إِضَاعَةِ الْمَالِ وَ فِيْهِ إِضَاعَتُهُ، وَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُجْبَرُ، وَالْأَصَحُّ مَا قُلْنَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: مولیٰ پر لازم ہے کہ وہ اپنی باندی اور اپنے غلام پر خرچ کرے، اس لیے کہ غلاموں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماتحتی میں ڈال دیا ہے لہٰذا جو کھاتے ہو وہ انہیں کھلاؤ اور جو پہنتے ہو وہ انہیں پہناؤ اور اللہ کے بندوں کو تکلیف مت دو۔ پھر اگر مولیٰ انفاق سے رک گیا اور غلام باندی کو کمانے کی صلاحیت ہو تو وہ کمائیں اور اپنے اوپر خرچ کریں، کیوں کہ اس میں جانبین کے لیے شفقت ہے یہاں تک کہ مملوک بھی زندہ رہے گا اور اس میں مالک کی ملکیت بھی باقی رہے گی۔ اور اگر غلام اور باندی کے پاس کمانے کی لیاقت نہ ہو بایں طور کہ وہ لنجا غلام ہو یا باندی ایسی ہو جسے اجرت پر نہ لیا جاسکتا ہو تو مولیٰ کو ان کے بیچنے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ وہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور بیچنے میں ان دونوں کے حق کو پورا کرنا ہے اور مولیٰ کا حق نائب کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ برخلاف بیوی کے نفقہ کے، کیوں کہ وہ دین ہو جاتا ہے، لہٰذا اس میں تاخیر کردی جائے گی جیسا

کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور مملوک کا نفقہ دین نہیں ہوتا اس لیے (اس میں تاخیر) اس کا ابطال ہوگا۔ اور برخلاف تمام حیوانات کے، کیوں کہ وہ نفقہ کے مستحق ہونے کے اہل نہیں ہیں، لہٰذا مالک کو ان کے نفقے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ فیما بینہ وبین اللہ اسے نفقہ کا حکم دیا جائے گا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے اور اس میں تکلیف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضایع سے منع فرمایا ہے اور نفقہ نہ دینے میں مال کا ضیاع ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس پر جبر کیا جائے گا لیکن اصح وہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم

اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿مماليك﴾ واحد مملوک۔ ﴿اطعمو﴾ کھلاؤ۔ ﴿ألبسوهم﴾ ان کو پہناؤ۔ ﴿كسب﴾ کمائی کا ذریعہ۔ ﴿زمن﴾ اپاہج۔ ﴿جارية﴾ لونڈی۔ ﴿أجبر﴾ مجبور کیا جائے گا۔ ﴿ايفاء﴾ ادائیگی۔ ﴿دين﴾ قرضہ۔ ﴿اضاعة﴾ ضائع کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد في كتاب الادب باب في حق المملوك، حديث: ٥١٥٧.

❷ اخرجه ابوداؤد في كتاب الادب باب في حق المملوك، حديث: ١٥٦١.

❸ اخرجه البخاري في كتاب الاستقرا في باب ما ينهى عن اضاعة المال، حديث: ٢٤٠٧، ٢٤٠٨.

غلام اور باندی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی ماتحتی میں غلام اور باندی ہوں تو اسے چاہیے کہ انہیں بھی نفقہ اور کسوہ دے اور ان کے بھی کھانے پینے کا انتظام کرے، اس لیے کہ حدیث پاک میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **أطعموهم مما تأكلون** الخ کے فرمان سے غلاموں اود باندیوں کے کھلانے اور پہنانے کی تاکید فرمائی ہے، لیکن واضح رہے کہ یہاں نفقہ اور کسوہ سے مراد اس کی جنس ہے یعنی مولیٰ پر اپنے طعام اور لباس کی جنس سے دینا لازم نہیں ہے، بلکہ اوسط درجے کا کھانا اور کپڑا جو عموماً دیا جاتا ہے وہ دینا لازم ہے۔

فان امتنع الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مولیٰ غلام یا باندی کو نفقہ دینے سے رک جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ لوگ از خود کما کھا سکتے ہیں (۲) یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی وہ لوگ از خود کما کھا سکتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ کمائیں کھائیں اور موج مستی کریں تاکہ مولیٰ کا بھی فائدہ ہو اور ان کا بھی فائدہ ہو، ان کا فائدہ تو اس طرح ہوگا کہ وہ کھا پی کر زندہ اور تروتازہ رہیں گے جب کہ ان کے خود کفیل ہونے سے مولیٰ کی ملکیت ان پر برقرار رہے گی اور وہ جب چاہے گا بعد میں انہیں بیچ کر اپنی جیب بھر لے گا۔ اور اگر دوسری شکل ہو یعنی وہ غلام لنجا ہو اور کمانے کے لائق نہ ہو یا وہ باندی بھی مجبور ومعذور ہو اور نہ تو وہ محنت ومزدوری کر سکتی ہو اور نہ ہی اسے فروخت کیا جا سکتا ہو تو اس صورت میں مولیٰ کو ان کی فروختگی پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ نفقہ نہ دے کر امساک بالمعروف سے رک گیا تو اس پر تسریح بالاحسان واجب ہے اور چوں کہ بیع کے ذریعے تسریح بالاحسان ممکن ہے اس لیے مولیٰ کو بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر غلام و باندی نفقہ کی مستحق ہیں اور بیع میں ان کے استحقاق اور حق کا ایفاء ہے اور نائب یعنی ثمن مولیٰ کو ملے گا اس لیے اس کا بھی فائدہ ہی ہے گویا کہ اس صورت میں بھی جانبین کے لیے شفقت ہے۔

بخلاف نفقة الخ: فرماتے ہیں کہ غلام اور باندی والے مسئلے کے برخلاف اگر شوہر بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کر دے تو اسے بیوی کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے قرض نہیں ہوتا، اس لیے اس میں تاخیر کرنے سے مملوک کا حق ہی باطل ہو جائے گا لہٰذا اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی اور مولیٰ کو نفقہ دینے یا پھر انہیں بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔

بخلاف سائر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے حیوانوں کو چارہ اور دانہ، نہ دے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ جانور اور مویشی وغیرہ نفقہ کا استحقاق نہیں رکھتے اور بدون استحقاق حق کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا مولیٰ کو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، البتہ فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ اس شخص کو حیوانات کو چارہ وغیرہ دینے کا حکم دیا جائے گا، تاکہ حیوانات بھوک مری کا شکار نہ ہوں اور انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو، اس لیے کہ حدیث پاک میں حیوانوں اور جانوروں کو تکلیف دینے اور ستانے سے منع کیا گیا ہے اور انہیں چارہ نہ دینے میں تعذیب ہے، لہٰذا تعذیب وتکلیف سے بچتے ہوئے چارہ دینا بہتر ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں مال کو برباد کرنے اور بلا وجہ ضائع کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حیوانات کو چارہ نہ دینے میں بھی مال کا ضیاع ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی انہیں چارہ دینا مستحسن ہے۔

وعن أبي يوسف رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کوئی مالک اپنے جانوروں کو چارہ نہ دے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ غلام اور باندی کو نفقہ دینے کے لیے مولیٰ کو مجبور کیا جاتا ہے لیکن اصح وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ مالک کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ **واللہ اعلم وعلمہ أتم.**

صاحب کتاب نے اس سے پہلے کتاب الطلاق کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب العتاق کو بیان کر رہے ہیں دونوں کو یکے بعد دیگرے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طلاق اور عتاق دونوں از قبیل اسقاط ہیں چنانچہ طلاق ملکِ بضع کو ساقط کرتی ہے جب کہ عتاق سے ملک رقبہ کا سقوط ہوتا ہے، مگر چوں کہ اول کتاب میں کتاب النکاح مذکور ہے، اس لیے اس کے معا بعد کتاب الطلاق کو بیان کردیا تاکہ نکاح اور طلاق میں مناسبت ہوجائے یہی وجہ ہے کہ کتاب الطلاق کو کتاب العتاق سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

عتق اور عتاق کے لغوی معنی ہیں قوت، طاقت چنانچہ عَتَقَ الْفَرخُ کے معنی ہیں چوزہ طاقت ور ہوکر اپنے پروں سے اڑنے لگا۔

عتاق کے شرعی معنی ہیں قوة حكمية يصير المرء بها أهلا للشهادة والولاية والقضاء یعنی اس شرعی قوت کا نام عتاق ہے جس کے ذریعے انسان شہادت، ولایت اور قضاء کا اہل ہوجاتا ہے۔

عتق کا سبب دو طرح سے ثابت ہوتا ہے (۱) کسی امر شرعی کی وجہ سے اعتاق انسان کے ذمہ واجب ہو جیسے کفارۂ نذر وغیرہ (۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ اعتاق واجب تو نہ ہو لیکن انسان حصول ثواب اور رضائے الٰہی کی خاطر رقبہ آزاد کرے۔

عتق کی شرط: یہ ہے کہ مُعتق یعنی آزاد کرنے والا بذات خود آزاد ہو، بالغ ہو، عقل مند ہو اور ملکِ یمین کا مالک ہو۔

عتق کا رکن: وہ چیز جس سے آزادی واقع ہو۔

عتق کا حکم: محل سے رقیت اور ملکیت کا زوال۔ (بنایہ ۲/۵-۵۶۱، وهكذا في العنايه وفتح القدير)

اَلْإِعْتَاقُ تَصَرُّفٌ مَنْدُوْبٌ إِلَيْهِ، قَالَ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((أَيُّمَا مُسْلِمٍ أَعْتَقَ مُؤْمِنًا أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ))، وَلِهٰذَا اسْتَحَبُّوْا أَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْأَةُ الْأَمَةَ لِيَتَحَقَّقَ مُقَابَلَةُ الْأَعْضَاءِ بِالْأَعْضَاءِ.

ترجمہ: آزاد کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کے لیے دعاء کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا تو

اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے معتق کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمادیں گے۔ اسی لیے علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ مرد غلام آزاد کرے اور عورت باندی آزاد کرے، تاکہ اعضاء کا اعضاء کے ساتھ مقابلہ متحقق ہو جائے۔

اللغات:

﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مندوب﴾ ترغیب دی گئی ہے۔

اللغات:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العتق باب ای الرقاب افضل، حدیث: ۳۹۶۵.

و بخاری فی کتاب العتق باب فی العتق و فضلہ، حدیث رقم: ۲۵۱۷.

اعتاق کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اعتاق رقبہ مباح اور مستحسن ہے اور حدیث پاک میں اس کام کو انجام دینے والے کے لیے دعاء بھی مذکور ہے اور بشارت بھی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس بندۂ مسلم نے کسی مؤمن غلام یا مومنہ باندی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام اور باندی کے ہر عضو کے بدلے اس معتق کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمائیں گے، اسی دعا اور بشارت کے پیش نظر علمائے امت نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ مرد کو غلام اور عورت کو باندی آزاد کرنی چاہیے تاکہ عضو کا عضو سے مقابلہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جسم وجان کے ساتھ معتق اور معتقہ کے شرم گاہوں کو بھی جہنم سے آزاد کردیں اور مُعتق کے ہر ہر عضو کے مقابلے معتق کا ہر ہر عضو جہنم سے پاک صاف ہو جائے۔

قَالَ الْعِتْقُ يَصِحُّ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِي مَلَكِهِ، شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ، لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَ لَا مِلْكَ لِلْمَمْلُوْكِ، وَالْبُلُوْغَ، لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ لِكَوْنِهِ ضَرَرًا ظَاهِرًا، وَ لِهٰذَا لَا يَمْلِكُهُ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ، وَالْعَقْلَ، لِأَنَّ الْمَجْنُوْنَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ، وَ لِهٰذَا لَوْ قَالَ الْبَالِغُ أَعْتَقْتُ وَ أَنَا صَبِيٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ، وَ كَذَا لَوْ قَالَ الْمُعْتِقُ أَعْتَقْتُ وَ أَنَا مَجْنُوْنٌ وَ جُنُوْنُهُ كَانَ ظَاهِرًا، لِوُجُوْدِ الْإِسْنَادِ إِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ، وَ كَذَا لَوْ قَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوْكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ إِذَا احْتَلَمْتُ لَا يَصِحُّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ، وَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُوْنَ الْعَبْدُ فِي مِلْكِهِ حَتّٰى لَوْ أَعْتَقَ عَبْدَ غَيْرِهِ لَا يَنْفُذُ عِتْقُهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ❶ لَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ آزاد، بالغ اور عاقل آدمی سے اس کی ملکیت میں عتق صحیح ہوتا ہے، امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے حریت کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ عتق صرف ملکیت میں صحیح ہوتا ہے اور مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور بلوغ کی شرط لگائی ہے، اس لیے کہ بچہ اعتاق کا اہل نہیں ہے، کیوں کہ اعتاق میں ضرر ظاہر ہے، اسی لیے ولی بچے پر اعتاق کا مالک نہیں ہوتا۔ اور عاقل ہونے کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ مجنون تصرف کا اہل نہیں ہوتا، اسی لیے اگر بالغ مرد نے کہا میں آزاد کیا حالاں کہ میں بچہ ہوں تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اور

ایسے ہی اگر معتق نے کہا میں نے آزاد کیا لیکن میں مجنون ہو۔ اور اس کا جنون ظاہر بھی ہو، کیوں کہ اعتاق کی نسبت منافی عتق حالت کی طرف کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر بچے نے کہا کہ ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہوں جب میں بالغ ہوجاؤں تو وہ آزاد ہے تو بھی اعتاق صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ نابالغ کسی ایسے قول کا اہل نہیں ہے جو لازم کرنے والا ہو۔

اور غلام کا معتق کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا عتق نافذ نہیں ہوگا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس میں عتق (کا نفاذ) نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿شَرَطَ﴾ شرط لگائی۔ ﴿حریة﴾ آزادی۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔

تخریج:

❶ اخرجہ الترمذی فی کتاب الطلاق باب ماجاء لا طلاق قبل النکاح، حدیث : ۱۱۸۱.

و ابوداود فی کتاب الطلاق باب فی الطلاق قبل النکاح، حدیث رقم: ۲۱۹۰.

اعتاق کی شرائط:

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں اعتاق کی شرائط کو بیان کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے ان کے فوائد قیود ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کرنے والے انسان کا بذات خود آزاد ہونا صحت اعتاق کے لیے شرط اور ضروری ہے، کیوں کہ اعتاق ایک تصرف ہے جو صرف انسان کی ملکیت میں درست ہے اور غیر آزاد یعنی مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی، اسی لیے صحت اعتاق اور نفاذِ عتق کے لیے معتق کا خود آزاد ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اعتاق کے لیے معتق کا بالغ اور مکلف ہونا بھی شرط ہے، کیوں کہ اعتاق میں بظاہر ضرر ہے اور ملکیت کا ضیاع ہے اور بچہ دیگر تصرفات کا اہل نہیں ہے تو پھر اسے اعتاق کی لیاقت کیوں کر ہوگی جب کہ اس میں کھلا ہوا ضرر ہے اسی لیے شریعت نے بچے کے ولی وغیرہ کو اس کی طرف سے اعتاق کا حق نہیں دیا ہے۔

والعقل الخ: فرماتے ہیں کہ اعتاق کے لیے معتق کا عقل مند ہونا بھی شرط اور ضروری ہے، کیوں کہ مجنون کسی تصرف کا اہل نہیں ہوتا چہ جائے کہ اعتاق جیسے اہم تصرف کا اہل ہو، اسی لیے اگر کسی بچے نے یہ کہا میں نے ایسے وقت میں غلام آزاد کیا تھا جب میں نابالغ تھا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اعتاق صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے اعتاق کو ایک ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو نفاذِ وقوع کے منافی ہے (یعنی عدم بلوغ) اور پھر اس کے قول **وأنا صبي** میں **اعتاق** سے انکار ہے اور منکر کا ہی قول معتبر ہوتا ہے **فلذا یعتبر قوله۔**

وکذا لوقال الخ: ایسے ہی اگر کسی شخص نے کہا میں نے اس حال میں غلام آزاد کیا تھا جب میں مجنون تھا اور صورت حال یہ ہو کہ اس شخص کا جنون اور پاگل پن لوگوں میں مشہور ومعروف بھی ہو تو اس صورت میں بھی اس کا قول معتبر ہوگا اور عتق نہیں واقع ہوگا، کیوں کہ اس نے بھی اعتاق کو منافی عتق حالت یعنی جنون کی طرف منسوب کیا ہے، لہٰذا اس کا قول معتبر ہوگا اور عتق کا نفاذ نہیں ہوگا۔

وکذا لو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی بچے نے کہا کہ میں جتنے غلام اور مملوک کا فی الحال مالک ہوں اور وہ سب میرے بلوغت کے وقت آزاد ہیں تو اس صورت میں بھی آزادی متحقق نہیں ہوگی، کیوں کہ جس وقت یہ جملہ اداء کیا گیا ہے اس وقت وہ بچہ تھا اور بچہ تصرف کا اہل نہیں ہوتا اور اس کا یہ قول آئندہ کے لیے ملزم بھی نہیں ہے یعنی اس کے بالغ ہونے کے وقت اعتاق کو نافذ بھی نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ جس طرح بچے کو تصرفات سے روکا گیا ہے اسی طرح اسے اس طرح کے کلمات کی ادائیگی اور تلفظ سے بھی روکا اور منع کیا گیا ہے۔

و لا بد ألخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ معتق جس غلام کو آزاد کرنا چاہے اس غلام کا اس کی اپنی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، اسی لیے اگر کسی نے دوسرے شخص کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا اعتاق صحیح نہیں ہے اور اس غلام میں عتق کا نفاذ نہیں ہوگا، کیوں کہ حدیث پاک میں ہے لاعتق فیما لایملك ابن ادم یعنی انسان جس چیز کا مالک نہیں ہوتا اس میں اس کا اعتاق درست اور نافذ نہیں ہوتا۔ اور پھر فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ لایجوز التصرف في ملك الغیر یعنی دوسرے کی ملکیت میں تصرف جائز نہیں ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی دوسرے کے غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔

وَ إِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ أَوْ أَمَتِهٖ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ أَوْ عَتِیْقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْقَدْ حَرَّرْتُكَ أَوْ قَدْ أَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَی بِهِ الْعِتْقَ أَوْ لَمْ یَنْوِ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِیْحٌ فِیْهِ، لِأَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِیْهِ شَرْعًا وَ عُرْفًا فَأَغْنٰی ذٰلِكَ عَنِ النِّیَّةِ، وَالْوَضْعُ وَ إِنْ كَانَ فِي الْإِخْبَارِ فَقَدْ جُعِلَ إِنْشَاءً فِي التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِیَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْبَیْعِ وَغَیْرِهِمَا، وَ لَوْ قَالَ عَنَیْتُ بِهِ الْإِخْبَارَ الْبَاطِلَ أَوْ أَنَّهٗ حُرٌّ مِنَ الْعَمَلِ صُدِّقَ دِیَانَةً لِأَنَّهٗ یَحْتَمِلُهٗ، وَ لَا یُدَیَّنُ قَضَاءً لِأَنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ.

ترجمہ: اور جب مولیٰ نے اپنے غلام یا اپنی باندی سے کہا تو آزاد ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا محرر ہے یا میں نے تجھے محرر کردیا، یا میں نے تجھے آزاد کردیا تو وہ آزاد ہوجائے گا خواہ مولیٰ اس سے عتق کی نیت کرے یا نہ کرے، کیوں کہ یہ الفاظ اعتاق کے لیے صریح ہیں، اس لیے یہ الفاظ شرع اور عرف دونوں طرح اعتاق کے لیے مستعمل ہیں، لہٰذا اس نے نیت سے مستغنی کردیا، اور ان الفاظ کی وضع اگرچہ اخبار کے لیے ہے، لیکن ضرورت کے پیش نظر تصرفات شرعیہ میں انہیں انشاء کے لیے لے لیا گیا جیسا کہ طلاق اور بیع وغیرہ میں ہوا ہے۔

اور اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اس سے جھوٹی خبر دینے کا ارادہ کیا تھا یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کام سے آزاد ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لیے کہ یہ جملہ اس کا احتمال رکھتا ہے، لیکن قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ خلاف ظاہر ہے۔

اللغات:

﴿معتق﴾ آزاد کیا گیا۔ ﴿عتیق﴾ آزاد۔ ﴿محرر﴾ آزاد کیا گیا۔ ﴿أغنٰی﴾ حاجت مند نہیں چھوڑ۔ ﴿عنیت﴾ میں نے مراد لیا۔ ﴿لا یدیّن﴾ نہیں تصدیق کی جائے گی۔

الفاظ اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ أنت حر یا أنت مُعتقٌ یا أنت عتیق یا أنت محرر یا قد حررتك یا یوں کہا قد أعتقتك تو ان تمام صورتوں میں سے ہر ہر صورت میں غلام اور باندی کی آزادی ہوجائے گی خواہ مولیٰ نے ان کلمات اور الفاظ سے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ ہو، کیوں کہ مذکورہ جملے اعتاق کے لیے صریح ہیں، اور اعتاق ہی کے لیے شرع اور عرف دونوں اعتبار سے مستعمل ہیں، لہٰذا نیت سے استغناء ہوگیا اور بدون نیت بھی ان صورتوں میں عتق کا نفاذ ہوجائے گا، کیوں کہ الفاظ صریحہ نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔

والوضع الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ أنت حر، أنت معتق اور قد أعتقتك اور قد حررتك کے الفاظ اگرچہ اصل وضع کے اعتبار سے اخبار یعنی خبر دینے کے لیے ہیں، لیکن تصرفات شرعیہ میں ضرورت کے پیش نظر انہیں انشاء کے لیے لے لیا گیا ہے جیسے کہ طلاق اور بیع میں بھی أنت طالق اور بعت و اشتریت بھی اصل وضع کے اعتبار سے اخبار کے لیے ہیں مگر ضرورت شرعیہ کی وجہ سے انہیں انشاء کے لیے لے لیا گیا ہے۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے أنت حر وغیرہ سے یہ نیت کی کہ تم کام اور عمل سے آزاد ہو تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ دیانتاً اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لیے کہ ان الفاظ میں اس نیت اور ارادے کا احتمال ہے اور ہر جملہ اپنے محتمل کا احتمال رکھتا ہے، اس لیے دیانۃً تو مولیٰ کی تصدیق کی جائے گی، لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ خلافِ ظاہر ہے اور خلافِ ظاہر امور میں قضاء نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لیے قضاء مولیٰ کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔

وَ لَوْ قَالَ لَهُ يَا حُرُّ يَا عَتِيْقُ يَعْتِقُ، لِأَنَّهُ نِدَاءٌ بِمَا هُوَ صَرِيْحٌ فِي الْعِتْقِ وَهُوَ لِاسْتِحْضَارِ الْمُنَادٰى بِالْوَصْفِ الْمَذْكُوْرِ، هٰذَا هُوَ حَقِيْقَتُهُ فَيَقْتَضِيْ تَحَقُّقَ الْوَصْفِ وَ أَنَّهُ يَثْبُتُ مِنْ جِهَتِهِ فَيَقْتَضِيْ ثُبُوْتَهُ تَصْدِيْقًا لَهُ فِيْمَا أَخْبَرَ، وَ سَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى" إِلَّا إِذَا سَمَّاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَا حُرُّ، لِأَنَّ مُرَادَهُ الْإِعْلَامَ بِاسْمِ عَلَمِهِ وَهُوَ مَا لَقَّبَهُ بِهِ، وَ لَوْ نَادَاهُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَا آزَادُ وَ قَدْ لَقَّبَهُ بِالْحُرِّ قَالُوْا يَعْتِقُ، وَ كَذَا عَكْسُهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنِدَاءٍ بِاسْمِ عَلَمِهِ فَيُعْتَبَرُ إِخْبَارًا عَنِ الْوَصْفِ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا اے آزاد، اے عتیق تو وہ آزاد ہوجائے گا، اس لیے کہ یہ ایسے لفظ کے ساتھ پکارنا ہے، جو عتق میں صریح ہے اور ندا منادیٰ کو وصفِ مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کے لیے ہوتا ہے، یہی منادیٰ کی حقیقت ہے، لہٰذا یہ مذکورہ وصف کے متحقق ہونے کا تقاضا کرے گا اور یہ وصف منادِی کی طرف سے ثابت ہوگا اس لیے مولیٰ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کے لیے اس وصف کے ثبوت کا تقاضا کرے گا۔ اور بعد میں انشاء اللہ ہم اسے ثابت کریں گے۔ الا یہ کہ مولیٰ نے غلام کا حر نام رکھ رکھا ہو پھر اسے پکارا ہو اے حر، اس لیے کہ مولیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ غلام کے نام سے اسے اطلاع دے یعنی اس لقب سے جو مولیٰ نے اس کو ملقب کیا ہے۔ اور اگر مولیٰ نے فارسی میں اے آزاد کہہ کر غلام کو پکارا حالاں کہ اس نے حر اس غلام کا لقب دے رکھا ہو تو فقہائے کرام نے

فرمایا کہ وہ آزاد ہوجائے گا اور ایسے ہی اگر اس کا الٹا ہو، اس لیے کہ یہ اس کے نام سے پکارنا نہیں ہے، لہٰذا اخبار عن الوصف کا اعتبار کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿حرّ﴾ آزاد آدمی۔ ﴿استحضار﴾ موجود کرنا۔ ﴿سمّٰی﴾ نام رکھا۔ ﴿إعلام﴾ اطلاع دینا۔

اپنے غلام کو ''اے آزاد!'' کہہ کر پکارنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے مملوک سے یا حُر یَا عَتِیْق کہا تو ان دونوں صورتوں میں اس کا مملوک آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ مولیٰ نے ایسے لفظ سے مملوک کو پکارا ہے جو عتق کے لیے صریح ہے اور چوں کہ نداء وصف مذکور کے ساتھ منادیٰ کو حاضر کرنے کا نام ہے اور یہاں وصف مذکور حر اور عتیق ہے اس لیے منادیٰ اس وصف کے ساتھ متحقق ہونے کا تقاضا کرے گا اور مولیٰ کے نداء اور اس کی جز کی تصدیق کے لیے منادیٰ یعنی مملوک میں لازمی طور پر اس وصف یعنی حریت اور عتق کے موجود ہونے کا تقاضا کرے گا، اس لیے مملوک میں حریت اور عتق دونوں متحقق ہوں گے اور وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ ویسے آپ کی مزید تسلی کے لیے صاحب ہدایہ آئندہ چل کر اسے اور بھی زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کریں گے۔

الا إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ کے غلام کا نام یا لقب حر ہو اور پھر وہ اسی نام سے اسے پکارے تو اس صورت میں وہ مملوک آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں مولیٰ نے حریت کی خبر دینے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ غلام کو اس کے نام سے بلانے اور پکارنے کا ارادہ کیا ہے، اس لیے یہ کلام اثباتِ عتق کے لیے نہیں ہوگا اور غلام آزاد نہیں ہوگا۔

ولو ناداہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مملوک کا لقب حُر ہو اور مولیٰ فارسی زبان میں یا آزاد کہہ کر اسے پکارے تو اس صورت میں مشائخ کی رائے یہ ہے کہ وہ مملوک آزاد ہوجائے گا، اسی طرح اگر غلام کا لقب آزاد ہو اور مولیٰ عربی میں یا حُر کہہ کر اسے پکارے تو بھی وہ غلام آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ اس کے لقب اور نام کے علاوہ دوسرے لقب اور نام سے پکارنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ مولیٰ کا مقصد اس مملوک میں وصفِ حریت کی خبر دینا ہے اور **إخبار عن وصف الحریة** سے مملوک آزاد ہوجاتا ہے اس لیے ان دونوں صورتوں میں وہ آزاد ہوجائے گا۔

وَ كَذَا لَوْ قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبَتُكَ أَوْ بَدَنُكَ، أَوْ قَالَ لِأَمَتِهٖ فَرَجُكِ حُرٌّ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَلْفَاظَ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ، وَ قَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ، وَ إِنْ أَضَافَهٗ إِلٰى جُزْءٍ شَائِعٍ يَقَعُ فِيْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ وَ سَيَاتِيْكَ الْإِخْتِلَافُ فِيْهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مولیٰ نے کہا تیرا سر آزاد ہے یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی باندی سے کہا تیری شرم گاہ آزاد ہے، کیوں کہ ان الفاظ سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کتاب الطلاق میں یہ گذر چکا ہے۔ اور اگر مولیٰ نے کسی جزء شائع کی طرف آزادی کو منسوب کیا تو اس جزء میں آزادی واقع ہوجائے گی اور اس سلسلے میں عنقریب اختلاف آپ کے سامنے آئے گا۔

اللغات:

﴿رأس﴾ سر۔ ﴿وجه﴾ چہرہ۔ ﴿رقبة﴾ گردن۔ ﴿فرج﴾ شرمگاہ۔ ﴿یعبّر﴾ بیان کیا جاتا ہے، تعبیر کیا جاتا ہے۔
﴿شائع﴾ پھیلا ہوا۔

اعتاق کو جزء بدن کی طرف مضاف کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام یا اپنی باندی سے کہا تیرا سر آزاد ہے یا یوں کہا کہ تیرا چہرہ آزاد ہے یا یوں کہا کہ تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے۔ یا اپنی باندی سے کہا کہ تیری شرم گاہ آزاد ہے تو ان تمام صورتوں میں مملوک پر آزادی واقع ہوجائے گی، کیوں کہ ان الفاظ سے انسان کے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا رأس، وجه، رقبة اور بدن یا فرج سے پورا جسم اور پوری ملکیت مراد ہوگی اور مکمل طور پر مملوک میں آزادی واقع ہوجائے گی جیسا کہ کتاب الطلاق یہ تفصیل آچکی ہے۔

و إن أضافه الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے عتق کو مملوک کے کسی جزء شائع مثلاً تہائی یا چوتھائی کی طرف منسوب کیا تو پہلے اس جز میں عتق واقع ہوگا اور پھر پورے بدن اور جسم میں سرایت کرجائے گا۔ اس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔

وَ إِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرِّجْلِ لَا يَقَعُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَالْكَلَامُ فِيْهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ، وَ قَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے اعتاق کو کسی ایسے معین جزء کی طرف منسوب کیا جس سے پورے بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا جیسے ہاتھ اور پیر تو ہمارے یہاں عتق نہیں واقع ہوگا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اور اس میں وہی بحث ہے جو طلاق میں ہے اور طلاق کی بحث کو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿رِجل﴾ ٹانگ، پاؤں۔

اعتاق کو جزء بدن کی طرف مضاف کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک کے اعتاق کو کسی ایسے معین جزء کی طرف منسوب کیا جس سے پورا بدن تعبیر نہیں کیا جاتا مثلاً یدك حر یا رجلك حر کہا تو اس صورت میں ہمارے یہاں عتق متحقق نہیں ہوگا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمدؒ وغیرہ کے یہاں اس صورت میں عتق واقع ہوجائے گا، یہ مسئلہ مسئلہ طلاق کی طرح ہے جسے ہم ماقبل میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرآئے ہیں۔

وَ لَوْ قَالَ لَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ وَ نَوٰى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَ إِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ لَا مِلْكَ لِيْ

عَلَيْكَ لِأَنِّيْ بِعْتُكَ وَ يَحْتَمِلُ لِأَنِّيْ اَعْتَقْتُكَ فَلَا يَتَعَيَّنُ أَحَدُهُمَا مُرَادًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ.

ترجمه: اور اگر مولی نے کہا تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے اور اس سے اس نے آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ مولی کی مراد یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور یہ بھی احتمال ہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا، لہٰذا بدون نیت کوئی مراد متعین نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿حرية﴾ آزادی۔ ﴿لم ینو﴾ نیت نہیں کی۔

''لا ملک لی علیک'' کے الفاظ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولی نے اپنے مملوک سے کہا لا ملك لي علیك اور اس سے آزادی کی نیت کی تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اگر آزادی کی نیت نہیں کی تو مملوک آزاد نہیں ہوگا۔ کیوں کہ لا ملكِ لي علیك میں ملکیت ختم ہونے کے سلسلے میں دو احتمال ہیں (۱) میں نے تجھے فروخت کر دیا اس لیے تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے (۲) میں نے تجھے آزاد کر دیا اس لیے تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے یہ دو احتمال ہیں اس لیے عتق اور اعتاق کی جہت متعین ہونے کے لیے نیت کی ضرورت ہوگی اور بغیر نیت کے کوئی احتمال متعین نہیں ہوگا۔

قَالَ وَ كَذَا كِنَايَاتُ الْعِتْقِ وَ ذٰلِكَ مِثْلُ قَوْلِهٖ خَرَجْتِ مِنْ مِلْكِيْ وَ لَا سَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكِ وَ لَا رِقَّ لِيْ عَلَيْكِ وَ قَدْ خَلَّيْتُ سَبِيْلَكِ، لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيْلِ وَالْخُرُوْجَ عَنِ الْمِلْكِ وَ تَخْلِيَةُ السَّبِيْلِ بِالْبَيْعِ أَوِ الْكِتَابَةِ كَمَا يَحْتَمِلُ بِالْعِتْقِ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ، وَ كَذَا قَوْلُهٗ لِأَمَتِهٖ قَدْ أَطْلَقْتُكِ، لِأَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ خَلَّيْتُ سَبِيْلَكِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، بِخِلَافِ قَوْلِهٖ طَلَّقْتُكِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ کنایات عتق کا بھی یہی حال ہے اور یہ جیسے مولی کا قول خرجتِ من ملکی تو میری ملکیت سے نکل گئی، تجھ پر میری کوئی راہ نہیں ہے، میرے لیے تجھ پر رقیت نہیں ہے، میں نے تیری راہ چھوڑ دی۔ اس لیے کہ یہ بیع اور کتابت کے ذریعے بھی ملکیت سے راہ کی نفی کرنے اور نکلنے کا احتمال رکھتا ہے، جیسا کہ عتق کے ذریعہ احتمال رکھتے ہیں، لہٰذا نیت ضروری ہے۔ اور ایسے ہی مولی کا اپنی باندی سے قد أطلقتك کہنا ہے کیوں کہ یہ اس کے قول خلیت سبیلك کہنے کے درجے ہے، یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، برخلاف اس کے طلقتك کہنے کے جیسا کہ بعد میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿سبیل﴾ راستہ۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿خلیت﴾ میں نے چھوڑ دیا۔ ﴿أطلقت﴾ میں نے چھوڑ دیا۔

کنایات اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولی نے اپنے مملوک کو الفاظ کنایات کے ذریعے آزاد کیا جیسے یہ کہا کہ تو میری ملکیت سے خارج ہے یا یہ کہا کہ تجھ پر میری کوئی راہ نہیں ہے یا یہ کہا کہ تجھ پر میرے لیے رقیت نہیں ہے یا یہ کہا کہ میں نے تیری راہ چھوڑ دی، تو ان تمام صورتوں میں اگر مولی نے عتق کی نیت کی ہوگی تو اس کے مملوک پر آزادی واقع ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ ان الفاظ میں بیع کے ذریعے اور کتابت کے ذریعے ملکیت سے نفی کرنے اور راستہ چھوڑنے کا بھی احتمال ہے اور عتق کے ذریعے بھی ملکیت سے نکلنے اور راہ چھوڑنے کا احتمال ہے لہٰذا ایک احتمال کی تعیین کے لیے نیت درکار ہوگی اور نیت کے مطابق عتق اور عدم عتق کا فیصلہ ہوگا، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ تمام صورتوں میں وقوع عتق کے لیے مولی کی طرف سے نیت عتق ضروری ہے۔ اگر نیت پائی جائے گی تو آزادی متحقق ہوگی ورنہ نہیں۔

وکذا قوله الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولی نے اپنی باندی سے **قد أطلقتك** کہا یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا تو اس سے بھی بدون نیت آزادی نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ اس میں بھی اعتاق اور تخلیۂ سبیل دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا بدون نیت عتق متحقق نہیں ہوگا یہی قول حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اس کے برخلاف اگر مولی نے اپنی باندی سے یوں کہا **طلقتك** میں نے تجھے طلاق دے دی تو اس صورت میں مولی کی لاکھ نیت کرنے کا باوجود بھی باندی آزاد نہیں ہوگی، کیوں کہ لفظ **طلقتك** طلاق کے لیے صریح ہے، لہٰذا اس سے عتق کا وقوع نہیں ہوگا۔

وَ لَوْ قَالَ لَا سُلْطَانَ لِيْ عَلَيْكَ وَ نَوَى الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ ، لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْيَدِ وَ سُمِّيَ السُّلْطَانُ بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَ قَدْ يَبْقَى الْمِلْكُ دُوْنَ الْيَدِ كَمَا فِي الْمُكَاتَبِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ لَا سَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكَ، لِأَنَّ نَفْيَهُ مُطْلَقًا بِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ، لِأَنَّ لِلْمَوْلٰى عَلَى الْمُكَاتَبِ سَبِيْلًا فَلِهٰذَا يَحْتَمِلُ الْعِتْقَ.

ترجمہ: اور اگر مولی نے کہا تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ سلطنت سے قبضہ مراد ہے۔ اور بادشاہ کا نام اس لیے سلطان رکھا گیا ہے، کیوں کہ سلطنت پر اسی کا قبضہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی ملکیت باقی رہتی ہے، لیکن قبضہ نہیں رہتا جیسا کہ مکاتب میں، برخلاف مولی کے قول **لاسبیل لي علیك** کے، اس لیے کہ سبیل کی مطلقا نفی کرنا ملک کی نفی سے ہوتی ہے، کیوں کہ مکاتب پر مولی کو سبیل حاصل رہتی ہے، اسی لیے یہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

اللغات:

﴿سلطان﴾ غلبہ، تسلط۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿سمّی﴾ نام رکھا گیا ہے۔

کنایات اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولی نے اپنے مملوک سے کہا **لا سلطان لي علیك** تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور اس جملے سے

اس نے آزادی کی نیت کی تو بھی وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ لفظ سلطان کا معنی ہے قبضہ، اسی لیے بادشاہ کو سلطان کہتے ہیں کیوں کہ ملک پر اس کا قبضہ ہوتا ہے بہرحال سلطان قبضہ کے معنیٰ میں ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی ملکیت باقی رہتی ہے لیکن قبضہ نہیں رہتا جیسے مکاتب ہے کہ اس میں ملکیت رہتی ہے، لیکن قبضہ نہیں رہتا، اسی لیے صورت مسئلہ میں مملوک پر آزادی نہیں واقع ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے لا سبیل لي علیك کہا اور اس سے اعتاق کی نیت کی تو وہ مملوک آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ لاسبیل لي علیك کو مطلق کہنا انتفائے ملک کو مستلزم ہے اور چوں کہ مکاتب پر مولیٰ کو راہ حاصل رہتی ہے، اس لیے مکاتب کے حق میں لاسبیل لي علیك عتق کا احتمال رکھے گا اور مکاتب آزاد ہوجائے گا۔

وَ لَوْ قَالَ هٰذَا ابْنِيْ وَ ثَبَتَ عَلٰى ذٰلِكَ عَتَقَ، وَ مَعْنَى الْمَسْئَلَةِ إِذَا كَانَ يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهٖ، وَ إِذَا كَانَ لَا يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهٖ ذَكَرَهُ بَعْدَ هٰذَا، ثُمَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ، لِأَنَّ وِلَايَةَ الدَّعْوٰى بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ، وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ إِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ، وَ إِذَا ثَبَتَ عَتَقَ، لِأَنَّهُ يَسْتَنِدُ النَّسَبُ إِلٰى وَقْتِ الْعُلُوْقِ. وَ إِنْ كَانَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِلتَّعَذُّرِ وَ يَعْتِقُ إِعْمَالًا لِلَّفْظِ فِيْ مَجَازِهٖ عِنْدَ تَعَذُّرِ إِعْمَالِهٖ بِحَقِيْقَتِهٖ. وَ وَجْهُ الْمَجَازِ نَذْكُرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: اور اگر مولیٰ نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر جما رہا تو وہ مملوک آزاد ہوجائے گا اور مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ جب اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہوسکتا ہو۔ اور اگر قائل سے اس جیسا لڑکا نہ ہوسکتا ہو تو اسے اس کے بعد بیان کیا ہے۔ پھر اگر غلام کا کوئی معروف نسب نہ ہو تو اس شخص سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا، اس لیے کہ دعویٔ نسب کی ولایت ملک کی وجہ سے ثابت ہے اور غلام کو نسب کی ضرورت بھی ہے لہٰذا مولیٰ سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور جب نسب ثابت ہوگا تو غلام آزاد ہوجائے گا، اس لیے کہ نسب نطفہ قرار پانے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اگر غلام کا نسب معروف ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ متعذر ہے اور غلام آزاد ہوجائے گا۔ اس لیے کہ لفظ کے حقیقی معنی میں عمل کے دشوار ہونے کی وجہ سے اس کے مجازی معنی میں عمل کرایا جاتا ہے۔ اور مجاز کی وجہ ان شاء اللہ بعد میں ہم بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿ثبت﴾ جم گیا۔ ﴿یولد﴾ پیدا ہوسکتا ہو۔ ﴿یستند﴾ منسوب ہوگا۔ ﴿علوق﴾ استقرار حمل۔ ﴿تعذر﴾ عدم امکان۔ ﴿إعمال﴾ عمل دینا۔

غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا هذا ابني یہ میرا بیٹا ہے اور اسی پر جما اور ڈٹا رہا تو اگر مولیٰ اور غلام کی عمر میں اس قدر تفاوت ہو کہ مولیٰ سے اس غلام جیسے بیٹے کی ولادت ممکن ہو تو وہ غلام آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے من ملك ذارحم محرم عتق علیه یعنی جو شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہوا وہ اس پر آزاد ہوجائے گا لہٰذا غلام تو فوراً آزاد

ہوجائے گا اور اگر اس غلام کا کوئی مشہور و معروف نسب نہ ہوتو اسی مولی سے اس کا نسب بھی ثابت ہو جائیگا، اس لیے کہ ثبوت نسب کے لیے دعویٰ نسب کی ولایت مولی کے مالک ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور غلام کو اس کی ضرورت بھی ہے، اس لیے نسب ثابت ہوجائے گا اور جب نسب ثابت ہوگا تو پھر غلام آزاد بھی ہوجائے گا، کیوں کہ اب نسب وقتِ علوق یعنی نطفہ اور حمل قرار پانے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور اسی وقت سے آزادی بھی ثابت ہوگی اور مذکورہ غلام کو وقتِ علوق ہی سے حُر اور آزاد مانیں گے۔

و إن كان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر غلام کا کوئی معروف نسب ہوتو اس صورت میں مولی سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ جب مولی کے علاوہ دوسرے شخص سے وہ غلام ثابت النسب ہے تو پھر مولی سے اس کے نسب کا اثبات متعذر اور دشوار ہے، اس لیے نسب تو ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ غلام آزاد ہوجائے گا تا کہ لفظ کو اپنے معنیٰ مجازی پر محمول کیا جاسکے، کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ جب لفظ کے حقیقی معنی پر عمل کرنا متعذر رہو تو اس صورت میں مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں إذا تعذرت الحقيقة يصار إلى المجاز.....

وَ لَوْ قَالَ هٰذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ اسْمَ الْمَوْلٰى وَ إِنْ كَانَ يَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ الْعَمِّ وَالْمُوَالَاةَ فِي الدِّيْنِ وَالْأَعْلٰى وَالْأَسْفَلَ فِي الْعَتَاقَةِ إِلَّا أَنَّهُ تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ فَصَارَ كَاسْمٍ خَاصٍ لَهُ، وَ هٰذَا لِأَنَّ الْمَوْلٰى لَا يَسْتَنْصِرُ بِمَمْلُوْكِهِ عَادَةً وَ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ فَانْتَفَى الْأَوَّلُ وَالثَّانِيْ، وَالثَّالِثُ نَوْعُ مَجَازٍ وَالْكَلَامُ لِحَقِيْقَتِهِ، وَ الْإِضَافَةُ إِلَى الْعَبْدِ تُنَافِيْ كَوْنَهُ مُعْتَقًا فَتَعَيَّنَ الْمَوْلَى الْأَسْفَلُ فَالْتَحَقَ بِالصَّرِيْحِ، وَ كَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ هٰذِهِ مَوْلَاتِيْ لِمَا بَيَّنَّا، وَ لَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْمَوْلٰى فِي الدِّيْنِ أَوِ الْكِذْبَ يُصَدَّقُ فِيْمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَ لَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرَ، وَ أَمَّا الثَّانِيْ فَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ مُرَادًا فَالْتَحَقَ بِالصَّرِيْحِ وَ بِالنِّدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِيْحِ يَعْتِقُ بِأَنْ قَالَ يَا حُرُّ يَا عَتِيْقُ فَكَذَا النِّدَاءُ بِهٰذَا اللَّفْظِ، وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا يَعْتِقُ فِي الثَّانِيْ، لِأَنَّهُ يُقْصَدُ بِهِ الْإِكْرَامُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَا سَيِّدِيْ يَا مَالِكِيْ، قُلْنَا الْكَلَامُ لِحَقِيْقَتِهِ وَ قَدْ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِ بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ مَا يَخْتَصُّ بِالْعِتْقِ فَكَانَ إِكْرَامًا مَحْضًا.

ترجمہ: اور اگر آقا نے (اپنے غلام کو) کہا یہ میرا مولی ہے یا کہا اے میرے مولی تو غلام آزاد ہوجائیگا، بہر حال پہلا تو اس لیے کہ اگر چہ لفظ مولی مددگار، چچا زاد بھائی دینی موالات عتاقہ اعلی اور اسفل وغیرہ کو شامل ہے لیکن یہاں اسفل متعین ہے لہٰذا وہ اس کا اسم خاص ہوگیا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مولی عادتاً اپنے مملوک سے مدد نہیں طلب کرتا اور غلام کا معروف نسب بھی ہے، لہٰذا پہلا اور دوسرا معنی منتفی ہوگیا اور تیسرے معنی میں ایک طرح کا مجاز ہے جب کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے لیے ہوتا ہے اور غلام کی طرف نسبت کرنا اس کے معتق ہونے کے منافی ہے، لہٰذا مولی اسفل متعین ہے اور یہ صریح کے ساتھ لاحق ہوگیا۔ اور ایسے ہی اگر مولی نے اپنی باندی سے کہا کہ یہ میری مولی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

اور اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اس سے موالات فی الدین مراد لیا تھا یا جھوٹ مراد لیا تھا تو **فیما بینه وبین الله** اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے، رہی دوسری شکل تو جب اسفل مراد ہونا متعین ہوگیا تو یہ بھی صریح کے ساتھ لاحق ہوگیا اور لفظ صریح کے ساتھ پکارنے سے غلام آزاد ہوجاتا ہے بایں طور کہ مولیٰ کہے اے حر، اے عتیق لہٰذا اس لفظ کے ساتھ پکارنے سے بھی (غلام آزاد ہوجائے گا) امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ **یا سیدی یا مالکي** کی طرح اس قول سے بھی اکرام مقصود ہوتا ہے ہم کہتے ہیں کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے لیے ہوتا ہے اور حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے، اس لیے کہ اس میں کوئی ایسا کلام ہی نہیں ہے جو عتق کے ساتھ مختص ہو، لہٰذا وہ صرف اکرام ہوگا۔

اللغات:

﴿مولیٰ﴾ آزاد کردہ/ آزاد کنندہ۔ ﴿ناصر﴾ مدد کرنے والا۔ ﴿لا یستنصر﴾ مدد نہیں مانگتا۔

اپنے غلام کو "مولیٰ" کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ بالکل آسان اور سہل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ اور آقا نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کرکے کہا **هذا مولاي** یہ میرا مولیٰ ہے یا یوں کہا یا **مولاي** اے میرے مولا تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہوجائے گا خواہ مولیٰ اور قائل ہذہ الجملہ عتق کی نیت کرے یا نہ کرے جب کہ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بدون نیت غلام آزاد نہیں ہوگا۔

پہلی صورت (یعنی جب مولیٰ نے **هذا مولاي** کہا) کی دلیل یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اگرچہ کئی معانی میں مشترک اور مستعمل ہے اور اس سے مُعین ومددگار کا معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے **وأن الکافرین لامولیٰ لهم** میں لا مولیٰ سے **لاناصر لهم** مراد لیا ہے، اسی طرح یہ لفظ چچازاد بھائیوں کا بھی معنی دیتا ہے چنانچہ سورۂ مریم میں ہے **و اني خفت الموالي من ورائي** اور **موالي** سے چچازاد بھائی ہی مراد ہیں، نیز اس سے دینی موالات بھی مراد ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی شخص سے کہے کہ تم میرے مولیٰ ہو اگر میں مرجاؤں تو میرے وارث بن جانا اور اگر میں کوئی جرم اور جنایت کروں تو میری طرف سے تاوان اور دیت دینا اور وہ شخص اسے قبول کرلے تو وہ مذکورہ مسلم کا دینی مولیٰ ہوگا، ایسے ہی لفظ مولیٰ سے معتِق یعنی آزاد کرنے والا بھی مراد ہوسکتا ہے اور معتَق یعنی کسی کا آزاد کیا ہوا غلام بھی مراد ہوسکتا ہے، بہرحال یہ لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے لیکن یہاں اس سے سب سے آخری معنی یعنی معتَق بمعنی آزاد کردہ غلام مراد ہے، اس لیے کہ اس سے پہلا یعنی ناصر اور مددگار والا معنی نہیں مراد لے سکتے، کیوں کہ مولیٰ عموماً اور عادتاً غلام سے مدد نہیں طلب کرتا، اسی طرح دوسرا یعنی ابن العم والا معنی بھی مراد نہیں لیا جاسکتا، اس لیے کہ اس غلام کا نسب معروف ہے اس لیے یہ دو معنی تو منتفی ہوگئے۔

رہا تیسرا معنی یعنی موالات في الدین تو وہ بھی نہیں مراد لیا جاسکتا، کیوں کہ مولیٰ فی الدین لفظ مولیٰ کا مجازی معنی ہے اور مجاز کی طرف اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے جب حقیقی معنی پر عمل دشوار ہو اور صورت مسئلہ میں چوں کہ معنی حقیقی پر عمل ممکن ہے، اس لیے اسے معنی مجازی پر نہیں محمول کیا جاسکتا، لہٰذا یہ معنی بھی مراد لینا منتفی ہوگیا، اب رہا چوتھے معنی کا مراد ہونا یعنی اس سے مولیٰ اعلیٰ اور آزاد

کرنے والا مولیٰ مراد لیا جائے تو وہ بھی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ هذا مولاي میں ہذا اسم اشارہ ہے اور مولاي سے غلام مشار الیہ ہے جس کی طرف نسبت کی گئی ہے اور چوں کہ اس کا غلام ہونا متعین ہے، اس لیے وہ معتق نہیں ہوسکتا، لہٰذا جب ان معانی میں سے کوئی بھی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا تو اس سے مولی اسفل یعنی مُعتَق والا معنی متعین ہوگا اور لفظ مولی یہاں اس معنی میں صریح ہوگا اور لفظ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے هذا مولاي کہنے سے بدون نیت بھی وہ غلام آزاد ہوجائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی باندی سے هذه مولاي کہے تو وہ باندی بھی نیت کے بغیر آزاد ہوجائے گی، اس لیے کہ مولائے اسفل کے علاوہ اسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اور اس کی دلیل بھی وہی ہے جو هذا مولاي کی ہے۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قائل اور مولیٰ یہ کہے کہ هذا مولاي سے میری مراد یہ تھی کہ وہ میرا دینی مولیٰ ہے یا میں نے کذب اور جھوٹ کا ارادہ کیا تو دیانتاً یعنی فیما بینه و بین الله اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاءً اس کی تصدیق وتوثیق نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کا ارادہ ظاہر کے خلاف ہے اور خلاف ظاہر امور میں صرف دیانۃً ہی تصدیق ہوتی ہے۔

وأما الثاني الخ: فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی یا مولاي کہنے کی صورت میں بھی ہمارے یہاں بدون نیت غلام آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ جب لفظ مولیٰ سے مولیٰ اسفل یعنی معتق مراد ہے اور یہ لفظ یہاں اسی معنی میں صریح ہے اور صریح لفظ سے پکارنے میں مثلاً یا حر یا عتیق کہنے سے غلام آزاد ہوجاتا ہے، لہٰذا جب لفظ مولیٰ بھی صریح کی طرح ہے تو یا مولیٰ کہنے سے غلام آزاد ہوجائے گا اور صریح کی طرح اس میں بھی نیت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اس کے برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں غلام آزاد ہی نہیں ہوگا کیوں کہ اس لفظ سے تعظیم مقصود ہوتی ہے اور تعظیم وتکریم کے حوالے سے یہ یا سیدی اور یا مالکی کے درجے میں ہے اور یا سیدي اور یا مالكي کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے بھی غلام آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم وتکریم لفظِ مولیٰ کے مجازی معنی ہیں اور معتق اس کا حقیقی معنی ہے اور چوں کہ اس معنی پر اسے محمول کرنا ممکن بھی ہے، اس لیے لفظ مولیٰ کو حقیقی معنی ہی پر محمول کریں گے اور اس سے مولی اسفل مراد لیں گے نتیجتاً غلام آزاد ہوجائے گا۔

اس کے برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ جو کہتے ہیں یعنی یا سیدی اور یا مالکی پر محمول کرنا تو ان لفظوں میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں ہے جو آزادی پر دلالت کرے، لہٰذا یا سیدي اور یا مالكي میں اکرام محض ہوگا اور اکرام محض سے تو ہم بھی عدم عتق کے قائل ہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس معنی کر کے بھی سمجھ سے پرے ہے کہ جب یہاں نداء مولیٰ کی طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ منادیٰ غلام ہوگا اور بھلا آقا بھی کہیں غلام کا اس طرح اکرام کرتا ہے، یہ بات حلق سے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔

وَ لَوْ قَالَ يَا ابْنِي أَوْ يَا أَخِي لَمْ يَعْتِقْ، لِأَنَّ النِّدَاءَ لِإِعْلَامِ الْمُنَادٰى إِلَّا أَنَّهُ إِذَا كَانَ بِوَصْفٍ يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ مِنْ جِهَتِهٖ كَانَ لِتَحْقِيْقِ ذٰلِكَ الْوَصْفِ فِي الْمُنَادٰى اسْتِحْضَارًا لَهُ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوْصِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ يَا حُرُّ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، وَ إِذَا كَانَ النِّدَاءِ بِوَصْفٍ لَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ مِنْ جِهَتِهٖ كَانَ لِلْإِعْلَامِ الْمُجَرَّدِ دُوْنَ تَحْقِيْقِ الْوَصْفِ فِيْهِ لِتَعَذُّرِهٖ، وَالْبُنُوَّةُ لَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهَا حَالَ النِّدَاءِ مِنْ جِهَتِهٖ، لِأَنَّهُ لَوِ انْخَلَقَ مِنْ مَاءِ غَيْرِهٖ لَا يَكُوْنُ ابْنًا لَهُ بِهٰذَا

النِّدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْإِعْلَامِ، وَ يُرْوٰى عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَاذًّا أَنَّهُ يَعْتِقُ فِيْهِمَا، وَالْإِعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ، وَ لَوْ قَالَ يَا ابْنُ لَا يَعْتِقُ، لِأَنَّ الْأَمْرَ كَمَا أَخْبَرَ فَإِنَّهُ ابْنُ أَبِيْهِ، وَ كَذَا إِذَا قَالَ يَا بُنَيَّ أَوْ يَا بُنَيَّةُ، لِأَنَّهُ تَصْغِيْرٌ لِلْابْنِ وَالْبِنْتِ مِنْ غَيْرِ إِضَافَةٍ، وَالْأَمْرُ كَمَا أَخْبَرَ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ نداء منادیٰ کو اطلاع کرنے کے لیے ہوتی ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جسے پکارنے والے کی طرف سے ثابت کرنا ممکن ہو تو منادیٰ میں اس وصف کے ثبوت کے لیے ہوگا تا کہ منادیٰ کو اسی وصفِ خاص کے ساتھ حاضر کیا جائے جیسا کہ مولیٰ کے یا حر کہنے میں ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جب نداء کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کو پکارنے والی کی طرف سے ثابت کرنا ممکن ہو نہ تو یہ نداء صرف اطلاع کے لیے ہوگی نہ کہ منادیٰ میں اس وصف کے اثبات کے لیے، کیوں کہ اس کا اثبات متعذر ہے اور بیٹا ہونا ایک ایسا وصف ہے جسے پکارنے کے وقت منادِی کی طرف سے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ دوسرے کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو اس پکارنے سے وہ اس کا بیٹا نہیں ہوگا، لہٰذا یہ پکارنا صرف آگاہ کرنے کے لیے ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے شاذ روایت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا لیکن اعتماد ظاہر الروایۃ ہی پر ہے۔
اور اگر مولیٰ نے اسے بیٹے کہا تو غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ معاملہ وہی ہے جو اس نے خبر دیا ہے، کیوں کہ وہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے یا بُنَيّ یا بُنَيّة کہا اس لیے یہ اضافت کے بغیر ابن اور بنت کی تصغیر ہے اور معاملہ اس کی خبر کے مطابق ہے۔

اللغات:

﴿إعلام﴾ خبر دینا، اطلاع کرنا۔ ﴿منادی﴾ جس کو پکارا گیا۔ ﴿مجرّد﴾ محض، صرف۔ ﴿بنوّة﴾ بیٹا ہونا۔
﴿انخلق﴾ پیدا ہوا، تخلیق پائی۔

اپنے غلام کو بیٹا یا بھائی کہہ کر پکارنا:

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام کو یا حر یا عتیق اور یا مولاي کہہ کر پکارا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ مثلاً یا ابنی اور یا أخي کہہ کر پکارنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا یہاں اسی کی مزید تشریح و توضیح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابنی اور یا اخي کہہ کر غلام کو پکارنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر نداء کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جسے منادی کی طرف سے منادی میں ثابت کرنا ممکن ہو تو اس صورت میں منادیٰ میں اس وصف کو ثابت کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ منادی اور پکارنے والا اسی وصف مذکور کے ساتھ منادیٰ کو حاضر کرنا اور بلانا چاہتا ہے جیسے مولیٰ کے یا حر اور یا عتیق کہنے کی صورت میں غلام آزاد ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ اسی وصف کے ساتھ غلام کو بلانا اور حاضر کرنا چاہتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں ابن اور اخ یہ دونوں ایسے وصف ہیں جن کا اثبات مولیٰ کی طرف سے بحالتِ نداء ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ غلام دوسرے آدمی کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اسی کا بیٹا ہوگا اور اس کے بیٹوں کا بھائی ہوگا اور اس کے پکارنے سے وہ نہ تو اس کا بیٹا ہوگا اور نہ ہی بھائی، لہٰذا یہ پکارنا صرف اطلاع اور آگاہی کے لیے ہوگا اور اس سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ قائل کی طرف سے منادیٰ یعنی غلام میں مذکورہ

دونوں وصفوں میں سے کسی وصف کا اثبات ممکن نہیں ہے۔ یہ تفصیل ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔

اس کے برخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حسن بن زیادؒ کی شاذ روایت یہ ہے کہ یا ابني اور یا أخي کہنے کی صورت میں بھی غلام آزاد ہوجائے گا، لیکن یہ روایت نہایت معمولی اور پھسپھسی ہے اسی لیے صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ **والا عتماد علی الظاهر** یعنی معتمد اور مستند روایت ظاہر الروایہ کی روایت ہے۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام سے یا ابنی کے بجائے یا ابنُ کہا (اے بیٹا) تو اس سے غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ مولیٰ کی بات واقع کے مطابق ہے اور یقیناً وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے لہٰذا اس میں عتق کا سوال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے غلام سے یا بُنَيّ (اے بٹوا) تصغیر کے ساتھ کہا یا باندی سے یا بُنَيَّة کہا اور اپنی طرف اضافت نہیں کی تو اس صورت میں بھی غلام اور باندی پر آزادی نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ اس کا کلام حقیقت کے مطابق ہے اور تصغیر تو شفقت اور مہربانی کیلئے استعمال کی جاتی ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی عتق کا تحقق نہیں ہوگا۔

وَ إِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هٰذَا ابْنِيْ عَتَقَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَا لَا يَعْتِقُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، لَهُمْ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيْقَتِهِ فَيُرَدُّ وَ يَلْغُوْ كَقَوْلِهِ أَعْتَقْتُكَ قَبْلَ اَنْ أُخْلَقَ أَوْ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ، وَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيْقَتِهِ لٰكِنَّهُ صَحِيْحٌ بِمَجَازِهِ لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ عَنْ حُرِّيَّتِهِ مِنْ حِيْنِ مِلْكِهِ، وَ هٰذَا لِأَنَّ الْبُنُوَّةَ فِي الْمَمْلُوْكِ سَبَبٌ لِحُرِّيَّتِهِ إِمَّا إِجْمَاعًا أَوْ صِلَةً لِلْقَرَابَةِ، وَ إِطْلَاقُ السَّبَبِ وَ إِرَادَةُ الْمُسَبَّبِ مُسْتَجَازٌ فِي اللُّغَةِ تَجَوُّزًا، وَ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ لَازِمَةٌ لِلْبُنُوَّةِ فِي الْمَمْلُوْكِ، وَالْمُشَابَهَةُ فِيْ وَصْفٍ لَازِمٍ مِنْ طُرُقِ الْمَجَازِ عَلٰى مَا عُرِفَ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ تَحَرُّزًا عَنِ الْإِلْغَاءِ، بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهِ، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ لَهُ فِي الْمَجَازِ فَتَعَيَّنَ الْإِلْغَاءُ، وَ هٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ قَطَعْتُ يَدَكَ فَأَخْرَجَهُمَا صَحِيْحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُجْعَلْ مَجَازًا عَنِ الْإِقْرَارِ بِالْمَالِ وَالْتِزَامِهِ وَ إِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبَبًا لِوُجُوْبِ الْمَالِ، لِأَنَّ الْقَطْعَ خَطَاءً سَبَبٌ لِوُجُوْبِ مَالٍ مَخْصُوْصٍ وَهُوَ الْأَرْشُ وَ إِنَّهُ يُخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوَصْفِ حَتّٰى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِيْ سَنَتَيْنِ، وَ لَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ بِدُوْنِ الْقَطْعِ وَ مَا أَمْكَنَ إِثْبَاتُهُ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهُ، أَمَّا الْحُرِّيَّةُ لَا تَخْتَلِفُ ذَاتًا وَ حُكْمًا فَأَمْكَنَ جَعْلُهُ مَجَازًا عَنْهُ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے ایسے غلام کو هذا بني کہا کہ اس سے اس جیسا غلام نہیں پیدا ہوسکتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہوجائے گا، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نہیں آزاد ہوگا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا کلام ہے جس کو اس کے حقیقی معنی (پر محمول کرنا) محال ہے لہٰذا وہ رد اور لغو ہوجائے گا جیسے مولیٰ کا یہ قول (مردود ہے) کہ میں نے

تجھے اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے آزاد کردیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگرچہ اپنے حقیقی معنیٰ میں محال ہے لیکن مجازی معنی میں صحیح ہے، اس لیے یہ کہ مولیٰ کے مالک ہونے کے وقت سے غلام کے آزاد ہونے کی خبر دینا ہے اور یہ حکم اس لیے ہے کہ مملوک کا بیٹا ہونا اس کی آزادی کا سبب ہے یا تو اجماع کی وجہ سے یا صلۂ قرابت کی وجہ سے اور سبب بول کر مسبب مراد لینا لغت عرب میں مجاز ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مملوک میں بیٹا ہونے کے لیے حریت لازم ہے اور وصف لازم میں تشبیہ دینا مجاز کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جیسا کہ یہ معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

برخلاف اس مسئلے کے جس سے استشہاد کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں مجاز کی کوئی راہ نہیں ہے لہٰذا اس کا لغو ہونا متعین ہے۔

اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ (غلطی سے) کاٹ دیا لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ صحیح سالم نکال دیے تو اسے اقرار بالمال اور التزام مال سے مجاز نہیں قرار دیا جائے گا اگرچہ غلطی سے ہاتھ کاٹنا مال مخصوص یعنی تاوان کے وجوب کا سبب ہے اور یہ ایک وصف میں مالِ مطلق کے مخالف ہے یہاں تک کہ عاقلہ پر دو سال میں جرمانہ واجب ہوتا ہے اور قطع ید کے بغیر اس کا اثبات ممکن نہیں ہے اور جس کا اثبات ممکن ہے تو قطع اس کا سبب نہیں ہے۔ رہی آزادی تو وہ ذات اور حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی، لہٰذا ابن سے مجازاً حریت مراد لینا ممکن ہے۔

اللغاتُ:

﴿لا یولد﴾ نہ پیدا ہوسکتا ہو۔ ﴿یردّ﴾ رد کر دیا جائے گا۔ ﴿یلغو﴾ لغو ہو جائے گا۔ ﴿اُخلق﴾ میں پیدا کیا گیا۔
﴿بنوّۃ﴾ بیٹا ہونا۔ ﴿صلۃ﴾ حسن سلوک۔ ﴿تحرّز﴾ بچنا۔ ﴿أرش﴾ جرمانہ، تاوان۔ ﴿عاقلۃ﴾ اہل خاندان۔

اپنے غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا ھذا ابنی اور وہ غلام عمر میں اس شخص سے بڑا ہو اور اس جیسے غلام کا اس جیسے آدمی سے پیدا ہونا ممکن نہ ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا لیکن حضرات صاحبینؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آزاد نہیں ہوگا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب غلام اپنے مولیٰ سے عمر میں بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کلام اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے وہ کلام رد اور لغو ہوگا جیسے اگر مولیٰ یہ کہتا کہ میں نے اپنی پیدائش سے پہلے یا تیری پیدائش سے پہلے تجھے آزاد کردیا تھا تو اس طرح اس صورت میں مذکورہ کلام لغو ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مولیٰ کا کلام رد ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ اس کلام کے حقیقی معنی محال اور متعذر ہیں اور غلام کے مولیٰ سے کبیر سن ہونے کی وجہ سے اسے حقیقت کا جامہ پہنانا ممکن نہیں ہے مگر مجازی معنی یعنی حریت اور آزادی کے حوالے سے یہ کلام درست اور صحیح ہے، اس لیے کہ مولیٰ نے اپنے کلام سے گویا اس بات کی خبر دی ہے کہ جب سے میں اس غلام کا مالک ہوا ہوں اسی وقت سے یہ آزاد ہے، کیوں کہ بیٹا ہونا غلام کی آزادی کا سبب ہے اور یہ سبب اجماع امت سے بھی ثابت ہے اور صلۂ قرابت سے بھی ثابت ہے، کیونکہ آزادی صلہ رحمی ہے اور بنوت بول کر مسبب یعنی عتق مراد لیا گیا ہے جو لغت عرب میں مجاز ہے اور حقیقی معنی متعذر ہونے کے وقت مجازی معنی کو مراد لینا درست اور جائز ہے۔

ولأن الحرية الخ: یہاں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مملوک کا بیٹا ہونے کے لیے اس کا آزاد ہونا ضروری ہے تو گویا بنوت اور عتق دونوں لازم اور ملزوم ہیں اور وصف لازم کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ایک قسم کا مجاز ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی کلام کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ إعمال الکلام أولٰی من إهماله یعنی کلام کو کارآمد بنانا اسے برباد اور بیکار کرنے سے بہتر ہے۔ اس کے برخلاف أعتقتك قبل أن أخلق الخ: والا جملہ جس سے حضرات صاحبین نے استشہاد کیا ہے وہ درست نہیں ہے، کیوں کہ تحقق عتق کے لیے مولیٰ اور مملوک دونوں کا زندہ بخیر رہنا ضروری ہے اور کسی کی بھی پیدائش سے پہلے عتق کا تحقق نہیں ہوسکتا، اس لیے یہ کلام تو سراسر لغو اور رد ہوگا اور حقیقت اور مجاز دونوں اعتبار سے محروم ہو جائے گا۔

وھذا بخلاف الخ: یہاں سے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب یہ قول آپ کے لازم اور سبب بول کر ملزوم اور مسبب مراد لینا مجاز ہے اور کلام کے حقیقی معنی متعذر رہونے کی صورت میں اسے مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو یہ اصل اور ضابطہ ہر جگہ جاری ہونا چاہیے حالاں کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک جگہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس ضابطے پر عمل پیرا نہیں ہیں، چنانچہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا قطعت یدك خطأ میں نے غلطی سے تیرا ہاتھ کاٹ دیا، لیکن دوسرے نے جھٹ سے اپنا ہاتھ صحیح سالم نکال کر دکھایا تو یہاں بھی سبب یعنی قطع ید بول کر مسبب یعنی تاوان کے وجوب کو مجاز أمراد لینا چاہیے تھا حالاں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی ایسا نہیں کہا گیا ہے۔

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قطع ید سے مال مطلق واجب نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک خاص قسم کے مال یعنی ضمان اور تاوان کے وجوب کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ مال تاوان عاقلہ یعنی معاون برادری پر دو سال میں واجب ہوتا ہے جب کہ مال مطلق فوراً واجب ہوتا ہے، اسی طرح ضمان کا وجوب سبب یعنی قطع ید کے بغیر ممکن نہیں ہے اور مال مطلق یعنی قرض کے اقرار سے جو مال واجب ہوتا ہے اس کا سبب قطع ید نہیں، بلکہ اقرار قرضہ ہے، اس لیے ان حوالوں سے ارش یعنی ضمان کا مال مالِ مطلق سے مختلف ہے اور صورتِ مسئلہ میں چوں کہ سبب یعنی قطع ید پایا نہیں گیا ہے، اس لیے مسبب یعنی مالِ ضمان بھی واجب نہیں ہوگا اور مال ارش چوں کہ مطلق سے مختلف ہے اس لیے مجازا اس سے قرض اور اقرار بالمال کا بھی فیصلہ نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف حریت اور آزادی کا مسئلہ ہے تو چوں کہ حریت ذات یعنی زوالِ رقیت اور حکم یعنی قضاء اور شہادت وغیرہ کی لیاقت کے حساب سے حقیقت اور مجاز میں مختلف نہیں ہوتی۔ اس لیے أنت حر یا ھذا حر کہہ کر حقیقتاً بھی آزادی واقع کی جاسکتی ہے اور ہذا ابني کہہ کر اسے ہذا حر کے معنی میں مجازا مراد لے کر بھی آزادی واقع کی جاسکتی ہے۔

وَ لَوْ قَالَ هٰذَا أَبِيْ وَ أُمِّيْ وَ مِثْلُهُ لَا يُوْلَدُ لِمِثْلِهِ فَهُوَ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ لِمَا بَيَّنَّا، وَ لَوْ قَالَ لِصَبِيٍّ صَغِيْرٍ هٰذَا جَدِّيْ قِيْلَ هُوَ الْخِلَافُ وَ قِيْلَ لَا يَعْتِقُ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ هٰذَا الْكَلَامُ لَا مُوْجَبَ لَهُ فِي الْمِلْكِ إِلَّا بِوَاسِطَةٍ وَهُوَ الْأَبُ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ فِيْ كَلَامِهِ فَتَعَذَّرَ أَنْ يُجْعَلَ مَجَازًا عَنِ الْمُوْجِبِ، بِخِلَافِ الْأُبُوَّةِ وَالْبُنُوَّةِ، لِأَنَّ لَهُمَا مُوْجَبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ. وَ لَوْ قَالَ هٰذَا أَخِيْ لَا يَعْتِقُ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ

يَعْتِقُ، وَ وَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَا بَيَّنَّاهُ، وَ لَوْ قَالَ لِعَبْدِهِ هٰذَا ابْنَتِيْ فَقَدْ قِيْلَ عَلَى الْخِلَافِ وَ قَدْ قِيْلَ هُوَ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْمُسَمّٰى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمّٰى وَهُوَ مَعْدُوْمٌ فَلَا يُعْتَبَرُ وَ قَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي النِّكَاحِ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے غلام کو کہا یہ میرا باپ ہے (یا باندی کو کہا) یہ میری ماں ہے اور اس جیسا آدمی اس غلام یا باندی سے پیدا نہیں ہوسکتا تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اگر اس نے کسی چھوٹے بچے کو کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ وہ مختلف فیہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ بالاتفاق وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ ملک (مملوک) میں اس بات سے بدون واسطہٗ اب کوئی بات واجب نہیں ہوگی اور اس کلام میں واسطہ ثابت ہی نہیں ہے، لہٰذا اسے (مجازا) موجب حریت قرار دینا متعذر ہے۔ برخلاف باپ ہونے اور بیٹا ہونے کے، کیوں کہ واسطے کے بغیر بھی مملوک میں یہ دونوں موجب حریت ہیں۔ اور اگر مولیٰ نے هذا أخي کہا تو ظاہر الروایہ میں غلام آزاد نہیں ہوگا جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت میں وہ آزاد ہو جائے گا اور دونوں روایتوں کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا یہ میری بیٹی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اجماعی ہے، اس لیے کہ مشارٌ الیہ مسمّٰی کی جنس سے نہیں ہے تو حکم کا تعلق مسمّٰی سے ہوگا اور مسمّٰی معدوم ہے، لہٰذا یہ کلام معتبر نہیں ہوگا اور کتاب النکاح میں ہم اس سے ثابت کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿جدّ﴾ دادا۔ ﴿موجب﴾ سبب۔

اپنے غلام باندی کو اپنا ماں باپ قرار دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام کے بارے میں کہا یہ میرا باپ ہے یا اپنی باندی کو کہا یہ میری ماں ہے اور وہ دونوں عمر میں اس سے چھوٹے ہوں یا اس طرح ہوں کہ ان سے مولیٰ جیسے انسان کی ولادت متصور نہ ہو تو یہ مسئلہ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں مختلف فیہ ہے چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کلام کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا اور غلام یا باندی پر آزادی واقع ہو جائے گی جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں یہ کلام لغو اور رد ہوگا اور اسے ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل ماقبل والے مسئلے میں گذر چکی ہے۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے کسی چھوٹے بچے کو کہا کہ یہ میرے دادا میاں ہیں تو اس سلسلے میں حضرات مشائخ کی دو روایتیں ہیں (۱) پہلی رائے یہ ہے کہ یہ صورت بھی امام صاحب اور صاحبینؒ کے یہاں مختلف فیہ ہے (۲) اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ صورت متفق علیہ ہے اور کسی کے یہاں بھی وہ بچہ غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس مملوک میں جدیّت یعنی دادا ہونے کو ثابت کیا گیا ہے اور اس اثبات کے لیے باپ کا واسطہ ضروری ہے، کیوں کہ باپ کے بغیر جد کا ثبوت اور وقوع نہیں ہوسکتا اور چوں کہ مولیٰ کے اس کلام میں واسطہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لہٰذا اسے مجازا موجب حریت قرار دینا محال اور ناممکن ہے اور جب مجازی معنی

کے اعتبار سے اس میں حریت کا اثبات ممکن نہیں ہے تو پھر یہ کلام لغو ہوگا اور وہ بچہ آزاد نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے هذا ابني یاهذا أبي کہا تو مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ ابن اور أب میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے اور بدون واسطہ یہ دونوں موجب حریت ہیں۔

ولو قال هذا أخي الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے هذا أخي کہا تو ظاہر الروایہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت کے مطابق غلام آزاد ہو جائے گا اور اس سے پہلے والے مسئلے میں لأن البنوة الخ سے عتق اور عدم عتق دونوں کی دلیل بیان کی جاچکی ہے فلا نعید ههنا۔

ولوقال لعبده الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو اس سلسلے میں بھی مشائخ کے دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں مختلف فیہ ہے (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اور کسی کے یہاں بھی غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اسم اشارہ اور مشارالیہ میں حکم کا تعلق مشارالیہ سے ہوتا ہے اور اگر مشارالیہ مسمّٰی کی جنس سے نہ ہو تو پھر حکم کا تعلق مسمّٰی سے ہوتا ہے اور اس صورت میں عبد یعنی اسم اشارہ مشارالیہ یعنی ابنتي کی جنس سے نہیں ہے اس لیے حکم مسمّٰی یعنی ابنتي سے متعلق ہونا چاہیے لیکن مسمّٰی یعنی بنت معدوم ہے، اس لیے اس سے بھی حکم نہیں متعلق ہوسکتا اور یہ کلام لغو ہوگا یعنی نہ تو حقیقتاً اس سے حریت ثابت ہوگی اور نہ ہی مجازاً......

وَ إِنْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بَائِنٌ أَوْ تَخَمَّرِيْ وَ نَوَى بِهَا الْعِتْقَ لَمْ تَعْتِقْ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ تَعْتِقُ إِذَا نَوٰى، وَ كَذَا عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ سَائِرُ الْأَلْفَاظِ الصَّرِيْحِ وَالْكِنَايَةِ عَلٰى مَا قَالَ مَشَائِخُهُمْ، لَهُ أَنَّهُ نَوٰى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ، لِأَنَّ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ مُوَافَقَةً إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ، أَمَّا مِلْكُ الْيَمِيْنِ فَظَاهِرٌ وَ كَذَا مِلْكُ النِّكَاحِ فِيْ حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتّٰى كَانَ التَّأْبِيْدُ مِنْ شَرْطِهِ، وَالتَّاقِيْتُ مُبْطِلًا لَهُ، وَ عَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِيْ إِسْقَاطِ مَا هُوَ حَقُّهُ وَهُوَ الْمِلْكُ، وَ لِهٰذَا يَصِحُّ التَّعْلِيْقُ فِيْهِ بِالشَّرْطِ، أَمَّا الْأَحْكَامُ تَثْبُتُ بِسَبَبٍ سَابِقٍ وَهُوَ كَوْنُهُ مُكَلَّفًا، وَ لِهٰذَا يَصْلُحُ لَفْظَةُ الْعِتْقِ وَالتَّحْرِيْرِ كِنَايَةً عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذَا عَكْسُهُ، وَ لَنَا أَنَّهُ نَوٰى مَا لَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ، لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ لُغَةً إِثْبَاتُ الْقُوَّةِ، وَالطَّلَاقُ رَفْعُ الْقَيْدِ، وَ هٰذَا لِأَنَّ الْعَبْدَ أُلْحِقَ بِالْجَمَادَاتِ، وَ بِالْإِعْتَاقِ يَحْيٰى فَيَقْدِرُ، وَ لَا كَذٰلِكَ الْمَنْكُوْحَةُ فَإِنَّهَا قَادِرَةٌ، إِلَّا أَنَّ قَيْدَ النِّكَاحِ مَانِعٌ، وَ بِالطَّلَاقِ يَرْتَفِعُ الْمَانِعُ فَيَظْهَرُ الْقُوَّةُ، وَ لَا خِفَاءَ أَنَّ الْأَوَّلَ أَقْوٰى، وَلِأَنَّ مِلْكَ الْيَمِيْنِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ إِسْقَاطُهُ أَقْوٰى، وَاللَّفْظُ يَصْلُحُ مَجَازًا عَمَّا هُوَ دُوْنَ حَقِيْقَتِهِ، لَا عَمَّا هُوَ فَوْقَهُ فَلِهٰذَا امْتَنَعَ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيْهِ وَانْسَاغَ فِيْ عَكْسِهِ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا تو مطلقہ ہے یا بائنہ ہے یا تو اوڑھنی اوڑھ لے اور اس سے عتق کی نیت کی تو وہ آزاد نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مولیٰ نے عتق کی نیت کرلیا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور تمام الفاظ صریحہ اور کنایہ میں بھی یہی

اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے، کیوں کہ دونوں ملکوں کے مابین موافقت ہے، اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک ذاتی ملک ہے، رہی ملک یمین تو وہ ظاہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک یمین کے حکم میں ہے اسی لیے تابید (ہمیشگی) نکاح کی شرط ہے اور تاقیت (وقت متعین) نکاح کے لیے مبطل ہے اور دونوں لفظوں کا عمل اس کے حق کو ساقط کرنے کے لیے ہے اور وہ ملکیت ہے، اسی لیے اعتاق کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے، رہے احکام تو وہ سبب سابق کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور سبب سابق مولیٰ کا مکلف ہونا ہے اسی لیے لفظ عتق اور لفظ تحریر کنایہ عن الطلاق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہٰذا ایسے ہی اس کا برعکس بھی صحیح ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے (اپنے کلام سے) ایسا معنی مراد لیا ہے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا، کیوں کہ لغت میں اثباتِ قوت کا نام اعتاق ہے جب کہ طلاق رفعِ قید کا نام ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ غلام کو جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور اعتاق کی وجہ سے وہ زندہ ہوکر تصرفات پر قادر ہو جاتا ہے۔ اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے کیوں کہ وہ تو تصرف پر قادر ہوتی ہے، لیکن قید نکاح اس سے مانع ہے اور طلاق سے مانع ختم ہو جاتا ہے اس لیے قوت ظاہر ہوگی اور اس امر میں کوئی خفاء نہیں ہے کہ پہلا زیادہ قوی ہے اور اس لیے کہ ملکِ یمین ملکِ نکاح سے بڑھ کر ہے لہٰذا اس کا اسقاط بھی زیادہ قوی ہوگا اور لفظ اپنی حقیقت سے کم تر کے لیے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن اپنے سے بلند کے لیے مجاز نہیں بن سکتا، اسی لیے متنازع فیہ میں مجاز ممتنع ہوگا اور اس کے برعکس میں جائز ہوگا۔

اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿تخمّری﴾ پردہ کر لے، دوپٹہ اوڑھ لے۔ ﴿عین﴾ ذات۔ ﴿تأبید﴾ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہونا۔ ﴿تأقیت﴾ وقت مقرر کرنا۔ ﴿اثبات﴾ ثابت کرنا۔ ﴿انساغ﴾ قابل قبول ہوا، جائز ہوا۔

باندی کو الفاظ طلاق سے آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنی باندی سے أنت طالق کہا یا أنت بائن کہا یا تخمري کہا اور ان الفاظ سے عتق یعنی آزاد کرنے کی نیت کی تو نیت کے باوجود ہمارے یہاں عتق متحقق نہیں ہوگا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر نیت ہوگی تو آزادی متحقق ہو جائے گی یہی اختلاف ان تمام الفاظ میں ہے جو صریح یا کنایہ ہیں جیسا کہ مشائخ شافعیہ اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے کلام سے ایسا معنی مراد لیا ہے جس معنی کا اس کا کلام محتمل ہے، اس لیے کہ ملکِ رقبہ اور ملکِ نکاح کے درمیان باہم موافقت ہے بایں معنی کہ ان میں سے دونوں ذاتی ملک ہیں اور یہ چیز ملک رقبہ میں تو ظاہر و باہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک ذاتی ہی کے حکم میں ہے اسی لیے نکاح میں تابید یعنی دائمی اور ہمیشگی ہونا شرط ہے اور موقت ہونا اس کے لیے مبطل ہے، اس لیے اس حوالے سے ملک نکاح ملکِ یمین کے حکم میں ہے اس لیے ان الفاظ سے عتق کی نیت کرنا اور آزادی مراد لینا درست ہے۔

وعمل اللفظین الخ: سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اعتاق کے معنی ہیں قوت کا اثبات، اسی لیے اعتاق کے بعد غلام قضاء، شہادت اور ولایت کا اہل ہو جاتا ہے جب کہ اعتاق سے پہلے اس کے حق میں یہ چیزیں معدوم رہتی ہیں اور

اعتاق کے بعد اس میں ان چیزوں کی قوت اور سکت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے بالمقابل طلاق رفع قید اور اسقاط ملک کا نام ہے لہٰذا اعتاق اور طلاق دونوں کی حقیقت اور حیثیت میں اختلاف ہے، اس لیے الفاظ طلاق سے مجازاً اور کنایۃً اعتاق مراد لینا درست نہیں ہے، کیوں کہ رفع اور اثبات میں کھلا ہوا تضاد ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اثبات قوت اعتاق کا لغوی معنی ہے اور اسی کے ضمن میں اسقاط ملک بھی ہے، کیوں کہ قوت کا ثبوت اسی وقت ہوگا جب ملکیتِ رقبہ کا اسقاط ہوگا اس لیے اثبات اور اسقاط دونوں اعتاق میں لازم ملزوم ہیں لہٰذا طلاق کے الفاظ سے اعتاق مراد لینا درست اور جائز ہے، طلاق اور اعتاق میں اس طور پر بھی مناسبت موجود ہے کہ جس طرح طلاق کو شرط پر معلق کرنا درست ہے ایسے ہی اعتاق کو بھی شرط پر معلق کرنا درست ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی الفاظ طلاق سے مجازاً اعتاق مراد لیا جاسکتا ہے۔

أما الأحکام الخ: سے بھی ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جب بہ قول آپ کے اعتاق میں بھی اسقاط کا معنی موجود ہے تو پھر اعتاق کے بعد غلام میں شہادت ولایت اور قضاء وغیرہ کے جو احکام ثابت ہوتے ہیں انہیں بھی ساقط ہو جانا چاہیے، حالاں کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اعتاق کے بعد فوراً ان احکام کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثبوت احکام کا تعلق اعتاق سے نہیں ہے بلکہ انسان کے مکلف ہونے سے ہے، یعنی ہر انسان فطری طور پر شہادت وغیرہ کا اہل ہوتا ہے مگر بعد میں کچھ عوارض کی وجہ سے یہ اہلیت ختم ہو جاتی ہے جیسے کافر کے حق میں کفر ہے، فاسق کے حق میں فسق ہے اسی طرح غلام کے حق میں رقیت ہے اور یہ ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ **إذا زال المانع عاد الممنوع** یعنی مانع کے زائل ہوتے ہی ممنوع عود کر آتا ہے لہٰذا رقیت کے زائل ہوتے ہی غلام میں آدمیت عود کر آئے گی اور وہ شہادت اور ولایت کا اہل قرار پائے گا۔ اور لفظ طلاق سے مجازاً عتق واقع ہونے ہی وجہ سے عتق اور تحریر کے لفظ سے کنایۃً طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، کیوں کہ دونوں کے دونوں از قبیل اسقاط ہیں لہٰذا جب طلاق اسقاط رقبہ میں موثر ہے تو اعتاق اسقاطِ نکاح میں بھی لازمی طور پر موثر ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ مولی نے یہاں الفاظ طلاق سے جو معنی مراد لیا ہے یعنی اعتاق کا لفظ اس معنی کا احتمال نہیں رکھتا، اس لیے کہ طلاق اور اعتاق کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے، کیوں کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے جب کہ طلاق رفع قید کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اثبات اور رفع میں زمین آسمان کا فرق ہے، اسی لیے غلام اور مملوک کو جمادات کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے اور اعتاق کے بعد اسے از سر نو زندگی نصیب ہوتی ہے پھر وہ تصرفات پر قادر ہوتا ہے، اس کے برخلاف منکوحہ عورت تصرفات پر قادر ہوتی ہے تاہم قید نکاح کی وجہ سے وہ مجبور رہتی ہے، مگر جب اسے طلاق دیدی جاتی ہے تو اس کی مجبوری ختم ہو جاتی ہے اور اس کی قدرت عود کر آتی ہے، اس لیے اگر اس حساب سے دیکھا جائے تو اعتاق اقویٰ ہے اور طلاق ادنی ہے، پھر ملک یمین ملک نکاح سے بلند تر ہے، کیوں کہ ملک یمین ملک نکاح کو مستلزم ہے جب کہ ملکِ نکاح ملکِ یمین کو مستلزم نہیں ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی ملک یمین کا معاملہ ملک نکاح سے اقویٰ ہوا اور اس کا اسقاط یعنی اعتاق ملکِ نکاح کے اسقاط یعنی طلاق سے اقویٰ ہوگا اور ضابطہ یہ ہے کہ لفظ اپنی حقیقت سے کم تر کے لیے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن برتر کے لیے مجاز نہیں بن سکتا اور أنت طالق کے ذریعے مجازاً أنت حرۃ مراد نہیں لیا جاسکتا، تاہم اس کا برعکس جائز ہے یعنی أنت حرۃ کہہ کر مجازاً أنت طالق مراد لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ابھی ہم نے

عرض کیا کہ لفظ اپنے سے کم تر کے لیے مجاز بن سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم.

وَ إِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ أَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يَعْتِقْ، لِأَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِيْ بَعْضِ الْمَعَانِيْ عُرْفًا فَوَقَعَ الشَّكُّ فِي الْحُرِّيَّةِ، وَ لَوْ قَالَ مَا أَنْتَ إِلَّا حُرٌّ، عَتَقَ، لِأَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ مِنَ النَّفْيِ إِثْبَاتٌ عَلٰى وَجْهِ التَّاكِيْدِ كَمَا فِيْ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ، وَ لَوْ قَالَ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ، لَا يَعْتِقُ لِأَنَّهٗ تَشْبِيْهٌ بِحَذْفِ حَرْفِهٖ، وَ لَوْ قَالَ رَأْسُكَ رَأْسٌ حُرٌّ عَتَقَ، لِأَنَّهٗ إِثْبَاتُ الْحُرِّيَّةِ فِيْهِ، إِذَا الرَّأْسُ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ.

ترجمه: اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزاد کے مثل ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ لفظ مثل عرفا بعض معانی میں مشارکت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے حریت میں شک واقع ہوگیا اور اگر یوں کہا کہ نہیں ہے تو مگر آزاد تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ نفی سے استثناء کرنا تاکیدی طور پر اثبات ہوتا ہے جیسے کلمہ شہادت میں ہے۔ اور اگر کہا تیرا سر آزاد کا سر ہے تو غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور اگر یوں کہا تیرا سر آزاد سر ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ غلام میں آزادی ثابت کرنا ہے، اس لیے کہ سر کے ذریعے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

چند الفاظ اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے أنت مثل الحر کہا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا خواہ مولیٰ نے اعتاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو (عنایہ) اس لیے کہ عرف عام میں لفظ مثل بعض اوصاف میں اشتراک کے لیے مستعمل ہے اور اس سے کامل مماثلت مراد نہیں ہوتی اور چوں کہ یہاں مثل مطلق ہے اور اس کے آگے کوئی وصف مذکور نہیں ہے، اس لیے اسے مثل في الحریت پر محمول کرنے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے حریت ثابت نہیں ہوتی۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے ما أنت إلا حر کہا تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ نفی کے بعد جو اثبات ہوتا ہے اس میں تاکید ہوتی ہے جیسے لا إله إلاّ الله میں نفی کے بعد اثبات موکد ہے اور معنی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے اس طرح ما أنت الا حر کا معنی ہوگا کہ تم تو آزاد ہی ہو اور ظاہر ہے جب أنت حر (تم آزاد ہو) کہنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے تو پھر تم آزاد ہی ہو کہنے پر کیوں نہیں آزاد ہوگا۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام سے ترکیب اضافی کے ساتھ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ کہا تو غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اس میں حرف تشبیہ یعنی کاف محذوف ہے اور جب أنت مثل الحر کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا تو پھر رأسك رأس حر کہنے سے کہاں سے حریت واقع ہوگی۔

لو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے مرکب توصیفی کے ساتھ رأسك رأسٌ حرٌّ کہا تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے اس جملے سے رأس میں حریت ثابت کی گئی ہے اور رأس کے ذریعے چوں کہ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے رأس کے واسطے سے پورے بدن میں آزادی سرایت کر جائے گی۔

فَصْلٌ

اس سے پہلے اعتاق اختیاری کا بیان تھا اور اس فصل میں اعتاق غیر اختیاری کا بیان ہے

وَ مَنْ مَّلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ عُتِقَ عَلَيْهِ، وَ هٰذَا اللَّفْظُ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَ قَالَ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ، وَاللَّفْظُ بِعُمُوْمِهٖ يَنْتَظِمُ كُلَّ قَرَابَةٍ مُّؤَبَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وِلَادًا أَوْ غَيْرِهٖ، وَالشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِيْ غَيْرِهٖ، لَهٗ أَنَّ ثُبُوْتَ الْعِتْقِ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاةِ الْمَالِكِ يَنْفِيْهِ الْقِيَاسُ أَوْ لَا يَقْتَضِيْهِ، وَالْأُخُوَّةُ وَ مَا يُضَاهِيْهَا نَازِلَةٌ عَنْ قَرَابَةِ الْوِلَادِ فَامْتَنَعَ الْإِلْحَاقُ وَالْإِسْتِدْلَالُ وَلِهٰذَا امْتَنَعَ التَّكَاتُبُ عَلَى الْمُكَاتَبِ فِيْ غَيْرِ الْوِلَادِ وَ لَمْ يَمْتَنِعْ فِيْهِ، وَ لَنَا مَا رَوَيْنَا، وَ لِأَنَّهٗ مَلَكَ قَرِيْبَهٗ قَرَابَةً مُؤَثِّرَةً فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ وَ هٰذَا هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْأَصْلِ، وَالْوِلَادُ مُلْغًى لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِيْ يَفْتَرِضُ وَصْلُهَا وَ يَحْرُمُ قَطْعُهَا حَتّٰى وَجَبَتِ النَّفَقَةُ وَ حَرُمَ النِّكَاحُ، وَ لَا فَرْقَ بَيْنَمَا إِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسْلِمًا أَوْ كَافِرًا فِيْ دَارِالْإِسْلَامِ لِعُمُوْمِ الْعِلَّةِ. وَالْمُكَاتَبُ إِذَا اشْتَرٰى أَخَاهُ وَ مَنْ يَجْرِيْ مَجْرَاهُ لَا يَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ مِلْكٌ تَامٌّ يُقَدِّرُهٗ عَلَى الْإِعْتَاقِ، وَالْإِفْتِرَاضُ عِنْدَالْقُدْرَةِ، بِخِلَافِ الْوِلَادِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيْهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَامْتَنَعَ الْبَيْعُ فَيَعْتِقُ تَحْقِيْقًا لِّمَقْصُوْدِ الْعَقْدِ. وَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ أَنَّهٗ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْأَخِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا فَلَنَا أَنْ نَّمْنَعَ، وَ هٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَلَكَ ابْنَةَ عَمِّهٖ وَهِيَ أُخْتُهٗ مِنَ الرَّضَاعِ، لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَا ثَبَتَ بِالْقَرَابَةِ، وَالصَّبِيُّ جُعِلَ أَهْلًا لِهٰذَا الْعِتْقِ وَ كَذَا الْمَجْنُوْنُ حَتّٰى عَتَقَ الْقَرِيْبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ، لِأَنَّهٗ تَعَلَّقَ بِهٖ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَهَ النَّفَقَةَ.

ترجمہ: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا وہ اس پر آزاد ہوجائے گا اور یہ لفظ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ (مملوک) آزاد ہے، یہ لفظ اپنے عموم کی وجہ سے ہر اس قرابت کو شامل ہے جس کی محرمیت ابدی ہو خواہ بطریق ولادت ہو یا کسی اور طرح ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ غیر ولادت میں ہمارے مخالف ہیں ان کی دلیل یہ ہے

کہ مالک کی مرضی کے بغیر عتق کے ثبوت کی قیاس نفی کرتا ہے یا قیاس اس کا تقاضا نہیں کرتا اور اخوہ وغیرہ کی قرابت ولادت سے کم تر ہے، اس لیے الحاق اور استدلال دونوں چیزیں ممتنع ہوگئیں، اسی طرح غیر ولاد میں مکاتب پر تکاتب کرنا ممتنع ہے جب کے ولاد میں ممتنع نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ایسے قریبی کا مالک ہوا ہے جس کی قرابت محرمیت میں مؤثر ہے اس لیے وہ اس پر آزاد ہوجائے گا اور اصل میں یہی موثر ہے اور ولادت تو غیر موثر ہے، اس لیے کہ قرابت ہی کو جوڑنا فرض ہے اور اس کو توڑنا حرام ہے حتیٰ کہ نفقہ واجب ہوتا ہے جب کہ نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ مالک مسلمان ہو یا دارالاسلام میں کافر ہو، اس لیے کہ علت عام ہے۔ اور اگر مکاتب نے اپنے بھائی یا بھائی کے قائم مقام کسی کو خریدا تو وہ اس مکاتب پر مکاتب نہیں ہوگا، اس لیے کہ اسے اتنی کامل ملکیت نہیں حاصل ہے جو اس کو اعتاق پر قادر کردے اور مسئلہ قدرت کے وقت ہی مفروض ہے، برخلاف ولادت کے، اس لیے کہ مقاصد کتابت میں سے عتق بھی ہے، لہٰذا بیع ممتنع ہوگی۔ اس لیے مقصود عقد کو ثابت کرتے ہوئے وہ آزاد ہوجائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکاتب پر اس کا بھائی بھی مکاتب ہوگا یہی صاحبینؒ کا بھی قول ہے، لہٰذا ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم (اس کے مکاتب نہ ہونے کو) منع کردیں۔ اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب آدمی اپنے چچا کی بیٹی کا مالک ہوا اور وہ اس کی رضاعی بہن بھی ہو اس لیے کہ محرمیت وہ معتبر ہے جو قرابت سے ثابت ہو اور بچے کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے ایسے ہی مجنون کو بھی یہاں تک کہ مالک ہونے کے وقت قریبی شخص ان دونوں پر آزاد ہوجائے گا، اس لیے اس عتق سے بندے کا حق متعلق ہوگیا ہے لہٰذا یہ نفقہ کے مشابہ ہوگیا۔

اللغات:

﴿مؤبدہ﴾ ہمیشہ ہمیشہ والی۔ ﴿یضاھی﴾ مشابہہ ہے۔ ﴿نازلة﴾ کم تر۔ ﴿تکاتب﴾ مکاتب بنانا۔ ﴿ملغی﴾ لغو کی گئی ہے۔ ﴿یجری مجراہ﴾ اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ﴿یقدرہ﴾ اس کو قدرت دیتی ہو۔

تخریج:

❶ اخرجہ الترمذی فی کتاب الاحکام باب فیمن ملک ذارحم محرم، حدیث: ١٣٦٥.
و ابوداؤد فی کتاب العتق باب ٧ حدیث ٣٩٤٩.

قریبی رشتہ دار کے مملوک ہوتے ہی آزاد ہوجانے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم یعنی کسی ایسے مرد یا عورت کا مالک ہوا جس سے اس کا خونی رشتہ ہو اور ان میں دائمی طور پر نکاح حرام ہو تو مملوک مالک پر آزاد ہوجائے گا چنانچہ خود حدیث پاک میں **من ملك ذارحم محرم منه عتق عليه** اور دوسری حدیث میں **فهو حرٌّ** کے الفاظ موجود ہیں اور اس امر پر دلیل ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا وارث ہوا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا، بہ قول صاحب بنایہ **عتق عليه** کا مضمون حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جسے امام نسائی نے بیان کیا ہے اور **فهو حر** کا مضمون حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے سنن اربعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال حدیث

میں چوں کہ ذارحم محرم مطلق وارد ہوا ہے، اس لیے وہ ہر اس قریبی رشتہ دار کو شامل ہوگا جس کے ساتھ دائمی طور پر مناکحت حرام ہو خواہ یہ حرمت قرابت ولادت کی وجہ سے ہو جیسے انسان اپنے باپ ماں یا دادا دادی کا مالک ہوا یا خود والدین وغیرہ اپنے بیٹے بیٹی اور پوتے پوتی وغیرہ کے مالک ہوئے، یا یہ حرمت غیر ولادت کی قرابت سے ہو جیسے کوئی شخص اپنے بھائی بہن یا ان کی اولاد میں سے کسی کا مالک ہو تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں مملوک آزاد ہو جائے گا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ غیر ولادت والی قرابت میں ہم سے الگ ہیں چنانچہ ان کے یہاں صرف ولادت قرابت ہی کی صورت میں مملوک آزاد ہوگا اور غیر ولاد والی قرابت حریت اور عتق میں موثر نہیں ہوگی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ **من ملك الخ** کے فرمان سے مملوک پر جو آزادی ثابت ہوتی ہے وہ مالک کی مرضی کے بغیر خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ **ماثبت علی خلاف القیاس فغیرہ لایقاس علیہ** یعنی جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو نہ تو اس پر دوسری چیز کو قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو لے کر کسی دوسری چیز پر دلالت النص کے قاعدے سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور چوں کہ قرابت ولادت میں مالک ہونا حریت کے لیے خلاف قیاس مؤثر ہے، لہٰذا یہ اثر صرف قرابت ولادت تک ہی محدود رہے گا اور اس سے متعدی ہو کر غیر ولادت والی قرابت میں اثر انداز نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کا مالک ہوا تو چوں کہ قرابت ولاد موجود ہے اس لیے وہ دونوں بھی مکاتب ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی مکاتب شخص اپنے بھائی یا بھتیجے اور ماموں وغیرہ کا مالک ہوا تو وہ لوگ مکاتب نہیں ہوں گے، کیوں کہ قرابت ولادت معدوم ہے اس لیے مکاتب مالک کی مکاتبت ان کے حق میں موثر نہیں ہوگی۔ اس سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ قرابت ولاد کو غیر ولاد پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولنا الخ: ہماری پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو **من ملك الخ** کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے، اس حدیث سے وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ اس میں ذارحم مطلق ہے اور ولادت یا عدم ولادت کی کوئی قید نہیں ہے، اس لیے یہ ہر طرح کے قرابت دار کو شامل ہوگی خواہ وہ ولادتی ہو یا غیر ولادتی۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ حرمت میں قرابت اصل ہے ولادت اصل نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں رحم اور محرم کا لفظ آیا ہے اور رحم سے قرابت اور محرم سے حرمت نکاح مراد ہے، لہٰذا جو شخص کسی ایسے ذی رحم محرم کا مالک ہوا جس سے نکاح اس کے لیے حرام ہے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا، معلوم ہوا کہ عتق اور حریت کی اصل علت قرابت ہے اور اگر اس کے ساتھ ولادت بھی مل جائے تو نور علی نور سونے پہ سہاگا ہوگا۔ قرابت کے اصل ہونے کی ایک علت یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں اسی کو جوڑنا فرض قرار دیا گیا ہے اور قطع قرابت ہی پر حرمت کا حکم لگایا گیا ہے، اسی لیے تو محرم سے نکاح حرام ہونے کے باوجود اس کا نفقہ واجب ہے، معلوم ہوا کہ آزادی کو صرف ولادت کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔

ولا فرق الخ: فرماتے ہیں کہ مالک ہونے والا خواہ مسلم ہو یا کافر ہو اور دارالاسلام میں ہو تو اس کا مملوک آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ قرابت محرمہ کی علت عام ہے اور وہ مسلم اور کافر سب کو یکساں طور پر شامل ہے۔

والمكاتب إذا اشتراه الخ: سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال **ولهذا امتنع التكاتب الخ** کا جواب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم ہی نہیں ہے کہ اگر کوئی مکاتب اپنے بھائی یا ماموں وغیرہ کا مالک ہوا تو وہ مملوک مکاتب نہیں ہوگا، بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر مکاتب اپنے بھائی وغیرہ کا مالک ہوا تو وہ مملوک بھی مکاتب ہو جائے گا۔ (بنایہ ۵/۵۹۳) اور

اگر بھائی یا موں کے مکاتب نہ ہونے کو ہم تسلیم بھی کرلیں تو اس کی وجہ عدم ولادت نہیں ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنے کے لیے انسان کا خود حُر اور آزاد ہونا اور ملکِ تام کا مالک ہونا شرط ہے جب کہ مکاتب کو ایسی ملکیت ہی نہیں حاصل ہے جو اسے اعتاق پر قادر کرے اور مسئلہ اسی صورت میں فرض کیا گیا ہے جب کہ معتق کو پوری قدرت حاصل ہو۔

اس کے برخلاف اگر مکاتب قرابت ولادت والے کسی قریبی کا مالک ہوتا ہے تو وہ مملوک بھی مکاتب ہوگا اور جس وقت مالک مکاتب آزاد ہوگا اسی وقت اس کا مملوک بھی آزادی سے ہم کنار ہوجائے گا، اس لیے کہ قرابت ولاد میں آزادی بدل کتابت کا مقصد ہے، کیوں کہ غلام بدل کتابت کا معاملہ اسی لیے کرتا ہے تاکہ اس کے سر سے رقیت کا بوجھ ختم ہو اور وہ آزاد ہوجائے، لہٰذا جس طرح یہ مقصد مالک کے حق میں ثابت ہے اسی طرح اس کے مملوک کے حق میں بھی ثابت ہوگا۔

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے **وأما حرية الأخ فليست من مقاصد عقد الكتابة لعدم لحوق العار برقه ولحوقه برق ابنه وأبيه**۔ یعنی بھائی کی حریت (جو قرابت ولاد نہیں ہے) عقد کتابت کے مقاصد میں سے نہیں ہے، کیوں کہ انسان اپنے باپ بیٹے کی رقیت سے تو شرم محسوس کرتا ہے، لیکن بھائی کے رقیق ہونے سے اس کے سر پر جوں تک نہیں رینگتی۔

وعن أبي حنيفة الخ: اس مضمون کو ہم اوپر صاحب بنایہ کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں۔

وهذا بخلاف الخ: یہاں سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم کا مالک ہونا اس کے آزاد ہونے کی علت ہے تو پھر انسان کی چچازاد بہن جو اس کی رضاعی بہن بھی ہو اگر وہ اسے خرید لے تو اس بہن کو بھی آزاد ہوجانا چاہیے حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ قرابت حریت میں موثر ہے جو ابدی حرمتِ نکاح کو مستلزم ہو اور صورت مسئلہ میں نکاح کی حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ کہ قرابت کی وجہ سے اس لیے اس طرح کا بیکار سوال کرنا ضیاع وقت کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ سوال ہی غلط ہے اور کوتاہ علمی پر مبنی ہے۔

وكذا المجنون الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح عاقل اور بالغ آدمی اپنے کسی قرابت دار کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد ہوجاتا ہے اسی طرح اگر کوئی بچہ اور مجنون اپنے کسی قریبی شخص کا مالک ہوا تو وہ مملوک بھی ان پر آزاد ہوجائے گا، اس لیے کہ مذکورہ عتق سے بندے کا حق متعلق ہوچکا ہے اور علتِ حریت بھی موجود ہے **فلا يمنع من العتق شيئ**، اور یہ نفقہ کے مشابہ ہوگیا یعنی جس طرح اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو اور صرف بچہ یا مجنون ہی اس کے وارث ہوں تو مجنون، اور بچے کے مال میں اس شخص کا نفقہ واجب ہوگا اسی طرح ان کے مالک ہونے کی صورت میں ان کا مملوک بھی آزاد ہوگا۔

وَ مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ لِوُجُوْدِ رُكْنِ الْإِعْتَاقِ مِنْ أَهْلِهِ فِيْ مَحَلِّهِ، وَ وَصْفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْأَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَا يَخْتَلُّ الْعِتْقُ بِعَدَمِهِ فِي اللَّفْظَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ.

ترجمه: جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی غلام آزاد کیا یا شیطان یا بت کے لیے آزاد کیا تو غلام آزاد ہوجائے گا، اس لیے کہ اعتاق کا رکن اس کے اہل سے اس کے محل میں موجود ہے۔ اور پہلے لفظ میں قربت کا وصف زیادہ ہے لہٰذا بعد والے دونوں لفظوں میں اس وصف کے نہ ہونے سے عتق میں خلل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿وجہ﴾ ذات۔ ﴿صنم﴾ بت۔ ﴿قربۃ﴾ نیکی۔ ﴿لا یختل﴾ نہیں خراب ہوگا۔

اللہ کے لیے یا جھوٹے خداؤں کے لیے آزاد کیے جانے والے غلام کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا غلام آزاد کیا یا شیطان کے لیے آزاد کیا یا بت کے لیے آزاد کیا تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اعتاق کا رکن یعنی معتق کا عاقل بالغ اور مالک ہونا اس کے محل یعنی مملوک میں موجود ہے، اس لیے کوئی چیز مانع عتق نہیں ہوگی۔

ووصف الخ: فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں جب کسی نے لوجہ اللہ غلام کو آزاد کیا تو لوجہ اللہ کہنے سے بھی غلام اللہ کے لیے آزاد ہوگا اور اگر لوجہ اللہ نہ کہتا اور مطلق آزاد کرتا تو بھی وہ آزادی لوجہ اللہ ہی ہوتی، اسی لیے صاحب کتاب نے اسے وصف زائد قرار دیا ہے اور بعد کی دونوں صورتوں میں اس کے نہ ہونے سے عتق عبد میں کوئی خلل یا فرق نہیں ہوگا تاہم اگر ایک مسلمان شیطان یا صنم کے لیے غلام آزاد کرتا ہے تو اگرچہ آزادی واقع ہو جائے گی مگر معتق گنہگار ہوگا۔

وَ عِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ لِصُدُوْرِ الرُّكْنِ مِنَ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَ قَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمه: اور مکرہ اور مدہوش کا آزاد کرنا واقع ہے، اس لیے کہ عتق کا رکن اپنے اہل سے محل میں صادر ہوا ہے جیسا کہ طلاق میں ہے اور ماقبل میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿مکرہ﴾ زبردستی کیا گیا، مجبور۔ ﴿سکران﴾ مدہوش، نشئی۔

مکرہ وسکران کا اعتاق:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے آزاد کر دیا۔ یا کوئی شخص نشہ سے چور تھا اور اسی حالت میں اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو دونوں صورتوں میں آزادی واقع ہو جائے گی، کیوں کہ اعتاق کا رکن اپنے اہل سے محل یعنی مملوک میں صادر ہوا ہے، اس لیے بغیر کسی رکاوٹ کے آزادی واقع ہو جائے گی۔ یہ مسئلہ کتاب الطلاق میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

وَ إِنْ أَضَافَ الْعِتْقَ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ، أَمَّا الْإِضَافَةُ إِلَى الْمِلْكِ فَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ، وَ أَمَّا التَّعْلِيْقُ بِالشَّرْطِ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَيَجْرِيْ فِيْهِ التَّعْلِيْقُ، بِخِلَافِ التَّمْلِيْكَاتِ عَلَى مَا عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهِ.

ترجمه: اور اگر مولیٰ نے آزادی کو ملک یا کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو صحیح ہے جیسا کہ طلاق میں (اضافت کرنا) صحیح ہے، لیکن ملک کی طرف اضافت کرنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور کتاب الطلاق میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ رہی تعلیق بالشرط

(تو وہ اس لیے جائز ہے کہ وہ اسقاط ہے لہٰذا اس میں تعلیق جاری ہوگی۔ برخلاف تملیکات کے جیسا کہ اپنی جگہ معلوم ہو چکا ہے۔

اللغاتُ:

﴿أضاف﴾ منسوب کیا، مدار رکھا۔

اعتاق معلق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی غلام کی آزادی کو ملکیت پر معلق کر کے یوں کہا إن **ملکتك فانت حر** یعنی اگر میں تیرا مالک ہوا تو تو آزاد ہے یا کسی شرط کی طرف عتق کو منسوب کیا اور کہا إن **صلیت الظهر فانت حر** یعنی اگر میں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو تم آزاد ہو تو یہ دونوں صورتیں درست ہیں جیسا کہ طلاق کو شرط یا ملک وغیرہ پر معلق کرنا صحیح ہے اور وجود شرط کے وقت غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن ملکیت کی طرف نسبت کرنے اور ملک پر شرط لگانے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے چنانچہ ملکیت پر معلق کرنے سے ہمارے یہاں تو آزادی واقع ہوگی (وجود شرط کے وقت) لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آزادی نہیں واقع ہوگی اور کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

وأما التعلیق الخ: فرماتے ہیں کہ عتق کو شرط پر معلق کرنا اس لیے درست ہے، کیوں کہ عتق از قبیل اسقاط ہے اور اسقاطات کو شرط پر معلق کرنا درست ہے لہٰذا عتق کو بھی شرط پر معلق کرنا درست ہوگا۔ اس کے برخلاف تملیکات یعنی مالک کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ اصول فقہ میں یہ واضح ہو چکا ہے۔

وَ إِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ إِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عَبِيْدِ الطَّائِفِ حِيْنَ خَرَجُوْا إِلَيْهِ مُسْلِمِيْنَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ، وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ وَهُوَ مُسْلِمٌ وَ لَا اسْتِرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ اِبْتِدَاءً.

ترجمہ: اور اگر حربی کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف نکل آیا تو وہ آزاد ہوگا، اس لیے کہ طائف کے غلام جب مسلمان ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا یہ اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں اپنی جان کو محفوظ کیا ہے اور کسی بھی مسلمان پر ابتداءً غلامی نہیں ہو سکتی۔

اللغاتُ:

﴿عبید﴾ واحد عَبد؛ غلام۔ ﴿أحرز﴾ روکا ہے۔ ﴿استرقاق﴾ غلامی۔

تخریج:

[1] اخرجه ابوداؤد فی کتاب الجهاد باب عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین، حدیث رقم: ۲۷۰۰.

دارالحرب سے بھاگ کر آنے والا غلام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حربی کا کوئی غلام دارالحرب سے بھاگا اور مسلمان ہو کر دارالاسلام آ گیا تو اب دارالاسلام آ کر وہ آزاد ہوگا، کیوں کہ غلامان طائف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتقاء اللہ کہہ کر آزاد قرار دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس غلام نے اسلام کی حالت

میں خود کودارالاسلام میں محفوظ کیا ہے اور اتنا تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ابتداء کسی مسلمان پر غلامی نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ مسلمان کیسے غلام متصور ہوگا۔

وَ إِنْ أَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلُهَا تَبَعًا لَهَا إِذْ هُوَ مُتَّصِلٌ بِهَا، وَ لَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ دُوْنَهَا، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إِعْتَاقِهَا مَقْصُوْدًا لِعَدَمِ الْإِضَافَةِ إِلَيْهَا وَ لَا إِلَيْهِ تَبَعًا لِّمَا فِيْهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوْعِ ، ثُمَّ إِعْتَاقُ الْحَمْلِ صَحِيْحٌ، وَ لَا يَصِحُّ بَيْعُهُ وَ هِبَتُهُ، لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ نَفْسَهُ شَرْطٌ فِي الْهِبَةِ وَ الْقُدْرَةُ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ وَ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْجَنِيْنِ، وَ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْإِعْتَاقِ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ: اور اگر کسی نے شخص اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر اس کا حمل بھی آزاد ہوگا کیوں کہ حمل باندی سے متصل ہے۔ اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل آزاد ہوگا نہ کہ باندی، کیوں کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے نہ تو قصداً، اس لیے کہ باندی کی طرف اضافت نہیں ہے اور نہ ہی تبعاً، کیوں کہ اس میں قلب موضوع ہے۔ پھر حمل کا اعتاق صحیح ہے لیکن اس کی بیع اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ ہبہ میں ذات کی سپردگی شرط ہے اور بیع میں سپردگی پر قدرت شرط ہے اور جنین کی طرف اضافت کرنے سے یہ چیز نہیں پائی گئی اور اعتاق میں ان میں سے کوئی چیز شرط نہیں ہے لہٰذا دونوں جدا ہوگئے۔

اللغات:

﴿دون﴾ علاوہ۔ ﴿تسلیم﴾ سپرد کرنا۔ ﴿جنین﴾ قبل از پیدائش۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔

اعتاق میں حاملہ باندی کے حمل کی مختلف صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو اس باندی کے ساتھ ساتھ اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حمل باندی سے متصل ہے اور اس کے تابع ہے لہٰذا جس طرح باندی کے دیگر اعضاء اس کے تابع ہو کر آزاد ہوں گے اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے صرف حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل ہی آزاد ہوگا اور باندی آزاد نہیں ہوگی کیوں کہ جزء تو کل کے تابع ہو کر اس میں داخل ہوسکتا ہے لیکن کل جزء کے تابع ہو کر اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔

صاحب ہدایہؒ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں باندی کے آزاد ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ قصداً آزاد کی جائے یا تبعاً اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں، کیوں کہ قصداً باندی کو اس لیے نہیں آزاد قرار دیا جاسکتا کہ مولیٰ نے صرف حمل کو آزاد کیا ہے اور باندی کی طرف عتق کی اضافت نہیں کی ہے۔ اور تبعاً اس لیے اسے آزاد نہیں مان سکتے کیوں کہ اس صورت میں قلب موضوع لازم آئے گا اور باندی جو متبوع ہے اس کا تابع بننا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے، اس لیے باندی کسی بھی طرح آزاد نہیں ہوسکتی۔

ثم اعتاق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کو چھوڑ کر صرف حمل کو آزاد کرنا تو درست ہے لیکن باندی کو کنارہ کر کے اس کے حمل کو بیچنا اور ہبہ کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ ہبہ میں شئی موہوب کو سپرد کرنا ضروری ہے جب کہ بیع میں مبیع کی سپردگی پر قدرت

ضروری ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ جنین ماں کے پیٹ میں رہتا ہے، اس لیے نہ تو اس کو سپرد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی سپردگی کے متعلق سوچا جاسکتا ہے، لہٰذا جنین اور حمل کی بیع اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے، ہاں اس کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ اعتاق کے لیے نہ تو تسلیم ضروری ہے اور نہ ہی قدرت علی التسلیم شرط ہے۔

وَ لَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ عَلٰى مَالٍ صَحَّ وَ لَا يَجِبُ الْمَالُ، إِذْلَا وَجْهَ إِلَى إِلْزَامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِيْنِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ، وَ لَا إِلٰى إِلْزَامِهِ الْأُمَّ، لِأَنَّهُ فِيْ حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلٰى حِدَةٍ، وَاشْتِرَاطُ بَدَلِ الْعِتْقِ عَلٰى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَا يَجُوْزُ عَلٰى مَا مَرَّ فِي الْخُلْعِ، وَ إِنَّمَا يُعْرَفُ قِيَامُ الْحَبْلِ وَقْتَ الْعِتْقِ إِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِّنْهُ، لِأَنَّهُ أَدْنٰى مُدَّةِ الْحَمْلِ.

ترجمه: اور اگر مولی نے حمل کو کچھ مال کے عوض آزاد کیا تو عتق صحیح ہے لیکن مال نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ جنین پر مال واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیوں کہ اس پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی۔ اور اس کی ماں پر بھی مال لازم کرنے کی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ آزادی کے حق میں جنین ایک الگ جان ہے اور بدل عتق کو معتق کے علاوہ کسی اور پر مشروط کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ خلع میں گذر چکا ہے۔ اور بوقت عتق حمل کا قیام اسی صورت میں معلوم ہوگا جب اس وقت سے چھے ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو، اس لیے کہ یہ حمل کی ادنیٰ مدت ہے۔

اللغات:

﴿الزام﴾ لازم کرنا۔ ﴿معتق﴾ آزاد کیا جانے والا۔ ﴿حبل﴾ حمل۔ ﴿أدنى﴾ کمترین۔

حمل کو مال کے عوض آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کے حمل کو مال کی کسی مقدار کے عوض آزاد کیا تو حمل تو آزاد ہو جائے گا، لیکن مال واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ جنین پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی اس لیے اس پر مال نہیں لازم کیا جاسکتا۔ اور عتق اور آزادی کے حوالے سے جنین کو ایک مستقل نفس اور جان کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے اس کی طرف سے اس کی ماں پر بھی مال نہیں لازم کیا جاسکتا، کیوں کہ معتق (جسے آزاد کیا جائے) کے علاوہ کسی دوسرے پر بدل عتق کو لازم قرار دینا درست نہیں ہے جیسا کہ باب الخلع میں گذر چکا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں علی ما مرّ في الخلع جو کہا ہے اس سے ہدایہ کا باب الخلع نہیں مراد ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ ہدایہ کے باب الخلع میں نہیں ہے، اسی لیے صاحب بنایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یا تو اس سے جامع صغیر کا باب الخلع مراد ہے یا پھر کفایة المنتهى کا جو ہدایہ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ (بنایہ ۵/۵۹۸ بیروت)

و إنما الخ: فرماتے ہیں کہ جو حمل کے آزاد کرنے کا مسئلہ بیان کیا جارہا ہے اس میں حمل کا قیام اسی وقت معلوم ہوگا جب عتق کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں باندی بچہ جنے، کیوں کہ چھے ماہ حمل کی اقل مدت ہے لہٰذا اس مدت سے کم میں بچہ کی ولادت اس بات کا ثبوت ہوگی کہ بوقت عتق باندی حاملہ تھی اور اس کے پیٹ میں بچہ تھا۔

قَالَ وَ وَلَدُ الْأَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ لِأَنَّهُ مَخْلُوْقٌ مِنْ مَائِهِ فَيُعْتِقُ عَلَيْهِ، هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ وَ لَا مُعَارِضَ لَهُ فِيْهِ، لِأَنَّ وَلَدَ الْأَمَةِ لِمَوْلَاهَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ باندی کی جو اولاد اس کے مولیٰ سے ہوگی وہ آزاد ہوگی، اس لیے کہ وہ مولیٰ کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر آزاد ہوگی، یہی اصل ہے اور بچہ کے متعلق کوئی معارض نہیں ہے، اس لیے کہ باندی کا بچہ اس کے مولیٰ کا ہے۔

اللغات:

﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿مخلوق﴾ پیدا کیا گیا ہے۔

باندی کی اولاد کا حکم:

مسئلہ تو واضح ہے کہ مولیٰ کے نطفہ سے باندی کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ آزاد ہوگا، کیوں کہ جب اس کے وجود کا سبب یعنی مولیٰ آزاد ہے تو ظاہر ہے کہ بچہ بھی آزاد ہوگا اور اصل بھی یہی ہے کہ نطفۂ مولیٰ سے پیدا ہونے والا بچہ آزاد ہو اور یہاں اس بچے کا کوئی معارض بھی نہیں ہے کہ اس کے مولیٰ کے نطفے سے ہونے میں شک پیدا ہو، کیوں کہ جس طرح باندی مولیٰ کی مملوک ہوتی ہے، اسی طرح اس کا بچہ بھی مولیٰ کا مملوک ہوتا ہے۔

وَ وَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوْكٌ لِسَيِّدِهَا لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الْأُمِّ بِاعْتِبَارِ الْحَضَانَةِ أَوْ لِاسْتِهْلَاكِ مَائِهِ بِمَائِهَا، وَالْمُنَافَاةُ مُتَحَقِّقَةٌ، وَالزَّوْجُ قَدْ رَضِيَ بِهِ، بِخِلَافِ وَلَدِ الْمَغْرُوْرِ، لِأَنَّ الْوَالِدَ مَا رَضِيَ بِهِ.

ترجمه: اور باندی کا وہ بچہ جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو وہ اس باندی کے مالک کا مملوک ہوگا، کیوں کہ پرورش کے اعتبار سے یا شوہر کے نطفے کے باندی کے نطفے کے ساتھ مل کر ہلاک ہونے کے اعتبار سے ماں کی جہت راجح ہے، اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس پر راضی ہے۔ برخلاف اس شخص کے بچے کے جسے دھوکا دیا گیا ہو، اس لیے کہ والد اس پر راضی نہیں ہے۔

اللغات:

﴿سید﴾ آقا۔ ﴿حضانة﴾ پرورش۔ ﴿استهلاك﴾ معدوم ہو جانا، ہلاک ہو جانا۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا شخص۔

باندی کی اولاد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی باندی کا کسی شخص سے نکاح کر دیا اور پھر اس باندی نے بچہ جنا تو وہ بچہ باندی کے آقا کا مملوک ہوگا، اس لیے کہ ماں کو ترجیح حاصل ہے، کیوں کہ بچے کی پرورش کا حق بھی اسی کو ہے اور پھر ماں باپ کا نطفہ جب ایک دوسرے سے ملا تو شوہر کا نطفہ مغلوب ہو گیا اور ماں کا نطفہ غالب رہا نیز بچہ حقیقتاً اور حکماً دونوں اعتبار سے ماں کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے جب کہ باپ کے نطفے سے صرف حکماً پیدا ہوتا ہے، اس لیے ان وجوہ سے ماں کو ترجیح حاصل ہے لہٰذا ماں جس کے تابع ہے اس کا بچہ بھی اسی کے تابع ہوگا۔

رہا مسئلہ ماں باپ کے نطفے کے منافات کا اور شوہر کے ضرر کا تو اگرچہ منافات متحقق ہے لیکن شوہر کے نطفے کے مغلوب ہونے کی وجہ سے منافات ختم ہے اور جہاں تک شوہر کا ضرر ہے یعنی اس کے بچہ کے دوسرے کا مملوک ہونے سے تو وہ اس وجہ سے معتبر نہیں ہے، کیوں کہ شوہر اپنے ضرر پر راضی ہے، اس لیے کہ دوسرے کی باندی سے نکاح کرکے خود شوہر نے اپنے حق میں ضرر ثابت کیا ہے لہٰذا اس کا وبال بھی اسی پر عائد ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر دھوکا دے کر اور کسی عورت کو آزاد بتا کر کسی شخص سے اس کا نکاح کیا گیا اور پھر بعد میں وہ عورت باندی نکلی تو اس صورت میں وہ بچہ اپنے باپ کے تابع ہوکر آزاد ہوگا اور ماں کے تابع نہیں ہوگا، کیوں کہ اس بچے کا باپ ضرر یعنی اپنے بچے کے دوسرے کا مملوک ہونے پر راضی نہیں ہے، لہٰذا اس کا بچہ اس کے حوالے کیا جائے گا۔

وَ وَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلٰى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّ جَانِبَهَا رَاجِحٌ فَيَتْبَعُهَا فِيْ وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتْبَعُهَا فِي الْمَمْلُوْكِيَّةِ وَالْمَرْقُوْقِيَّةِ وَالتَّدْبِيْرِ وَ أُمِّيَّةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ.

ترجمه: اور آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا کیوں کہ عورت کی جانب راجح ہے لہٰذا وصف حریت میں بچہ ماں کے تابع ہوگا جیسا کہ مملوک ہونے، مرقوق ہونے، مدبر ہونے، ام ولد اور مکاتب ہونے میں بھی بچہ ماں ہی کے تابع ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿یتبع﴾ تابع ہوگا۔ ﴿مرقوقية﴾ غلام ہونا۔

آزاد عورت کی اولاد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بچے کی ماں آزاد ہو تو اس کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا یعنی خواہ اس کا باپ غلام ہو یا آزاد، بچہ بہرصورت آزاد ہوگا، کیوں کہ ماں کی جہت ویسے بھی راجح ہوتی ہے اور پھر ماں جب آزاد ہو تو کیا کہنے ہیں یعنی اس صورت میں تو بدرجۂ اولیٰ بچہ اس کے تابع ہوگا اور آزاد ہوگا۔ جیسا کہ اگر بچہ کی ماں کسی کی مملوک ہو یا مرقوق ہو یا وہ مدبر ہو یا ام ولد یا مکاتبہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کا بچہ اسی کے تابع ہوکر مملوک، مرقوق، مدبر اور مکاتب وغیرہ ہوگا اور باپ کے تابع نہیں ہوگا۔

بَابُ الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهٗ

یہ باب اس غلام کے بیان میں ہے جس کا کچھ حصہ آزاد کیا گیا ہو

اس سے پہلے صاحب کتاب نے پورے غلام کی آزادی کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے بعض غلام کی آزادی کو بیان کررہے ہیں اور چوں کہ مکمل غلام آزاد کرنا متفق علیہ اور کثیر الوقوع ہے، اس لیے اس کو عتق البعض والے سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ (بنایہ ۶۰۲/۵)

وَ إِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلٰى بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ ذٰلِكَ الْقَدْرُ وَ يَسْعٰى فِيْ بَقِيَّةِ قِيْمَتِهٖ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَا لَا يَعْتِقُ، وَ أَصْلُهٗ أَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزّٰى عِنْدَهٗ فَيَقْتَصِرُ عَلٰى مَا أُعْتِقَ، وَ عِنْدَهُمَا لَا يَتَجَزّٰى وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فَإِضَافَتُهٗ إِلَى الْبُعْضِ كَإِضَافَتِهٖ إِلَى الْكُلِّ فَلِهٰذَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ، لَهُمْ أَنَّ الْإِعْتَاقَ إِثْبَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ وَ إِثْبَاتُهَا بِإِزَالَةِ ضِدِّهَا وَهُوَ الرِّقُّ الَّذِيْ هُوَ ضُعْفٌ حُكْمِيٌّ وَهُمَا لَا يَتَجَزَّيَانِ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ أَوْ هُوَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ، لِأَنَّ الْمِلْكَ حَقُّهٗ، وَالرِّقُّ حَقُّ الشَّرْعِ أَوْ حَقُّ الْعَامَّةِ، وَ حُكْمُ التَّصَرُّفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ الْمُتَصَرِّفِ وَهُوَ إِزَالَةُ حَقِّهٖ لَا حَقِّ غَيْرِهٖ، وَالْأَصْلُ أَنَّ التَّصَرُّفَ يَقْتَصِرُ عَلٰى مَوْضِعِ الْإِضَافَةِ، وَالتَّعَدِّيْ إِلٰى مَا وَرَاءِهٖ ضَرُوْرَةَ عَدَمِ التَّجَزِّيْ، وَالْمِلْكُ مُتَجَزٍّ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ فَيَبْقٰى عَلَى الْأَصْلِ، وَ يَجِبُ السِّعَايَةُ لِاحْتِبَاسِ مَالِيَّةِ الْبُعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ وَالْمُسْتَسْعٰى بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهٗ، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إِلَى الْبُعْضِ تُوْجِبُ ثُبُوْتَ الْمَالِكِيَّةِ فِيْ كُلِّهٖ، وَ بَقَاءُ الْمِلْكِ فِيْ بَعْضِهٖ يَمْنَعُهٗ فَعَمِلْنَا بِالدَّلِيْلَيْنِ بِإِنْزَالِهٖ مُكَاتَبًا إِذْ هُوَ مَالِكٌ يَدًا لَا رَقَبَةً، وَالسِّعَايَةُ كَبَدَلِ الْكِتَابَةِ فَلَهٗ أَنْ يَسْتَسْعِيَهٗ وَ لَهٗ خِيَارٌ أَنْ يُعْتِقَهٗ، لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْإِعْتَاقِ غَيْرَ أَنَّهٗ إِذَا عَجِزَ لَا يُرَدُّ إِلَى الرِّقِّ، لِأَنَّهٗ إِسْقَاطٌ لَا إِلٰى أَحَدٍ فَلَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَقْصُوْدَةِ، لِأَنَّهٗ عَقْدٌ يُقَالُ وَ يُفْسَخُ، وَ لَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ فَأَثْبَتْنَاهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيْحًا لِلْمُحَرِّمِ، وَالْإِسْتِيْلَادُ مُتَجَزٍّ عِنْدَهٗ حَتّٰى لَوِ اسْتَوْلَدَ نَصِيْبَهٗ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ، وَ فِي الْقِنَّةِ

لَمَّا ضَمِنَ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ بِالْإِفْسَادِ مَلِكَهُ بِالضَّمَانِ فَكَمُلَ الْإِسْتِيْلَادُ.

ترجمہ: اور جب مولی نے اپنے غلام کا کچھ آزاد کیا تو اسی کے بقدر وہ غلام آزاد ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام مولی کے لیے باقی قیمت میں سعی کرے گا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی اصل یہ ہے کہ امام اعظم کے یہاں اعتاق متجزی ہو سکتا ہے لہٰذا اسی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جو مولیٰ نے آزاد کیا ہے۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں اعتاق متجزی نہیں ہوتا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لہٰذا بعض عبد کی طرف اعتاق کی اضافت کرنا کل عبد کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی لیے پورا غلام آزاد ہو جائے گا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثباتِ قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیت ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں متجزی نہیں ہو سکتے، لہٰذا یہ طلاق دینے قصاص معاف کرنے اور ام ولد بنانے کی طرح ہو گیا۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ملک کو زائل کر کے عتق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے، اس لیے کہ ملک معتق کا حق ہے اور رقیت شریعت کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ متصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نہ کہ دوسرے کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا عدم تجزی کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک متجزی ہے جیسا کہ بیع اور ہبہ میں ہے، لہٰذا تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجب ہوگا، کیوں کہ اس کے پاس بعض مالیت محبوس ہے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مستسعیٰ مکاتب کے درجے میں ہے، کیوں کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے عبد میں ثبوت ملکیت کی موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لیے مانع ہے، لہٰذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دیدیا، کیوں کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کہ رقبہ کا اور کمائی کرنا بدلِ کتابت کی طرح ہے، لہٰذا مولیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کرالے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اسے آزاد کر دے، کیوں کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا، کیوں کہ یہ اسقاط لا الی احد ہے اس لیے فسخ کو نہیں قبول کرے گا۔ برخلاف کتابت مقصودہ کے اس لیے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا اقالہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فسخ بھی ہو سکتا ہے۔

اور طلاق اور عفوعن القصاص میں کوئی درمیانی حالت نہیں ہے لہٰذا ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کر دیا۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں استیلاد یعنی ام ولد بنانا متجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مولیٰ نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو ام ولد بنالیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مملوکہ باندی میں جب کسی نے افساد کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان دیدیا تو ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا لہٰذا استیلاد پورا ہو گیا۔

اللغات:

﴿قدر﴾ مقدار۔ ﴿يسعٰی﴾ کمائے گا، محنت کرے گا۔ ﴿يتجزّٰی﴾ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ ﴿يقتصر﴾ منحصر ہوگا۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿عفو﴾ معاف کرنا۔ ﴿قصاص﴾ قتل کا بدلہ۔ ﴿تعدّی﴾ تجاوز۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔ ﴿استيلاد﴾ ام

ولد بنانا، اولاد حاصل کرنا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔

غلام کا کچھ حصہ آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کے کچھ حصے کو آزاد کیا اور کچھ کو روک لیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس نے جتنے حصے کو آزاد کیا ہے اتنے میں آزادی واقع ہوگی اور مابقی حصہ میں بدستور رقیت باقی رہے گی جس کے لیے غلام کو کمائی کر کے مولیٰ کو دینا ہوگا، اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کے یہاں پورا غلام آزاد ہوجائے گا اور اس پر سعایہ واجب نہیں ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق میں تجزی کا امکان ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ اعتاق میں عدم تجزی کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے لہٰذا ان کے یہاں اعتاق میں تجزی نہیں ہوسکتی تو نصف اور بعض غلام کو آزاد کرنا ایسا ہے جیسے پورے غلام کو آزاد کرنا اور بعض عبد کی طرف اعتاق کی اضافت کل عبد کی طرف اضافت کی طرح ہوگی اور پورا غلام آزاد ہوجائے گا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اثباتِ قوت کا نام عتق ہے اور عتق ایک قوت حکمیہ ہے جس کا ثبوت اسی وقت ہوگا جب اس کی ضد کو یکسر ختم کردیا جائے گا اور قوت حکمیہ یعنی عتق کی ضد رقیت ہے جو حکمی ضعف ہے لہٰذا جب تک کامل طور پر حکمی ضعف ختم نہیں ہوگا اس وقت کامل قوت حکمیہ ثابت نہیں ہوگی اور چوں کہ ضعفِ حکمی اور قوت حکمیہ میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے ان کے ماخذ اور مشتق یعنی عتق میں بھی تجزی نہیں ہوگی اور جس طرح طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، قصاص کو متجزی کر کے معاف نہیں کیا جاسکتا اور ام ولد بنانے میں تجزی نہیں ہوسکتی اسی طرح اعتاق اور عتق میں بھی تجزی ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان حوالوں سے بھی بعض غلام آزاد کرنے سے پورا غلام ہی آزاد ہوگا۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کا اصل معنی ہے ملکیت دور کر کے غلام میں عتق کو ثابت کرنا، کیوں کہ مولیٰ غلام کا مالک رہتا ہے اور یہی ملکیت ہی مولیٰ کا حق ہے، رہی رقیت تو وہ یا تو شریعت کا حق ہے یا پھر عوام الناس کا، رقیت شریعت کا حق تو اس طرح ہے جب کافر نے اللہ کا بندہ اور غلام ہونے سے انکار کردیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح بدلہ دیا کہ اسے اپنے بندوں کا غلام بنادیا۔ اور عوام کا حق اس طور پر ہے کہ جس طرح مجاہدین اموال غنائم کو تقسیم کرتے ہیں اسی طرح قیدی غلام اور باندیوں کو بھی آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں (عنایہ وبنایہ) بہرحال یہ بات طے ہے کہ ملک ہی مولیٰ کا حق ہے اور کوئی بھی مالک اسی دائرہ میں رہ کر تصرف کرسکتا ہے جتنا کہ اس کے بس میں ہو اور صورت مسئلہ میں مالک کے بس میں صرف ملکیت ہے اس لیے وہ اپنی ملکیت ہی کو ختم کرسکتا ہے اور چوں کہ انسان کی ملکیت میں تجزی ممکن ہے اس لیے اعتاق کے ذریعے مولیٰ اپنی جتنی ملکیت کو ختم کرے گا اتنی ہی ملکیت ختم ہوگی اور پھر تصرف وہیں تک منحصر رہتا ہے جہاں تک اس کا نفاذ اور اس کی نسبت ہو اور اضافت کے علاوہ دوسری اور آگے کی طرف اسی وقت تصرف متعدی ہوتا ہے جب منسوب اور مملوک یعنی ملکیت کی تجزی نہ ہوسکے، لیکن صورتِ مسئلہ میں چوں کہ مولیٰ کی ملک متجزی ہوسکتی ہے اس لیے اعتاق میں بھی تجزی ہوگی چنانچہ جس طرح مولیٰ اپنے نصف غلام کو بیچ سکتا ہے اور نصف غلام کا ہبہ کرسکتا ہے اسی طرح وہ اپنے نصف یا ربع یا ثلث غلام کو آزاد بھی کرسکتا ہے، تاکہ تصرف کا اپنی اصل یعنی موضع تصرف تک برقرار رہنا برقرار رہے۔

ويجب السعاية الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب بعض ہی غلام میں عتق متحقق ہوگا تو پھر مابقی

بعض کی رہائی اور خلاصی کے لیے غلام کو ہاتھ پیر مارنا ہوگا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مذکورہ غلام مکاتب کے درجے میں ہوگا کیوں کہ یہاں دو باتیں ہیں (۱) بعض غلام کی طرف اعتاق کی نسبت کرنے سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ پورے غلام سے مولیٰ کی ملکیت ختم ہے، کیوں کہ عتق میں تجزی نہیں ہے (۲) بعض غلام میں مولیٰ کی ملکیت باقی رہنے سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ وہ پورا غلام ابھی بھی مولیٰ کا مملوک ہو، اس لیے کہ رقیت بھی متجزی نہیں ہوتی اور صورت مسئلہ میں غلام کو مکاتب کے درجے میں اتار کر ان دونوں باتوں پر عمل کرنا ممکن ہے اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکاتب کے درجے میں اتار دیا کیوں کہ مکاتب بھی بعض آزاد ہوتا ہے اور بعض رقیق چنانچہ رقبتاً تو وہ مملوک اور رقیق ہوتا ہے اور یداً وتصرفاً وہ آزاد اور مالک ہوتا ہے، اور چوں کہ مکاتب میں مولیٰ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس سے کمائی کرا کر ماقبی حصے کی قیمت وصول کرے اور چاہے تو آزاد کردے، لہٰذا مُعتَق بعض میں بھی اسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

البتہ مکاتب اور معتق بعض میں فرق صرف اتنا ہے کہ اگر معتق بعض کمائی سے عاجز ہو جائے تو پھر اسے رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا لیکن مکاتب اگر کسب سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیت اور عبدیت کی طرف پھر دیا جائے گا، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر معتق بعض کو بھی ہم رقیت کی طرف لوٹانے کا حکم دیدیں تو یہ اسقاط لا إلی أحد ہوگا یعنی بلاوجہ اور بدون مالک اسقاط ہوگا، اس لیے کہ اسقاط میں معاوضہ کے معنی موجود ہیں اور معاوضہ دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے اور یہاں صرف ایک ہی آدمی ہے اور وہ معتق ہے، اس لیے معتق بعض کو کمائی سے عاجز ہونے کی صورت میں رقیت کی طرف نہیں پھیرا جائے گا۔ اس کے برخلاف مکاتب کا مسئلہ ہے تو بصورت عجز اس لیے مکاتب کو رقیت کی طرف پھیرا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں اسقاط الی المکاتب ہوگا اور معاوضہ کے معنی متحقق ہو جائیں گے اسی لیے تو بدل کتابت کا اقالہ بھی کیا جا سکتا ہے اور اسے فسخ بھی کیا جا سکتا ہے۔

وليس في الطلاق الخ: یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبینؒ کے اس قیاس کا جواب دیا جا رہا ہے جو ان حضرات نے اعتاق کو طلاق اور قصاص وغیرہ پر کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعتاق اور مملوکیت کے درمیان ایک حالت اور واسطہ ہے جیسا کہ مکاتب ذات کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لیکن تصرف کے اعتبار سے مالک ہوتا ہے جب کہ نکاح اور طلاق کے درمیان یا قصاص اور عفو کے درمیان کوئی واسطہ اور اسٹاپ نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے نصف بیوی کو طلاق دی تو جس نصف کو طلاق دی گئی ہے وہ حرام ہے اور بقیہ نصف حلال ہے اسی طرح اگر نصف قصاص معاف کر دیا تو اب اس میں بدلہ لینا حرام ہو گیا اور ماقبی نصف میں قصاص حلال ہے لہٰذا ان میں حلال اور حرام دونوں کا اجتماع ہو گیا اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں حلال اور حرام دونوں جمع ہو جائیں تو حرام اور جہتِ حرام کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں "**إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم**" لہٰذا طلاق اور قصاص والے مسئلے میں اسی ضابطے کے پیش نظر احتیاطاً ہم نے جانب حرمت کو ترجیح دی اور کامل طلاق اور کامل عفو کے قائل ہو گئے۔

اسی طرح استیلاد پر بھی ان حضرات کا قیاس درست نہیں ہے، کیوں کہ فریق مخالف یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو استیلاد کی عدم تجزی قبول نہیں ہے، بلکہ ان کے یہاں استیلاد بھی متجزی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے مدبر باندی میں صرف اپنے حصے کو ام ولد بنایا تو کہ جائز ہے اور صرف اسی کے حصے کے بقدر باندی ام ولد ہوگی۔ اور قنہ یعنی مکمل مملوکہ باندی کو لے کر اعتراض کرنا

درست نہیں ہے، اس لیے کہ اگر کسی نے کسی مملوکہ باندی کے نصف کو ام ولد بنادیا اور پھر اس نے باندی کا ضمان دیدیا تو ضمان کی وجہ سے چوں کہ یہ باندی پورے طور پر اس کی مملوک ہوگئی ہے اور جو شخص نصف باندی کو ام ولد بناسکتا ہے وہ پوری کو بھی بنا سکتا ہے اس لیے اس حوالے سے قنہ میں نصف استیلاد کو کامل کا درجہ دیا گیا ہے۔

وَ إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيْبَهُ عَتَقَ، فَإِنْ كَانَ مُوْسِرًا فَشَرِيْكُهُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيْكَهُ قِيْمَةَ نَصِيْبِهِ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ، فَإِنْ ضَمَّنَ رَجَعَ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ، وَالْوِلَاءُ لِلْمُعْتِقِ، وَ إِنْ أَعْتَقَ أَوِ اسْتَسْعَى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا، وَ إِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ، وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوَجْهَيْنِ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَا لَيْسَ لَهُ إِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ، وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْإِعْسَارِ وَ لَا يَرْجِعُ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ، وَ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَبْتَنِيْ عَلٰى حَرْفَيْنِ أَحَدُهُمَا تَجَزِّيُ الْإِعْتَاقِ وَ عَدَمُهُ عَلٰى مَا بَيَّنَّا، وَالثَّانِيْ أَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ سِعَايَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهُ، وَ عِنْدَهُمَا يَمْنَعُ، لَهُمَا فِي الثَّانِيْ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ نَصِيْبَهُ إِنْ كَانَ غَنِيًّا ضَمِنَ وَ إِنْ كَانَ فَقِيْرًا سَعٰى فِيْ حِصَّةِ الْاٰخَرِ، قَسَّمَ، وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشِّرْكَةَ، وَ لَهُ أَنَّهُ احْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيْبِهِ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ كَمَا إِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ بِثَوْبِ إِنْسَانٍ وَ أَلْقَتْهُ فِيْ صِبْغِ غَيْرِهِ حَتّٰى انْصَبَغَ بِهِ فَعَلٰى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيْمَةُ صِبْغِ الْاٰخَرِ مُوْسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لِمَا قُلْنَا، فَكَذَا هٰهُنَا، لِأَنَّ الْعَبْدَ فَقِيْرٌ فَيَسْتَسْعِيْهِ، ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ يَسَارُ التَّيْسِيْرِ وَهُوَ أَنْ يَّمْلِكَ مِنَ الْمَالِ قَدْرَ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ، لَا يَسَارُ الْغِنَاءِ، لِأَنَّ بِهِ يَعْتَدِلُ النَّظْرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيْقِ مَا قَصَدَهُ الْمُعْتِقُ مِنَ الْقُرْبَةِ وَ إِيْصَالِ بَدَلِ حَقِّ السَّاكِتِ إِلَيْهِ.

ترجمه: اور اگر ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو اس کا حصہ آزاد ہوجائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اس کے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصے کو آزاد کردے اور اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لے لے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرالے۔ چنانچہ اگر اس نے ضمان لے لیا تو معتق غلام سے رجوع کرے گا اور اس کا ولاء معتق کو ملے گا۔ اور اگر شریک ثانی نے اپنے حصے کو آزاد کردیا یا اس سے کمائی کرایا تو ولاء ان دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔ اور اگر معتق تنگدست ہو تو بھی شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کردے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے اور دونوں صورتوں میں ولاء دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شریک اول کے مالدار ہونے کی صورت میں شریک ثانی کو صرف ضمان کا حق ہوگا جب کہ اس کے تنگدست ہونے کی صورت میں اسے صرف کمائی کرانے حق ہوگا۔ اور معتق غلام سے رجوع نہیں کرے گا اور ولاء صرف معتق کے لیے ہوگا۔ اور یہ مسئلہ دو اصلوں پر مبنی ہے،

ان میں سے ایک اعتاق کا متجزی ہونا اور نہ ہونا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور دوسری اصل یہ ہے کہ معتق کا خوشحال ہونا امام صاحبؒ کے یہاں اس کے کسب سے مانع نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں مانع ہے۔ اصل دوم میں حضرات صاحبینؒ کی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اس شخص کے متعلق جو اپنا حصہ آزاد کر دے ''اگر یہ مالدار ہو تو (دوسرے کے حصے میں قیمت کا) ضامن ہوگا اور اگر وہ فقیر ہو تو غلام دوسرے کے حصے کے لیے کمائی کرے گا، آپ ﷺ نے تقسیم فرمادی ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی مالیت غلام کے پاس محبوس ہے لہٰذا اسے تاوان لینے کا اختیار ہوگا جیسے اگر ہوا نے کسی آدمی کے کپڑے کو اڑا کر دوسرے کے رنگ میں ڈال دیا اور وہ کپڑا رنگین ہو گیا تو مالک ثوب پر دوسرے کے قیمت واجب ہے خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، لہٰذا یہی حکم صورت مسئلہ میں بھی ہوگا لیکن اگر غلام فقیر ہو تو شریک ثانی اس سے کمائی کرائے۔

پھر (مالداری سے) یسار تیسیر مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنی مالیت کا مالک ہو کہ دوسرے کے حصے کی قیمت اداء کر سکے اور یسار غناء مراد نہیں ہے، کیوں کہ یسار تیسیر سے دونوں کی طرف شفقت برابر رہتی ہے، کیوں کہ معتق کے لیے اس کا چاہا ہوا یعنی قرابت کا ثبوت ہو جائے گا اور ساکت کو اس کے حق کا بدل مل جائے گا۔

اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔ ﴿ضمّن﴾ تاوان لے لے۔ ﴿استسعٰی﴾ غلام سے محنت کرائے۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست، غریب۔ ﴿هبّت﴾ اڑا دیا۔ ﴿ثوب﴾ کپڑا۔ ﴿ألقت﴾ ڈال دیا۔ ﴿صبغ﴾ رنگ۔ ﴿انصبغ﴾ وہ رنگا گیا۔ ﴿يعتدل﴾ برابر ہوگی۔ ﴿إيصال﴾ پہنچانا، ادائیگی۔ ﴿ساکت﴾ خاموش، آزاد نہ کرنے والا۔

مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کرنے کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کا حصہ بلاشبہ آزاد ہو جائے گا کیوں کہ اس نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے اور اپنی ملکیت میں انسان کا ہر تصرف درست اور جائز ہوتا ہے، اس لیے اس کے حصہ کے بقدر تو غلام آزاد ہو جائے گا، لیکن دوسرے شریک کا کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ معتق یعنی جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار اور خوشحال ہو تو دوسرے شریک کو تین باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہوگا (۱) وہ چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی قیمت بطور ضمان لے لے (۲) یا تو غلام سے کمائی کرائے اور اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے (۳) یا پھر وہ خود بھی غلام کو آزاد کر دے۔ اب اگر وہ پہلی صورت اختیار کرتا ہے یعنی اپنے شریک سے ضمان وصول کر لیتا ہے تو وہ شریک اب غلام کا کان پکڑے گا اور اس سے مال مضمون کی واپسی کا مطالبہ کرے گا اور اس غلام کا ولاء بھی اسی معتق اول ہی کو ملے گا۔ اور اگر شریک ثانی نے دوسری یا تیسری راہ اختیار کی یعنی اسے آزاد کر دیا یا اس کو کمائی پر لگا دیا تو ان دونوں صورتوں میں اس غلام کا ولاء ان کے مابین مشترک ہوگا یعنی اس غلام کی وارثت میں یہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

اور اگر شریک اول مُعسر یعنی تنگدست ہو تو اس صورت میں شریک ثانی کو صرف دو اختیار ملیں گے (۱) یا تو وہ غلام کو آزاد کرے (۲) یا پھر اس سے کمائی کرا کے اپنے حصے کی قیمت وصول کرے، ان میں سے وہ جو بھی اختیار کرے گا وہ صحیح ہوگا اور دونوں

صورتوں میں غلام کا ولاء دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔ یہ تمام تفصیلات سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ومذہب کے مطابق ہیں۔
اس کے برخلاف حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اگر شریک اول مالدار ہو تو شریک ثانی کے پاس ضمان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور پھر معتق مالِ مضمون کا غلام سے مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔ اور اگر وہ تنگدست ہو تو پھر شریک ثانی کو صرف غلام سے کمائی کرا کر اپنے حصے کی قیمت لینے کا حق ہے اور دونوں صورتوں میں ولاء معتق ہی کا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین کا یہ اختلاف دراصل دو ضابطوں پر مبنی ہے (۱) پہلا ضابطہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق میں تجزی ہوسکتی ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اعتاق میں تجزی نہیں ہوسکتی۔ (۲) دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ اگر معتق موسر ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا یسار غلام کی کمائی سے مانع نہیں ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک معتق کا یسار غلام کی کمائی کرنے سے مانع ہے۔

ان دونوں ضابطوں میں سے پہلے والے ضابطے (یعنی اعتاق کے متجزی ہونے یا نہ ہونے) کی دلیلیں اس کے پہلے والے مسئلے میں گذر چکی ہیں اور دوسرے ضابطے کے متعلق حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قیاس دو باتوں کا متقاضی ہے (۱) شریک اول پر مطلق ضمان واجب ہو خواہ وہ معسر ہو یا موسر، کیوں کہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر کے شریک ثانی کے حصے خراب اور ناقابل انتفاع بنادیا (۲) دوسری بات یہ ہے کہ شریک اول پر ضمان ہی واجب نہ ہو، اس لیے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنی ملک میں کیا ہے اور انسان کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔ قیاس انہی دونوں باتوں کا متقاضی ہے مگر یہ دونوں باہم متصادم ہیں، اس لیے قیاس سے کوئی آس نہیں لگائی جاسکتی۔ بہتر یہ ہے کہ اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی سے استدلال کیا جائے گا جو آپ نے ایسے شخص کے متعلق ارشاد فرمایا تھا جس نے اپنا حصہ آزاد کردیا تھا "**إن كان غنيا ضمن و إن كان فقيرا سعى في حصة الأخر**" صاحب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث اس طرح نقل فرمائی ہے "**من أعتق شقصاله في عبد فخلاصه في ماله إن كان له مال فإن لم يكن له مال يستسعى العبد غير مشقوق عليه** (۶۱/۵) دونوں مضمونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معتق موسر ہو تو اس پر شریک ثانی کے حصے کی قیمت کا ضمان واجب ہے اور اگر وہ معسر ہو تو پھر غلام پر کمائی کرنا واجب ہے، اس حدیث سے حضرات صاحبین کا وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتق کے یسار اور اعسار کے پیش نظر تقسیم کار فرمادیا ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر معتق مالدار ہے تو پھر اس پر ضمان ہی واجب ہے اور اس صورت میں غلام سے کمائی نہیں کرائی جائے گی۔ (عنایہ مع فتح القدیر)۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شریک اول یعنی معتق مجرم نہیں ہے کہ اس پر ضمان تھوپ دیا جائے، کیوں کہ اس نے جو بھی تصرف کیا ہے وہ اپنی ملکیت میں کیا ہے اور انسان کی ملکیت میں اس کا ہر تصرف جائز ہے۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی قیمت اور مالیت خود غلام کے پاس محبوس ہے اس لیے اسے غلام سے کمائی کرانے کا پورا حق ہے خواہ معتق موسر ہو یا معسر، شریک ثانی کو اس سے کچھ نہیں لینا دینا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسے ہوا کسی آدمی کا کپڑا اڑا لے گئی اور اسے کسی رنگریز کے ٹب وغیرہ میں ڈالدیا جس سے وہ کپڑا رنگین ہوگیا۔ تو چوں کہ کپڑے میں رنگ جذب ہوگیا ہے اس لیے مالک ثوب پر رنگریز کے رنگ کی قیمت دینا واجب ہے خواہ وہ موسر ہو یا معسر، کیوں کہ جب رنگریز کا رنگ صاحب ثوب کے کپڑے میں لگ گیا

ہے تو رنگریز کے لیے تاوان لینے کا کلی حق ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی شریک ثانی غلام ہی سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لے گا۔ لیکن اگر غلام محتاج اور فقیر ہو تو اس سے کمائی کرالے اور کمائی کرا کر اپنا حصہ وصول کرلے۔

صاحب بنایہ حضرات صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم بھی فرمانِ نبوی کو تقسیم مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تقسیم شرکت کے منافی ہے، لیکن یہاں مطلق تقسیم نہیں ہے، بلکہ یہ تقسیم بطور شرط ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے معتق کے معسر ہونے کی صورت میں ہی غلام پر کمائی کرنا واجب کیا ہے لیکن اگر معتق معسر نہ ہو بلکہ موسر ہو تو پھر کمائی کرانا تقسیم کے منافی نہیں ہوگا، کیوں کہ معلق بالشرط کا وجود شرط کے وقت پایا جانا تو ضروری ہے، لیکن عدم شرط کے وقت اس کا بھی معدوم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ دیگر طرق سے اس کے وجود کا قوی امکان رہتا ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں اگر معتق مفلس نہ ہو اور مالدار ہو تو یہ غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ مانع تو اس کا مفلس ہونا ہے اور وہ یہاں معدوم ہے۔ (بنایہ ۵/۲-۶۱۱)

ثم المعتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ معتق پر وجوبِ ضمان کے لیے اس کے حق میں یسار تیسیر معتبر ہے یعنی اگر اس کے پاس اس کی ضروریات سے فارغ اتنا مال ہو کہ وہ اپنے شریک کے حصے کی قیمت اداء کردے تو اسے موسر قرار دیا جائے گا۔ اور یہاں یسار غناء مراد نہیں ہے کہ اس کے پاس بہت زیادہ بینک بیلنس وغیرہ ہو۔ اس لیے کہ یسار تیسیر یعنی بہ آسانی ضمان دینے کو واجب کرنے میں دونوں شرکاء کا نفع ہے اور دونوں کے حق میں نظر شفقت ہے، اس لیے کہ اس سے معتق کو اس کا مقصود (یعنی حصول ثواب اور تقرب خداوندی) حاصل ہو جائے گا اور شریک ثانی کو بھی اس کے حق کا عوض اور بدل مل جائے گا۔ واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم۔

ثُمَّ التَّخْرِيْجُ عَلٰى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ فَعَدَمُ رُجُوْعِ الْمُعْتِقِ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ السِّعَايَةِ فِيْ حَالَةِ الْيَسَارِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّجَزِّيْ، وَ أَمَّا التَّخْرِيْجُ عَلٰى قَوْلِهِ فَخِيَارُ الْإِعْتَاقِ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِي الْبَاقِيْ إِذِ الْإِعْتَاقُ يَتَجَزّٰى عِنْدَهُ، وَالتَّضْمِيْنُ، لِأَنَّ الْمُعْتِقَ جَانَ عَلَيْهِ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ حَيْثُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِمَّا سِوَى الْإِعْتَاقِ وَ تَوَابِعِهِ وَالْإِسْتِسْعَاءُ لِمَا بَيَّنَّا، وَ يَرْجِعُ الْمُعْتِقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ، لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَ السَّاكِتِ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ، وَ قَدْ كَانَ لَهُ ذٰلِكَ بِالْإِسْتِسْعَاءِ فَكَذٰلِكَ لِلْمُعْتِقِ، وَ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ ضِمْنًا فَيَصِيْرُ كَأَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَ قَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ فَلَهُ أَنْ يُعْتِقَ الْبَاقِيْ أَوْ يَسْتَسْعِيَ إِنْ شَاءَ، وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ فِيْ هٰذَا الْوَجْهِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ.

ترجمہ: پھر حضرات صاحبینؒ کے قول پر تخریج ظاہر ہے، لہٰذا معتق کا غلام سے مال ضمان واپس نہ لینا مالداری کی حالت میں سعایہ واجب نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ولاء معتق کا ہے، کیوں کہ پورا اعتاق اسی کی طرف سے واقع ہے، اس لیے کہ عتق متجزی نہیں ہوتا۔

رہا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تخریج کرنا تو شریک کو اس لیے خیار اعتاق ملتا ہے کیوں کہ بقیہ غلام میں اس کی ملکیت باقی ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں اعتاق متجزی ہوسکتا ہے۔ اور ضمان لینے کا حق اس لیے ہے، کیوں کہ معتق اس کے حصے کو خراب کر کے اس پر ظلم کر رہا ہے چنانچہ شریک ثانی کے لیے اعتاق، اس کے توابع اور استسعاء کے علاوہ بیع اور ہبہ وغیرہ کی راہیں مسدود ہیں اس دلیل کی وجہ

سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور (ان کے یہاں) معتق مال ضمان کو غلام سے واپس لے گا، اس لیے کہ ضمان اداء کرنے کی وجہ سے وہ ساکت کے قائم مقام ہو گیا ہے اور جب ساکت کے لیے استسعاء کے ذریعے یہ اختیار تھا تو معتق کو بھی یہ حق حاصل ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ معتق ادائے ضمان کی وجہ سے اس غلام کا ضمناً مالک ہو چکا ہے، لہٰذا یہ ایسا ہو گیا کہ گویا پورا غلام اسی کا ہے حالاں کہ اس نے بعض ہی غلام آزاد کیا ہے تو اسے یہ اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کردے یا اگر چاہے تو اس سے کمائی کرالے۔ اور اس صورت میں ولاء معتق کو ملے گا، کیوں کہ پورا عتق اسی کی طرف سے واقع ہوا ہے کیوں کہ ضمان اداء کر کے وہ اس کا مالک ہو چکا ہے۔

اللغاتُ:

﴿یسار﴾ مالداری۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿جانی﴾ جرم کرنے والا۔

مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج:

چوں کہ ماقبل والا مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے اور یہ دونوں اصول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کے مابین مختلف فیہ ہیں، اس لیے مسئلے کی تخریج بھی دونوں اصولوں کے مطابق الگ الگ ہوگی چنانچہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں اس کی تخریج اس طرح ہوگی کہ ان کے یہاں جب اعتاق میں تجزی نہیں ہوسکتی تو دونوں شریکوں میں سے جس نے بھی غلام آزاد کیا پورا غلام اسی کی طرف سے آزاد ہوگا اور چوں کہ ان حضرات کے یہاں معتق کا یسار غلام کے استسعاء سے مانع ہے، اس لیے شریک ثانی کے لیے صرف اپنے حصے کی قیمت لینے کا حق ہوگا جو وہ شریک اول سے (معتق سے) لے گا اور اس غلام کا ولاء پورے کا پورا معتق کو ملے گا کیوں کہ پورا غلام اسی کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مسئلے کی تخریج اس طرح ہوگی کہ شریک اول نے چوں کہ صرف اپنا حصہ آزاد کیا ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق میں تجزی ہوسکتی ہے، اس لیے شریک ثانی کا حصہ برقرار ہے اور اس میں اس کی ملکیت بھی باقی ہے لہٰذا شریک ثانی کو اپنا حصہ آزاد کرنے کا اختیار ہوگا نیز اسے معتق سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لینے کا بھی حق ہوگا، اس لیے کہ جب شریک اول نے اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو پھر شریک ثانی کے لیے غلام کو آزاد کرنے اور اس کے توابع یعنی ام ولد یا مکاتب اور مدبر بنانے کے علاوہ اس غلام کو بیچنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کی ساری راہیں مسدود ہوگئیں ہیں، کیوں کہ شریک اول یعنی معتق نے اپنا حصہ آزاد کر کے اس کے حصے کو خراب و برباد کر دیا ہے اور یہ اس کے حق میں ایک طرح کا ظلم ہے، لہٰذا شریک ثانی کو ضمان لینے کا بھی اختیار ہے، مگر جب شریک اول ضمان دے گا تو وہ اس مقدار مال کو غلام سے واپس لینے کا حق دار ہوگا، کیوں کہ شریک اول ضمان کی ادائیگی کے بعد شریک ثانی کے قائم مقام ہو گیا اور شریک ثانی کو غلام سے کمائی کرا کے اپنا حصہ وصول کرنے کا حق تھا لہٰذا شریک اول کو بھی یہ حق حاصل ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ معتق نے جب ضمان اداء کر دیا تو وہ ضمناً اس پورے غلام کا مالک ہو گیا اور چوں کہ اس نے پہلے صرف اپنا حصہ ہی آزاد کیا تھا اس لیے اب اسے اس غلام کو آزاد کرنے کا بھی حق ہوگا اور کمائی کرا کے اپنا حصہ وصول کرنے کا بھی حق ہوگا۔ اور ضمان دینے کے بعد اسی معتق کو اس غلام کا پورا ولاء ملے گا، کیوں کہ پورا اعتاق اسی کی طرف سے متحقق ہوا ہے۔

نوٹ: وَلَاء کے معنی ہیں وہ میراث جو آزاد کردہ غلام سے حاصل ہو یا عقد موالات کے ذریعے حاصل ہو۔

وَ فِي حَالِ إِعْسَارِ الْمُعْتِقِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعٰى لِمَا بَيَّنَّا وَالْوَلَاءُ لَهُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ مِنْ جِهَتِهِ، وَ لَا يَرْجِعُ الْمُسْتَسْعٰى عَلَى الْمُعْتِقِ بِمَا أَدّٰى بِإِجْمَاعٍ بَيْنَنَا، لِأَنَّهُ يَسْعٰى لِفِكَاكِ رَقَبَتِهِ وَ لَا يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الْمُعْتِقِ إِذْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِعُسْرَتِهِ، بِخِلَافِ الْمَرْهُوْنِ إِذَا أَعْتَقَهُ الرَّاهِنُ الْمُعْسِرُ لِأَنَّهُ يَسْعٰى فِي رَقَبَتِهِ قَدْ فُكَّتْ أَوْ يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الرَّاهِنِ فَلِهٰذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ وَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْمُوْسِرِ كَقَوْلِهِمَا وَ قَالَ فِي الْمُعْسِرِ يَبْقٰى نَصِيْبُ السَّاكِتِ عَلٰى مِلْكِهِ يُبَاعُ وَ يُوْهَبُ، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلٰى تَضْمِيْنِ الشَّرِيْكِ لِإِعْسَارِهِ وَ لَا إِلَى السِّعَايَةِ، لِأَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ بِجَانٍ وَ لَا رَاضٍ بِهِ وَ لَا إِلٰى إِعْتَاقِ الْكُلِّ لِلْإِضْرَارِ بِالسَّاكِتِ فَتَعَيَّنَ مَا عَيَّنَّاهُ، قُلْنَا إِلَى الْإِسْتِسْعَاءِ سَبِيْلٌ، لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْجِنَايَةِ بَلْ يَبْتَنِي عَلَى احْتِبَاسِ الْمَالِيَّةِ فَلَا يُصَارُ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الْقُوَّةِ الْمُوْجِبَةِ لِلْمَالِكِيَّةِ وَالضُّعْفِ السَّالِبِ لَهَا فِي شَخْصٍ وَّاحِدٍ.

ترجمہ: اور معتق کے معسر ہونے کی حالت میں اگر شریک ثانی چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کردے، کیوں کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور اگر چاہے تو اس سے کمائی کرائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور دونوں صورتوں میں اس کو بھی ولاء ملے گا، کیوں کہ اس کی طرف سے بھی عتق واقع ہوا ہے۔ اور غلام مستسعی معتق سے اپنا اداء کردہ مال واپس نہیں لے سکتا باتفاق فقہائے احناف، کیوں کہ وہ تو اپنی گردن چھڑانے کے لیے کمائی کرتا ہے اور معتق پر کوئی قرضہ نہیں اداء کرتا ہے، اس لیے کہ معتق کے عسر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہے۔ برخلاف عبد مرہون کے جب اسے معسر راہن آزاد کردے، اس لیے کہ عبد مرہون اپنی اس گردن کے لیے کمائی کرتا ہے جو چھوٹ چکی ہے یا وہ ایسا قرضہ اداء کرتا ہے جو راہن پر تھا، لہٰذا وہ راہن سے واپس لے لے گا۔

اور موسر کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرات صاحبینؒ کے قول کی طرح ہے جب کہ معسر کے متعلق ان کا قول یہ ہے کہ ساکت کا حصہ اس کی ملکیت پر قرار رہے گا جسے بیچا بھی جا سکے گا اور ہبہ بھی کیا جا سکے گا، کیوں کہ شریک اول کے معسر ہونے کی وجہ سے اس سے ضمان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی غلام سے کمائی کرانے کا اختیار ہے، کیوں کہ نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ ہی آزادی پر راضی ہے۔ اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں ساکت کا ضرر ہے، لہٰذا ہم نے جو کچھ متعین کیا ہے وہی متعین ہے۔ ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ شریک ثانی کے لیے غلام سے کمائی کرانے کی راہ ہے، کیوں کہ استسعاء کے لیے جنایت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ استسعاء اس کی مالیت کے احتباس پر مبنی ہے، لہٰذا ایک ہی غلام میں قوت جو موجب ملکیت ہے وہ اور ضعف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے وہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی۔

اللغات:

﴿اعسار﴾ تنگدستی، غربت۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿فکاك﴾ چھڑانا، آزاد کرانا۔ ﴿فکّت﴾ آزاد کرائی گئی۔
﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یباع﴾ بیچا جا سکتا ہے۔ ﴿یوھب﴾ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ ﴿تضمین﴾ تاوان ڈالنا، ضمان کا ذمہ دار بنانا۔

﴿لا یفتقر﴾ محتاج نہیں ہے۔ ﴿یبتنی﴾ بنی ہے۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔ ﴿لا یصار﴾ نہیں پھرا جائے گا۔ ﴿سالب﴾ سلب کرنے والا، نافی۔

مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج:

اس سے پہلے بیان کردہ مسئلوں کا تعلق معتق کے یسار سے تھا اور اب معتق کے اعسار سے متعلق مسائل بیان کیے جارہے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ اگر معتق اول مفلس اور معسر ہو تو پھر اس کے شریک کو دو اختیار حاصل ہوں گے (۱) چاہے تو اپنا حصہ آزاد کردے، کیوں کہ اس غلام کے ماقبی اعضاء میں اس کی ملکیت باقی ہے (۲) اور اگر چاہے تو اس غلام سے کمائی کرالے، اس لیے کہ اس کے حصے کی مالیت غلام کے پاس رکی ہوئی ہے اور دونوں صورتوں میں شریک ثانی کو اس کے اپنے حصے کا ولاء ملے گا، کیوں کہ اس کی طرف سے بھی عتق کا وقوع صادر ہوا ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شریک ثانی غلام سے کمائی کرائے تو امام صاحب اور صاحبینؒ سب کے یہاں غلام مذکورہ مال معتق سے واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ غلام تو اپنی گردن آزاد کرانے کے لیے کمائی کرتا ہے اور کوئی ایسا قرضہ نہیں اداء کرتا جو معتق کے ذمہ واجب ہوتا، کہ غلام کو رجوع کا حق ملے، کیوں کہ معتق تو پہلے ہی سے معسر اور مفلس ہے، لہٰذا اس پر کسی چیز کے وجوب کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اس لیے غلام معتق سے مال مکتسب کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس کے برخلاف اس غلام کے جو رہن ہو اور راہن نے اسے آزاد کردیا ہو تو غلام پہلے کمائی کرکے مرتہن کو دے گا اس کے بعد راہن سے واپس لے لے گا، کیوں کہ غلام نے اپنی گردن کے لیے کمائی کی ہے حالاں کہ اس کی گردن پہلے ہی آزاد ہو چکی ہے، اس لیے غلام راہن سے وہ مال واپس لے گا۔

وقول الشافعي رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ معتق کے موسر ہونے کی صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صاحبینؒ ہم خیال ہیں لیکن اگر معتق مفلس ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ شریک ساکت کا حصہ اس کی ملکیت پر باقی رہے گا چاہے تو وہ غلام کو بیچ دے یا ہبہ کردے، اس لیے کہ نہ تو وہ شریک اول سے ضمان لے سکتا ہے کیوں کہ وہ تو (شریک اول) پہلے ہی سے قلاش ہے اور نہ ہی غلام سے کمائی کراسکتا ہے اس لیے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں غلام کا کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ہی غلام معتق اول کے اعتاق پر راضی ہے، لہٰذا جب اس کی کوئی خطاء نہیں ہے تو پھر اس سے کیوں کمائی کرائی جائے، اسی طرح پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں شریک ثانی کا ضرر ہے، لہٰذا بس ایک ہی راہ متعین ہے یعنی شریک ثانی اپنے حصے کا مالک ہے اور اس میں اسے ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔

قلنا الخ: صاحب ہدایہؒ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے جو غلام سے کمائی نہ کرانے کی علت عدم جنایت بیان کی ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ غلام سے کمائی کرانے کی علت یہ ہے کہ شریک ثانی کی مالیت اور اس کی ملکیت اسی غلام کے پاس محبوس ہے، اس لیے اس حوالے سے اس غلام سے کمائی کرانا ممکن ہے، لہٰذا اس سے کمائی کرائے جائے گی، تاکہ ایک ہی غلام میں موجب مالکیت قوت یعنی عتق اور اس قوت کو سلب کرنے والی چیز یعنی رقیت کا اجتماع نہ ہوسکے۔

قَالَ وَ لَوْ شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ عَلَى صَاحِبِهٖ بِالْعِتْقِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِهٖ مُوْسِرَيْنَ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَ كَذَا إِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالْاٰخَرُ مُعْسِرًا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّ صَاحِبَهٗ أَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ فَصَارَ مُكَاتَبًا فِيْ زَعْمِهٖ عِنْدَهٗ، وَ حَرُمَ عَلَيْهِ الْإِسْتِرْقَاقُ فَيُصَدَّقُ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ فَيُمْنَعُ مِنَ اسْتِرْقَاقِهٖ وَ يَسْتَسْعِيْهِ، لِأَنَّا تَيَقَّنَّا بِحَقِّ الْإِسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ أَوْ صَادِقًا، لِأَنَّهٗ مُكَاتَبُهٗ أَوْ مَمْلُوْكُهٗ فَلِهٰذَا يَسْتَسْعِيَانِهٖ، وَ لَا يَخْتَلِفُ ذٰلِكَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ، لِأَنَّ حَقَّهٗ فِي الْحَالَيْنِ فِيْ أَحَدِ شَيْئَيْنِ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهٗ، وَ قَدْ تَعَذَّرَ التَّضْمِيْنُ لِإِنْكَارِ الشَّرِيْكِ فَتَعَيَّنَ الْاٰخَرُ وَهُوَ السِّعَايَةُ، وَالْوَلَاءُ لَهُمَا، لِأَنَّ كُلًّا مِّنْهُمَا يَقُوْلُ عَتَقَ نَصِيْبُ صَاحِبِيْ عَلَيْهِ بِإِعْتَاقِهٖ، وَ وَلَاءُهٗ لَهٗ، وَ عِتْقُ نَصِيْبِيْ بِالسِّعَايَةِ وَ وَلَاءُهٗ لِيْ، وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ وَ مُحَمَّدٌ رحمۃ اللہ علیہ إِنْ كَانَا مُوْسِرَيْنِ فَلَا سِعَايَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُ عَنْ سِعَايَتِهٖ بِدَعْوَى الضَّمَانِ عَلٰى صَاحِبِهٖ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُمَا إِلَّا أَنَّ الدَّعْوٰى لَمْ تَثْبُتْ لِإِنْكَارِ الْاٰخَرِ، وَالْبَرَاءَةُ عَنِ السِّعَايَةِ قَدْ تَثْبُتُ لِإِقْرَارِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَ إِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعٰى لَهُمَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدَّعِي السِّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًا كَانَ أَوْ كَاذِبًا عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، إِذِالْمُعْتِقُ مُعْسِرٌ وَ إِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالْاٰخَرُمُعْسِرًا سَعٰى لِلْمُوْسِرِ مِنْهُمَا، لِأَنَّهٗ لَا يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلٰى صَاحِبِهٖ لِإِعْسَارِهٖ، وَ إِنَّمَا يَدَّعِيْ عَلَيْهِ السِّعَايَةَ، وَ لَا يَتَبَرَّأُ عَنْهُ وَ لَا يَسْعٰى لِلْمُعْسِرِ مِنْهُمَا، لِأَنَّهٗ يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلٰى صَاحِبِهٖ لِيَسَارِهٖ فَيَكُوْنُ مُبَرِّيًا لِلْعَبْدِ عَنِ السِّعَايَةِ، وَ الْوَلَاءُ مَوْقُوْفٌ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ عِنْدَهُمَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُحِيْلُهٗ عَلٰى صَاحِبِهٖ وَهُوَ يَتَبَرَّأُ عَنْهُ فَيَبْقٰى مَوْقُوْفًا إِلٰى أَنْ يَّتَّفِقَا عَلٰى إِعْتَاقِ أَحَدِهِمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حصے میں کمائی کرے گا خواہ وہ دونوں مالدار ہوں یا تنگ دست۔ اور ایسے ہی اگر ان میں ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگ دست ہو، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے، لہٰذا غلام اس کے گمان کے مطابق مکاتب ہوگا اور اس پر اس غلام کو رقیق بنانا حرام ہوگیا، اس لیے اس شریک کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس شریک کو استرقاق غلام سے روکا جائے گا البتہ وہ اس سے کمائی کرائے گا، کیوں کہ ہمیں استسعاء کا یقین ہے خواہ وہ شریک سچا ہو یا جھوٹا، اس لیے کہ وہ اس کا مکاتب ہے یا اس کا مملوک ہے اسی لیے وہ دونوں غلام سے کمائی کرائیں گے۔ اور یسر اور عسر سے یہ حکم مختلف نہیں ہوگا، اس لیے کہ دونوں حالتوں میں دو باتوں میں سے کسی ایک میں مولیٰ کا حق ہے، کیوں کہ معتق کا مالدار ہونا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے اور شریک کے انکار کی وجہ سے تاوان لینا متعذر

ہے لہٰذا دوسری بات متعین ہوگی اور وہ کمائی کرانا ہے۔ اور ولاء دونوں کو ملے گا، کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا قائل ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہوا ہے اور اس کا ولاء میرے لیے ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریک خوشحال ہوں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کر کے غلام کو کمائی کرنے سے بری کر رہا ہے، کیوں کہ ان کے یہاں معتق کا مالدار ہونا غلام کی کمائی سے مانع ہے۔ لیکن دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہوا اور غلام کا کمائی سے بری ہونا بھی اس کی ذات پر اس کے اپنے اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر دونوں شریک تنگدست ہوں تو غلام دونوں کے لیے کمائی کرے گا، کیوں کہ ان میں ہر ایک شریک غلام پر استسعاء کا مدعی ہے خواہ وہ صادق ہو یا کاذب جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ معتق معسر ہے۔ اور اگر شریکین میں سے کوئی مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو غلام ان میں سے موسر کے لیے کمائی کرے گا، اس لیے کہ معسر ہونے کی وجہ سے وہ اپنے شریک پر ضمان کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے، وہ صرف سعایہ کا دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا غلام سعایہ سے بری نہیں ہوگا۔ اور غلام معسر کے لیے کمائی نہیں کرے گا کیوں کے شریک ثانی کے مالدار ہونے کی وجہ سے معسر اس پر ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا وہ غلام کو سعایہ سے بری کرنے والا ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں ان تمام میں ولاء موقوف ہوگا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنا ولاء دوسرے پر ڈال رہا ہے جب کہ دوسرا اس سے براءت ظاہر کر رہا ہے، لہٰذا اس کا ولاء موقوف رہے گا یہاں تک کہ دونوں شریک کسی ایک کے غلام آزاد کرنے پر اتفاق کرلیں۔

اللغاتُ:

﴿شهد﴾ گواہی قائم کر دی۔ ﴿یزعم﴾ گمان رکھتا ہے۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿یصدّق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿یمنع﴾ روکا جائے گا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿مبری﴾ بری کرنے والا۔ ﴿یحیل﴾ حوالہ کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج:

عبارت تو بڑی دراز ہے لیکن اس میں بیان کردہ مسئلہ نہایت آسان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے یہ اقرار کیا کہ اس نے غلام آزاد کیا ہے تو اس صورت میں امام اعظم رالٹھیلہ کے یہاں اس غلام پر دونوں کے لیے کمائی کرنا واجب ہے خواہ وہ دونوں مالدار ہوں یا مفلس ہوں یا ان میں سے ایک مفلس ہو اور دوسرا مالدار ہو، اس لیے کہ ان میں سے ہر شریک یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے لہٰذا فہم کے پیش نظر اس کے یہاں وہ غلام مکاتب ہو گیا اور اس کے لیے غلام کو رقیق بنانا حرام ہو گیا، لہٰذا خاص اس کے حق میں اس شخص کی تصدیق کی جائے گی اور اس غلام کو رقیق بنانا اس شخص کے لیے حرام ہوگا اور اس کے لیے صرف اس غلام سے کمائی کرانے کا حق ہوگا کیوں کہ ہمیں کمائی کرانے کے حق کا یقین ہے، خواہ وہ شریک اپنے اقرار اور اپنے قول میں صادق ہو یا کاذب، چنانچہ اگر وہ شخص سچا ہوگا تو غلام مکاتب ہوگا اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو غلام مملوک ہوگا اور مکاتب اور مملوک دونوں کی کمائی اس کے مولیٰ کے لیے ہوتی ہے، اس لیے صدق اور کذب دونوں صورتوں میں اس شریک کو کمائی کرانے کا اختیار ہوگا اور عسر ویُسر کی وجہ سے یہ حکم مختلف نہیں ہوگا، کیوں کہ مدعیٔ اعتاق کا حق دونوں حالتوں میں دو باتوں میں سے ایک میں ہے اور وہ خوش حالی کی صورت میں ضمان یا استسعاء یعنی کمائی کرانا ہے، کیوں کہ معتق کا یُسر امام اعظم رالٹھیلہ کے یہاں

غلام سے کمائی کرانے سے مانع نہیں ہے اور یہاں تاوان لینا متعذر ہے، کیوں کہ جب یہ شریک اپنی طرف سے اعتاق عبد کا منکر ہے اور دوسرے کی طرف سے اعتاق کا مدعی ہے، تو اس شریک کے لیے تاوان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہٰذا اسے صرف استسعاء ہی کا حق ہوگا تاہم اس غلام کا ولاء دونوں شریکوں کے مابین مشترک ہوگا، کیوں کہ دونوں میں ہر شریک اس بات کا مدعی ہے کہ اس کا حصہ دوسرے کے آزاد کرنے سے ہی آزاد ہوا ہے اس لیے اس کے حصے کا ولاء اس کا ہے اور چوں کہ میرا حصہ استسعاء کی وجہ سے آزاد ہوا ہے اس لیے میرے حصے کا ولاء مجھے ملے گا۔

اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر دونوں شریک موسر ہوں تو غلام پر استسعاء نہیں ہے، اس لیے کہ جب ہر شریک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس دعوے سے وہ غلام کو کمائی سے بری کر رہا ہے اور پھر ان کے یہاں معتق کے موسر ہونے کی صورت میں غلام پر سعایت بھی واجب نہیں ہوتی، اس لیے اس حوالے سے بھی غلام سے کمائی نہیں کرائی جاسکتی۔ مگر چوں کہ دوسرا شریک اس کے دعوے کا منکر ہے اس لیے غلام کا عتق ثابت نہیں ہوگا، البتہ اس شریک کا (جو مدعی ہے) کا دعویٰ اور اقرار اس کے اپنے حق میں ثابت ہے اور وہ موسر بھی ہے اس لیے اس کا اقرار اس کی ذات پر لازم ہوگا اور غلام پر سعایہ واجب ہوگی۔

و إن کانا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریک معسر ہوں تو اس صورت میں غلام دونوں کے لیے کمائی کرے گا خواہ مدعی صادق ہو یا کاذب، اس لیے کہ معتق کے مفلس ہونے کی وجہ سے اس پر استسعاء کے وجوب کا یقین ہے اس لیے اس صورت میں واحد راستہ استسعاء (کمائی کرانا) کا ہے اور وہ متعین ہے۔

و إن کان أحدهما الخ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ایک موسر ہو اور دوسرا معسر ہو تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ غلام موسر کے لیے کمائی کرے اور معسر کے لیے اس کے شریک پر ضمان واجب ہوگا کیوں کہ جو شریک مالدار ہے وہ اپنے مفلس شریک پر ضمان کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اس لیے کہ افلاس کی وجہ سے وہ کچھ نہیں دے سکتا، لہٰذا شریک موسر کی طرف سے استسعاء کا دعویٰ متعین ہے اور چوں کہ مفلس اپنے خوشحال شریک پر ضمان اور تاوان کا دعویٰ کر رہا ہے اور مدعی علیہ کے مفلس ہونے کی وجہ سے یہ ممکن بھی ہے اس لیے اس کے لیے استسعاء کی راہ مسدود ہوگئی اور ان دونوں صورتوں میں مذکورہ غلام کا ولاء موقوف رہے گا، اس لیے کہ جب دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اعتاق کو تھوپ رہا ہے اور دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ معاملہ الجھا رہے گا اور جب تک دونوں شریک کسی کے اعتاق پر اتفاق نہیں کر لیتے اس وقت تک ولاء بھی موقوف رہے گا۔

وَ لَوْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ إِنْ لَمْ يَدْخُلْ فُلَانٌ هٰذِهِ الدَّارَ غَدًا فَهُوَ حُرٌّ، وَ قَالَ الْاٰخَرُ إِنْ دَخَلَ فَهُوَ حُرٌّ فَمَضَى الْغَدُ وَ لَا يُدْرٰى دَخَلَ أَمْ لَا، عَتَقَ النِّصْفُ وَ سَعٰى لَهُمَا فِي النِّصْفِ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَسْعٰى فِيْ جَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ، لِأَنَّ الْمُقْضٰى عَلَيْهِ بِسُقُوْطِ السِّعَايَةِ مَجْهُوْلٌ وَ لَا يُمْكِنُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُوْلِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهٖ لَكَ عَلٰى أَحَدِنَا أَلْفُ دِرْهَمٍ، فَإِنَّهٗ لَا يُقْضٰى بِشَيْءٍ لِلْجَهَالَةِ، كَذَا هٰذَا، وَلَهُمَا أَنَّا تَيَقَّنَّا بِسُقُوْطِ نِصْفِ السِّعَايَةِ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا حَانِثٌ بِيَقِيْنٍ، وَ مَعَ التَّيَقُّنِ

بِسُقُوْطِ النِّصْفِ كَيْفَ يُقْضٰى بِوُجُوْبِ الْكُلِّ، وَالْجَهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوْعِ وَالتَّوْزِيْعِ كَمَا إِذَا أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ لَا بِعَيْنِهِ أَوْ بِعَيْنِهِ وَ نَسِيَهُ وَ مَاتَ قَبْلَ التَّذَكُّرِ أَوِ الْبَيَانِ، وَ يَتَأَتّٰى التَّفْرِيْعُ فِيْهِ عَلٰى أَنَّ الْيَسَارَ هَلْ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ أَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الْإِخْتِلَافِ الَّذِيْ سَبَقَ.

ترجمہ: اور اگر ایک شریک نے کہا کہ اگر فلاں شخص آئندہ کل اس گھر میں داخل نہ ہو تو وہ (غلام) آزاد ہے اور دوسرے نے کہا اگر داخل ہوا تو وہ آزاد ہے چنانچہ غد گذر گیا اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فلاں داخل ہوا ہے یا نہیں تو نصف غلام آزاد ہو جائے گا اور نصف کے لیے وہ سعی کرے گا اور یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری قیمت کے لیے وہ سعی کرے گا، کیوں کہ جس شریک پر سقوط سعایہ کا حکم دیا گیا ہے وہ مجہول ہے اور مجہول پر کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں، لہٰذا یہ ایسا ہو گیا کہ جیسا کہ کسی نے دوسرے سے کہا کہ ہم میں سے کسی ایک پر تیرے لیے ایک ہزار درہم ہیں، لہٰذا جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ایسے ہی یہ بھی ہے۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں نصف سعایت کے سقوط کا یقین ہے، اس لیے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک یقیناً حانث ہے اور نصف سعایہ کے سقوط کا یقین ہوتے ہوئے کل سعایہ کے وجوب کا کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور شیوع وتوزیع سے جہالت دور ہو جاتی ہے جیسے کسی شخص نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک غیر معین کو آزاد کیا، یا معین کر کے آزاد کیا لیکن جسے معین کیا تھا بھول گیا اور اسے یاد کرنے یا بیان کرنے سے پہلے مر گیا۔ اور اس مسئلے میں تفریع کا حاصل یہ ہے کہ یسر سعایہ سے مانع ہے یا نہیں، اسی اختلاف پر جو ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔

اللغات:

﴿غد﴾ آئندہ کل۔ ﴿مضٰی﴾ گزر گیا۔ ﴿لا یدری﴾ معلوم نہ ہوا۔ ﴿شیوع﴾ پھیل جانا۔ ﴿توزیع﴾ پھیلانا۔ ﴿تفریع﴾ قیاس کرنا۔

دو مالکوں کے اعتاق معلق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک آدمی یہ کہے إن لم یدخل فلان هذه الدار غدا فهو حر یعنی اگر آئندہ کل فلاں شخص اس گھر میں داخل نہ ہوا ہو تو وہ آزاد ہے اور دوسرے نے کہا إن دخل فلان هذه الدار فهو حر یعنی اگر فلاں شخص اس گھر میں داخل ہوا تو وہ آزاد ہے گویا کہ ایک نے حریت کو عدم دخول پر اور دوسرے مالک نے دخول پر معلق کیا، لیکن غد آیا اور گذر گیا مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فلاں شخص اس گھر میں داخل ہوا یا ہے یا نہیں، تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ کے یہاں حکم یہ ہے کہ نصف غلام آزاد ہوگا اور مابقی نصف کی رہائی کے لیے وہ غلام اپنے دونوں مولیٰ کے لیے کمائی کرے گا جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غلام کا کوئی حصہ آزاد نہیں ہوگا اور وہ غلام اپنی پوری رقیت کے لیے کمائی کرے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب صورت مسئلہ میں غد کے اندر دخول اور عدم دخول دونوں میں سے کسی چیز کا یقین نہیں ہے تو پھر شریکین میں سے جس کے حق میں سقوط سعایت کا فیصلہ کیا جائے گا وہ مجہول ہوگا اور مجہول پر شریعت میں کوئی حکم نہیں لگایا

جا تا، اس لیے کسی بھی کے حق میں سعایت ساقط نہیں ہوگی اور وہ غلام دونوں شریکوں کے لیے کمائی کرے گا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے سے کہا ہم میں سے کسی ایک پر تمہارے ایک ہزار درہم ہیں تو اس صورت میں کسی پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ مقروض اور مقر علیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے کوئی حکم لگانا دشوار ہے، لہٰذا جس طرح یہاں جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ولهما الخ: حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں دونوں مالکوں میں سے ایک کا حانث ہونا یقینی اور لابدی ہے، اس لیے کہ غد میں یا تو دخول ہوا ہوگا یا عدم دخول، ایک چیز ضرور پائی گئی ہوگی اور اس ایک چیز کے وجود سے نصف غلام کا عتق یقینی طور متحقق ہوا ہے اور جس آقا کے حصے میں آزادی واقع ہو جائے اس کے لیے غلام سے کمائی کرانے کا حق ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا جب یقین کے ساتھ ہمیں نصف قیمت کے سلسلے میں سقوط سعایہ کا علم ہے تو آخر کس بنیاد پر ہم پوری قیمت کے سعایہ کا فیصلہ کر دیں، اس لیے صحیح بات وہی ہے جو ہم نے بیان کیا یعنی غلام پر صرف نصف قیمت کے لیے سعایہ کرنا واجب ہے۔

والجهالة الخ: یہاں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ **مقضیٰ علیہ بسقوط السعایہ** یہاں مجہول ہے، لیکن جب غلام کی نصف آزادی کو دونوں شریکوں پر تقسیم کر دیا جائے گا تو یہ جہالت ختم ہو جائے گی اور جب جہالت ختم ہو جائے گی تو بغیر ممانعت کے غلام کا نصف حصہ آزاد ہو جائے گا اور ماقبی نصف کے لیے اس پر سعایہ واجب ہوگی جو دونوں شریکوں کے مابین مشترک ہوگی، مثلاً ایک شخص نے اپنے دو غلاموں میں سے کسی غیر معین غلام کو آزاد کیا، یا ایک معین غلام کو آزاد کیا لیکن وہ بھول گیا کہ اس نے کلّو کو آزاد کیا تھا یا پپّو کو اور پھر وہ شخص ان میں سے کسی ایک کی تعیین سے پہلے مر گیا تو اب اس کے دونوں غلام کا نصف نصف حصہ آزاد ہوگا اور نصف نصف کی رہائی کے لیے دونوں پر سعایہ واجب ہوگی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی نصف غلام کی آزادی کو دونوں شریک پر تقسیم کریں گے اور ماقبی نصف کی آزادی کے لیے وہ غلام دونوں شریکوں کے واسطے کمائی کرے گا۔

ویتأتیٰ الخ: فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس بات پر مبنی ہے کہ مالدار ہونا سعایہ کے لیے مانع ہے یا نہیں اور اس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کا وہی اختلاف ہے جو گذر چکا، یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یُسر مانع سعایہ نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں مانع ہے۔

وَ لَوْ حَلَفَا عَلٰى عَبْدَيْنِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَعْتِقْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا، لِأَنَّ الْمُقْضٰى عَلَيْهِ بِالْعِتْقِ مَجْهُوْلٌ وَ كَذٰلِكَ الْمُقْضٰى لَهٗ فَتَفَاحَشَتِ الْجَهَالَةُ فَامْتَنَعَ الْقَضَاءُ، وَ فِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ الْمُقْضٰى بِهٖ مَعْلُوْمٌ فَغَلَبَ الْمَعْلُوْمُ الْمَجْهُوْلَ.

ترجمه: اور اگر دو آدمیوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے لیے کھائی تو ان میں سے ایک بھی غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ جس پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ مجہول ہے اور ایسے ہی مقضیٰ لہ بھی مجہول ہے، لہٰذا جہالت فاحشہ ہوگئی اس لیے فیصلہ کرنا ممتنع ہوگیا۔ اور ایک غلام میں مقضیٰ بہ معلوم ہے، اس لیے معلوم مجہول پر غالب ہوگیا۔

اللغات:

﴿تفاحشت﴾ بہت واضح ہوگئی، فاحشہ ہوگئی۔

دو مالکوں کے اعتاق معلق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو غلام ہوں اور دونوں الگ الگ شخص کے ہوں اور مالکان میں سے ایک یوں کہے إن دخل فلان هذه الدار غدا فعبدی حر کہ اگر فلاں شخص آئندہ کل اس گھر میں داخل ہوا تو میرا غلام آزاد ہے اور دوسرے نے کہا إن لم يدخل فلان هذه الدار غدا فعبدی حرٌ کہ اگر فلاں شخص داخل نہیں ہوا تو میرا غلام آزاد ہے اور غد میں فلاں کے دخول یا عدم دخول کا کوئی علم نہ ہو سکا تو اس صورت میں کسی بھی مالک کا غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ صورت مسئلہ میں جہالت کئی طرح سے ہے مقضی علیہ یعنی وہ مولی جس کے غلام پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ بھی مجہول ہے اسی طرح مقضی لہ یعنی جس غلام پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ بھی مجہول ہے اور دونوں کی جہالت مل کر جہالتِ فاحشہ ہوگئی اور جہالت فاحشہ کے ہوتے ہوئے شرعاً کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

البتہ اگر دونوں مالک کے درمیان ایک ہی غلام ہوتا اور وہ ان میں مشترک ہوتا تو اس صورت میں نصف نصف کر کے دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا اور جہالت ختم ہوجاتی۔ اسی لیے اس سے پہلے والے مسئلے میں غلام کی آزادی کو نصف نصف کر کے تقسیم کر دیا گیا ہے ۔اور یہاں منع کر دیا گیا ہے۔

وَ إِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْأَبِ، لِأَنَّهُ مَلَكَ شِقْصَ قَرِيْبِهِ وَ شِرَاؤُهُ إِعْتَاقٌ عَلَى مَا مَرَّ، وَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عَلِمَ الْآخَرُ أَنَّهُ ابْنُ شَرِيْكِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَ كَذٰلِكَ إِذَا وَرِثَاهُ، وَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيْبَهُ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَا فِي الشِّرَاءِ يَضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيْمَتِهِ إِنْ كَانَ مُوْسِرًا، وَ إِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْإِبْنُ فِيْ نِصْفِ قِيْمَتِهِ لِشَرِيْكِ أَبِيْهِ، وَ عَلَى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا مَلَكَاهُ بِهِبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ، وَ عَلَى هٰذَا إِذَا اشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَ أَحَدُهُمَا قَدْ حَلَفَ بِعِتْقِهِ إِنِ اشْتَرَى نِصْفَهُ، لَهُمَا أَنَّهُ أَبْطَلَ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ بِالْإِعْتَاقِ، لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيْبِ إِعْتَاقٌ وَ صَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ أَجْنَبِيَّيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيْبَهُ، وَ لَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ فَلَا يَضْمَنُهُ كَمَا إِذَا أَذِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيْبِهِ صَرِيْحًا، وَ دَلَالَةُ ذٰلِكَ أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيْمَا هُوَ عِلَّةُ الْعِتْقِ وَهُوَ الشِّرَاءُ، لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيْبِ إِعْتَاقٌ حَتّٰى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْكَفَّارَةِ عِنْدَنَا، وَ هٰذَا ضَمَانُ إِفْسَادٍ فِيْ ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتّٰى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطُ بِالرِّضَا، وَ لَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَ عَدَمِهِ وَ هُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنْهُ، لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى السَّبَبِ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ كُلْ

هٰذَا الطَّعَامَ وَهُوَ مَمْلُوْكٌ لِلْاٰمِرِ وَ لَا يَعْلَمُ الْاٰمِرُ بِمِلْكِهِ.

ترجمہ: اور اگر دو آدمیوں نے ان میں سے کسی کے بیٹے کو خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ اپنے قریب کے حصے کا مالک ہو گیا اور اس کا خریدنا اعتاق ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا خواہ دوسرے کو اس بات کا علم ہو کہ وہ غلام اس کے پاٹنر کا بیٹا ہے یا یہ علم نہ ہو۔ اور ایسے جب دونوں اس کے وارث ہوئے۔ اور دوسرے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔ اور یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شراء کی صورت میں اگر باپ مالدار ہو تو غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر وہ تنگ دست ہو تو غلام بیٹا اپنے باپ کے شریک کے لیے اپنی نصف قیمت کے کمائی کرے گا۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب وہ دونوں ہبہ، صدقہ یا وصیت کے ذریعے اس کے مالک ہوئے۔

اور یہی اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب دو آدمیوں نے کسی غلام کو خریدا اور ان میں سے ایک نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ اگر اس نے اس غلام کا آدھا حصہ خریدا تو غلام آزاد ہے۔ حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے کو باطل کر دیا، کیوں کہ قریبی شخص کو خریدنا اعتاق ہے، لہٰذا یہ ایسا ہوگا جیسا کہ غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اور ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک اپنا حصہ خراب ہونے پر راضی ہو گیا ہے، لہٰذا معتق اس کا ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ جب اس نے دوسرے کو صراحتاً اپنا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دی ہو۔ اور اس رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ ایسی چیز میں شرکت کی ہے جو عتق کی علت ہے اور وہ چیز شراء ہے، اس لیے کہ قریب کا شراء اعتاق ہے، یہاں تک کہ ہمارے یہاں شراء قریب کی وجہ سے مشتری کفارہ سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔

اور حضرات صاحبینؒ کے ظاہری قول میں یہ ضمان افساد ہے یہاں تک کہ یُسر اور عُسر کی وجہ سے اس کا حکم مختلف ہوتا رہتا ہے لہٰذا رضاء کی وجہ سے ضمان ساقط ہو جائے گا۔ اور علم اور عدم علم کی صورت میں بھی حکم مختلف نہیں ہوگا، یہی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایہ ہے، کیوں کہ حکم کا مدار تو علت پر ہے جیسے کسی نے دوسرے سے کہا یہ کھانا کھالو حالاں کہ وہ آمر کا مملوک ہے اور آمر کو اپنی ملک کا پتا ہی نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿شقص﴾ ٹکڑا، حصہ۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿افساد﴾ فاسد کرنا۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوتا ہے۔

دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بکر زید کا بیٹا ہے اور عمر زید کا شریک اور پاٹنر ہے چنانچہ عمر اور زید نے مل کر زید کے بیٹے یعنی بکر کو خریدا تو خریدتے ہی باپ یعنی زید کا حصہ اس کے مملوک بیٹے سے آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث **من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه** کے فرمان سے شرائے قریب کو علتِ عتق قرار دیا گیا ہے۔ اور باپ یعنی زید پر کسی طرح کا کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا خواہ اس کے پاٹنر یعنی عمر کو اس بات کا علم ہو کہ بکر زید کا بیٹا ہے یا یہ علم نہ ہو اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب زید اور عمر بکر کے وارث ہوئے

ہوں تو اس صورت میں بھی زید کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ حکم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ اور میراث والے مسئلے میں حضرات صاحبین ؒ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں، لیکن شراء والے مسئلے میں ان کے یہاں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر باپ مالدار ہو تو اس پر اپنے شریک کے حصے کا ضمان واجب ہوگا اور اگر باپ تنگ دست ہو تو اس صورت میں غلام اپنے باپ کے شریک کے لیے کمائی کرے گا۔ اور ان حضرات کا یہی اختلاف ہبۃ، صدقۃ اور وصیت میں بھی ہے چنانچہ اگر ان حوالوں سے بھی وہ دونوں اس کے مالک ہوئے تو ان صورتوں میں بھی باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا، لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر ضمان نہیں واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں یسار کی صورت میں ضمان واجب ہوگا اور اگر باپ معسر ہو تو پھر غلام پر سعایہ واجب ہے۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کو خریدنا اعتاق ہے اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر کے اپنے شریک کے حصے کو باطل کر دیا ہے، اس لیے اس پر شریک کے حصے کا ضمان واجب ہوگا اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک آدمی اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر معتق موسر ہو تو اس پر ضمان واجب ہوتا ہے اور اگر معسر ہو تو غلام پر سعایہ واجب ہوتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی اگر باپ موسر ہو تو اس پر ضمان واجب ہے اور اگر مُعسر ہو تو غلام پر سعایہ واجب ہے۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں جب شریک کو یہ پتا ہے کہ غلام میرے ساتھی کا بیٹا ہے اور اس کا شراء اس ساتھی کی طرف سے اعتاق ہوگا تو گویا وہ خود ہی اپنا حصہ باطل اور خراب کرنے پر راضی ہے اور جب اس اعتاق میں اس کی رضامندی شامل ہے تو پھر باپ پر ضمان واجب کرنا سراسر ظلم ہے اور ہماری شریعت میں ظلم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے باپ پر ضمان نہیں واجب ہوگا جیسے اگر ایک غلام دو اجنبی آدمیوں میں مشترک ہو اور ایک آدمی دوسرے کو اپنا حصہ آزاد کرنے کی صراحتاً اجازت دیدے تو معتق پر ضمان نہیں ہوگا، اسی طرح یہاں بھی باپ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ نے شریک ثانی کی رضامندی پر دلیل یہ بیان کی ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ اس کے قریبی کی شراء میں شرکت کی ہے اور شراء القریب عتق کی علت ہے، تو گویا اس شریک کی شرکت اس کی رضاء کی علت اور دلالت ہے، کیوں کہ یہ بات تو بہت ہی مشہور ہے کہ **شراء القریب إعتاق**، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص پر عتق رقبہ کا کفارہ واجب ہو اور وہ اپنے کسی قریبی کو خرید لے تو وہ شخص کفارہ سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ **شراء القریب إعتاق** ہے۔

وهذا ضمان الخ: فرماتے ہیں کہ حضرات صاحبینؒ کے ظاہری قول میں مذکورہ ضمان ضمانِ افساد ہے اسی لیے عسر اور یسر کے اختلاف سے یہ بھی بدلتا رہتا ہے اور ضمان اِفساد رضامندی سے ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے یہ ضمان بھی شریک ثانی کی رضامندی سے ساقط ہو جائے گا۔

ولایختلف الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں بیان کردہ حکم یعنی غلام کی آزادی اور باپ پر عدم ضمان کا حکم اپنی جگہ برقرار رہے گا خواہ شریک ثانی کو یہ معلوم ہو کہ غلام میرے ساتھی کا بیٹا ہے یا یہ نہ معلوم ہو، اس لیے کہ حکم کا مدار علت پر ہے اور علت یعنی شراء میں شریک ثانی باپ کا شریک ہے۔ جیسے اگر کسی نے دوسرے آدمی سے کہا یہ کھانا کھالو اور وہ کھانا آمر یعنی کہنے والے کا ہے، لیکن اسے یہ پتا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی مامور پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اس لیے کہ آمر کا حکم دینا اس کی طرف سے رضاء ہے اور

آپ کو معلوم ہے کہ رضا کے ساتھ ضمان نہیں واجب ہوتا ہے۔

وَ إِنْ بَدَأَ الْأَجْنَبِيُّ فَاشْتَرٰى نِصْفَهٗ ثُمَّ اشْتَرَى الْأَبُ نِصْفَهُ الْاٰخَرَ وَهُوَ مُوْسِرٌ فَالْأَجْنَبِيُّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَبَ، لِأَنَّهٗ مَا رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهٖ، وَ إِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْإِبْنَ فِيْ نِصْفِ قِيْمَتِهٖ لِإِحْتِبَاسِ مَالِيَّتِهٖ عِنْدَهٗ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهٗ، وَ قَالَا لَا خِيَارَ لَهٗ، وَ يُضَمِّنُ الْأَبَ نِصْفَ قِيْمَتِهٖ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر اجنبی نے ابتداء کی اور غلام کا نصف خرید لیا پھر باپ نے نصف آخر کو خرید لیا اور وہ مالدار بھی ہے تو اجنبی کو اختیار ہے اگر چاہے تو باپ سے تاوان لے، کیوں کہ وہ اپنا حصہ خراب کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ اور اگر چاہے تو ابن سے اس کی نصف قیمت کے لیے کمائی کرائے اس لیے کہ ابن کے پاس اجنبی کی مالیت محبوس ہے۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے کیوں کہ ان کے یہاں معتق کا یسار سعایہ سے مانع نہیں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اجنبی کو استسعاء (کمائی کرانا) کا خیار نہیں ملے گا اور باپ نصف قیمت کا ضامن ہوگا، کیوں کہ معتق کا یسار صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں سعایہ سے مانع ہے۔

اللغات:

﴿بدأ﴾ پہل کی۔ ﴿یسر﴾ مالدار۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔

دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:

یہ مسئلہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کے اپنے اپنے قاعدے اور ضابطے پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر معتق موسر اور مالدار ہو تو امام صاحب کے یہاں شریک ثانی کو ضمان اور استسعاء دونوں میں کسی ایک چیز کا حق ملتا ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں صرف ضمان ہی کا حق ملتا ہے، اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ اگر کسی غلام کے نصف حصے کو پہلے اجنبی نے خریدا اور پھر باقی نصف کو اس غلام کے باپ نے خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور چوں کہ اسے موسر اور مالدار فرض کیا گیا ہے، اس لیے حضرات صاحبینؒ کے یہاں شریک ثانی یعنی اجنبی کو صرف ضمان لینے کا حق ہوگا اور وہ غلام سے کمائی نہیں کرا سکتا کیوں کہ ان حضرات کے یہاں معتق کا یسار سعایہ سے مانع ہے، اس کے برخلاف امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس اجنبی کے لیے ضمان لینے کا بھی حق ہوگا اور سعایہ کا بھی حق ہوگا جسے وہ اختیار کرے گا اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ کیوں کہ ان کے یہاں معتق کا یسار مانع سعایہ نہیں ہے۔

وَ مَنِ اشْتَرٰى نِصْفَ ابْنِهٖ وَهُوَ مُوْسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَ قَالَا يَضْمَنُ إِذَا كَانَ مُوْسِرًا، وَ مَعْنَاهُ إِذَا اشْتَرٰى نِصْفَهٗ مِمَّنْ يَّمْلِكُ كُلَّهٗ فَلَا يَضْمَنُ لِبَائِعِهٖ شَيْئًا عِنْدَهٗ، وَالْوَجْهُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ: اور جس شخص نے اپنا نصف بیٹا خریدا اور وہ مالدار ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر ضمان نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر باپ موسر ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ نے اس شخص سے بیٹے کا نصف خریدا جو اس

کے کل کا مالک تھا، لہٰذا باپ اپنے بائع کے لیے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کسی بھی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سالم سہیل کا بیٹا ہے، لیکن سلمان کا غلام اور مملوک ہے اب اگر یہ باپ یعنی سہیل اپنے لڑکے سالم کے نصف حصے کو سلمان سے خریدتا ہے اور باپ مالدار بھی ہے تو اس صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشتری یعنی سہیل بائع یعنی سلمان کو ضمان اور تاوان کے نام پر ایک رتی بھی نہیں دے گا، جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں مشتری بائع کو نصف قیمت کا ضمان دے گا، اس کی دلیل گذر چکی ہے، والوجہ قد ذکرناہ سے صاحب کتاب نے اس سے دو مسئلہ پہلے والے مسئلے میں بیان کردہ حضرات صاحبینؒ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیلوں کی طرف اشارہ کیا ہے جسے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَ إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ نَفَرٍ فَدَبَّرَ أَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوْسِرٌ ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوْسِرٌ فَأَرَادُوْا الضَّمَانَ فَلِلسَّاكِتِ أَنْ يُّضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ ثُلُثَ قِيْمَتِهِ قِنًّا وَ لَا يُضَمِّنُ الْمُعْتِقَ، وَ لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُّضَمِّنَ الْمُعْتِقُ ثُلُثَ قِيْمَتِهِ مُدَبَّرًا وَ لَا يُضَمِّنُهُ الثُّلُثَ الَّذِيْ ضَمِنَ، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَا الْعَبْدُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ دَبَّرَهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ يُضَمِّنُ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهِ لِشَرِيْكَيْهِ، مُوْسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا.

ترجمه: اور اگر غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے اسے مدبر بنادیا اور وہ مالدار بھی ہے پھر دوسرے نے اسے آزاد کردیا اور وہ بھی مالدار ہے اور پھر ان دونوں نے ضمان دینا چاہا تو ساکت کو چاہیے کہ وہ مدبر کرنے والے سے رقیق خالص کی تہائی قیمت کا ضمان لے اور معتق سے ضمان نہ لے اور مدبر کو یہ حق ہے کہ وہ معتق سے غلام کے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی تہائی قیمت کا ضمان لے اور اس تہائی کا ضمان نہ لے جس کا وہ خود ضامن ہوا ہے اور یہ حکم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔
حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پورا غلام اسی شخص کا ہے جس نے پہلی مرتبہ اس کو مدبر بنایا ہے اور مدبر بنانے والا غلام کی دو تہائی قیمت کا اپنے شریکین کے لیے ضامن ہوگا خواہ وہ موسر ہو یا معسر ہو۔

اللغات:

﴿دبّر﴾ مدبر بنادیا۔ ﴿قِنّ﴾ خالص غلام۔

تین مالکوں کے درمیان مشترک غلام کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اور ان میں سے ایک شخص نے اسے مدبر بنادیا اور وہ شخص مالدار ہے پھر دوسرے نے اسے آزاد کردیا اور وہ بھی مالدار ہے اور تیسرا شریک خاموش رہا اور اس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا پھر ساکت اور مدبر نے معتق سے ضمان کا مطالبہ کیا تو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا حکم یہ ہے کہ تیسرا شریک جو خاموش تھا اسے یہ حق ہے کہ تدبیر کرنے والے ساتھی سے خالص غلام (جو مدبر اور مکاتب نہ ہو) کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے یعنی اگر خالص

غلام کی قیمت ۱۵۰/ڈیڑھ سو دراہم ہوں تو ساکت مدبر سے ۵۰/دراہم لے لے اور پھر سکوت اختیار کرلے یعنی اب معتق سے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، البتہ مدبر معتق سے غلام مدبر کی قیمت کا ایک تہائی ضمان لے لے اور ساکت کو جو ضمان اس نے خود اداء کیا ہے اس سلسلے میں ساکت رہے اور کچھ نہ لے۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس شریک نے پہلے غلام کو مدبر بنایا ہے پورا غلام اسی کا ہے اور وہ مدبرؒ اپنے دونوں ساتھیوں کے لیے اس غلام کی دوتہائی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ وہ معسر ہو یا موسر ہو، بہر صورت اس پر دوتہائی ضمان واجب ہوگا۔

وَ أَصْلُ هٰذَا أَنَّ التَّدْبِيْرَ يَتَجَزّٰى عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ خِلَافًا لَّهُمَا كَالْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ شُعْبَةٌ مِّنْ شُعَبِهٖ فَيَكُوْنُ مُعْتَبَرًا بِهٖ، وَ لَمَّا كَانَ مُتَجَزِّيًا عِنْدَهُ اقْتَصَرَ عَلٰى نَصِيْبِهٖ وَ قَدْ أَفْسَدَ بِالتَّدْبِيْرِ نَصِيْبَ الْآخَرِيْنَ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَنْ يُّدَبِّرَ نَصِيْبَهُ أَوْ يُعْتِقَ أَوْ يُكَاتِبَ أَوْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ أَوْ يَسْتَسْعِيَ الْعَبْدَ أَوْ يَتْرُكَهُ عَلٰى حَالِهٖ، لِأَنَّ نَصِيْبَهُ بَاقٍ عَلٰى مِلْكِهٖ فَاسِدًا بِإِفْسَادِ شَرِيْكِهٖ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الْإِنْتِفَاعِ بِهٖ بَيْعًا وَهِبَةً عَلٰى مَا مَرَّ، فَإِذَا اخْتَارَ أَحَدُهُمَا الْعِتْقَ تَعَيَّنَ حَقُّهُ فِيْهِ وَ سَقَطَ إِخْتِيَارُ غَيْرِهٖ فَتَوَجَّهَ لِلسَّاكِتِ سَبَبَانِ ضَمَانُ تَدْبِيْرِ الْمُدَبِّرِ وَ إِعْتَاقُ هٰذَا الْمُعْتِقِ، غَيْرَ أَنَّ لَهُ أَنْ يُّضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ لِيَكُوْنَ الضَّمَانُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ، إِذْهُوَ الْأَصْلُ حَتّٰى جُعِلَ الْغَصْبُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ عَلٰى أَصْلِنَا وَ أَمْكَنَ ذٰلِكَ فِي التَّدْبِيْرِ لِكَوْنِهٖ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِّلْكٍ إِلٰى مِلْكٍ وَقْتَ التَّدْبِيْرِ، وَ لَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ فِي الْإِعْتَاقِ، لِأَنَّهُ عِنْدَ ذٰلِكَ مُكَاتَبٌ أَوْ حُرٌّ عَلٰى إِخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ، وَ لَا بُدَّ مِنْ رِضَاءِ الْمُكَاتِبِ بِفَسْخِهٖ حَتّٰى يَقْبَلَ الْإِنْتِقَالَ فَلِهٰذَا يَضْمَنُ الْمُدَبِّرُ، ثُمَّ لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُّضَمِّنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيْمَتِهٖ مُدَبَّرًا، لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيْبَهُ مُدَبَّرًا، وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيْمَةِ الْمُتْلَفِ، وَ قِيْمَةُ الْمُدَبَّرِ ثُلُثَا قِيْمَتِهٖ قِنًّا عَلٰى مَا قَالُوْا، وَ لَا يُضَمِّنُهُ قِيْمَةَ مَا مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّاكِتِ، لِأَنَّ مِلْكَهُ ثَبَتَ مُسْتَنِدًا، وَ هٰذَا ثَابِتٌ مِنْ وَجْهٍ دُوْنَ وَجْهٍ فَلَا يَظْهَرُ فِيْ حَقِّ التَّضْمِيْنِ، وَالْوَلَاءُ بَيْنَ الْمُعْتِقِ وَالْمُدَبِّرِ أَثْلَاثًا، ثُلُثَاهُ لِلْمُدَبِّرِ، وَ الثُّلُثُ لِلْمُعْتِقِ، لِأَنَّ الْعَبْدَ عَتَقَ عَلٰى مِلْكِهِمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ، وَ إِذَا لَمْ يَكُنِ التَّدْبِيْرُ مُتَجَزِّيًا عِنْدَهُمَا صَارَ كُلُّهُ مُدَبَّرًا لِّلْمُدَبِّرِ وَ قَدْ أَفْسَدَ نَصِيْبَ شَرِيْكَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا فَيَضْمَنُهُ، وَ لَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ، لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَأَشْبَهَ الْإِسْتِيْلَادَ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ ضَمَانُ جِنَايَةٍ وَالْوَلَاءُ كُلُّهُ لِلْمُدَبِّرِ، وَ هٰذَا ظَاهِرٌ.

ترجمه: اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تدبیر میں تجزی ہوتی ہے لیکن حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے جیسا کہ اعتاق (میں) ہے، اس لیے کہ مدبر بنانا بھی اعتاق کا ایک شعبہ ہے، لہٰذا تدبیر کو اعتاق پر قیاس کیا جائے گا، اور جب امام

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تدبیر متجزی ہے تو مدبر ہی کے حصے پر منحصر رہے گا اور چوں کہ مدبر نے تدبیر کے ذریعے دوسروں کے حصے کو خراب کردیا ہے تو ان دونوں ساتھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے کو مدبر بنائے یا آزاد کرے یا مکاتب بنائے یا مدبر اول سے ضمان لے یا غلام سے کمائی کرائے یا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے، کیوں (ان دونوں میں سے) ہر ایک کا حصہ اس کی ملک پر باقی ہے لیکن مدبر اول کے افساد کی وجہ سے یہ ملک فاسد ہے، اس لیے کہ اس نے بیع اور ہبہ کے طور پر اس غلام سے فائدہ اٹھانے کی راہیں مسدود کردی ہیں جیسا کہ یہ گذر چکا ہے۔

پھر جب ان میں سے کسی ایک نے عتق کو اختیار کیا تو عتق میں اس کا حق متعین ہوگیا اور عتق کے علاوہ کا اختیار ساقط ہوگیا اور ساکت کے لیے ضمان کے دو سبب ثابت ہوئے مدبر کرنے والے کا مدبر کرنا اور آزاد کرنے والے کا آزاد کرنا لیکن اسے مدبر سے ضمان لینے کا اختیار ہے تا کہ یہ تاوان تاوانِ معاوضہ ہوجائے، اس لیے کہ تاوانِ معاوضہ ہی اصل ہے۔ یہاں تک کہ ہماری اصل پر ضمان غاصب کو بھی ضمانِ معاوضہ قرار دیا گیا ہے اور تدبیر میں یہ ممکن ہے، کیوں کہ بوقت تدبیر غلام ایک ملک سے دوسری ملکیت میں منتقل ہونے کے لائق رہتا ہے جب کہ اعتاق میں یہ ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ بوقتِ اعتاق یہ غلام مکاتب ہے یا آزاد ہے (علی اختلاف الأصلین) اور عقد کتابت فسخ کرنے کے لیے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے، تاکہ وہ انتقال ملک کو قبول کرلے اسی لیے ساکت مدبر سے ضمان لے گا پھر مدبر کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ معتق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے، اس لیے کہ معتق نے غلام کے مدبر ہونے کی حالت میں ہی اس کا حصہ خراب کیا ہے اور ضمان تلف کردہ چیز کے قیمت کے بقدر ہی ثابت ہوتا ہے۔

اور مدبر کی قیمت خالص غلام کی دو تہائی قیمت ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے۔ اور مدبر نے شریک ساکت کو جو قیمت دی ہے معتق سے اس کا ضمان نہیں لے سکتا، اس لیے کہ مدبر کی ملکیت اس کے تدبیر کرنے کے وقت کی طرف منسوب ہوکر ثابت ہے، اسی لیے یہ من وجہ ثابت ہے اور من وجہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا ضامن بنانے کے حق میں یہ ملکیت ظاہر نہیں ہوگی۔

اور مدبر و معتق کے مابین تین تہائی کے حساب سے ولاء مشترک ہوگا یعنی مدبر کے لیے دو تہائی اور معتق کے لیے ایک تہائی ہوگا، اس لیے کہ غلام ان دونوں کی ملکیت پر اسی مقدار میں آزاد ہوا ہے۔ اور جب حضرات صاحبینؒ کے یہاں تدبیر متجزی نہیں ہے تو پورا غلام مدبر کے لیے مدبر ہوگا اور چوں کہ مدبر نے اپنے دونوں شریک کا حصہ خراب کردیا ہے اس لیے وہ دونوں کے حصے کا ضامن ہوگا اور یسر اور عسر کی وجہ سے یہ ضمان مختلف نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ضمان تحصیل ملک کا معاوضہ ہے اس لیے استیلاد کے مشابہ ہوگیا۔ برخلاف اعتاق کے، کیوں کہ وہ جنایت کا ضمان ہے اور پورا ولاء مدبر کا ہوگا اور یہ ظاہر ہے۔

اللغاتُ:

﴿تدبیر﴾ مدبر بنانا۔ ﴿اقتصر﴾ موقوف ہوگا، منحصر ہوگا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿سُدَّ﴾ بند کردیا گیا۔ ﴿غصب﴾ ناجائز قبضہ۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿استیلاد﴾ ام ولد بنانے والا۔ ﴿جنایة﴾ جرم، غلطی۔

تین مالکوں کے درمیان مشترک غلام کا مسئلہ:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبینؒ کا جو اختلاف ہے وہ دراصل ان حضرات کے اپنے

اپنے اصول اور ضابطوں پر مبنی اور متفرع ہے چنانچہ صاحبین کے یہاں نہ تو مدبر بنانا متجزی ہوتا ہے اور نہ ہی آزاد کرنا جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق اور تدبیر دونوں متجزی ہوتے ہیں اور دونوں فریق کی دلیل یہ ہے کہ تدبیر اعتاق کی ایک شاخ ہے، لہٰذا جو حکم ان حضرات کے یہاں اعتاق کا ہے وہی تدبیر کا بھی ہوگا۔ بہر حال جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تدبیر میں تجزی ممکن ہے تو جس شریک نے اپنا حصہ مدبر بنایا ہے اس کی تدبیر اس کے حصے تک محدود رہے گی مگر چوں کہ شریک مدبر نے اپنے دونوں شریکوں کا حصہ خراب کر دیا ہے تو اب ان دونوں کو اپنے اپنے حصے میں ہر طرح کا اختیار ہوگا خوہ وہ اپنا حصہ آزاد کریں یا مدبر و مکاتب کریں یا مدبر سے تاوان وصول کریں یا غلام سے کمائی کرائیں یا غلام کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں اس لیے کہ ہر شریک کا حصہ اس کی ملکیت میں باقی اور قائم ہے، لیکن شریک مدبر کے افساد سے ان کی املاک فاسد ہو چکی ہیں اور اس نے اپنا حصہ مدبر کر کے بیع اور ہبہ کے طور پر اس غلام سے فائدہ اٹھانے کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔

فإذا اختار الخ: فرماتے ہیں کہ مدبر کے علاوہ دوسرے دونوں ساتھیوں میں جب کسی ساتھی نے عتق کو اختیار کیا تو عتق ہی کے لیے اس کا حصہ متعین ہو گیا اور اب عتق کے علاوہ اسے تدبیر یا مکاتبت وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور تیسرا شخص جو بالکل خاموش ہے اب اس کے لیے ضمان کے دو سبب پیدا ہوگے (۱) شریک مدبر کی تدبیر کا ضمان (۲) اور معتق کے اعتاق کا ضمان، لیکن اسے صرف مدبر ہی سے ضمان لینے کا حق ہوگا اور معتق سے ضمان لینے کا حق نہیں ہوگا تاکہ یہ ضمان ضمانِ معاوضہ ہو جائے اس لیے کہ ضمانات میں ضمان معاوضہ ہی اصل ہے اسی لیے غصب کے تاوان کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا گیا ہے اور مدبر سے اس طرح کے ضمان کی وصولیابی ممکن بھی ہے، کیوں کہ غلام ایک ملک سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اعتاق میں ضمان معاوضہ کا جریان اور نفاذ ممکن نہیں ہے، کیوں کہ غلام بوقت اعتاق یا تو مکاتب رہتا ہے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے یا پھر آزاد ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا موقف ہے۔

و لا بد الخ: فرماتے ہیں کہ فسخ کتابت کے لیے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے تاکہ وہ انتقال ملک کو قبول کر لے اسی لیے مدبر سے ساکت جو ضمان لے گا وہ ضمان معاوضہ ہوگا۔ اس کے بعد مدبر کو یہ حق ہوگا کہ وہ معتق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے، اس لیے کہ معتق نے اس مدبر کے حصے کو مدبر ہونے کی حالت ہی میں برباد کیا ہے اور چوں کہ ضمان ہلاک کردہ چیز ہی کے بقدر واجب ہوتا ہے اس لیے مدبر کے لیے غلام کی تہائی قیمت واجب ہوگی۔

اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ مدبر کی قیمت خالص غلام کی قیمت کا دو تہائی ہوتی ہے۔ اور مدبر نے شریک ساکت کو جو ضمان دیا ہے وہ معتق سے نہیں لے سکتا، اس لیے کہ اس نے جو کچھ بھی شریک ساکت کو دیا ہے وہ اس لیے دیا ہے کہ بوقت تدبیر اس کے حصے کا مالک ہے، لیکن یہ ملکیت چوں کہ تاوان دینے کی وجہ سے ثابت ہے اصلی حالت یا کسی اور سبب سے ثابت نہیں ہے اس لیے موجب ضمان نہیں ہوگی اور مدبر کے لیے معتق سے مزید کچھ اور مال کی وصولیابی کا سبب نہیں بنے گی۔

اور اس غلام کی ولاء معتق اور مدبر دونوں کے مابین تین تہائی کے حساب سے مشترک ہوگی یعنی دو تہائی مدبر کی ہوگی اور ایک تہائی معتق کی ہوگی، اس لیے کہ اسی تناسب سے ان کی ملکیت پر عتق کا وقوع ہوا ہے۔

و إذا لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرات صاحبینؒ کے یہاں تدبیر یعنی مدبر بنانا متجزی نہیں ہو سکتا تو جیسے ہی

پہلے ساتھی نے تدبیر کا فعل انجام دیا اسی وقت پورا غلام اس کی طرف سے مدبر ہوگیا اور چوں کہ اس تدبیر سے اس نے اپنے دیگر دونوں ساتھیوں کا حصہ خراب کر دیا ہے، اس لیے وہ دونوں ساتھیوں کے لیے ان کے حصے کے بقدر ضامن ہوگا اور یہ ضمان عسر اور یُسر دونوں حالتوں میں یکساں رہے گا اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوگی، اس لیے کہ یہ تو تحصیل ملک کا ضمان ہے اور استیلاد کے مشابہ ہے اور استیلاد میں اگر دو شریکوں میں سے کوئی ایک باندی کے بچہ کا دعویٰ کر دے تو دوسرے پر نصف جاریہ کا ضمان واجب ہوگا، کیوں کہ مدعی نے دوسرے ساتھی کے حصے کو خراب کر دیا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تدبیر کرنے والے نے چوں کہ اپنے دیگر ساتھیوں کے حصص کو خراب کر دیا ہے اس لیے اس پر ان دونوں کے حصوں کے بقدر ضمان واجب ہوگا، اس کے برخلاف اعتاق کا مسئلہ ہے تو وہ تدبیر سے جدا ہے، کیوں کہ اعتاق کی صورت میں واجب ہونے والا ضمان ضمان جنایت ہوتا ہے۔ اور اس تقریر کے پیش نظر پوری ولاء مدبر کرنے والے شریک کی ہوگی، کیوں کہ پورا غلام اسی کی ملکیت پر آزاد ہوا ہے۔

وَ إِذَا كَانَتْ جَارِيَةٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَ زَعَمَ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِصَاحِبِهِ وَ أَنْكَر ذٰلِكَ الْاٰخَرُ فَهِيَ مَوْقُوْفَةٌ يَوْمًا وَ يَوْمًا تَخْدُمُ لِلْمُنْكِرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ قَالَا إِنْ شَاءَ الْمُنْكِرُ اِسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِي نِصْفِ قِيْمَتِهَا ثُمَّ تَكُوْنُ حُرَّةً لَا سَبِيْلَ عَلَيْهَا، لَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُصَدِّقْهُ صَاحِبُهُ اِنْقَلَبَ إِقْرَارُ الْمُقِرِّ عَلَيْهِ كَأَنَّهُ اِسْتَوْلَدَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرِيُّ عَلَى الْبَائِعِ أَنَّهُ أَعْتَقَ الْمَبِيْعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَعْتَقَ، كَذَا هٰذَا، فَيَمْتَنِعُ الْخِدْمَةُ وَ نَصِيْبُ الْمُنْكِرِ عَلٰى مِلْكِهِ فِي الْحُكْمِ فَيَخْرُجُ إِلَى الْإِعْتَاقِ بِالسِّعَايَةِ كَأُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ، وَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْمُقِرَّ لَوْ صُدِّقَ كَانَتِ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُنْكِرِ وَ لَوْ كَذَبَ كَانَ لَهُ نِصْفُ الْخِدْمَةِ، فَيَثْبُتُ مَاهُوَ الْمُتَيَقَّنُ بِهِ وَهُوَ النِّصْفُ، وَ لَا خِدْمَةَ لِلشَّرِيْكِ الشَّاهِدِ وَ لَا اِسْتِسْعَاءَ، لِأَنَّهُ يَتَبَرَّأُ عَنْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ بِدَعْوَى الْإِسْتِيْلَادِ وَالضَّمَانِ، وَالْإِقْرَارُ بِأُمُوِيَّةِ الْوَلَدِ يَتَضَمَّنُ الْإِقْرَارَ بِالنَّسَبِ وَ هٰذَا أَمْرٌ لَازِمٌ وَ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ الْمُقِرُّ كَالْمُسْتَوْلِدِ.

ترجمہ: اور اگر ایک باندی دو آدمیوں کے مابین مشترک تھی اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کے ساتھی کی ام ولد ہے اور دوسرے نے اس کا انکار کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ ایک دن توقف کرے اور ایک دن شریک منکر کی خدمت کرے۔
حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر منکر چاہے تو نصف قیمت میں جاریہ سے کمائی کرائے پھر وہ باندی آزاد ہوگی اور اس پر کوئی راہ نہیں ہوگی۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کنندہ کی اس کے ساتھی نے تصدیق نہیں کی تو مقر کا اقرار اسی پر لوٹ آیا گویا کہ اسی نے باندی کو ام ولد بنایا ہے، لہٰذا یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے بیچنے سے پہلے ہی مبیع کو آزاد کر دیا ہے اور اسے ایسا اقرار قرار دیا ہے کہ گویا مشتری نے خود آزاد کیا ہے یہی حکم یہاں بھی ہوگا۔ لہٰذا خدمت لینا ممتنع ہوگا اور حکم میں منکر کا حصہ اس کی ملکیت پر باقی ہے، لہٰذا اعتاق کے لیے سعایہ کے ذریعے تخریج کی جائے گی، جیسے نصرانی کی ام ولد جب وہ

مسلمان ہوگئی ہو۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقر کی تصدیق کرلی جاتی تو پوری خدمت منکر کے لیے ہوتی اور اگر اس کی تکذیب کردی گئی تو منکر کے لیے نصف خدمت ہوگی، لہٰذا جو چیز متیقن ہے وہی ثابت ہوگی اور وہ نصف ہے اور شریک شاہد کے لیے نہ تو خدمت ہوگی اور نہ ہی اسے استسعاء کا حق ہوگا، اس لیے کہ یہ شریک استیلاد اور ضمان کا دعویٰ کرکے ان سب سے بری ہے اور ام ولد ہونے کا اقرار اقرار بالنسب کو شامل ہے۔ اور یہ امر لازم ہے جو رد کرنے سے رد ہوگا، لہٰذا مقر کو مستولد کی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اللغات:

﴿جاریة﴾ باندی۔ ﴿انقلب﴾ بدل جائے گا، پھر جائے گا۔ ﴿مقرّ﴾ اقرار کرنے والا۔

دوشریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی اور ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ میرے ساتھی کی ام ولد ہے، لیکن دوسرے نے اس کا انکار کردیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ وہ باندی ایک دن توقف کرے اور ایک دن شریک منکر کی خدمت کرے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر منکر شریک چاہے تو اس باندی سے کمائی کرائے اور نصف قیمت وصول کرلے، اس کے بعد وہ باندی آزاد ہوجائے گی اور شریک مقر کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب شریک مقر اور مدعی ام ولد کی دوسرے شریک کی طرف سے تصدیق نہیں کی گئی تو مقر کا اقرار خود اس کے اوپر عود کرآیا اور یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ خود اسی مدعی اور مقر نے اس باندی کو امّ ولد بنایا ہے اس لیے اس کا اقرار اس کے حق میں معتبر اور لازم ہوگا اور اس شریک کے لیے باندی پر کوئی راہ نہیں ہوگی اور اس شریک کے لیے اس باندی سے خدمت لینا ممنوع ہوگا۔ جیسے اگر مبیع غلام ہو اور مشتری یہ دعویٰ کرے کہ بائع نے عقد بیع سے پہلے ہی اسے آزاد کردیا تھا لیکن بائع نے اس کا انکار کردیا تو اس صورت میں بھی مشتری کا اقرار اعتاق اسی کی جانب عود کرآئے گا اور وہ غلام اسی کی طرف سے آزاد کیا ہوا مانا جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی باندی کے ام ولد ہونے کا دعویٰ خود شریک مدعی ومقر کی طرف عود کرآئے گا اور وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور اس کے لیے اب اس باندی سے خدمت لینا درست نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ باندی اس کے خیال میں دوسرے کی ام ولد ہے لیکن جب دوسرا اس کا منکر ہے تو اس کا حصہ ظاہر میں اس کی ملکیت پر باقی ہے لہٰذا باندی کی رہائی کے لیے اس سے کمائی اور مزدوری کرائی جائے گی۔ جیسے نصرانی شخص کی ام ولد اگر مسلمان ہوجائے تو اس کی آزادی کا راستہ بھی سعایہ ہی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں مذکورہ باندی کی آزادی اور رہائی کا راستہ صرف سعایہ ہے۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر باندی کے ام ولد ہونے کا اقرار کرنے والا شریک اپنے اقرار میں سچا ہوتا اور اس کی تصدیق کردی جاتی تو باندی شریک منکر کی ام ولد ہوجاتی اور اس کی پوری خدمت اسی شریک کے لیے ہوتی اور اگر شریک مقر کی تکذیب کردی جاتی تو منکر کے لیے نصف خدمت ہوتی، اس لیے کہ باندی دونوں کے مابین مشترک ہے لہٰذا اس شریک کے انکار کے باوجود اسے صرف نصف خدمت ہی کا حق ملتا اور چوں کہ نصف متیقن ہے، اس لیے شریک

منکر کے لیے وہی ثابت ہوگا اور شریکِ مقر اور مدعی کے لیے نہ تو خدمت کا حق ہوگا اور نہ ہی استسعاء کا، اس لیے کہ وہ شریک منکر پر باندی کے ام ولد ہونے اور اس حوالے سے اس پر وجوبِ ضمان کا دعویٰ کر چکا ہے، اس لیے اس کے علاوہ اسے کوئی اور حق نہیں ہوگا۔

والإقرار الخ: یہاں سے حضرات صاحبینؒ کے دلیل کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کے ام ولد ہونے کا اقرار اقرار بالنسب کو شامل ہے اور اقرار بالنسب ایک امر لازم ہے جو تردید سے رد نہیں ہوتا، اس لیے شریک مقر کو ام ولد بنانے والا نہیں قرار دیا جا سکتا اور مدعیٰ علیہ کو اس سے من کل وجہ بری بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسے نصف خدمت کا حق دیا جائے گا۔

وَ إِنْ كَانَتْ أُمُّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَأَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوْسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَ قَالَا يَضْمَنُ نِصْفَ قِيْمَتِهَا، لِأَنَّ مَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوَّمَةٍ عِنْدَهُ وَ مُتَقَوَّمَةٌ عِنْدَهُمَا، وَ عَلٰى هٰذَا الْأَصْلِ تَبْتَنِي عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ أَوْرَدْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي، وَجْهُ قَوْلِهِمَا إِنَّهَا مُنْتَفَعٌ بِهَا وَطْيًا وَ إِجَارَةً وَاسْتِخْدَامًا وَ هٰذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقَوُّمِ، وَ بِامْتِنَاعِ بَيْعِهَا لَا يَسْقُطُ تَقَوُّمُهَا كَمَا فِي الْمُدَبَّرِ، اَلَا تَرٰى أَنَّ أُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السِّعَايَةُ وَ هٰذَا اٰيَةُ التَّقَوُّمِ غَيْرَ أَنَّ قِيْمَتَهَا ثُلُثُ قِيْمَتِهَا قِنَّةً عَلٰى مَا قَالُوْا لِفَوَاتِ مَنْفَعَةِ الْبَيْعِ وَالسِّعَايَةِ بَعْدَالْمَوْتِ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ، لِأَنَّ الْفَائِتَ مَنْفَعَةُ الْبَيْعِ، أَمَّا السِّعَايَةُ وَالْإِسْتِخْدَامُ فَبَاقِيَانِ، وَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ التَّقَوُّمَ بِالْإِحْرَازِ وَهِيَ مُحْرَزَةٌ لِلنَّسَبِ لَا لِلتَّقَوُّمِ، وَالْإِحْرَازُ لِلتَّقَوُّمِ تَابِعٌ وَ لِهٰذَا لَا تَسْعٰى لِغَرِيْمٍ وَ لَا لِوَارِثٍ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ، وَ هٰذَا لِأَنَّ السَّبَبَ فِيْهَا مُتَحَقِّقٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ الْجُزْئِيَّةُ الثَّابِتَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلٰى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ عَمَلُهُ فِي حَقِّ الْمِلْكِ ضَرُوْرَةَ الْإِنْتِفَاعِ فَعَمِلَ السَّبَبُ فِي إِسْقَاطِ التَّقَوُّمِ وَ فِي الْمُدَبَّرِ يَنْعَقِدُ السَّبَبُ بَعْدَالْمَوْتِ، وَامْتِنَاعُ الْبَيْعِ فِيْهِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُوْدِهٖ فَافْتَرَقَا وَ فِي أُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ قَضَيْنَا بِمُكَاتَبَتِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَ بَدَلُ الْكِتَابَةِ لَا يَفْتَقِرُ وُجُوْبُهٗ إِلَى التَّقَوُّمِ.

ترجمہ: اور اگر ام ولد دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا اس حال میں کہ وہ مالدار ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر ضمان نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا، کیوں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ام ولد کی مالیت متقوم نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں متقوم ہے۔ اور اس اصل پر کئی مسائل مبنی ہیں جنہیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کر دیا ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وطی، اجارہ اور خدمت لینے کے طور پر اس باندی سے نفع اٹھانا ممکن ہے اور یہ متقوم ہونے کی علامت ہے اور اس کی بیع ممتنع ہونے سے اس کا متقوم ہونا ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ مدبر میں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ نصرانی کی ام ولد اگر مسلمان ہو جائے تو اس پر سعایہ واجب ہے اور یہ متقوم ہونے کی علامت ہے لیکن اس کی قیمت خالص باندی کی تہائی قیمت ہوگی جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے، اس لیے کہ موت کے بعد بیع اور سعایہ کی منفعت فوت ہو جاتی

ہے۔ برخلاف مدبر کے، اس لیے کہ (مدبر میں) منفعت بیع ہی فوت ہوئی ہے، رہا کمائی کرنا اور خدمت لینا تو وہ دونوں باقی ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ متقوم ہونا احراز کی وجہ سے ہوتا ہے اور ام ولد نسب کے لیے محرز ہوتی ہے نہ کہ تقوم کے لیے اور تقوم کے لیے احراز تابع ہے اسی لیے ام ولد کسی قرض خواہ اور وارث کے لیے کمائی نہیں کرتی۔ برخلاف مدبر کے۔ اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اس میں فی الحال سبب متحقق ہے اور وہ ولد کے واسطے سے ثابت ہونے والی جزئیت ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں جانا گیا ہے، لیکن ضرورتِ انتفاع کی وجہ سے ملک کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہیں ہوا لہٰذا سبب ہی اسقاطِ تقوم میں موثر ہوگیا۔ اور مدبر میں موت کے بعد سبب منعقد ہوتا ہے اور اس کی بیع کا ممتنع ہونا اس کے مقصود کے متحقق ہونے کی وجہ سے ہے، اس لیے دونوں میں فرق ہوگیا۔ اور نصرانی کی ام ولد میں جانبین سے دفعِ ضرر کے پیش نظر ہم نے اس کے مکاتب ہونے کا فیصلہ کیا ہے، اور بدل کتابت کا وجوب تقوم کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔ ﴿أوردنا﴾ ہم نے پیش کیا ہے۔ ﴿منتفع به﴾ اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ﴿فائت﴾ فوت شدہ چیز۔ ﴿محرزة﴾ روکی ہوئی، محفوظ کی ہوئی۔ ﴿غریم﴾ قرضخواہ۔ ﴿مصاهرة﴾ سسرالی رشتہ۔

دوشریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اور دونوں لوگوں نے اس بچے کا دعویٰ کیا اور وہ مشترکہ طور پر ان دونوں کی ام ولد ہوگئی، اس کے بعد ایک شریک نے اسے آزاد کردیا اور وہ شریک خوش حال تھا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معتق پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اس پر ام ولد کی نصف قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین کے اس اختلاف کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ام ولد کی مالیت غیر متقوم ہے اور حضرات صاحبین کا یہاں متقوم ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اصل پر اور بھی بہت سے مسائل مبنی ہیں جنھیں کفایۃ المنتہی میں ہم نے بیان کردیا ہے۔

صورت مسئلہ میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد سے وطی بھی کی جاسکتی ہے، اسے اجارہ پر بھی دیا جاسکتا ہے اور اس سے خدمت بھی لی جاسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں تقوم کے بغیر ممکن نہیں ہیں معلوم ہوا کہ ام ولد مالِ متقوم ہے اور مالِ متقوم کو ہلاک کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں ام ولد کو آزاد کرنے والے شریک پر اس کی نصف قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس کی بیع کے عدم جواز سے اس کے غیر متقوم ہونے کا اعتراض نہ کیا جائے، کیوں کہ مدبر کی بھی بیع ممتنع ہوتی ہے حالاں کہ مدبر متقوم ہوتا ہے، اسی طرح ام ولد بھی ممتنعۃ البیع ہونے کے باوجود متقوم ہوگی۔ اسی لیے تو اگر کسی نصرانی کی ام ولد مسلمان ہوجائے تو اس پر سعایہ کرکے اپنے کو آزاد کرانا واجب ہے اور سعایہ کرنا تقوم کی واضح دلیل ہے، اس سے بھی ام ولد کا متقوم ہونا ہی سمجھ میں آرہا ہے البتہ ام ولد میں چوں کہ استیلاد کا وصف لگ جاتا ہے، اس لیے اس کی قیمت خالص باندی کی قیمت کا تہائی حصہ ہوگی یہی مشائخ کا فیصلہ ہے، اس لیے کہ استیلاد کے بعد ام ولد کو فروخت کرنے کی منفعت فوت ہوجاتی ہے اور مولیٰ کی موت کے بعد اس سے کمائی بھی نہیں کرائی جاسکتی ہے، جب کہ خالص باندی کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے اور اس سے کمائی بھی کرائی جاسکتی

ہے، اس لیے ام ولد لامحالہ خالص باندی سے کم قیمت کی ہوگی۔

اس کے برخلاف مدبر کا مسئلہ ہے تو اس کے حق میں تدبیر سے صرف بیع کی منفعت فوت ہوتی ہے لیکن سعایہ اور استخدام دونوں باقی رہتے ہیں، اسی لیے اس کی قیمت خالص غلام کی دوتہائی قیمت ہوتی ہے۔

و لأبي حنيفة رَحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رَحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ متقوم ہونا اس احراز کی وجہ سے ہوتا ہے جو مالداری کے لیے اپنے پاس رکھی جائے اور ام ولد نسب کے لیے محرز کی جاتی ہے نہ کہ تقوم کے لیے اور احراز للتقوم نسب کے تابع ہوتا ہے، اور ام ولد کے محرز للنسب ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ مولیٰ کی موت کے بعد یہ عورت مولیٰ کے کسی قرض خواہ اور وارث کے لیے کمائی نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف مدبر ہے تو وہ صرف تقوم اور مالداری کے لیے محرز کیا جاتا ہے، اس لیے ام ولد اور مدبر میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ ام ولد میں سبب فی الحال متحقق ہوتا ہے اور وہ سبب لڑکے کے واسطے سے مولیٰ اور ام ولد کے درمیان جزئیت اور بعضیت کا ثبوت ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں اس کی تفصیل آچکی ہے، البتہ ضرورتِ انتفاع کے پیش نظر ملکیت کے حق میں اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوگا، لہٰذا مولیٰ پر اس کی ملکیت باقی رہے گی اور وہ اس سے خدمت لیتا رہے گا، ہاں اسقاطِ تقوم کے حق میں سبب موثر ہوگا اور ام ولد کی مالیت کو ختم کردے گا اور جب مالیت ختم ہوجائے گی تو پھر اس کے آزاد کرنے سے معتق پر ضمان بھی واجب نہیں ہوگا۔

اور مدبر میں فی الحال سبب متحقق نہیں ہوتا، بلکہ مولیٰ موت کے بعد سبب اسقاط پیدا ہوتا ہے اور حصول مقصود کے پیشِ نظر ہی اس کی بیع ممتنع ہوتی ہے، اس لیے ام ولد اور مدبر میں فرق واضح ہے۔ اور نصرانی کی ام ولد میں ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مکاتبہ ہوجاتی ہے تاکہ نہ تو ام ولد کو کچھ ضرر ہو اور نہ ہی نصرانی کو اور چوں کہ بدل کتابت کا وجوب مال کے متقوم ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس لیے ان حوالوں سے ام ولد، مدبر اور نصرانی کی ام ولد وغیرہ میں فرق ہے لہٰذا کسی کو بھی ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ **فقط و اللہ اعلم و علمہ اتم۔**

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ، وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمِ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ الحمدللہ: آج مورخہ ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۷؍اپریل ۲۰۰۷ء کو احسن الہدایہ کی یہ جلد اختتام پذیر ہوئی۔ **اللهم اغفر لشارحه ولوالديه ولأساتذته ولمن قام بنشره وطبعه۔** **عبدالحلیم قاسمی بستوی**

بحمدہ تعالیٰ! آج بروز بدھ مؤرخہ ۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ بمطابق ۲۵ نومبر ۲۰۰۹ محض خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے احسن الہدایہ کی جلد نمبر پانچ کی تخریج، اعراب، عنوانات اور حل لغات کے ساتھ تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

محمد صہیب اشفاق